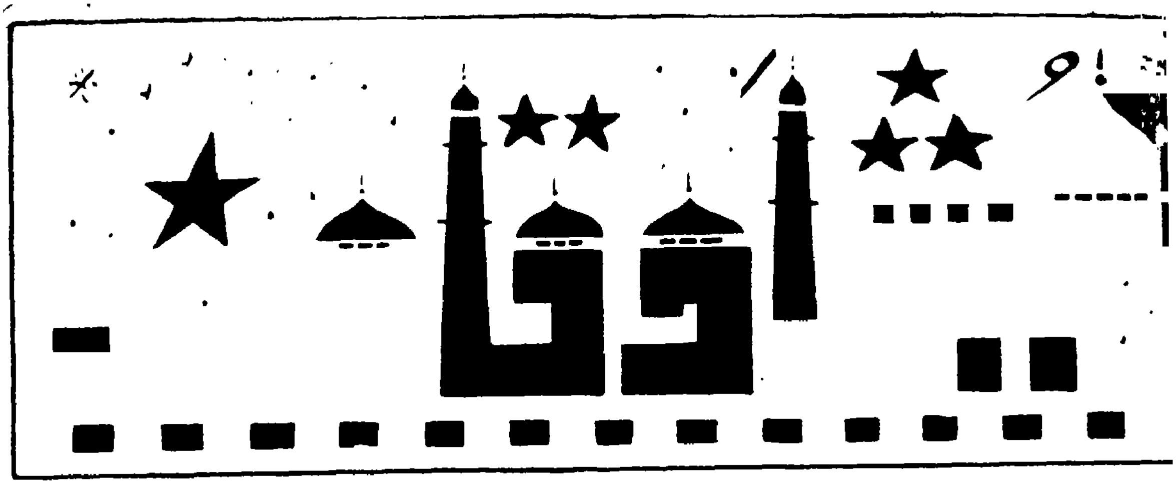


شعبۂ نشر و اشاعت یو، پی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ۔ لکھنؤ

SV02 R.N 26536/74

یوپی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ

کا

ترجمان

مشیر اوقاف لکھنؤ

(سہ ماہی)

شمارہ ۱	فروری، مارچ، اپریل ۱۹۷۶ء	جلد ۳

ایڈیٹر

سید آلِ حسن :- ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی

چندہ سالانہ اعزازی ـــــ ۱۵ روپئے

عام ـــــ ۱۰ روپئے

پتہ

۹۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ۔ لکھنؤ

عنوانات

٭

٭ اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپکی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا اگر ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ آئندہ رسالہ بذریعہ وی پی روانہ ہوگا۔ جس کی وصولیابی آپ کا اخلاقی ومنصبی فرض ہوگا۔

سید آلِ حسن ایڈیٹر۔ پرنٹر و پبلشر نے بجانب یوپی سنی سنٹرل وقف بورڈ نامی پریس خواجہ قطب الدین روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر ۹۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

شذرات

کچھ عرصہ سے ایک مقامی انگریزی روزنامہ میں اثبات ذات باری تعالیٰ پر مراسلات کا ایک سلسلہ شائع ہو رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس وقت پھر خالق دو جہاں کی تلاش کی ضرورت کیوں پیش آئی اور نامحدودیت طلبی کی رگ کیوں پھڑک اٹھی۔ کیا اس عجوزہ روزگار کی ہزار ہا ہزار سالہ مدت حیات میں یہ بحث ابھی تک تشنہ ہے کیا متقدمین نے ہر قوم اور ہر ملک میں اس کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ کیا ہم نے ان تمام مباحث سے کما حقہ واقفیت حاصل کرنے کے بعد اس مسئلہ میں الجھنے کا فیصلہ کیا ہے؟ کیا ہم جدید معلومات کی روشنی میں کوئی نیا انداز فکر اختیار کر سکتے ہیں؟ ان سب کا جواب نفی میں ہے۔ ان مراسلات کی بھی تان بالآخر قدیم روایات کے مطابق اس پر ٹوٹی ہے کہ بہر حال اگر خدا ہوا تو۔ یہ سپر اندازی اگر محض ایک قسم کا سمجھوتہ ہے تو خیر ورنہ اس قسم کی بات قائل کے یقین کی کمزوری کی نشان دہی کرتا ہے یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں دنیا کی ہر انسانی آبادی میں ایک برتر ہستی کا تصور ہمیشہ رہا ہے کہنے کو تو شاعری ہے مگر اکبر مرحوم کا یہ مشہور شعر تمام بحث کو ختم کر دیتا ہے فرماتے ہیں ؎

عقل میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا ۔۔۔ جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

اور سچ تو یہ ہے ؎

وہی پہنچا ہوا ہے جو مقر ہے نارسائی کا

ہر شخص جانتا ہے کہ انسانی حواس خمسہ کے افعال کی حدیں مقرر ہیں۔ آنکھ باوجود تمام آلات کے سائنس ایک حد سے پرے دیکھنے سے قاصر ہے۔ کانوں کا بھی عرصہ سماعت محدود ہے۔ پھر سائنسی ایجادات کے زعم میں عقل کے فعل کو لامحدود سمجھ لینا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔ انسان کا علم اس کائنات اور اس کی درمیانی حالتوں تک محدود ہے انسانی ذہن اپنے ہی جیسے ازمان تک پہنچ سکتا ہے۔ فلسفہ اور سائنسی تخلیق کائنات کی نہ تو ابتدا بتا سکتے ہیں اور نہ انتہا کی تفصیل ہی ان کے بس میں ہے ارتقا کا ڈاروانی افسانہ اور مادہ اور زمان و مکان کے نیوٹنی تصورات۔ بیسویں صدی کے سائنسی انکشافات کے سامنے فرسودہ اور غلط ثابت ہو چکے ہیں اب نہ تو نیوٹن کے قانون کشش میں کشش باقی ہے اور نہ کائنات میں ارتقائی تعین کے عقیدہ ہی کو صحیح سمجھا جا رہا ہے بائی زن برگ اور ڈیراک نے یہ بتایا ہے کہ مظاہر فطرت کی اصلی اور آخری ماہیت اور حقیقت کا علم سائنس کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔ سائنس کا کام صرف یہ ہے کہ اشیاء اور مظاہر میں باہمی ربط کا پتہ چلائے۔ اب

جبکہ مادیت اور دہریت کا طلسم ٹوٹ گیا تو پھر ایک ہمہ گیر آفاقی ذہن کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی اور راہ نہیں رہا۔

"سچ تو یہ ہے کہ روحانی کیفیات کے عرفان کا تعلق وجدان سے ہے مگر مادیت کے پرستار اور ہوا و ہوس کے شکار امتحان گاہ عالم میں اپنے وسائل تعیش کی فراوانی میں ایسے غرق ہو گئے ہیں کہ دنیا دوبارہ نیست کے تازیانہ کی چوٹ کو "تعیش کوش کے" لیپ سے مندمل کرنا چاہتے ہیں۔

ذرا سوچیے ہم کو جب اپنے جسم میں کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے تو ہم خود ہی کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے بلکہ کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور اس کی تشخیص پر ایمان لاکر اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری کج فہمی کی انتہا یہ ہے کہ ہم اپنے غیب کے لئے جوتشی کے پاس جاتے ہیں اور اپنے نوشتہ تقدیر کو اس سے پڑھواتے ہیں اور جو کچھ وہ بیان کرتا ہے اس پر کاربند ہو جاتے ہیں معاشی دشواریوں میں ماہر معاشیات سے اور قانونی مسائل میں قانون دانوں سے مشورہ کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں یہ کیوں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ ان مسائل کے ادراک کی ہم میں اہلیت نہیں ہے۔ پھر یہ کتنی بے عقلی کی بات ہے کہ ہم روحانی مسائل اور ما بعد الطبیعاتی معاملات پر باوجود روحانیت سے کورے ہونے کے خود ہی حکم بن جاتے ہیں۔

اس فضول بحث میں پڑنے کے بجائے صحیح راستہ تو یہ ہے کہ ہم ایک ایسی ذات کو تلاش کریں جس کے اقوال حکیمانہ تعلیمات عارفانہ اور بلند کردار پر کوئی غیر متعصب شخص کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں کر سکتا۔ اسکی صداقت کو خوب پرکھ لیں۔ اس کی زندگی کے ہر ہر لمحہ کے ہر ہر فعل پر ناقدانہ نظر ڈال لیں اور جب ہمارے قلب میں اس ذات کی عظمت و راستبازی جاگزیں ہو جائے تو جو کچھ وہ کہے ہم اسے بے چون و چرا تسلیم کر لیں اسی میں نجات ہے اور اسی میں روحانی سکون ہے۔ ایسی ذات بجز رسول مقبول محمد صلے اللہ علیہ وسلم روحی فداک اور کوئی بھی نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم نے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت کلام الہٰی ہونے کا دعویٰ کیا اور چیلنج کیا کہ تم اس کی جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ تو وہ عرب جن کو اپنی طلاقت بیان اور سخن سنجی پر بڑا گھمنڈ تھا عاجز ہو کر رہ گئے۔ اس طرح کلام الہٰی نے جب اپنا مرتبہ تسلیم کرا لیا تو پھر اثبات ذات باری تعالےٰ سے انکار کی گنجائش نہ رہی سنیے قرآن حکیم اپنے مخصوص نفسیاتی انداز میں فرماتا ہے۔

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ج ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون ہو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ ثم استوی الی السماء فسوّٰھن سبع سموات ط وھو علیٰ کل شئ علیم (خدا سے تم کیونکر منکر ہو سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے جان بخشی وہی مارتا ہے اور وہی پھر زندہ کرے گا اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے وہ سب کچھ جو زمین میں موجود ہے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا اور پھر توجہ کی آسمان کی طرف اور سات آسمان درست کئے اور وہ ہر شے سے باخبر ہے) رسول کو برحق مان چکے۔ قرآن پاک نے کلام الہٰی ہونا تسلیم کرا لیا۔ تو جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور وجود باری تعالےٰ کے لئے کسی مزید

بحث کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح کلام پاک خداوند کریم کے بے پایاں احسانات کو بار بار یاد دلا کر جذبہ تشکر پیدا کرتا ہے اور خالق دوعالم محسن حقیقی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ نفسیاتی طور سے سرشار ہو کر انسان جس یقین کی منزل پر پہنچتا ہے وہی پائیدار اور راسخ ہوتا ہے اس یقین کو پھر کوئی بحث زائل نہیں کر سکتی عقلی باتوں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جن واقعات کو دنیا کبھی صحیح سمجھتی ہے کچھ عرصہ بعد جدید انکشافات اور مزید استدلالات انہیں غلط ثابت کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس مظاہر قدرت اور قادر مطلق کے ان گنت احسانات سے متاثر ہو کر جو جذبہ تسلیم دل میں پیدا ہوتا ہے اس میں کبھی زوال نہیں آسکتا اور اس یقین کو غلط ثابت ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

"ترجمان" پندرہ روزہ دہلی کے سرورق پر "ختم بخاری کا دینی جشن" کے جلی عنوان سے کسی دینی ماہنامہ کا جس کا نام نہیں دیا ہے ایک اقتباس شائع ہوا ہے لکھتے ہیں

"ایک بہت بڑا دینی وعلمی المیہ یہ ہے کہ ہر چھوٹے بڑے مدرسہ میں دورہ حدیث کی ہوا چل پڑی ہے اور چند طلبا کو اکٹھا کر کے حدیث کا دورہ پڑھایا جاتا ہے۔ مدرسوں میں ختم بخاری کے جشن کی بات عام ہو رہی ہے اور تعجب یہ ہے کہ جس طبقہ کے علما اپنے کو بدعات وخرافات کے خلاف جنگ کرنے والے ثابت کرتے ہیں وہی اس بدعت میں پیش پیش ہیں۔ ختم بخاری کے نام سے چندہ بھی کیا جاتا ہے۔ مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں، بوتلوں میں پانی دم کیا جاتا ہے ایسے مدارس اور ایسے علما سے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ مدرسوں میں اس بدعت کے جواز کے لئے ان کے پاس کیا دلائل ہیں اور کتاب اللہ کے مقابلہ میں صحیح بخاری کے ختم پر یہ جشن واہتمام کیا مزاج پیدا کرتا ہے۔"

یقیناً اس گروہ میں وہ علما ضرور ہوں گے جو میلاد النبی پر ہزار اعتراضات کرتے ہیں انہیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ان کا یہ فعل کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے مسلمہ طور پر اس سے کمتر شے کا جشن منانا انہیں کدھر لے جائیگا جبکہ وہ جشن جو ایسی ذات سے متعلق ہے جس کے بعد از خدا بزرگ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ان کی آنکھوں میں خار بن کر چبھتا ہے۔ اس طبقہ کا بھی عجیب حال ہے یہ زعما ان اوصاف کا جن کا تعلق روحانی دنیا سے ہے اس کو رسول مقبول سے کسی طور پر منسوب کرنے پر معترض ہوتے ہیں مگر انہیں اوصاف کو اپنے بزرگوں اور مرشدوں سے وابستہ کرنے میں فخر کی بات سمجھتے ہیں۔

آپ کے اس مجلہ نے تمام دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی زندگی کے دو سال کامیابی کے ساتھ ختم کر لئے۔ آپ اگر اس کے مختصر ماضی کی کارگذاری کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ کسی بھی گذشتہ شمارہ میں کوئی غیر معیاری مضمون شامل اشاعت نہیں ہوا وقف بورڈ کی ہیئت ترکیبی سے لے کر اوقاف کے حالات متعلقہ قوانین پر سیر حاصل تبصرے دینی واصلاحی معلوماتی مضامین۔ روح پرور نعتیں ونظمیں، بلند پایہ ادبی مضامین نے اس رسالہ کو زینت بخشی ہے اس کو عوام میں مقبولیت اور اصحاب علم کا اعتراف کارگذاری بھی حاصل ہوا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اہل قلم حضرات سے جیسی امید تھی کہ وہ قلمی معاونت سے اس رسالہ کے معیار کو قائم رکھنے میں مدد دے کر عند اللہ ماجور ہوں گے اور خدمت دین کا ثواب حاصل کریں گے۔ اس میں یک گونہ مایوسی ہوئی ہے۔ ہم نے ایسی ہی ایک اپیل ملک کے تمام وقف بورڈوں کے ناظموں سے بھی کی تھی مگر ہماری آواز صدا بہ صحرا

بت ہوئی۔ ہم نے یہ سوچا تھا کہ اس بہانے ملک کے وقف بورڈس کے درمیان ایک مستقل رابطہ کی صورت ی پیدا ہو جائے گی جو آگے چل کر تقویت کا باعث ہو سکے گی ہم بہر وقف بورڈس سے خصوصاً اور تمام صاحبان لم سے عموماً درخواست کرتے ہیں کہ اپنے معلوماتی مضامین اور زریں مشوروں سے ادارہ کو شکرگذاری کا موقع ایت فرمائیں۔

اس شمارہ میں حسب معمول مختلف موضوعات پر بلند پایہ مقالوں کے علاوہ "اسوہ رسول اور ہم" کے وان سے ہم ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں جو انشاء اللہ بالاقساط شائع ہوتا رہے گا۔ مضمون نگار کی خواہش ور ناظرین کی دلچسپی کے خیال سے اسے کتابی اوراق کی شکل میں شامل اشاعت کر رہے ہیں تاکہ خریداران سالہ ان اقساط کو یکجا کر کے بالآخر ایک مفید بصیرت افروز اور سبق آموز صحیفہ کی شکل میں مدون کر لیں۔

ہم کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وقف کی کہانیوں میں اصحاب نظر دلچسپی لے رہے ہیں یہ کہانیاں اگر واقف عوام کو صحیح حالت کے سمجھنے اور ان کے غلط خیالات کو صحیح سمت میں موڑنے میں کچھ مدد ادا یکیں تو داستان گو اسے اوقاف کی بہت بڑی خدمت سمجھے گا۔ ان کہانیوں سے آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام کا اوقاف کے ساتھ کیا رویہ ہے اور یہ کہ کسی نگراں ادارہ کو ان حالات کا مقابلہ کر کے صحیح راستہ پہ ن کو لانے میں کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس ماہ مارچ کی ۱۲ر تا ۱۶ر تاریخ میں ہمارے صوبہ کے ایک بہت بڑے آستانہ حضرت علاء الدین ، احمد صابر کلیری کا ۷۰۶ واں عرس بڑے سکون اور ادب سے منایا گیا۔ یہ درگاہ بہت سے افعال نیعہ کا نشانہ بنی ہوئی تھی یہ پہلا موقع ہے کہ اس کا انتظام براہ راست بورڈ کے اختیار میں آیا ہے اور اسکے نظام میں ہمارے نفاست پسند سکریٹری نے جو اہتمام اور تندہی دکھائی ہے۔ اس کے لئے میں صرف یہی ں گا کہ جن لوگوں کو اس بار شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کی شہادت ہی کافی ہے شنیدہ کے د مانند دیدہ۔

زائرین کی سخت پریشانی کے پیش نظر سکریٹری بورڈ نے درگاہ پر ایک خانقاہ کی تعمیر کی تجویز کی ہے اوندکریم ان کے ارادہ و خواہش کو اپنی توفیق سے نوازے۔

——— مدیر ———

از حضرت حافظ محمد عبدالرؤف امروہوی

خسروِ خوبانِ کائنات

وہ جانِ کائنات وہ جانانِ کائنات
وہ دینِ کائنات وہ ایمانِ کائنات

بیماران کے نبض شناسانِ کائنات
اُن کے غلام خاصۂ خاصانِ کائنات

اُن کا خیال راہِ حقیقت کا رہنما
اُن کا جمال شمعِ شبستانِ کائنات

جو شے بھی کائنات میں ہے ان کے دم سے ہے
ہے ان کی ذات باعثِ امکانِ کائنات

صورت کی ہے مثال نہ سیرت کا ہے جواب
بے مثل و بے نظیر ہیں وہ جانِ کائنات

دیکھا جو حق نے خلق کا حالِ تباہ و زار
بھیجا بنا کے آپ کو درمانِ کائنات

لائیں وہ رخ وہ قد وہ کمر وہ قدوم ناز
آئیں مقابلہ میں حسینانِ کائنات

تم پر سلام شاہِ رسالت کے یارِ غار
تم پر درود اے شہِ مردانِ کائنات

ہر گام پر کلامِ الٰہی سے لو سبق
روشن ہے ایک مشعلِ عرفانِ کائنات

حیرت سے اُن کو دیکھ کے پوچھیں گے اہلِ حشر
یہ ہیں بلال یا یہ کنعانِ کائنات

وہ فخرِ کائنات تھے کیوں بوریا نشیں
کچھ سوچتے یہ تخت نشینانِ کائنات

شاہا خبر اب امتِ عاصی کی لیجئے
بل کھا رہی ہے زلفِ پریشانِ کائنات

ہم کو تو اُن کی زلف کا سودا ہے اس لئے
وہ ہیں وہ وقت خسروِ خوبانِ کائنات

مولانا عبد الباری ندوی مرحوم

تنزیل من رب العالمین

"وحی قرآن"

حق جلوہ گر ز طرز کلام محمد است　　　　آرے کلام حق بزبان محمد است

وحی و نبوت کے تجربات و مشاہدات کا اصل خود سرچشمہ براہ راست پوری کائنات آفاق و انفس اور خود انسان کی انسانی شعوری و غیر شعوری شخصیت سے فوق و ماورا خود پوری کائنات فطرت کا خالق صرف خدا ہے۔ جس نے پوری کائنات کے اندر خود انسان کو اپنے علم و ارادہ پر مبنی کسی معلوم مراد یا دیدہ و دانستہ غرض و غایت سے پیدا کیا ہے نیز وہی اس کے مقصد کا کما حقہ علم رکھ سکتا اور براہ راست اسی کا عطا کیا ہوا یہ علم قابل اعتماد و قبول ہو سکتا ہے۔ نہ کہ خود انسان کے ناقص و محدود علم و عقل کی قیاس آرائیوں پر مبنی۔ خواہ وہ فلسفہ و سائنس کے اونچے اونچے نام والے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ عالم شہادت سے ماورا عالم غیب بلکہ غیب الغیوب کے معاملہ میں فلسفہ و سائنس یا تو ارتیابیہ کے اس شک و ریب تک پہنچا کر رہتی ہے کہ شک میں بھی شک کرنا پڑتا ہے یا لا ادریہ کے اعتراف جہل تک۔ بلکہ جیسا کہ کسی اور بڑے بڑے سائنسداں ہی کی زبان سے سنتے آئے ہیں کہ ہر نیا علم و یافت مزید جہل و نا یافت سے دوچار کرتا ہے۔

برخلاف اس کے وحی کی حقیقت چونکہ کائنات اور اس میں انسان کے محل و مقام کے خود صاحب علم و ارادہ خالق کے عطا کئے ہوئے علم کی ہوتی ہے اور جس ذریعہ سے وہ عطا کرتا ہے اس کی حیثیت محض پیام رساں البتہ ایسے انسان کی ہوتی ہے جو دوسرے انسانوں کے حق میں اس پیام پر عملی تعلیم کا خود مجسم نمونہ ہوتا ہے جیسا کہ خاتم النبیین ہی کے متعلق حدیث ہے کہ کان خلقہ القرآن بلکہ خود قرآن میں

بھی یہی ہے کہ آپ کی ذات اقدس قرآن یا تعلیم قرآن کا مجسم نمونہ تھی۔ انسان کے لئے انسان ہی نمونہ یا اسوہ ہو سکتا ہے۔ اسی پیامبر کا کچھ اصطلاحی فرق سے نام رسول یا نبی ہوتا ہے۔ رسول کے لغظی معنی ہی پیام رساں کے ہیں اور نبی کے لفظی معنی کسی اہم و عظیم خبر سے خبردار کرنے والے کے۔ یعنی اس پیام یا خبر یا اطلاع و آگاہی میں خود انسان کی اس عام انسانی یا خطا پذیر بشری شخصیت و ذات کو دور دور قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا جو رسول و نبی ہی کی طرح دوسرے انسانوں میں کم و بیش پائی جاتی ہے۔ بس وحی و نبوت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے سب سے بنیادی بات یہی ہے اسی لئے نبوت و رسالت کوئی ایسا کمال نہیں ہوتا جس کو کوئی بڑا سے بڑا انسانی علم و عقل رکھنے والا بھی دوسرے خالص انسانی کمالات کی طرح اپنی کسی خاص

بڑی سے بڑی صلاحیت یا جدوجہد سے حاصل کر سکے بلکہ خود خدا ہی اپنے خاص خدائی علم و حکمت کی بنا پر اس منصب کے لئے کسی ذات و شخصیت کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ وحی الفاظ و معانی ہر جہت سے کسی درجہ میں بھی کسبی ہونے کے بجائے تمام تر عطائی یا خدا کی عطا فرمودہ ہوتی ہے۔ اسی لئے رسالت یا نبوت کو اصطفائی و اجتبائی یا انتخابی کہا جاتا ہے۔ اور اس خدائی عطا و انتخاب یا مہبط وحی و نبوت والی شخصیت کو مصطفےٰ و مجتبےٰ کے خاص وصف سے موصوف کیا جاتا ہے۔ خود حضرت آدم ہی سے نبوت کی اس اصطفائی خصوصیت کا بعض دوسرے انبیا کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحا و آل عمران علی العالمین (آل عمران ع ۴) لازماً انسان کے لئے براہ راست خدائی پیغام و کلام ہدایت خالص بشری ہدایت کے خلاف شک و شبہ کے ہر شائبہ سے پاک ہونی چاہیے ذالک الکتاب لا ریب فیہ

آئیے اب وحی کے ان حقائق و خصائص کو اس واحد مستقل کتاب ہدایت کی زبان سے سن لیں جو تاریخی استناد کے ساتھ جوں کی توں آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جس کے تاریخاً مستند ہونے کی شہادت کسی غیر مسلم منزا محقق تک نے کچھ اس طرح دی ہے کہ قرآن مجید کا خدا کی کتاب ہونا تو مسلمان کے ایمان و اعتقاد کا معاملہ ہے لیکن تاریخی طور پر یہ وہی کتاب ہے جو محمد نے اپنے ماننے والوں کو دی تھی۔ باقی خود خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری جس طرح اپنے اوپر لی ہے وہ تو اس مشہور آیت میں مذکور ہو چکا ہے کہ نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ۰

پھر اس خدائی حفاظت کا یہ عجیب کرشمہ اور اتمام حجت ہے کہ اس کتاب اللہ کا ابتدا سے انتہا تک لفظاً لفظاً کیا حرفاً حرفاً از بر کرنا گو نماز و روزہ وغیرہ کی طرح فرض و واجب نہیں قرار دیا گیا پھر بھی ہم مسلمانوں میں ہر طرح کی بد اعمالیوں کے باوجود اس پوری ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں اور سیکڑوں صفحوں والی کتاب کے حافظ آج بھی سیکڑوں، ہزاروں نہیں لاکھوں لاکھ کی تعداد میں موجود ہونگے اور آج کی ہماری دینی و اسلامی گئی گزری زندگی کی حالت میں شاید ہی کوئی معتد بہ آبادی والی مسلمان بستی ملتی ہو جس میں سالانہ رمضان مبارک کے مہینہ میں (جو نزول قرآن ہی کا مہینہ ہے) کم از کم ایک ختم پورے قرآن کا زبانی ہی کسی نہ کسی مسجد بلکہ کئی کئی مسجدوں میں تراویح کی صورت میں نہ کیا کرایا جاتا ہو۔ ساتھ ہی بالعموم دوسرا سننے والا حافظ بھی شریک رہتا ہے جو پڑھنے والے سے اگر ایک لفظ کیا ایک حرف کا بھی سہو یا بھول ہو جائے تو اس کو لقمہ دیتا یا ٹوکتا ہے۔ جس کو وہ دہرا کر پھر پڑھتا ہے ورنہ کم از کم پڑھنے والا اپنے قریب قرآن مجید کا نسخہ رکھتا ہے اور اگر کہیں اسکو شبہ ہوتا ہے تو سلام پھیرنے کے بعد دیکھ کر درست کر لیتا ہے۔ اور بعد کی رکعت میں صحت کے ساتھ دہراتا ہے۔

خود قرآن کی اس تعلیم و تصریح کے ساتھ کہ دنیا کے تمام حصوں میں انبیا آئے یا ان کی دعوت پہنچائی جاتی رہی پھر قرآن ہی کے اس دعوے کے مطابق کہ اب نبوت کا یہ سلسلہ خاتم النبیین (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر ختم کیا جاتا ہے۔ آج خود قرآن میں صراحتاً مذکور و منصوص رسولوں نبیوں میں سے کسی کی کتاب کی محافظت کا نہ خدائی ذمہ داری کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یہ وعدہ ہے نہ اس طرح کے اہتمام کے ساتھ پورا کیا جا رہا ہے۔ باقی ہٹ دھرمی کا علاج کس کے پاس!

جیسا کہ شاید اوپر پہلے بھی کہیں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قرآنی وحی کے لئے بالکلیہ وحی کے بجائے نہیں تو بھی گویا تمام تر نزول و تنزیل کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے، جیسے بارش کا پانی زمین کے باہر کہیں اوپر سے اترتا یا آتا ہے خود

زمین سے کنویں یا ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعہ نہیں نکالا جاتا۔ اسی طرح یہ تنزیلی وحی بھی کسی اعتبار سے خود انسانی ذہن و شخصیت کی کسی غیر معمولی سے غیر معمولی کھود کرید یا تحقیق دریافت (ڈسکوری)، کا نتیجہ نہیں۔ سب سے بڑی سب سے پہلی سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع میں " وانزل من السماء ماء " کے دو آیت بعد ہی معاً چیلنج ہے کہ " ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ " دوسری جگہ اس حقیقت کو مزید دو ٹوک واضح فرما دیا گیا ہے کہ اس کتاب میں خود محمد کی شعوری یا غیر شعوری انسانی شخصیت (Human Personality) کو ذرہ بھر کوئی دخل نہیں۔ بلکہ جو زمین و آسمان کی ساری مخلوقات کا خالق ہے اسی نے اس کتاب کو بھی اتارا ہے تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلیٰ (رکوع ۱ پ ۱۶)

اور بھی پورے قرآن میں جس طرح بڑی چھوٹی سورتوں میں قرآن کی اس حقیقت یعنی اس کے بالذات خود خدا ہی کے نازل کئے ہوئے کلام ہونے کو بار بار دہرایا گیا ہے اس کو کچھ نہ کچھ آپ بھی دہراتے چلیں۔ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد تمام تر اس کی کتاب ہدایت کے بلا کسی ادنیٰ شرکت غیرے کلام اللہ یا اللہ ہی اللہ کا کلام و کتاب ہونے پر ہے خصوصاً بڑی بڑی بہت سی سورتوں کا تو آغاز ہی اسی حقیقت کے اعلان پر اعلان سے ہوا ہے۔

بقرہ کے بعد ہی آل عمران میں ہے کہ وہ حی و قیوم ذات جس کے سوا کوئی الٰہ و معبود یا خدا نہیں۔ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔ اسی نے اے محمد تمہارے اوپر یہ کتاب سراپا صداقت اتاری ہے (نزل علیك الكتاب بالحق پھر تیسری بڑی سورہ نسا کے رکوع گیارہ میں اعلان ہے کہ کیا قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے لئے اتنی موٹی بات بھی سمجھ لینا کافی نہیں اگر وہ کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلافات ملتے۔ افلا یتدبرون القرآن لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً مراد محکمات میں اختلافات سے ہے ورنہ ماورائی حقائق یا مغیبات کو تو خود متشابہات بتا کر ان میں پڑنے ہی کو ناپسندیدہ ٹھہرا دیا ہے کہ ان کا انکشاف عالم ناسوت کی محدودیتوں میں رہ کر عقلاً بھی محال ہی ہے اس لئے کہ انسان اپنی محدود اور ناقص عقل و علم کی بدولت گویا سراپا خطا و نسیان ہی کا پتلا ہے مرکب من الخطاء والنسیان۔ حتیٰ کہ باطل و خطا کے ہر شائبہ سے پاک حق ہی حق قرآن میں ہم انسانوں کو اگر کوئی اختلاف نظر آتا ہے تو وہ بھی ہمارے ہی علم و فہم کی خطا و نقص کا نتیجہ ہوتا ہے۔

آگے سورہ مائدہ کے تیسرے رکوع میں اسی کتاب ہدایت کو ایک روشن و واضح صاف صاف کتاب خود اللہ تعالےٰ ہی کی بھیجی ہوئی قرار دیا گیا ہے قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔ البتہ خدا کی کتاب سے ظاہر ہے ہدایت یاب صرف وہی ہوگا جو خدا کی راہ و رضا کا تابع و طالب ہو کر وہی واحد سلامتی کی ایسی راہیں ہر معاملہ میں انسان کو کھول سکتا ہے جو اس کو غیر الٰہی یا خطا و نسیان سے مرکب انسان کے علم کی تاریکیوں، خصوصاً آج کل کی ظلمات بعضہا فوق بعض " کی ایک سے ایک بڑھ کر تاریکیوں میں خدائی روشنی یا اس روشنی کی سب سے مستند ہدایت نامہ کی فکر و جستجو ہو، اسے نکال کر روشنی میں لاتا اور راہ راست دکھلاتا ہے۔ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور ویھدیھم الی صراط مستقیم[1]۔

عام انسانوں کا ذکر کیا سراپا صدق و صلاح خود حضرات

---

[1] باقی شرائط ہدایت اور اسباب ضلالت پر مفصل مستقل گفتگو آگے آئے گی۔

انبیاء تک کو خدائی وحی و ہدایت کے بغیر غیب کا علم نہیں
ہو سکتا۔ اور عام انبیاء کیا خود نبی الانبیاء کی زبان سے
اعلان کرایا جارہا ہے کہ کہہ دو کہ نہ میں اس کا مدعی ہوں کہ
میرے پاس خدا کے خزانے ہیں نہ میں بذات خود غیب
کا کوئی علم رکھتا ہوں۔ نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا
ہوں۔ میں تو بس جو کچھ خود خدا کی طرف سے بذریعہ وحی
حکم ملتا ہے بس اس کی پیروی کرتا ہوں۔ اب ذرا سوچو کہ
جس کو خود خدا کا عطا فرمودہ علم الغیوب حاصل ہو اسکے
برابر وہ کسی طرح بھی ہو سکتا ہے جو خدائی بصیرت و ہدایت
سے اندھا ہو! یہ سورہ انعام کے چوتھے رکوع کی آخری
آیت ہے۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ
ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک۔ ان
اتبع الا ما یوحیٰ الی، قل ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر۔
افلا تتفکرون ۰

اسی سورہ (انعام) کے دسویں رکوع میں حضرت
ابراہیمؑ، اسحقؑ، یعقوبؑ، نوحؑ، داؤدؑ سلیمانؑ، ایوبؑ
یوسفؑ، موسیٰؑ و ہارونؑ، ذکریاؑ و یحییٰؑ، الیاسؑ و اسمٰعیل
و الیسع و یونسؑ علیہم السلام کا نام بنام ذکر فرما کر یہ بھی واضح
فرما دیا کہ ان سارے انبیاء کی نبوت اکتسابی نہیں بلکہ
اجتبائی ہے یعنی خود خدا ہی نے اپنے غیبی علم و حکمت کی
بنا پر ان کو وحی و نبوت کا حامل بنا کر خود ان کی اور
ان کے ہی واسطہ سے دوسرے انسانوں کو اپنی راہ دکھائی
یا اس کی ہدایت فرمائی۔ واجتبینا ھم و ھدینا ھم
الیٰ صراط مستقیم۔ آگے مزید تاکید اجتبائیت کے لئے
اسی کو خاص اپنی مشیت سے وابستہ فرما دیا کہ منصب ہدایت
کی ذمہ داری خود اللہ تعالےٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کو
چاہتا ہے سپرد فرماتا ہے ذلک ھدی اللہ یھدی بہ
من یشاء من عبادہ
بہت سی بڑی سورتوں کے اوائل ہی میں اسی
کتاب کے نزولی امتیاز کو واضح کردیا گیا ہے کہ اس میں خود
محمد کی انسانی یا بشری شخصیت و حیثیت کا کوئی دخل نہیں
بلکہ کہیں باہر یا اوپر سے اس کا نزول ہوا ہے۔ انعام کے
بعد ہی سورہ اعراف میں ہے کہ یہ کتاب تمہارے اوپر کہیں
اور سے اتاری گئی ہے "کتاب انزل الیک" (تمہارے
دل کی من گھڑت نہیں) تو پھر تمہارے اندر اس کے معاملہ
میں کوئی تنگی و پریشانی پیدا ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔
تمہارا کام تو اس کے ذریعہ لوگوں کو (خدا و آخرت سے)
ڈرانا ہے۔ اور ایمان لانے والوں کے حق میں ان کی اپنی
عین انسانیت کی تکمیل کی ناصحانہ یاددہانی ہے۔ فلا یکن
فی صدرک حرج لتنذر بہ و ذکریٰ للمومنین۔
ساتھ ساتھ اور صاف کر دیا کہ یہ تمہارے رب یعنی تمہاری
عین انسانیت کی ربوبیت یا تربیت و تکمیل کرنے والے
کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ آگے اسی سورہ کے چوتھے
رکوع میں ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ
باندھے کہ جو کتاب اس کی طرف سے نہیں اتاری گئی اسکا
افتراپردازی خدائی کتاب یا کلام کہہ دے۔ ومن اظلم
ممن افتریٰ علی اللہ کذبا۔ حتیٰ کہ جب ایسی کتاب
کے احکام و آیات کو جھٹلانے والے جو خود ان کی ربوبیت
تکمیل کے لئے ان کے رب ہی کی طرف سے نازل ہوئی جہنم
میں گروہ در گروہ داخل ہوں گے تو ہر گروہ دوسرے پر
لعنت کرے گا کہ اے ہمارے رب ہم کو تو ہمارے ان
ساتھیوں نے گمراہ کیا۔ کلما دخلت امۃ لعنت
اختھا۔ ربنا ھؤلاء اضلونا۔
پھر قرآن کی اس نزولی حقیقت کو سورۂ یونس میں وحی
سے تعبیر فرما کر منسوب بہر حال براہ راست خود اپنی ہی ذات
کی طرف فرمایا ہے کہ آخر اس میں تعجب و حیرت کی بات
ہے کہ ہم نے ایک شخص پر منکروں کو ڈرانے اور مومنوں
خوشخبری سنانے کے لئے وحی فرمائی۔ اکان للناس عجبا

ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس وبشر الذین اٰمنوا۔ ایک آیت بعد ہی اسی انذار وتبشیر کی بنیاد خود انسان کی انسانیت کی تکمیل وتربیت کرنے والے رب کی طرف سے اس طرح توجہ دلائی ہے کہ جو ذات آسمانوں اور زمین سب ہی کو پیدا کر کے ان کی اپنی اپنی خلقت کے موافق ربوبیت تمہاری آنکھوں کے سامنے دن رات کر رہی ہے تو آخر اس کے سوا تمہارے یا تمہاری انسانی خلقت کو اس کے کمال تک پہنچانے یا ربوبیت کرنے والا کوئی دوسرا اور رب بھی کون ہو سکے گا۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض۔ آگے ہی سورہ ہود کی ابتدا میں بھی اس کتاب (قرآن) کی ایسی حقانیت کا اعلان ہے کہ اس کی آیات یا احکام تمام تر اٹل یا محکم ہی محکم ہونے کے ساتھ ساتھ ہی بالکل مفصل یا صاف صاف طور پر ایسی ذات کی طرف سے بیان کر دیئے گئے ہیں جو ہر طرح تمام وکمال حکمت والی اور ہر ہر شے کی پوری پوری خبر رکھنے والی ہے۔ کتاب احکمت اٰیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ جو کسی غیر خدا کی شان نہیں ہو سکتی اسی طرح آگے سورۂ یوسف کے بھی آغاز ہی میں اس کتاب کی تمام آیات واحکام کو پوری طرح واضح اور ساتھ ہی خدا نے واس کتاب کے اولیں مخاطب ملک وقوم کی زبان) عربی میں اس لئے نازل کیا ہے کہ خود اچھی طرح سمجھ بوجھ کر دوسروں تک پہنچا سکیں۔ تلک اٰیات الکتاب المبین انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون۔ مزید برآں اگر قرآن عربی کے علاوہ کسی عجمی زبان میں نازل ہوتا۔ "ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا" تو یہ بالکل واجبی سوال ہوتا کہ خوب! نبی تو عربی اور اس کی کتاب قرآن عجمی ءاعجمی وعربی (حم سجدہ ع ۵) یونس کے بعد سورۂ رعد کی بھی ابتداء میں کتاب قرآن کی اسی نزولی نوعیت پر زور دیکر بتایا کہ یہ خود (اے محمد) تمہارے رب ہی کی طرف سے

اتاری گئی ہے۔ اس لئے یہ ہر طرح حق ہی حق یا سچ ہی سچ ہے تلک اٰیات والذی انزل الیک من ربک الحق۔ علی ہذا رعد کے بعد سورۂ ابراہیم میں بھی قرآن نام کتاب کی نزولی خصوصیت ہی پہ زور دے کر ارشاد ہے کہ یہ کتاب (محمد) تم پر اس لئے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کو خود ان کے پروردگار (رب) کے حکم ہی سے ان کی انسانیت کی تربیت وتکمیل کے لئے (خود انسان کے ناقص علم وعقل کی پھیلائی ہوئی) تاریکیوں سے نکال کر ایسی ذات کی دکھائی ہوئی صاف سیدھی روشن شاہراہ کی طرف نکال کر لاؤ جو ہر لحاظ سے غالب اور ستودہ صفات ذات ہے۔ کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید

پھر سورہ کہف کا آغاز بھی قرآن کی اسی نزولی خصوصیت کے اظہار سے اس طرح ہوتا ہے کہ ہر طرح لائق حمد وستایش ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ (محمد) پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں کسی طرح کی کوئی بھی دخامی ذرہ برابر نہیں (بالکل ایسی) سیدھی صاف باتیں ہیں (جو ہر سلیم الفطرت آدمی کو قبول ہی کرنا چاہئیں۔ الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتب ولم یجعل لہ عوجا۔ آگے دو سورتوں کے بعد سورہ طٰہٰ میں بھی سب سے پہلے لفظ قرآن کی صراحت کے ساتھ ہے کہ (اے محمد) ہم نے تم پر یہ قرآن خواہ مخواہ تم کو کسی مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں اتارا بلکہ اس کا مقصد تو تمام تر ایسے لوگوں کو (ان کی انسانی خلقت کی تکمیل کے لئے) یاددہانی ونصیحت ہے جو اس کی فکر وطلب کی بنا پر) ڈر ڈر کر دنیا کی زندگی کا ہر ہر قدم اٹھانا چاہتے ہوں۔ الا تذکرۃ لمن یخشی۔ نیز یہ ایسی ذات کی طرف سے اترا ہے جس نے زمین سے لے کر آسمانوں تک

سب کو (ہر شے کو) پیدا فرمایا اور جس کی ہر ہر مخلوق سے اس کی (رب العالمین) شان ربوبیت و مقصدیت نمایاں ہے پھر انسان جیسی (احسن تقویم والی اشرف المخلوقات) بے مقصد و بے معنی کیسے تصور کی جاسکتی ہے ما انزلنا علیك القرآن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشی تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی
آگے پھر ایک سورہ بعد ہی سورہ حج میں خود انسان کو اپنے اس رب ہی سے ہر کام میں ڈرتے رہنے کا حکم ہے جس کی شان ربوبیت کی شہادت زمین سے لے کر آسمانوں تک کی ہر مخلوق ہر آن دیتی رہتی ہے۔ لہذا تمہاری ربوبیت یا تربیت و تکمیل جس کے عام نام قیامت کے علاوہ اور بھی بہت سے ناموں میں سے ایک الساعۃ یعنی وہ گھڑی یا سخت وقت جو ہماری پوری زندگی کے انتہائی نتیجہ کی گھڑی ہوگی اس لئے اس سے تو ہر آدمی خصوصاً خدا و آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو ہر آن لرزاں و ترساں ہی رہنا چاہئے۔ ان زلزلۃ الساعۃ لشیء عظیم
آگے سورہ نور میں خاص طور پر سورہ کے لفظ کی صراحت کے ساتھ کہ ہر سورت کی طرح یہ سورۃ بھی پورے قرآن ہی کی طرح براہ راست خود میری اتاری ہوئی ہے۔ سورۃ انزلناھا ...... باقی اس سورہ نور کے ساتھ اس صراحت میں جو گوناگوں حکمتیں عالم الغیب والشہادۃ نازل کرنے والے حکیم نے سورہ کی آیات و احکام میں جیسی حکمتیں دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے انسانی صلاح و فلاح کی مرعی رکھی ہیں ان کی تفصیل و تفسیر اگر یہ نہایت حقیر علم و قلم والا بھی کرنا چاہئے تو بجائے خود مستقل کتاب بن جائے۔ صرف ایک ہی بات کو لیں کہ عورتوں کی انسانی نہیں حیوانی آزادیوں کا جو فتنہ بے قید و بند آزادی و حریت کے نام سے کم و بیش تمام دنیا میں پھیلتا جا رہا ہے اور جسکے پھل جو روزانہ ہی اخبارات میں پڑھنا پڑتے ہیں ان کا کتنا سد باب اس سورہ میں ہوگیا ہے سورہ نور کے بعد ہی سورہ فرقان میں بھی "فرقان" کے عنوان سے (جس کے معنی حق و باطل، خیر و شر میں فرق کرنے والے کے ہیں) بھی قرآنی وحی کی تنزیلی یا فوق البشری خاص نوعیت ہی کا ان الفاظ میں اعادہ ہے کہ تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ اسی منزل من اللہ کتاب (قرآن) کی آیات و احکام کے متعلق اگلی سورہ شعراء میں بھی دوٹوک ان کے صاف صاف طور پر کتاب اللہ ہونے کا اعلان "الکتاب" سے فرمایا گیا ہے۔ تلك آیات المبین۔ شعراء کے بعد نمل میں بھی تلك آیات القرآن و کتاب مبین ہونے کے ساتھ ہی اس کو خدائی کتاب ماننے والوں کے لئے لازماً حقیقی معنی میں ناقابل شک طور پر حق و باطل کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی (الفرقان) کتاب ہدایت کے مطابق زندگی گذارنے والوں کے لئے ایسی کتاب سے بڑھ کر سراپا خوشخبری ہی خوشخبری کوئی دوسری کتاب کون ہوگی۔ ھدی وبشری للمومنین اسی طرح آگے سورہ قصص کا آغاز بھی تلك آیات الکتاب المبین ہی کے اعادہ سے ہے۔ جو ظاہر ہے صرف خدائی کتاب کی نسبت دعوی کیا جاسکتا ہے نہ کہ خطاء و نسیان سے غیر محفوظ کسی بڑے سے بڑے انسان کی کتاب کے بارے میں
پھر دو سورتیں چھوڑ کر سورہ لقمان میں بھی اسی طرح کا اعلان ہے کہ حکمت سی بھری ہوئی یہ خدائی کتاب ہدایت اپنی ہدایات پر عمل کرنے والے نیک کاروں کے حق میں سراسر رحمت ہی ثابت ہوگی۔ تلك آیات الکتاب الحکیم ھدی ورحمۃ للمومنین آگے الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم بالاخرۃ یوقنون " کے بعد نیک کاروں اور ان کی شناخت بتا کر ارشاد ہے کہ بس ایسے ہی لوگوں کو اپنے رب دیا

ن کو انسانیت کے کمالات تک پہنچانے والی ذات)
ت سے راہ راست پر جانو اولئک علی ھدی
یوں کی کامیابی و کامرانی ظاہر ہے کہ بالکل قطعی و یقینی
اولئک ھم المفلحون ۔ سورہ لقمان کے بعد پھر
سجدہ میں بھی اسی کتاب (قرآن) کے خاص تنزیلی
ن کے ساتھ ساتھ اس کے براہ راست "رب العالمین"
ف سے نزول کی بنا پر لازماً ہر امکانی شک و شبہ سے
ہونے کے ساتھ ہی اس کے نزول کے مقصد ربوبیت
نسان کی تکمیل) کو بھی واضح فرما دیا گیا ہے ۔ تنزیل
ب لاریب فیہ من رب العالمین اس کے
اگر کوئی خود رسول کی زندگی یا سیرت و کردار کو سامنے
ر محض ہٹ دھرمی یا ضد و نفسانیت سے آلودگی کی
ت خدا کی کتاب ہونے کے بجائے اس کو خود رسول
ن گڑھت کہتا ہے تو پھر تنبیہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں
خود تمہارے رب (یا انسان کو انسان بنانے والی)
ربوبیت یا تربیت و تکمیل کی تعلیمات و ہدایت پر مبنی
سر حق ہی حق یا بالکل سچی کتاب ہے ۔ ام یقولون
تراہ بل ھو الحق من ربك ۔ مقصد محض ایسی
کو ڈرانا ہے جس کے پاس ادھر زمانہ قریب میں کوئی
نے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ (اپنی تربیت و تکمیل
) راہ راست کو پالیں ۔ اور اتمام حجت ہو کر گمراہی
ے لئے کوئی معقول حیلہ و بہانہ نہ رہ جائے ۔ بل
و الحق من ربك لتنذر قوما ما اتھم
ن نذیر من قبلك لعلھم یھتدون
آگے سورہ احزاب کے آغاز ہی میں نبی کی خاص
یرت و کردار پر خود نبی ہی کو مخاطب اور دوسروں کو
تنبیہ فرمایا گیا کہ تمہارا کام بہ حیثیت نبی اتنا ہی ہے
ہر قول و عمل تمہارا صرف خدا ہی کے خوف و تعلق پر
ف ہو ۔ باقی کافر و منافق جو بھی کہتے یا کرتے رہیں

اس کو نظر انداز فرما کر ان کے کہنے پر نہ چلیں کیونکہ خدا ہی
ہر بات کا کامل علم بھی رکھتا ہے اور لازماً اس کے ہر
فعل کی بنیاد کمال حکمت و علم ہی پر ہوتی ہے یا ایھا النبی
اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین ان
اللہ کان علیما حکیما ۔ بس آپ کا کام تو بحیثیت رسول
یا نبی اتنا ہی ہے کہ آپ پر نبوت و رسالت کی ذمہ داری
ڈال کر جو کچھ آپ کے خود رب ہی کی طرف سے وحی
کیا جاتا ہے اسی پر یکسوئی سے چلتے رہیں واتبع ما یوحی
الیك من ربك ۔ کیونکہ تم یا تمہارے مخالف جو کچھ
کرتے ہیں خدا سب سے پوری طرح خبردار ہے ۔ ان
اللہ کان بما تعملون خبیرا ہ اور اس کا تقاضا یہی
ہے کہ آپ کا اصل بھروسہ صرف خدا ہی کے علم و قدرت
پر رہے ۔ وہی ہر معاملہ میں آپ کے لئے ہر طرح کافی و
کارساز ہے وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا
دو سورتوں بعد سورہ یٰسین میں خود "قرآن حکیم"
ہی کی قسم کے ساتھ خود خدا ہی آپ کو اپنا رسول ہونے
کی بنا پر راہ راست پر ہونے کا یقین دلا کر والقرآن
الحکیم انك لمن المرسلین علی صراط مستقیم
پھر اس قرآن حکیم کے ہر طرح زبردست و توانا ساتھ ہی
مہربان و رحیم خدا کی طرف سے نازل ہونے ہی کا ایقان و
اطمینان دلایا جا رہا ہے ۔ تنزیل العزیز الرحیم
آگے ایک ہی سورت بعد سورہ صٓ کی ابتداء پھر قرآن ہی
اور اس کے تذکیر یا نصیحت ہونے کے ساتھ ۔
والقرآن ذی الذکر ۔ کے بعد منکرین قرآن کے
خود رسول کے من گھڑت ہونے کی تردید اس کے
خداوند کی طرف سے نازل ہونے میں انہوں کے شک
کا ذکر ہے جو درحقیقت ذکر یا خدا کی طرف سے خیر خواہانہ
یاد دہانی ہی میں سرے سے انکار و عناد میں گرفتار ہیں
ورنہ جو شخص بھی خدا پر بطور ایک صاحب علم و ارادہ

ذات کے ایمان و یقین رکھتا ہے اس کو تو آپ سے آپ اس پر ایمان لانا ہی چاہیے کہ علم و ارادہ والی ذات نے ہم انسانوں کو بلا کسی معلوم مقصد مراد کے کیسے پیدا کیا ہوگا۔ اور پھر اسی مراد و مدعا کے یقینی علم کی دوسری صورت اس کے سوا اطمینان و اعتماد کی ہو ہی کیا سکتی ہے کہ خود ہی صاحب علم و ارادہ ذات کسی معتبر و پسندیدہ ذریعہ سے اپنی معلوم مراد کی اطلاع دے جبکہ خود ہم انسانوں میں کوئی شخص اپنے ہی جیسے انسان کے دل کے مطلب و مقصد کو پورے یقین کے ساتھ خود اس کے بتلائے بغیر نہیں جان سکتا تو پوری کائنات کے خالق اور اسی میں خود انسان کے مقصود و مقام کو خود اپنے اس پیدا کرنے والے کے بتلائے بغیر کیسے اعتماد و قطعیت کے ساتھ جان پایا سکتا ہے۔ اگلی سورہ زمر کا بھی آغاز اسی کتاب (قرآن) کی تنزیلی معنویت سے ہے، کہ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم ۔ ساتھ ہی مزید تاکید اسی حقیقت و صداقت کی ہے کہ کسی اور نے نہیں خود ہم ہی نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لہذا پوری یکسوئی کے ساتھ خدا ہی کی عبادت اور اسی کے احکام دین کی اطاعت کرتے رہو فاعبد اللہ مخلصین لہ الدین۔ زمر کے بعد سورہ مومن کی ابتدا بھی کمال قدرت و علم والے اللہ ہی کی طرف سے الکتاب (قرآن) کے نزول کی ہے۔ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم

پھر اس کے بعد سورہ حم سجدہ سے لے کر مسلسل سات سورتوں تک قرآن تمام کتاب کی اسی خاص نوعیت و حیثیت پر اصرار چلا گیا ہے کہ وہ تمام تر معانی والفاظ ہر لحاظ سے بلا شرکت غیرے اللہ ہی اللہ کی کتاب و کلام ہے۔ نیز سورہ سجدہ کے آغاز تنزیل من الرحمن الرحیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ اس کتاب کے سارے احکام و آیات (خصوصاً ایمانی و عملی) سب صاف صاف بیان کر دیے گئے ہیں اور اسی ملک و قوم کی زبان عربی ہی میں جس پر اس کا براہ راست نزول ہو رہا ہے فصلت ایاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون اس کے آگے ہی سورہ حم سجدہ کی طرح اور بھی مسلسل چھ سورتوں کو حم سے شروع کیا گیا ہے اسی بنا پر ان سورتوں کا نام ہی حوامیم ہو گیا ہے۔ اگلی سورہ شوریٰ میں بھی جتلا دیا گیا کہ تمام موجودات سموات و ارض کے کمال قدرت و حکمت والے اللہ کی طرف سے وحی و نبوت کا التزام صرف محمد کے ساتھ مخصوص کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ ہمیشہ ہی سے زمین کے مختلف و مناسب خطوں میں اس کا ظہور ہوتا رہا ہے کذالک یوحی الیک والی الذین من قبلک اللہ العزیز الحکیم لہ ما فی السموات وما فی الارض لازماً ایسا خالق ان تمام موجودات ارضی و سماوی سے اپنی ذات میں ہر طرح اعلیٰ و اعظم ہے۔ اس کے آگے سورہ زخرف میں اسی کتاب (قرآن) کو واضح کتاب بنا کر اس کو عربی زبان اس لئے عطا فرمائی تاکہ اس کے اولین مخاطب عرب اس کو آسانی سے اچھی طرح سمجھ سکیں انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔ ورنہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے تو یہ بلند پایہ پر حکمت کتاب علم الٰہی یا لوح محفوظ میں ازل ہی سے محفوظ ہو چکی ہے وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم ۔ آگے سورہ دخان میں اسی کتاب کے حسب ضرورت ہر طرح واضح و صاف صاف ہونے کے ساتھ جس رات میں اس کا اول اول نزول ہوا وہ ظاہر ہے بڑی بابرکت والی رات قرار پائی (جس کو دوسری جگہ ہزار مہینوں سے بھی بڑھ کر قابل قدر "لیلۃ القدر" سے تعبیر فرمایا گیا

ہ والکتاب المبین انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ
لنا منذرین ۔ مقصد اس کے نزول کا ظاہر ہی ہے
رگوں کو ان کے انجام سے ڈرانا تھا کہ اس کے نیک و بد
ے غافل نہ رہیں، آگے اس بابرکت رات کی مزید
وصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ اس رات میں ہر حکمت و
میت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم کی صورت پاتا ہے
ما یفرق کل امر حکیم من عندنا ۔ اس کے معاً
د سورہ جاثیہ میں بھی حٰم ہی سے شروع ہو کر اسی قدرت
ست والے خدا کی طرف سے اس کے نازل ہونے کا
علان ہوتا ہے تنزیل الکتب من اللہ العزیز
لحکیم ۔ پھر آگے سورۂ احقاف میں بھی حٰم کے ساتھ ہی
آن کے بعینہٖ اسی تنزیلی خاص وصف کی تکرار ہے ۔
نزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم ۔ ورنہ
پھر تو ساری زمین سارے آسمان اور ان کی مخلوقات
بے حقیقت و بے معنی ہو کر رہ جاتیں اگر خود ان کے
خالق ہی کی طرف سے اس خلق و آفرینش کا مدعیٰ و مقصد
واضح نہ فرما دیا جاتا ۔ ما خلقنا السموات والارض
وما بینھما الا بالحق واجل مسمی ۔

یہ سب کی سب تو مکی سورتیں تھیں کہ عرب میں بھی
سب سے پہلے مکہ والوں ہی کو قرآن مجید کی اس خصوصی
معنویت سے آگاہ کرنا تھا کہ بالکلیہ معناً و لفظاً ہر طرح یہ
صرف اللہ ہی اللہ کی کتاب اور براہ راست اسی کی اتاری
ہوئی ہے ۔ اب آگے سورۂ محمد کے نام سے جو سورت ہے
اس میں بتلایا گیا کہ جب یہ کتاب ہدایت تمام تر اللہ ہی کی
نازل فرمودہ ہے تو جو لوگ بھی اس سے انکار
کریں گے ان کا انکار کچھ بھی موثر نہ ہو گا
ان کے انکار سے اس حقیقت پر حرف نہیں
آسکتا ۔ ان کو دنیا و آخرت دونوں جگہ ناکامی ہو گی
یا خدا کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے ان کے سارے
کارنامے خواہ کتنے ہی بڑے سے بڑے ہوں فی الواقع
زیاں کاریاں ہی زیاں کاریاں ہو کر رہیں گی الذین
کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم
باقی جنہوں نے اس کلام الٰہی کے موافق ایمان اور
عمل صالح کی زندگی اختیار کی یعنی جو کچھ محمد پر نازل
ہوا ہے اسی کو خود اپنے رب کی طرف (یعنی اپنی ہی
انسانیت کی تکمیل و تربیت کا ذریعہ جان کر) حق ہی
حق اور سچا ہی سچا جانا مانا ۔ جس میں خود محمد کی ذات
یا ان کے جلی و خفی شعور کو کوئی دخل نہیں اسی طرح
دونوں جگہ ہے کہ کیا عقل اتنی ماری گئی ہے کہ اللہ کے
معاملہ میں ہم کوئی بات خود اپنی طرف سے خلاف حق
کہہ دیں ۔ مالنا ان نقول علی اللہ غیر الحق ۔ تو
اللہ تعالیٰ ایسوں کی بشری لغزشوں اور کوتاہیوں سے
درگذر فرما کر بہ حیثیت مجموعی ان کے حال و اعمال کو
درست ہی رکھے گا ۔ یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے کفر و انکار
کی راہ اختیار کی وہ خود اپنے اختیار ہی سے غلط راہ پر
چلے بخلاف اس کے جنہوں نے اس کتاب کو خود اپنے
رب کی طرف سے حق ہی حق جان اور مان کر اس کی
دکھائی ہوئی راہ زندگی اختیار کی ان کے ساتھ حق تعالیٰ
کا معاملہ کفار و منکرین کے برخلاف ہونا ہی چاہئے ۔ ان
الذین آمنوا واتبعوا الحق من ربھم ۔ اللہ تعالیٰ
اسی طرح لوگوں کو ان کے حالات مثالوں سے سمجھا کر بیان
کرتا ہے کذلک یضرب اللہ للناس امثالھم

ستائیسویں پارہ کو یا آخر قرآن تک کی بچین سورتوں
میں جو مثنیٰ اور ان کے بھی خصوصاً داخل ہی ہیں ۔ اور
سورہ زمر (پ ۲۳) سے لے کر سورہ محمد تک کی نو یا سے
سات سورتوں کی ابتداء ہی میں جس حقیقت کو بار بار اصرار
دہرایا گیا ہے وہ یہی کہ یہ عظیم الشان کتاب ذلک الکتاب

ہرطرح لفظاً بلفظاً براہ راست خود خدا ہی کا اتارا ہوا ہدایت نامہ ہے۔ درمیان درمیان میں اور بھی اس نزولی یا تنزیلی وحی کے بالذات خدا کی ذات ہی کی طرف ہونے پر جا بجا بکثرت آگاہی ملتی ہے۔ پھر پارہ ۲۸ سورہ حشر اور پارہ ۲۹ سورہ الحاقہ اور آخری پارہ ۳۰ میں سورہ القدر تک کلام اللہ کے اس تنزیلی وصف پر زور ہے یعنی جس پر یہ کلام یا کتاب نازل ہوئی ہے خود اسکے ارادہ و خواہش یا خود اس کے شعوری و غیر شعوری انسانی شخصیت (Human Personality) کا دور دور اس میں کوئی نام و نشان نہیں۔ حرفاً حرفاً اسی ذات برتر کی طرف سے نازل کردہ ہے جو زمین سے لے کر بلند سے بلند آسمانوں تک کی ساری مخلوقات کا خالق یکتا ہے۔ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلیٰ (طہ ع ۱)

نہ اس نزولی حقیقت کے منکروں یا کافروں کے بقول یہ خود پیغمبر کی من گھڑت ہے نہ پیغمبر کے ساتھ اس میں دوسرے لوگوں کی کسی طرح کی کوئی اعانت شریک ہے نہ یہ کتاب یا کلام پرانے قصوں کہانیوں کا کوئی مجموعہ ہے۔ نہ اس میں کسی طرح کسی جہت سے بشری علم کے نقص کی بنا پر کسی خطا و خلل کا امکان ہے۔ کیونکہ اس کی اتارنے والی ایسی ذات ہے جس کے ہمہ گیر علم سے زمین و آسمان کی کوئی چھپی سے چھپی بات بھی پوشیدہ نہیں۔ قال الذین کفروا ان ھذا الا افتراہ واعانہ علیہ قوم اٰخرون ..... ونزل اللہ الذی یعلم السر فی السموات والارض

نزول کے بجائے، جیسا کہ اوپر بھی معلوم ہو چکا ہے جہاں وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں بھی پوری صراحت صفائی کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں بھی تمہارے دن رات کے ساتھ محمد (جن سے عداوت کے باوجود انکی

صداقت میں شبہ کی گنجائش تم خود نہیں پاتے) کو نہ کوئی بھول چوک واقع ہوئی ہے۔ ما ضل صاحبکم وما غوی نہ ان کے اپنے نفس یا خواہش کو اس میں کوئی دخل ہے وما ینطق عن الھوی۔ بلکہ وہ سراسر ایسی وحی ہے جو کہیں باہر ہی سے ان پر کی جاتی ہے۔ ان ھو الا وحی یوحی حتی کہ اس وحی کی تعلیم کا جو درمیانی واسطہ (فرشتہ یا جبریل) ہوتا ہے وہ بڑی زبردست قوتوں والا اور ایسا طاقتور ہے کہ اس سے بھی کسی بھول بھٹک کا گمان نہیں ہو سکتا، اور گو وہ آسمان کے ایک بلند کنارے پر دکھائی دیا۔ پھر قریب ہوتے ہوتے (صاحب وحی) محمدؐ سے اتنا قریب آگیا دو ہاتھ (دو کمان) یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا کہ پوری شناخت میں کوئی اشتباہ نہیں رہ سکا بعض اور مقام پر اس تنزیلی واسطہ کا ذکر روح الامین کے نام سے ہے وانہ تنزیل من رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک (شعراء ع ۱۲) لیکن یہاں بھی اس حقیقت کی پہلے ہی صراحت فرما دی کہ واسطہ کا تعلق بس واسطہ سے زیادہ نہیں ورنہ وحی کرنے والی براہ راست ذات رب العالمین ہی کی ہے پھر اللہ کے بندے محمد پر اللہ کی طرف سے جو کچھ وحی کا حکم ہوا تھا وہ جبرل کی توں اسی طرح وحی کی کہ جو کچھ دیکھا سنا اس میں خود محمد کے دل کی خوشی و خواہش کو مطلق دخل نہ تھا ما کذب الفواد ما رایٰ پھر کچھ آگے اور اس وہم کی نفی ہو کہ باوجود چشم دید ہونے کے شاید خود آنکھ ہی کو کچھ اشتباہ ہو گیا ہو۔ فرمایا کہ ایسا بھی بالکل نہیں۔ ما زاغ البصر وما طغیٰ۔ باقی اور اس سلسلہ میں حضور کو جیسے عظیم آیات و تجربات کا آپ کے رب کی طرف سے آپ کی خصوصی آخری نبوت کی تکمیل کے لئے مشاہدہ ہوا ان کے غیبی اسرار کی تاویل میں پڑنا اس عالم ناسوت و شہادت کی حدود قیود میں رہ کر اس سے بھی بڑی حماقت ہوگی جیسے کوئی کیڑا مکوڑا اسی عالم شہادت کی ایٹمی یا فلکیاتی اسرار و غیوب کے جاننے کی

ٹوہ میں لگ جائے۔ یہ بھی مکہ ہی کی سورہ والنجم کے اوائل کی آیات ہیں (۲۹)

اسی طرح سورہ شوریٰ میں، کہ وہ بھی مکی ہی ہے، جس میں وحی کی مختلف صورتوں کی تفصیل ہے۔ ان میں بھی سب کی سب کو براہ راست کلام الٰہی قرار دے کر یہ فرمایا گیا ہے کہ انسان جبتک جامہ بشریت یا عالم شہادت میں مقید ہے اس وقت تک کلام الٰہی کے کلام الٰہی ہونے کے باوصف اس کی صورت یا تو وحی کی ہوگی یا پس پردہ کلام کی یا کسی فرشتہ کو پیام رسانی کا واسطہ بنا کر بھیجنا جو خدا ہی کے حکم سے جو کچھ خود خدا چاہتا ہے اس کے مطابق وحی کرتا ہے۔

لہذا اسی عام سنۃ اللہ کے مطابق اے محمد آپکی طرف خود ہم ہی نے وحی کی (باقی درمیانی واسطہ فقط واسطہ ہی واسطہ ہے) ورنہ خود آپ کا تو یہ حال ہے کہ اس تک سے بے خبری تھی کہ کتاب اللہ ہوتی کیا ہے کتاب تو کتاب نفس ایمان تک سے ناآشنا تھے لیکن اب جو ہم نے آپکو یہ کتاب ہدایت (قرآن) عطا کردی ہے اس کو زندگی کے لئے ایسی روشنی کا مینار بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس روشنی میں چلاتے ہیں۔ اور خود آپ تو بلا شک وشبہ (اسی خدائی روشنی میں) جو راہ آپ لوگوں کو دکھلا رہے ہیں زندگی کی دیکھا ف سیدھی شاہراہ ہے۔ وانک لتھدی الی صراط مستقیم اس کے خلاف کوئی اور احتمال ہی کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ راہ راست خود اسی اللہ کی بتلائی ہوئی ہے جو آسمانوں سے لے کر زمین تک میں جہاں کہیں، جو کچھ بھی ہے سب کا سب بلا استثنا اسی کا ہے صراط اللہ الذی لہ ما فی السموات والارض اتنا ہی نہیں ہر یہ سب کچھ اسی کی خلق وملک ہے بلکہ بالآخر سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے یعنی وہ صرف کائنات ارض وسماوی کے تمام موجودات کا مصدر ومبدا ہی نہیں بلکہ اسی کی ذات سب کا آخری مرجع ومآل بھی ہوکر رہے گی۔ یعنی اس عالم ومافیہا سب کے آغاز کی طرح سب کا ایک انجام بھی اسی کی طرف سے مقرر ہے جو تمام تر اسی کے ہاتھوں میں ہے الا الی اللہ تصیر الامور اور ظاہر ہے کہ کسی راستہ کی رہنمائی ہوتی کسی نہ کسی منزل مقصود ہی کے لئے ہے۔

اس مذہبی یا بے دینی ولا مذہبیت کے دور دورہ میں بھی دنیا کی بڑی اکثریت کسی نہ کسی رنگ میں دین و مذہب کو مانتی اور کچھ نہ کچھ اس کی پیروی کی مدعی ہے لیکن دین یا مذہب اگر کوئی بامعنی لفظ ہے یا ہو سکتا ہے تو اس کے ایک ہی معنی ہیں جو کم وبیش درجنوں مذاہب میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ یعنی اس پوری کائنات اور اس میں انسان کو پیدا کرنے والی کوئی نہ کوئی ایسی صاحب علم وارادہ ذات ہے جس نے جان بوجھ کر آسمانوں سے لے کر زمین تک کی دنیا اور اس دنیا میں انسان کو کسی نہ کسی اپنی معلوم ومتعین مراد ہی کے لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ علم وارادہ والی ذات کا ناگزیر مقتضا ہے اور ہونا ہی چاہئے۔

پھر اپنی اس معلوم مراد ومقصد کا بے کم وکاست ناقابل خطا صحیح علم بھی ظاہر ہے صرف وہی ذات عطا کر سکتی ہے جس نے اپنے علم وارادہ سے اس کو وجود بخشا ہے اسلام کا دعویٰ ہے کہ اولیں انسان حضرت آدم سے لے کر تا ایں دم وہ انسانوں ہی میں سے نبی ورسل کے نام سے بعضوں کو منتخب فرماکر اس پوری کائنات اور سب سے بڑھ کر خود انسان کو جس دانستہ مقصد سے زمین میں پیدا کیا ہے اور جس سے بڑھ کر اہم واقدم انسان کے حق میں کسی دوسری بات کا جاننا نہیں ہو سکتا کہ پہلے وہ خود اپنے وجود کے مقصود کو جانے اور حاصل کرے اسی اہم عظیم اطلاع (انبار) اور پیغام (رسالت) کے لئے برابر

دا ور رسولوں کو جھٹلا رہا ہے ۔ سورۃ المومنون میں
ت رسولوں کے ذکر کے ساتھ دوسرے ہی رکوع میں
ان ہے کہ اسی طرح ہم برابر یکے بعد دیگرے رسولوں کو
بھیجتے رہے ۔ ثم ارسلنا رسلنا تترٰی ۔ لیکن عموماً
اپنی قوم کے رسولوں کو لوگ جھٹلاتے ہی رہے ۔ کلما
اءت امۃ رسلھا کذبوہ حتی کہ خود آخری رسول کی
بان سے آگاہ کر دیا گیا کہ " کہہ دو کہ (رسالت کا سلسلہ
ادلیں انسان ہی سے جاری ہے) میں کوئی نیا انوکھا
سول نہیں ۔ ماکنت بدعا من الرسل اور مجھ کو تو جس
رح تمہارے بارے میں متعین طور پر نہیں معلوم کہ کس کے
ساتھ کیا معاملہ ہوگا اسی طرح خود اپنی نسبت بھی معلوم نہیں
، ما ادری ما یفعل بی ولا بکم ۔ میرے کام تو فقط
دو ہیں ایک یہ کہ جو کچھ مجھ کو بذریعہ وحی حکم ہوتا ہے اس پر
خود چلتا رہوں اور دوسرا یہ کہ تم کو کھل کر ڈراتا رہوں ۔
ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین

پھر جب تک صاحب علم وارادہ خالق کی مشیت حکمت نے سلسلہ رسالت کو جاری رکھنا چاہا جاری رکھا اور جب اس کی مشیت وحکمت نے دیکھا کہ اب سلسلہ کو ایک آخری نبی ۔ خاتم النبیین پر ختم کر دینا قیامت تک کے لئے کافی ہے تو ختم کر دیا ۔ اور اس ختم نبوت کو کسی عقلی ونقلی دلیل کا محتاج نہیں رکھا بلکہ ایک امر واقعی و تاریخی کی طرح ایک طرف تو اس آخری نبوت کی وحی یا کتاب ہدایت کو صرف معنًی نہیں لفظاً لفظاً محفوظ فرما دیا دوسری طرف اس پر عمل کا عملی نمونہ جیسا کہ اوپر بھی معلوم ہو چکا ہے " ان اتبع الا ما یوحی الی " کو انسانی زندگی کی عملی رہنمائی کے لئے بہترین نمونہ " لقد فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " بنا کر رسول کی پوری رسالا نہ زندگی کی خلوت وجلوت ، معاملت ومعاشرت ، اخلاق وعادات کے ایک ایک جزء کو اسی تحقیق وتنقید کی پوری کسوٹی پر پرکھوا کر محفوظ فرما دیا جس کی مثال دنیا کی پوری تاریخ کیلئے چیلنج ہے

آج دنیا کے بڑے بڑے مذاہب یہودیت ، عیسائیت اور ہندومت وغیرہ کوئی ایک بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کے رسول یا معلم نے جو کتاب ان کو دی تھی وہ سفینوں سے بڑھ کر سینوں میں اول روز سے آج تک اس طرح محفوظ چلی آ رہی ہے کہ خدانخواستہ سارے سفینوں کو نایاب بھی بنا دیا جائے تو ہم مسلمانوں کی آج کی ہر طرح گئی گذری حالت میں بھی سینکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں کو اسی طرح ازبر ہے کہ دو چار حافظ بھی جمع ہو کر جوں کی توں بے تکلف از سر نو پورا قرآن لکھا رے سکتے ہیں ۔ عجب بات ہے جس کو خود خدا کی اس ذمہ داری کے سوا کیا کہا جائے کہ نہ صرف ہم خود بالذات اس کتاب کے نازل کرنے یا اتارنے والے ہیں بلکہ خود ہم ہی نے اس کو پوری طرح محفوظ رکھنے کی حتمی ذمہ داری خود اپنے اوپر لے رکھی ہے ۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ۔ اسی خدائی ذمہ داری کی بنا پر تو دوسری جگہ اعلان ہے کہ اس کتاب میں باطل کسی جہت یا اعتبار سے بھی راہ نہیں پا سکتا لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ۔ کیوں ؟ ، اس لئے کہ وہ خود ہر طرح کے غلبہ وقدرت اور سراپا حمد و ستائش والے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے ۔
(حم سجدہ ع ۵)

حریف نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہئے اسرار لا الٰہ کے لئے

سید رفیع الدین احمد
مالک رحمانی

طَلَعَ البَدرُ عَلَینا

آج وہ روز سعید ہے جس میں سرور کائنات فخر موجودات افضل الانبیاء خاتم المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عبداللہ کے فرزند بی بی آمنہ کے لال نے عرب کے سب سے معزز قبیلہ قریش کے سردار عبدالمطلب کے گھر مقدس شہر مکہ میں نزول اجلال فرمایا

اے آمدنت باعثِ آبادیِ ما
ذکرِ تو بود زمزمۂ شادیِ ما

آپ کی ذاتِ پاک باعث تخلیق ہر دو عالم ہے

محمدؐ گر نہ بودے کس نہ بودے — نبودے ہر دو عالم را وجودے
بہر لحظہ بہر ساعت بہر دم — بخواں عثماں بنام او درودے

نور او مقصود مخلوقات بود
اصل معدودات و موجودات بود

(خواجہ عطار)

اور

گنجہائے ہر دو عالم را کلید

(وہ اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا)

گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

(اقبال)

دعائے خلیل خدا بن کے آئے — غم دو جہاں کی دوا بن کے آئے
بشر ہی نہیں بلکہ خیر البشر ہیں — وہ مطلوب اہل صفا بن کے آئے

بلا شبہ وہ خاتم الانبیاء ہیں — محمدؐ شہ دو سرا بن کے آئے
نظر آئے بکر سے ایوان کسریٰ — تجلی کے شمس الضحیٰ بن کے آئے
فروغ تجلی سے معمور ہو کر — رسالت کے بدر الدجیٰ بن کے آئے
مقدس، مطہر، معطر، منور — سراپا وہ نور الہدیٰ بن کے آئے
دیا درس دنیا کو انسانیت کا — وہ ہر قوم کے ناخدا بن کے آئے
بدل ڈالیں زمانہ کی فرسودہ قدریں — مجسم وہ اک معجزہ بن کے آئے

حسن کی بھی ہر مشکل آسان ہوگی
وہ دنیا کے مشکل کشا بن کے آئے

(مدیر مشیر اوقات)

سلام اے آمنہ کے لال جہد امن کے بانی
سلام اے حامل انسانیت تاجدار امکانی
سلام اس پر اخوت کا سبق جس نے دیا ہم کو
سلام اس پر کیا کافور جس نے ظلم کے غم کو
سلام اس پر نہ دشمن سے کبھی جس نے برائی کی
سلام اس پر کہ عادت ڈال دی جس نے بھلائی کی
سلام اس پر کیا جس نے معزز ابن آدم کو
بہار حق دئیے جس نے تمام اقوام عالم کو
سلام اس ذات پر جس نے غلامی کو مٹا ڈالا کہ جس سے آج تک آزادیوں کا بول بالا

(دلشاد کلانچوی)

ہم چوں تو نازنینے سرتا بہ پا لطافت
گیتی نشاں نہ دادہ ایزد نیا فرید ہ

پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا، نہ سر کے بال گرے ہوئے زیبا، صاحب جمال آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے آواز میں بھاری پن، بلند گردن، خاموش وقار کے ساتھ گویا دلبستگی لئے ہوئے دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں، کمال حسین شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے مبرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں، جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں، مخدوم مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو،

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(زاد المعاد جلد ا۔ ابن قیم)

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

(اقبال)

کان خلقہ القرآن (حضرت عائشہ)

(آپ کے اخلاق سراپا قرآن تھے)

حضور نے فرمایا:۔

"عرفان میرا سرمایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے۔ ذکر الٰہی میرا انیس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، خدا کی رضا میری غنیمت ہے، عاجزی میرے لئے وجہ اعزاز ہے زہد میرا پیشہ ہے۔ یقین میری طاقت ہے صدق میرا سفارشی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے جہاد میرا کردار ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"

(شفا از قاضی عیاض)

ہر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

دیکھتے ہی ترا اجلال کفر کی صف الٹ گئی

کل دس سال کی مختصر مدت میں ایک عدیم المثال انقلاب برپا کر دیا۔ اپنے پیچھے ایک منظم حکومت ۱۲ لاکھ مربع میل پر چھوڑی، اور وہ بھی لاکھوں انسانوں کے قتل کے بعد نہیں ہزار ہا ہزار جانیں لینے کے بعد نہیں۔ بلکہ حیرت کے کانوں سے سنئے کہ اس کی ساری لڑائیوں میں دوست دشمن سب ملا کر کل جمع ایک ہزار اٹھارہ انسان کام آئے ۲۵۹، اپنے اور ۷۵۹ دشمن، انسائیکلوپیڈیا کے گیارہویں ایڈیشن کا بیان ہے کہ دنیا کی مذہبی شخصیتوں میں سب سے بڑھ کر کامیاب آپ ہی کی ذات مبارک ہے۔

"The most Successful of all religious personalities"

اور اس کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کی بابت اسکی گواہی ہے کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی ہے

"The most widely read book in the world"

اور آج جو امت ان کا کلمہ پڑھتی ہے اسکی تعداد

دنیا کے مختلف ملکوں میں ملا کر ۶۰ کروڑ ہے۔
اس ساری زندگی کو ایک عدیم المثال کامیابی
اور مسلسل معجزہ نہ کہئے تو اور کیا کہئے۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

سلام گویم و صلوات بر تو ہر نفسے
قبول کن بہ کرم ایں سلام و صلوا تم

اگر۔ تم دولتمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔
اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو۔
اگر تم بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو
اگر تم رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو۔
اگر تم فاتح ہو تو بدر و حنین و مکہ کے سپہ سالار پہ نظر کرو۔
اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو
غرض تم جو کوئی بھی اور کسی حال میں بھی ہو تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔

(سید سلیمان ندوی)

وہ موج نور جو مشعل ہے کارواں کے لئے
وہ ذات پاک جو رحمت ہو دو جہاں کے لئے
زہے نصیب جو ہر پیچ و خم سے واقف ہے
وہ خضر راہ ملا اپنے کارواں کے لئے

(حبیب احمد صدیقی)

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ط

یا رسول اللہ

کہاں تک ٹھوکریں کھاؤں میں در در یا رسول اللہ
بلا لیجئے مجھے بھی اپنے در پہ یا رسول اللہ

خدا کے سب ہی بندے ہیں وہی رب دو عالم ہے
مگر ہیں آپ بے شک بندہ پرور یا رسول اللہ

نکل آئی ہے کشتی بیچ کے طوفانِ حوادث سے
شفاعت کیجئے گا روز محشر یا رسول اللہ

یہ عاصی کی تمنا ہے کہ مرتے دم میسر ہو
مدینہ کی فضائے روح پرور یا رسول اللہ

طنابیں فاصلہ اور وقت کی اک ساتھ کھنچ آئیں
وہ کیسی رات تھی اللہ اکبر یا رسول اللہ

غم ماضی پریشاں حال مستقبل کے اندیشے
لئے پھرتا ہوں کتنے بوجھ دل پر یا رسول اللہ

حسن کا اضطراب دل فزوں ہوتا ہی جاتا ہے
عنایت کی نظر ہو جائے اس پہ یا رسول اللہ

— ان ملک۔

معین الدین حسن کاکوروی

خدا نے رحمت بنا کے بھیجا!

ریگ شرر تھی ساری دنیا جاہلیت کی تاریکی، عصیان و طغیان اور بد اعمالی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں انسانیت کی راہوں کو گم کر چکی تھی۔ حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ظلم و معصیت سے مجروح و خستہ نہ ہو رہا ہو۔ انسانیت بربریت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ عیسائیت حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو مسخ کر چکی تھی ظالم و جابر حکمراں نخوت میں سرشار غرور کے پیکرِ مجسم بنے ہوئے تھے عمالِ حکومت، مذہبی رہنما جادۂ عدل سے دور اور خوفِ خدا سے بے نیاز کمزور طبقہ کے لئے بلائے بے درماں بنے ہوئے تھے۔ غریبوں کا استحصال امرا کا شعار تھا۔ اخلاقِ حسنہ جن سے امن و سکون، راحت و اطمینان نصیب ہوتا ہے وہ طاقِ نسیاں کی نذر ہو چکے تھے تعیش کی محفلیں مے نوشی کے ہنگاموں اور بدمستی کے مظاہروں سے گرم تھیں۔ بہیمانہ حرکات کا وہ عالم تھا کہ درندگی کو بھی شرم آ ئے۔ غلام اور قیدی بھوکے شیروں کے سامنے محض تفریح کی خاطر ڈال دیئے جاتے تھے۔ ان بدنصیب انسانوں کی دلدوز آوازیں اور کربناک چیخیں ظالم تماش بینوں کے لئے سامانِ مسرت فراہم کرتیں۔ سلطنت روما معاشی و اخلاقی بدحالی سے دوچار تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی وقت بھی تمام دنیا فنا ہو جائے گی۔ اس ہولناک فضا میں دنیا منتظر تھی کہ ان آفات کی طویل رات آخر ہو اور خونابہ بار آنکھیں کسی صبح صادق کے طلوع کی منتظر تھیں۔ جور و تعدی سے سراپا زخمی انسانیت، مرہمِ شفا اور مداوائے درد کی آرزو مند تھی۔ انگاروں پر لوٹنے والے اس خلیل کی تلاش میں تھے جو آتشِ سوزاں کو گلزارِ ابراہیمی میں بدل دے۔ ان کی افسردہ نگاہیں کسی ایسے مسیحا نفس کی راہ دیکھ رہی تھیں جو آئے اور انسانیت کی مردہ رگوں میں تازہ روح پھونک دے یک بیک رب العزت کے بحرِ کرم میں جوش آیا خدا نے اپنے ایک محبوب بندے کو رحمت بنا کے بھیجا اور وہ جامع الکلم رحمۃ للعالمین سردارِ انبیا محسنِ اعظم ہادیٔ کامل۔ یتیموں کے والی غریبوں کے ملجا آئے اور اس شان سے آئے کہ اپنے موثر اور شیریں کلام سے کانوں میں رس گھول دیا اور وہ نوشِ لذت آفریں پلایا کہ نیشِ زباں مبدل بہ آبِ حیات ہو گیا۔ اس سراپا جمال نے بصد اندازِ رعنائی جلوہ گر ہو کر خاکِ راہ کو ذوقِ جمال کی نعمت عطا کر دی، عین اس وقت جب تاریک رات گریزاں تھی اور صبحِ صادق کا چہرۂ خنداں طباشیر بکھیرتا ہوا نمودار ہو رہا تھا، مطلعِ فلک پر صباحت کا رنگ دوڑنا شروع ہو گیا کہ حضور سرورِ کائنات خلاصۂ موجودات اس جہانِ آب و گل میں تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لاتے ہی گلشنِ ہستی پر نکھار آ گیا۔ پھول ہنسے غنچے چٹکے سبزہ کروٹیں بدلنے لگا۔ بازارِ حیات میں طرفہ رونق آ گئی وہ آ گئے جو محبت و رحمت کے علمدار مصورِ حقیقی کی تخلیقِ اول و آخر تھے۔ ایسی تخلیق کہ جس کے بعد مصور نے قلم توڑ دیا اور فنِ نقش کا

تا براہد خیر باد کہہ دیا بقول شاعر ؎

وہ اول جس کا ثانی ہی نہیں امکاں میں پیدا
وہ تخلیق مکمل جس پہ خالق خود ہوا شیدا

آدم سے تا ابندم صانع حقیقی نے نرالے، انوکھے نقش و نگار رچے اور ان میں دلفریب اور آنکھوں میں کھپ جانے والے رنگ بھرے اس کی شان صنعت گری اور کمال نقاشی خوب سے خوب تر تلاش نقش رنگیں فرماتی رہی مگر جو تصور حسن و دلفریبی خیال خالق میں جلوہ گر تھا ابھی پردہ تخلیق پر جلوہ آرا نہیں ہوا تھا۔ انبیاء مرسلین، صلحاء اور برگزیدہ ہستیاں شان وقار سے جلوہ گاہ ہستی میں جلوہ آرا ہوتی رہیں، کسی میں شان خلیلی عیاں رہی اور کسی میں شان کلیمی، کسی میں نغمہ نوازی اور خوش الحانی کی صفت فردوس گوش انسانیت بنتی رہی اور دلوں کو جگاتی رہی، کسی کو اعجاز مسیحائی عطا ہوا کہ وہ مردہ جسموں کو حیات تازہ سے ہم کنار کرتا رہا، لیکن سب سے آخر میں اس "نور اول" میں ان سب صفات کو یکجا کر کے نقاش ازل نے وہ پیکر حسن مکمل کھینچ دیا کہ پھر فن کار ازل نے صنعت نقش گری کو قائم رکھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ مولوی محسن کاکوروی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سارے الیں بنا کر صورتیں آدم سے تا عیسیٰ
تب آیا راست نقشہ کلک قدرت سے ترے قد کا

پھر جب آپ اس جہاں رنگ و بو میں تشریف لائے دنیا چمک اٹھی خاکدان عالم اپنی قسمت پر نازاں ہو کر اٹھلانے لگی۔ عرش، فرش کی عظمت پہ خجل ہو کر جھک گیا وقت گذراں کی آنکھوں نے عہد طفولیت سے پردہ فرمانے تک کا زمانہ دیکھا۔ اور ہر حالت، ہر موقع پر پرکھا اور اس طلائے ناب کو ہر حیثیت سے مکمل طور پر کھرا پایا، اخلاق حسنہ کے نظری بیان و مفہوم جب عمل کا پیکر مجسم بن کر آئے تو جرأت، ہمت، تہور اور شجاعت، وقار و عظمت اصلابت

کردار، رواداری، حلم، مروت، صبر و ثبات، استقامت اور صداقت کو دنیا نے مکہ کی وادیوں، حرا اور ثور کی خاموشیوں طیبہ کے نخلستانوں، احد و بدر کے میدانوں، حنین و احزاب کی معرکہ آرائیوں میں ایک پیکر بے مثال کی صورت میں سرگرم عمل پایا، باطل کی قوتیں عزم محکم اور عمل پیہم کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں، تمسخر۔ استہزاء، ایذا دہی کے چہرہ خلق عظیم کے سامنے جھک گئے فصاحت و بلاغت نے مدعیان طلاقت کو گونگا کر دیا جو سامنے آیا جاں نچھاور کرنے لگا، دشمن بن کر آیا اور عاشق صادق بن کر سدھارا، چشم فلک نے نہ ایسا محب دیکھا اور نہ محبوب، کوئی اس اللہ کے حبیب کے عشق میں سرشار و مست ہو کر خاک و خون میں تڑپا، کوئی سولی پہ چڑھتے ہوئے کفار کے چھیڑنے پر اور ان کی جسمانی اذیتوں کو برداشت کرتے ہوئے فرط محبت سے کہہ اٹھا کہ میں یہ ہرگز پسند نہ کروں گا کہ حضور سرور کائنات کے پیر میں ایک کانٹا بھی چبھے، کوئی ہجرت کے شب بستر مبارک پر قلب مطمئنہ لئے سو گیا اور ہجوم شر و خطر میں بھی شاداں و شاداں، خواب نوشیں کے مزے لیتا رہا، کوئی رفیق سفر ہجرت کے دوران سایہ کی طرح ساتھ رہا اور اس کٹھن موقع پر اپنے پیروں کی آبلہ پائی کو سر آنکھوں سے لگاتا رہا اور اس کعبہ شوق کے گرد طواف کرتا رہا اور زبان حال سے کہتا رہا ؎

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

یہ آخر تب و تاب ان دلوں کو کیوں تپش عشق سے گرمائے تھی؟ صرف اس وجہ سے کہ یہ ہستی خود اللہ کی محبت اپنے مشن کی لگن میں اپنے کو اپنے کنبہ کو وقف رضائے الہٰی کئے ہوئے تھی جب آپ مقام بندگی پہ پہنچے تو "مقام محمود" مل گیا اور جب حمد الہٰی کو انتہا تک پہنچایا تو وہ نام ملا کہ جو

عالم کے لئے سب سے زیادہ قابل ستائش و توصیف تھا۔ ہے اور تا قیام قیامت رہے گا، اسوۂ رسول ایک مثال اور پیمانہ بن گیا جس سے بلند کردار انسانوں کا کردار تولا جائیگا ۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہ سے حضور سرور کائنات کے اخلاق کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کیا تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا۔ مطلب یہ تھا کہ سارا قرآن آپ کے اسوۂ حسنہ کو بیان کر رہا ہے اور اس کی بلندی کے گن گا رہا ہے۔ بقول اصغر

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود

امن کو قائم کرنے میں بے مثال اور بے نظیر، صلح حدیبیہ میں، وہ مثالی رواداری دکھائی کہ دشمن بھی لا جواب ہو گیا کفار کی جانب سے ان کے نمائندے نے "رسول اللہ" لکھنے پر اعتراض کیا، حضرت علی کاتب تھے آپ رسول اللہ کا فقرہ نام مبارک کے آگے سے قلم زد کرنے کے لئے تیار نہیں تھے آپ نے ان سے پوچھ کر کہ یہ کہاں لکھا تھا اپنے دست مبارک سے قلم زد کر دیا۔ عفو و عطا کا یہ عالم کہ اس یہودی عورت کو معاف کر دیا جس نے خیبر میں آپ کو گوشت میں زہر دیا تھا چچا اور صاحبزادی کے قاتلوں کو عفو کا پروانہ عنایت کیا، عدل کا یہ عالم کہ جنگ بدر کے بعد سب قیدیوں کی مشکیں کسی گئی تھیں ان قیدیوں میں آپ کے عم محترم حضرت عباس بھی تھے وہ شب کو درد کی شدت سے کراہ رہے تھے اور ادھر حضور سرور کائنات تعلق خاطر کے باعث بستر مبارک پر کروٹیں بدل رہے تھے صحابہ نے بے چینی کی وجہ دریافت کی آپ نے بتایا لوگوں نے حضرت عباس کی مشکیں ڈھیلی کر دیں اور اس کے ساتھ ساتھ جتنے دشمنان اسلام قید ہو کر آئے تھے۔ ان کی بھی مشکیں بہ نظر عدل و مساوات ڈھیلی کر دی گئیں۔ بہادری کا یہ عالم کہ ہر جنگ میں پیش پیش اور انتہائی خطروں کے زد میں برسر پیکار رہے ایک مرتبہ حضور ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے ایک منکر اسلام آیا اور اس نے آپ کے قریب رکھی تلوار اٹھا کر آپ کو جگایا اور پوچھا اے محمد بتاؤ اب تم کو کون بچا سکتا ہے آپ نے کہا میرا اللہ یہ سن کر ہیبت سے اس کے ہاتھوں سے تلوار چھوٹ گئی۔ اب آپ نے تلوار اٹھا کر پوچھا کہ بتاؤ اب تم کو کون بچا سکتا ہے اس نے جواب دیا اللہ کا رسول آپ نے اسے معاف فرمایا۔ اسی لئے آپ کی مدح و ستائش میں فصحا عرب کی زبانیں گنگ، ان کی طلاقت بیان عاجز ہے وہ زہیر ابن کعبؓ ہوں کہ حسان ثابتؓ اور عبد اللہ بن رواحہ سب تر زبان ہیں لیکن عاجزی و انکساری کے ساتھ کہ حضور کے کمالات حد بیاں سے باہر ہیں کیونکہ نہ توصیف رب العالمین ممکن ہے نہ تعریف رحمۃ للعالمین بقول احمد رضا خاں صاحب مرحوم سے

فرش والے تری عظمت کا علو کیا جانیں
خسروا! عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

کوئی ان کی تعریف کس منہ سے کر سکتا ہے کہ جب اللہ اور اس کے ملائکہ بحکم ارشاد الٰہی ہمہ وقت ان کے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان پر درود و صلوٰۃ کے پھول ہر وقت نثار کیا کرتے ہیں۔ بس یہ صرف ادنیٰ کاوشیں اس لئے ہیں کہ ہمارا نام بھی مداحین رسول میں کہیں ٹک جائے اور ذرہ بے مقدار پر بھی آفتاب رسالت کے کرم بے پایاں کا پرتو پڑ جائے کہ خاک ہستی کیمیا اثر ہو جائے اور مقصد حیات عرفان حق اور عرفان رسول بن جائے۔

الغرض حضور سرور کائنات فخر انسان و انسانیت کی ہمہ گیر شخصیت زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل ترین تھی، کبھی بحیثیت ایک عظیم سپہ سالار اپنے جان فروشوں کی قلیل جماعت کی میدان ہائے جنگ میں ایسی صف بندی فرمائی کہ دشمنوں کی بھاری اکثریت اور ان کے آزمودہ کار شجیع سرداروں کی بہادری خاک بسر ہوتی نظر آئی، جب مدنی زندگی میں عملی

سیاست کا موقع آیا تو حکومت اور اقتدار کو رفاہ عامہ کے مفاد اور فلاح میں اس خوش اسلوبی، فراست، اور تدبیر سے استعمال فرمایا کہ عدل وانصاف اپنی نکھری ستھری تصویر کے ساتھ صفحۂ حیات پر ابھر آئی، جب ایک صالح معاشرہ کے لئے قوانین وضع کرنے کا وقت آیا تو اٹل، ہمہ گیر اور آفاق درآغوش قانون نافذ فرمائے کہ جن میں مختلف مفادات ہم آہنگ ہوتے نظر آئے ہیں اس طرح دنیا سولن اور لائی کرگس کے قوانین کو بھول بیٹھی اور آج جب دنیا مادی ترقی میں بام عروج پر پہنچ گئی ہے اسلامی قوانین کے خوشہ چیں نہ صرف مغربی ممالک ہیں بلکہ جہاں کہیں بھی ترقی کی خواہش اور ایک صالح نظام حیات کی ضرورت ہو وہاں اسی منارہ نور سے روشنی حاصل کی جارہی ہے۔

توحید کا عملی مظہر وہ وحدانیت تھی، جس نے ساری انسانیت کو ایک کنبہ بنا دیا اور نسل و خون رنگ و قبیلہ کی برتری اور کمتری کا تصور دلوں سے محو اور دماغوں کے فاصلے مٹا کر پست و بلند، امیر و غریب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور بزرگی اور عزت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا کہ جو جتنا پاکباز، خوش اخلاق اور دردمند ہو بس اتنا ہی وہ قابل احترام ہے۔ نفسیات انسانی کے ماہر، فطرت انسانی کی پرکھ میں کامل اور دل کے جملہ امراض روحانی کے طبیب حاذق تھے تبلیغ اسلام کے لئے ایسے سربرآوردہ اشخاص کو منتخب فرمایا جو احکام الٰہی کے چلتے پھرتے، زندہ اور تابندہ پیکر تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ ابن جبل کو کار امارت کے سلسلے میں یمن بھیجا چلتے وقت امتحاناً آپ نے حضرت معاذ سے پوچھا کہ اے معاذ تم مسئلوں کا فیصلہ کس طرح کروگے آپ نے جواب دیا کہ میں مسئلہ کا حل احکام قرآنی میں تلاش کروں گا، حضور نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر قرآن میں واضح احکامات نہ ملے تو حضرت معاذ نے جواب دیا پھر میں عمل رسول اور ارشادات رسول کی روشنی میں ان کا فیصلہ کروں گا حضور نے پھر پوچھا کہ اس میں بھی اگر تم کو مدد نہ ملے تو۔ حضرت معاذ نے جواب دیا تب میں خود اپنی سوجھ بوجھ استعمال کروں گا۔ حبیب خدا خوش ہوگئے اور آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ صحابہ کو فراست مومن میسر ہے۔

اس فیضان تربیت اور تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے بادیہ نشیں بدو، علم و دانش سے نابلد ایمان کامل کے سہارے جہاں گئے وہاں نہ صرف ممالک تسخیر کئے بلکہ دلوں کو جیت لیا اور جہاں بانی اور جہاں رانی کے وہ گل و بوٹے چمنستان عالم میں رچے کہ آج بھی ان کی نکہت دلآویز سے مشام انسانیت معطر و مست ہے، یورپ کی نشاۃ الثانیہ، علم و فضل کی ترویج، علوم جدیدہ کی تمام ترقی خلافت عباسیہ اور قرطبہ و غرناطہ کی اموی حکومت کی رہین احسان ہے، غرض جس خار کی طرف نظر کی گل تر ہوگیا۔ جس کی طرف نگاہ الفت ڈال دی وہ عشق رسول میں غرق ہوکر ہزاروں قلوب کا مطلوب بن گیا۔

جس ذرے پر نور ہدایت کا پرتو ڈالا، وہ آفتاب بن گیا، گلہ باں، صحرانورد شہنشاہ کج کلاہ بن گئے اور انسانوں کے لئے پیام امن و راحت لے کر جہاں بانی اور جہانگیری کے فن سکھا گئے۔ ارض الٰہی کو انصاف، حق اور فلاح کی دولت سے مالامال کرگئے۔ جہاں کہیں فاتح بن کر گئے، اپنے اخلاق حسنہ سے آنکھوں کا تارا بن کر رہے اور مفتوح قوموں کے دل جیت لئے تسخیر ارض کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی اور سنت رسول کے چلتے پھرتے نمونے بن گئے

حضرت ابوبکر صدیق کا استیصال ارتداد، جھوٹے پیغمبروں کا قلع قمع، اسلام کے بنیادی اصولوں کا تحفظ اور انتشار میں پامردی اور ثابت قدمی، حضرت عمر کا حسن انتظام اور سیاست ملکی میں عدیم النظیر تدبر، حضرت عثمان کا ایثار اور اپنی دولت کا راہ خدا میں بے دریغ خرچ کرنا، اللہ

اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے کو شاں رہنا حضرت علی کی شجاعت، شان فقر، علم و حکمت اور فقہ اسلامی میں درک و قابلیت سب تعلیمات رسول اور ان کی فیض صحبت کا نتیجہ تھیں نہ صرف قرون اولی کے مسلمان بلکہ ہر دور میں جب بھی اسلام کی آفاقی قدروں پہ زوال آنا شروع ہوا، مصلحین اور مجددین پیدا ہوتے رہے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے عروق مردہ میں، جان تازہ ڈال دی۔ اور احیائے دین اور اصول دین کے تحفظ میں اپنی جان کی بازی لگا دی اور حق کو سوا کر چھوڑا، باطل کی منہ زور قوتیں ان کے عزم محکم کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں حضرت علی کا جمہوریت اسلام کے لئے تا دم آخر جد و جہد کرتے رہنا حسین ابن علی کا سر کٹنے کے راہ سرفروشی میں سرخرو ہونا اور باطل کی کلائی موڑ کر رکھ دینا حضرت زین العابدین کا پابہ زنجیر ہو کر کوفے سے شام تک سر بازار تشہیر ہونا حضرت زینب کا یزید کے دربار میں، بیباکانہ کلمہ حق و حقانیت کہنا اور بے نظیر جرأت اخلاقی کا مظاہرہ کرنا حضرت ابوحنیفہ کا شاہی دبدبہ کی مخالفت کرتے ہوئے قید و زنداں میں جان دینا۔ حضرت امام حنبل کا خلق قرآن کے مسئلہ میں بادشاہ کے سامنے اپنے صحیح اعتقادات کا کھلم کھلا اعلان کرنا اور پاداش میں ستر درے کھا کر جان شیریں جان آفریں کے سپرد کرنا۔ حضرت پیر دستگیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ اور تلقین اور اسلام کے اصولوں کی احیاء کی کوششیں محی الدین ابن عربی، امام غزالی حضرت معین الدین چشتی کے کارنامے اسلام کی تاریخ کے درخشاں ورق ہیں جن کی تابانی تا قیام قیامت ہمیں درس جرأت و ہمت دیتی رہے گی۔ بقول اقبال اسلام ایک تقدیر محکم ہے جو کسی تقدیر سے متاثر نہیں ہوتا مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا بلکہ یہ اسلام کے درخشاں اصول تھے کہ جن کی روح کا عرفان حاصل کر کے ان نفوس قدسی نے اس شجر کو اپنے خون جگر سے سینچ سینچ کر تازہ اور شاداب رکھا۔ بقول خسرو

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آج جبکہ ہم حوادث اور مخالفت کے طوفان میں الحاد اور مادیت کی کڑی دھوپ میں حیران و ششدر کھڑے ہیں اسلام کی ضوفشانی وجہ صد تسکین اور باعث صد جرأت و ہدایت ہے یہ وہ مکمل تحریک ہے جو از خود دلوں میں گھر کرتی جاری ہے وہاں جہاں "جہل صرف" کی تاریکی چھائی تھی آج ایمان کی گرمی دلوں کو گرما رہی ہے افریقہ کے قبائل جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں یورپ کے ملکوں میں اذان کی روح پرور آوازیں، گونج رہی ہیں اور "فلاح" اور "صلاح" کی دعوت دے رہی ہیں۔ وہ نیو یارک ہو کہ مانٹریل، برلن ہو کہ پیرس، لندن ہو یا اسٹاک ہالم سب جگہ مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں، اسلامی مراکز قائم ہو رہے ہیں، مادیت کی سرد مہری سے تنگ آ کر قرآن و حدیث کی محبت نواز تعلیم دنیا کو سوز عشق سے معمور کر رہی ہے پروانے مستانہ وار شمع رسالت کے گرد اکٹھا ہو رہے ہیں اور اور وہ آواز جو تیرہ سو برس پہلے ایک دھڑکتے دل کی پکار و تمنا تھی آج حقیقت بن کر اقوام عالم کی زندگی کا لائحہ عمل بن چکی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ میں بیابانوں میں ریگستانوں میں لہکتے ہوئے سبزہ زاروں میں اور برف سے ڈھکے ہوئے کوہساروں میں گونج رہی ہے بقول جوش

افق سے سحر مسکرانے لگی ؛ مؤذن کی آواز آنے لگی
یہ آواز ہر چند [illegible] ہے ؛ جہاں سوز صدیوں سے آلودہ ہے
مگر اس کی [illegible] ہے اب تک محمدؐ کا دل
کسی [illegible]
[illegible] آئینہ
[illegible] ساز میں

انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ جہاں بھی تم ہو اس کی آخری منزل بھی تم
بانیِ محفل بھی تم ہو خاتمِ محفل بھی تم

بوئے گل کا ہے تعلق برگِ گل سے جس طرح
میری دنیا سے الگ بھی تم ہو، اور شامل بھی تم

تم سے ظاہر کی تجلی، تم سے باطن کا ثبوت
شاہدِ محمل نشیں بھی تم ہو، اور محمل بھی تم

سب تمہاری ہی تجلی ہے زماں ہو یا مکاں
پرتوِ معبود بھی تم بندۂ کامل بھی تم

تم نظر میں ہو تو طوفاں کیا ہے موج بحر کیا
قعرِ دریا میں بھی تم ہی ہو سرِ ساحل بھی تم

تم مآلِ عاشقی ہو تم کمالِ حسن ہو
شمعِ محفل بھی ہو تم پروانۂ محفل بھی تم

جس کی یزداں کو تمنا جس کی عالم کو تلاش
وہ سرورِ جاں بھی تم ہو وہ سکونِ دل بھی تم

سب تمہارے ہیں یہ میکش ہو کہ یہ جام و سبو
محفلِ ساقی بھی تم ہو ساقیِ محفل بھی تم

—— از میکش اکبرآبادی ——

مولوی معین الحق

اجتماعی زندگی کی برکتیں

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً

دنیا میں دو قسم کی ذہنیتیں پائی جاتی ہیں تخریبی اور تعمیری، تخریبی ذہنیتیں وہ ہیں جو خود پسندی اور خود غرضی سے بھری ہیں۔

جو لوگ اس ذہنیت کا شکار رہتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نگاہ ہر معاملہ میں انفرادی ہوتا ہے تعمیری ذہنیتوں میں نوع پروری اور اجتماعی ہمدردی ہوتی ہے اور قدرت جنہیں یہ دولت عطا کرتی ہے وہ ہر معاملہ کو اجتماعی زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وسیع تر دماغ سے سوچتے ہیں۔

انفرادی نقطۂ نگاہ میں انسان پر انانیت اور نفسانیت مسلط ہو جاتی ہے، ذاتی عیش و راحت اور عزت و شہرت و کائنات کی ہر چیز پر تقدم حاصل ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات کو حقیر سے حقیر نفع مل جائے دوسروں کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچ جائے اپنی ذات پر کوئی آفت نہ آئے اور اگر آئے تو دوسروں پر ٹال دیا جائے۔ جو قدم اٹھے اس میں اپنا مفاد پیش نظر رہے جماعت کے مفاد کی پرواہ نہ کی جائے۔

اس ذہنیت کا لازمی نتیجہ مال و اسباب سے محبت ہے اور دل سے اخلاق و انسانیت کی قدر و قیمت کا نکل جانا ہے۔

اجتماعی اندازِ فکر سے انسان کا دل و دماغ بالکل بدل جاتا ہے اس کے سامنے اپنی ذات اور اپنے بال بچے نہیں ہوتے ساری کائنات ہوتی ہے صرف اپنے مفاد سے دلچسپی نہیں ہوتی تمام انسانوں سے ہمدردی اور سچا عشق ہوتا ہے وہ اپنے بڑے سے بڑے نفع کے لئے بھی جماعت کے مفاد کو ٹھیس نہیں پہنچنے دیتا اجتماعی منفعت کو مقصود اصلی سمجھتا ہے اپنے معاملات میں سیر چشمی اور قناعت اختیار کرتا ہے ضرورت پڑنے پر نہ صرف قومی مفاد پر اپنے مفاد کو قربان کر دیتا ہے بلکہ خود بھی قربان ہو جاتا ہے اسے مصیبت میں اپنی فکر نہیں ہوتی ہر شخص کی فکر ہوتی ہے اس لئے اپنی مصیبت کو ٹالنے یا دوسرے کی مصیبت کو تماشائی بن کر دیکھنے کے بجائے اسکی مصیبت میں شریک ہو کر اسے ہلکا کر دیتا ہے۔

انفرادی نقطۂ نگاہ تخریب و ہلاکت ہے اور یہ ذہنیت جب کسی سماج میں عام ہو جاتی ہے تو اس میں بد نظمی اور افراتفری پھیل جاتی ہے۔

اجتماعی ذہن ہی سکون و تعمیر کی گارنٹی ہے اور جس قوم میں یہ ذہن پیدا ہو جاتا ہے اسے کوئی طاقت خوشحالی اور ترقی کی بلندیوں پر سرفراز ہونے سے نہیں روک سکتی۔

یوں سمجھیے کہ فطرت کا قانون یہ ہے کہ عمل کا ایک ردِّ عمل ہو۔ اگر آپ اپنے بھائی کے نفع و نقصان سے بے پروا ہو کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ تو دوسرے کو آپ یہ سبق دیں گے کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ آپ کی خود غرضی آپ کے پڑوسی کو بھی خود غرض بننے پر مجبور کرے گی، پھر جب یہ متعدی مرض پوری سوسائٹی میں پھیل جائے گا۔ تو لازمی بات یہ ہے کہ بے اعتمادی اور بدگمانی کا جذبہ ہر دل میں پیدا ہونا شروع ہوگا اور جماعت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

افراد مجموعہ کا نام جماعت ہے

بیمار افراد سے بیمار سماج بنتا ہے اور صحت مند افراد سے تندرست سماج وجود میں آتا ہے۔ اگر اپنی ذات کا حقیقی نفع چاہتے ہیں تو یہ نفع دوسرے کو نقصان پہنچا کر حاصل نہیں ہوسکتا دوسرے کا بھلا چاہ کر مل سکتا ہے اگر فرد جماعت کا عاشق ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میرا وزن جماعت کے ساتھ ہے تو پھر اسے جماعت کے مفاد کی خاطر جان پر کھیل جانا پڑے گا اسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جماعت کا فرد ایثار و ہمدردی کے اس مقام پر پہنچ جائے گا کہ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے پر فخر و عزت محسوس کرنے لگے گا۔

ایثار پیشہ افراد سے جو اجتماعیت تشکیل پاتی ہے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے اس کا استحکام طوفانوں کا منھ پھیر دیتا ہے اور اسے جنبش تک نہیں ہوتی۔

اجتماعی مقابلوں کی تاریخ پر نظر ڈالیئے تعداد کی اکثریت خوفناک ہتھیاروں کی موجودگی کسی قوم کو ظفر مند نہیں کرتی اس کی مضبوط تنظیم ہی اسے مظفر و منصور کرتی ہے۔

تاریخ میں وہ مٹھی بھر سرپھرے ہمیشہ کامیاب ہوئے ہیں جو ایک ساتھ مرنے جینے کا عہد کرکے نکلے ہیں۔ سب کے دل میں ایک ہی لگن ہوتی ہے اور سب کا نصب العین ایک ہوتا ہے اس قوم کے مقابلہ میں جس کی تعداد آسمان کے تاروں سے زیادہ اور ریت کے ذروں سے آگے ہو۔ مگر پراگندہ دل و دماغ خود غرضیوں کا شکار، نہ راہ متعین نہ منزل مقصود کی لگن۔ فتحمند ہوتے ہیں۔

اسلام اور اجتماعیت

مقصد کتنا ہی اونچا ہو سراسر سچائی اور صداقت ہو۔ مگر جب تک اس کی پشت پر ایک مضبوط تنظیم اور بے داغ اجتماعیت نہ ہو اسے کامرانی نصیب نہیں ہوتی اسلام سے اعلیٰ مقصد اور کون سا ہوسکتا ہے۔ مگر اس کے ذریعہ کامیاب ہونے کی شرط اول یہ ہے خواہ چند انسان اسے اختیار کریں مگر اس مضبوط تنظیم کے ساتھ کہ ان سب کا مفاد ایک ہو دل دماغ ایک ہو جہاں ایک کا پسینہ گرے دوسرا وہاں خون گرانے کو تیار ہو۔ فرمایا۔

"خدا کی رسی کو اجتماعیت کے ساتھ پکڑو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو۔ (آل عمران)

اور خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر اس نے نازل کی تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں میں اتنی الفت پیدا کی تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

آگے چل کر فرمایا۔

"اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو متفرق ہوگئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے (آل عمران)

مضبوط اجتماعیت کی بھی پہچان ہوتی ہے کہ مصائب میں اس کا ہر فرد صبر کرے۔ دوسروں کو صبر کی تلقین کرے اور مصیبت میں ایک دوسرے کی مدد کرے فرمایا۔

"مسلمانو صبر کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر دلاؤ۔ باہم ملے رہو۔ خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو (آل عمران)

خدا اور رسول کی اطاعت فلاح دارین کی ضامن ہے۔ مگر افتراق کے ساتھ نہیں، اتحاد عمل و خیال کے ساتھ۔

خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ پھیلاؤ اس سے تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہوجائے گی اور صبر کرو خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (انفال)

جب بنیادی مقصد ایک ہے پھر اختلاف کیا۔ اگر اپنے مقصد کے ساتھ سچا عشق ہے تو امیر و غریب جاہل و عالم کا مفاد الگ الگ کیوں ہو۔

اسلام نے مسلمانوں کو اجتماعی ذہن بخشا انہیں ظاہر و باطن میں مربوط کرکے یک جان و دو قالب کردیا اور یہ اتنی بڑی طاقت

حتیٰ کہ مسلمانوں کی قلت تعداد اور ہتھیاروں کی کمی کے باوجود بڑی بڑی تنظیموں پر غلبہ حاصل ہوگیا۔

سرورِ عالم سے بطور اظہارِ احسان کے فرمایا۔

اے پیغمبر خدا تعالیٰ نے تمہیں اپنی غیبی مدد اور مسلمانوں کی تنظیمی قوت سے طاقت بخشی اور مسلمانوں کے دلوں میں محبت پیدا کردی اگر روئے زمین کی تمام دولت بھی خرچ کردیتے تو ان کے دل میں وہ محبت پیدا نہ کرسکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہ محبت پیدا کردی (انفال)

اسلام کو اپنے اس عظیم الشان کارنامہ پر فخر ہے کہ اس نے ایک جماعت کی تشکیل کی۔ ایک ایسی سوسائٹی بنائی جس میں اجتماعیت کی روح پھونکی محض چند ظاہری اور عارضی مفادات کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ اصول انسانیت اور اعمال خیر کے عالمگیر رشتہ کی بنیاد پر ایسی اجتماعیت جس کے پاس محض مشترک نعرے اور ایک جھنڈا ہی نہ تھا۔ بلکہ ان کے دل اور دماغ بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے وہ زندگی کے کسی معاملہ میں الگ الگ نقطۂ نگاہ نہ رکھتے تھے۔ دولتمند کا مفاد غریب سے الگ نہ تھا، غریب دولتمند کو اپنے سے غیر نہ سمجھتا تھا امیر و عوام کا زاویہ نگاہ بھی ایک تھا یہ بات نہ تھی "تحسبہم جمیعاً و قلوبہم شتیٰ" تو انہیں متحد خیال کرتا ہے۔ مگر ان کے خیال اور دل ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔

تصور توحید کے بعد عبادات کے طریقوں پر غور کیجئے ان کے شرائط و آداب کو سمجھئے۔ سب میں یہ روح کارفرما نظر آئے گی کہ مسلمان جب تک "تن واحد" کی طرح زندگی نہ گذاریں کامیابی کی راہیں ان پر نہیں کھل سکتیں ہر عبادت میں جتنی زیادہ اجتماعیت جتنی زیادہ مضبوط تنظیم اور جتنا زیادہ اتحاد و یک رنگی ہوگی اتنا ہی زیادہ ثواب و اجر ہوگا۔

تمدنی معاملات میں شورے کی اس قدر اہمیت کہ سرورِ عالم کو حکم دیا "شاورہم فی الامر" ان کے مشورے سے کام کیا کیجئے" یہ صرف اس لئے کہ جماعت کا کوئی رکن ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے جماعتی مفاد کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو۔

اس اجتماعیت کو سرورِ عالم نے ایک عجیب پیرایہ میں بیان فرمایا۔

"مسلمانوں کی زندگی دیوار کی طرح ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی ہے اور سہارا دیتی ہے"

حضرت عمر کا مشہور قول ہے۔

لا اسلام الا بالجماعۃ اسلامی زندگی بغیر اجتماعی زندگی کے ممکن نہیں۔

حضرت علی فرماتے ہیں

"آپس کے اختلافات نہ کرو، جماعتی زندگی رحمت ہے اور تفرق و جدائی عذاب ہے"

قومی آزمائش کے موقعہ پر فرار کی پراگندگی انتشار اور مطلق العنانی سے جو مصیبت نازل ہوتی ہے اور جان و مال کا جو اتلاف ہوتا ہے یہ وہ تباہی ہے جس پر نہ اجر و ثواب ہے نہ آخرت کی بھلائی۔ لیکن قومی مفاد کے لئے مردانہ وار صبر و استقلال اور اس میں جان و مال کا ضیاع قربانی ہے جس کا نتیجہ دنیا میں بھی اچھا اور آخرت میں بھی اچھا۔ اگر موت و بربادی مقدر ہے تو اس سے مفر ممکن نہیں پھر کیوں نہ ایسا ہو کہ ہر قطرہ خون کا کارآمد بنے اور ہر پیسہ قوم کیلئے ہی قربان ہو۔

سرورِ عالم نے اجتماعیت کی برکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے" (ترمذی)

اس کے برخلاف ظاہر ہے کہ جو مسلمان اپنے بھائی کو مصیبت اور ظلم میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمتیں اس سے منہ پھیر لیتی ہیں۔

یہ اجتماعی زندگی کی اہمیت ہے کہ مسلمان خدا کے
حضور میں کھڑا ہوتا ہے اپنی عبدیت کا اظہار کرتا ہے زندگی
کی مشکلات میں اس سے مدد مانگتا ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ اس
موقعہ پر مسلمان صرف اپنی ذات کو سامنے نہ رکھے بلکہ سب
مسلمانوں کی طرف سے کہے، سب کو اپنے شامل کر کے دعا
مانگے تاکہ اس کا عہد مضبوط ہو اور اس کی دعا مقبول، مسلمان
سے کہلوایا۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین

خداوندا ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم
سب تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

قرآن نے کہا دین و دنیا کی بھلائی کی دعا کرنی ہو
تو اس میں اپنے دوسرے بھائیوں کو نہ بھولو، سب کے لئے
دعا کرو۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا
عذاب النار

خداوندا ہم سب کو دین دنیا کی بھلائی عطا فرما۔ اور
ہم سب کو عذاب دوزخ سے بچا۔

مطلب یہ ہے کہ دعا بھی وہی جلد قبول ہوتی ہے
جس میں انسان صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ سب کو پیش نظر رکھتا
ہے اور خدا کے حضور میں حاضر ہو کر یہ ثابت کرے کہ میرے سینے میں
سب کے لئے درد و سوز جزن ہے، تب ہی خدا کی طرف سے
اس کی مدد ہوتی ہے اسی لئے سرورِ عالم نے فرمایا۔

"مسلمانوں کی دعا اپنے دوسرے بھائی کے حق میں
بہت جلد قبول ہوتی ہے۔" معلوم ہوا ہے کہ جب کسی قوم میں
خودغرضی پھیل جاتی ہے اور افراد کا دل اجتماعی ہمدردی سے
خالی ہو جاتا ہے تو اس کے افراد کی دعائیں بھی قبول نہیں
ہوتیں خواہ وہ انفرادی تقوے اور ذاتی نیکیوں میں کتنے
ہی پارسا اور شب زندہ دار کیوں نہ ہوں

نعت سرور کائنات

از مرزا محمد زبیر ابن شفیق زبیر امروہوی

بزمِ کون و مکاں کی بنا آپؐ ہیں
ابتدا آپؐ ہیں، انتہا آپؐ ہیں
کوئی حاجت ہو حاجت روا آپؐ ہیں
کوئی مشکل ہو مشکل کشا آپؐ ہیں
حسن اوصاف کی انتہا آپ ہیں
ہر بزرگی میں بعد از خدا آپ ہیں
صرف خالق کو ہے معرفت آپؐ کی
ذہن مخلوق سے ماورا آپ ہیں
عقل انساں کی تکمیل ہونے تو دو
خود زمانہ سمجھ لے گا کیا آپؐ ہیں
جلوۂ حسن معبود کی جھلکیاں
کوئی دیکھے تو بس جا بجا آپؐ ہیں
آپ اور نورِ حق۔ ایک ہی نور ہے
کون کہتا ہے حق سے جدا آپؐ ہیں
اب نہ آئے گا آئین دیں حشر تک
یا نبی خاتم الانبیاء آپ ہیں
معصیت پہ ہماری نہ کیجئے نظر
ہم سراپا خطا اور عطا آپؐ ہیں
اپنی محرومیوں کا ہمیں غم نہیں
صاحب لطف وجود و سخا آپ ہیں
اے زبیر ان کی مدحت کچھ آساں نہیں
سوچئے اس کے لائق بھی کیا آپ ہیں

معین احمد علوی کاکوروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مراۃ مسعودی اور اُس کا مصنف

مراۃ مسعودی نامی کتاب سید سالار مسعود غازی بہرائچ کے حالات میں سب سے قدیم اور مفصل کتاب سمجھی جاتی ہے جس کو بادشاہ جہانگیر کے زمانہ (۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) میں یعنی ان کی شہادت کے ۶ سو برس بعد مولانا عبدالرحمن چشتی نے تالیف کیا۔ سالار غازی کی شہادت ۴۲۴ھ میں ہوئی

مولانا عبدالرحمن چشتی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے ان کی پیدائش ۱۰۰۰ھ میں اکبر بادشاہ کے زمانہ میں بانگرمئو کے موضع رسول پور عرف دھنیتی DHANAITI من اعمال پرگنہ لکھنؤ میں ہوئی جسے اب تیرگاؤں کہتے ہیں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں خود فرماتے ہیں کہ وقت کے مشہور بزرگ شیخ کمال الدین محمد بن بندگی شیخ نظام الدین امیٹھوی نے بسم اللہ کرائی اور چند سال آداب امردہی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد والد کی طلب پر تلاش معاش، رسم سپہ گری اور آداب ملوک سیکھے۔ انیس سال کی عمر میں جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے زمانہ میں عشق مجازی کے ذریعہ طلب حق پیدا ہوئی چند سال اغنیا کی صورت میں ریاضیات اور مجاہدات شاقہ اور ہر سلسلہ کے عملیات کئے اور بطرز اویسی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے عقیدت پیدا ہوئی۔ مولانا موصوف کے خاندان کا روحانی سلسلہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے چشتیہ صابریہ سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ حمید (متوفی ۷ رجمادی الاول ۱۰۳۲ھ) کے ذریعہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی سے ملتا ہے۔

سلسلہ تالیف و تصنیف شروع کیا تو متعدد کتابیں اوراد چشتیہ (۱۰۳۲ھ) مراۃ المخلوقات (۱۰۴۱ھ) مرات مسعودی مراۃ الاسرار (۱۰۴۵ھ) مراۃ مداری (   ) مراۃ الجمال (   ) مراۃ الولایۃ (   ) وغیرہ لکھ ڈالیں۔ مراۃ الاسرار ان سب کتابوں میں زیادہ مقبول ہوئی۔ اس میں پانچ سو کے قریب صوفیائے کرام کے حالات مع اسناد لکھے ہیں زیادہ تر کتابیں قلمی شکل میں ہیں ابھی تک چھپی نہیں ہیں۔ ان ہی میں مراۃ مسعودی بھی ہے اس کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں مراۃ الاسرار میں مصنف نے جگہ جگہ اپنے ذاتی حالات و واردات بھی لکھ دئے ہیں۔ مراۃ الاسرار کے طبقہ دوازدہم میں سید سالار مسعود کے حالات میں لکھتے ہیں۔

" ایں نیازمند کاتب حروف چوں در وسطہ ملوک بواسطہ کارہائے صوری و معنوی بجانب روحانیت حضرت پیر دستگیر خواجہ بزرگ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ متوجہ می شد۔ آنحضرت اشارت بطرف روحانیت سالار مسعود میکرد پس از توجہ روحانیت مسعود بہ قدس سرہ جمیع کارہائے ایں نیازمند از ہر اقسام ساختہ می گشتند۔ لما اکثر ازیں جا قیاس باید کرد مفصل تاکجا نویسد۔

خواجہ احمد جام اور خواجہ بہاءالدین نقشبند کے حالات میں اپنے اور سید سالار مسعودؒ کے تعلق کی مزید وضاحت ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں۔

" آج جبکہ سنہ یک ہزار و پنجاہ و ہفت ہجری ہے
مدت بست و ہفت سال ہوئے اس نیاز مند کو روحانیت
[سید سالا]ر الشہداء سے لگاؤ پیدا ہوا ہے۔ اس درمیان میں ظاہر و باطن
[میں] ایسا کسی قسم کا کوئی واقعہ نہیں گزرا کہ جس میں روحانیت
[سالا]ر الشہداء نے مجھے خبردار نہ کیا ہو۔ اور امداد صوری و معنوی
[ن]ہ فرمائی ہو۔"

اسی جذبہ میں وہ حسب الحکم حضرت خواجہ معین الدین
[چشت]ی بہرائچ تشریف لائے کثیر المطالعہ تھے۔ سفر و حضر میں
[کتا]بیں ان کے ساتھ رہتی تھیں مرات الاسرار ایسی ضخیم کتاب
[انہوں نے] تصنیف کی تھی۔ اسی دوق میں چلہ کشی اور عبادت میں مصروف
[ہو] گئے۔ ان کے علمی ذوق۔ تقدس اور عبادت سے متاثر ہو کر
[خاد]مان درگاہ نے سید سالار مسعود کے حالات لکھنے کی درخواست
[کی]۔ چنانچہ مراۃ مسعودی کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

[...]ر حقیر عبدالرحمٰن چشتی از کمترین
[...]مقدان محبوب رب العالمین
[...]ض رسانیدہ دنیا و دین اہل حلقہ
[...]دان برگزیدہ مسعود سالار مسعود
[...]ین سرو این نامرا دراز ابتدائے
[...]ل حلقہ محبت و بندگی بآستانہ
[...]رکہ و مطہرہ سلطان الشہدا بود و
[...]ست چون احوال تولد و تشریف
[...]ردن آنحضرت در ملک ہندوستان
[...]اقعہ شہادت اکثر مردم بروش
[مخت]لف بیان می نمودند و در کتب
[تا]ریخ جائے یافتہ نمی شد۔
[...]ز الحکمت ہموارہ در تجسس می بود کہ
[...]بیان واقعی معلوم شود۔ آخر بعد
[...]ز تفحص بسیار کتاب کہنہ تصنیف
[ملا] محمد غزنوی بہم رسید و ملائے مذکور

اللہ کے پیاروں کے ماننے
والوں میں سب سے کمتر فقیر حقیر
عبدالرحمٰن چشتی کو دین و دنیا کے
فیض پہنچانے والے برگزیدہ
لوگوں کے سرتاج سالار مسعود کے
آستانہ سے ابتدائے حال سے
عقیدت و بندگی تھی اور ہے
چونکہ سالار مسعود کی پیدائش
اور ہندوستان میں تشریف آوری
کو لوگ ایسے مختلف طریقوں
سے بیان کرتے تھے جن کا
تاریخ کی کتابوں میں کہیں تذکرہ
نہ تھا۔ اس لئے مجھ کو صحیح حالات
معلوم کرنے کی مسلسل جستجو رہی
آخر تلاش و جستجو کے بعد ایک
پرانی کتاب تصنیف ملا محمد غزنوی

ملازم سلطان محمود بن سبکتگین
بود۔ فاما آخر عمر بخدمت سلار
ساہو و سلطان الشہدا بسر
بردہ بود و بعد شہادت سلطان
برحمت حق پیوست۔ الغرض
تواریخ مذکور را از اول تا حرف
بحرف مطالعہ نمودہ محظوظ
گشت۔
و شبہات کہ داشت برطرف
شد فاما چون کتاب بسیار
طویل بود۔ اکثر جنگہائے سلطان
محمود غزنوی و سالار ساہو نوشتہ
جابجا تقریبات و ذکر سلطان الشہدا
آوردہ و ختم کتاب بر واقعہ
شہادت سلطان الشہدا ر
سالار مسعود کردہ از آنجہت
بعضے محباں کہ حلقہ بندگی و
اعتقاد بآستانہ متبرکہ سلطان
الشہدا داشتند بایں فقیر معتقد
شدند کہ قصہ سلطان محمود غزنوی
چنداں مطلب ندارد بہتر آن
ست کہ انتخاب کردہ احوال
سلطان الشہدا جداگانہ نویسد
و مطلب بندہ ہمیں بود ؎

ملی۔ ملا ئے مذکور سلطان محمود بن سبکتگین
کے ملازم تھے اور آخر عمر تک سالار
ساہو اور سلطان الشہدا (سالار مسعود)
کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے اور
سالار مسعود کی شہادت کے بعد اللہ کو
پیارے ہوئے الغرض اس کتاب کا
میں نے اول سے آخر تک حرف بحرف
مطالعہ کیا اور خوش ہوا اس کے
مطالعہ سے میرے دل کے شبہات
دور ہو گئے چونکہ کتاب بہت طویل تھی
جس میں سلطان محمود غزنوی اور سالار
ساہو کی (لڑی ہوئی) جنگوں کے
حالات تھے۔ کہیں کہیں سالار مسعود
کی تقریبات (غالباً بسلسلہ پیدائش
بسم اللہ وغیرہ) اور واقعہ شہادت
کا تذکرہ تھا۔ اس لیے عقیدتمنداں
آستانہ اور دوسرے محبت رکھنے
والوں کے اصرار پر حالات جمع کرنے
کے لیے تیار ہو گیا۔ میرے دل میں بھی
یہ آرزو پہلے سے تھی۔ پھر میں نے
روح مبارک سید الشہداء سے
استفادہ کیا اجازت ملنے پر کمر ہمت
باندھ کر اس کتاب کے لکھنے کیلئے
قدم اٹھایا۔

؎ کاشف اسرار مرداں — الٰہی عاقبت مسعود گرداں
سند۔ یہ بات شعر کے انتخاب پر مولانا کے حسن انتخاب کیلئے
دل سے واہ واہ نکلتی ہے۔ دانائے راز عشق مولانا روم کا شعر
ہے۔ سید الشہداء سالار مسعود کے نام کی مناسبت کیا ہے۔

راہ عشق کی منزل بھی ہے ۔ ؎

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

اتنی تفصیل کے بعد ہم مولانا کے ذاتی حالات، حسب نسب اور علم و ذوق کا حال خود ان کی خود نوشت سوانح سے نقل کرتے ہیں جو مراۃ الاسرار میں جگہ جگہ درج ہیں ۔

خاندانی حالات میں اپنا شجرہ مکمل جو بیس واسطوں سے حضرت علی مرتضی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک لکھا ہے اس کی سند کے لئے لکھتے ہیں کہ ـــ " مارا از آبا و اجداد خود متواتر بنقل معتبر چنیں رسیدہ است (مجکو اپنے آبا و اجداد کے ذریعہ اس شجرہ کی بارھویں پشت میں ایک بزرگ شیخ دانیال عرف مولانا عود ہوئے ہیں ان کے حالات الکبوس (طبقہ لبت دہکم) میں تفصیل سے اس طرح بیان کئے ہیں کہ

مولوی بدرالدین پدر مولانا عود بادشاہ غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں ولایت خراساں سے ہندوستان آئے ۔ ایک عرصہ تک " در لباس اغنیا " گذری اس کے بعد جذبہ حق نے زور کیا اور جو کچھ تھا سب چھوڑ کر تائب ہو گئے اور قصبہ ستر کھ میں گوشہ تنہائی اختیار کیا ۔ وہیں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے ۔ ان کے اکلوتے بیٹے شیخ دانیال عرف مولانا عود بن میر بدرالدین اپنی والدہ کو ستر کھ میں چھوڑ کر تحصیل علوم کے لئے بیانہ چلے گئے ۔ جہاں قاضی عبداللہ سے علوم عقلی و نقلی حاصل کئے قاضی صاحب نے اچھا حسب نسب دیکھ کر اپنی صاحبزادی سے عقد کر دیا ۔ شیخ دانیال مرشد کامل کی تلاش میں بیانہ سے دہلی آئے ۔ مشرق و مغرب کے دلوں کے بادشاہ حضرت شیخ نصیرالدین محمودؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ـــ ان کی خدمت میں عرصہ تک تربیت حاصل کی یہاں تک کہ خرقہ خلافت سے فیضیاب ہوئے ۔ چونکہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود شیخ دانیال کو اکثر اوقات مولانا عود کے نام سے یاد کرتے تھے اس وجہ سے یہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے بہت سے لوگ ان کا اصلی نام نہیں جانتے مولانا عود اپنے پیر

آخر شیخ نصیرالدین محمود سے اجازت لے کر بیانہ واپس ہو گئے اور وہاں سے اپنے اہل و عیال کو لے کر وطن روانہ ہوئے ساتھ میں سامان سفر کئی اونٹوں پر تھا ڈاکو ساتھ لگ گئے اور شیخ دانیال کو لکھنؤ سے گذرنے کے بعد راستہ میں شہید کر دیا ۔ خادم جنازہ ستر کھ لائے اور ماں کے مزار کے مشرق جانب دفن کئے گئے ۔ ان کے ایک لڑکے شیخ نصیرالدین بن شیخ دانیال ہوئے ۔ ان کے کافی اولاد ہوئی اور قصبہ ستر کھ میں آباد ہو گئے ۔ سلطان بہلول لودی کے زمانہ میں خوشحالی نصیب ہوئی ۔ بادشاہ کی طرف سے جائیدادیں عنایت ہوئیں جائداد کی دیکھ بھال کے لئے امیٹھی میں قیام اختیار کیا ۔ ان کی قبر اسی قصبہ میں ہے ۔ ان کے ایک صاحبزادے شیخ بدھ ہوئے جو صاحب دولت ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ روزگار، صاحب طریقت و خلافت تھے مخدوم شیخ خاصہ بن خضر چشتی کے خلیفہ بھی تھے ان کا مزار بھی قصبہ امیٹھی میں ہے ۔ شیخ داؤد پسر کلاں شیخ بدھ بڑے صاحب وقار تھے ۔ اور شیخ بدھ کے سامنے وفات پا گئے ۔

شیخ گوہر بن داؤد اکبر بادشاہ کے وقت میں جونپور میں قاضی ہوئے ۔ غرض میرے والد شیخ عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدھ اکبر بادشاہ کے عہد میں ۱۰۰۲ سنہ ہجری میں قصبہ امیٹھی سے بانگرمؤ چلے گئے ۔ اور وہاں موضع رسول پور عرف دھنیٹی (DHANAITI) من اعمال پرگنہ لکھنؤ میں رہنے لگے (اس گاؤں کو اب تیر گاؤں کہتے ہیں) اس فقیر کاتب حروف (مولانا عبدالرحمن چشتی) کی ولادت صبح پنجشنبہ ۹ ربیع الآخر سنہ ایک ہزار و پنج ۱۰۰۵ سنہ سلطنت اکبر بادشاہ کے زمانہ میں اسی قصبہ میں ہوئی ۔ چار سال کی عمر میں شیخ محمد بن بندگی شیخ نظام الدین امیٹھوی (شیخ کمال الدین محمد متوفی ۱۶۰۲ء) نے بسم اللہ کرائی ۔ اور چند سال آداب امردینی کی تعلیم حاصل کی بعد کو اپنے والد کے ساتھ طلب معاش، رسم سپہ گری اور آداب ملوک سیکھے

انیس سال کی عمر میں جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے زمانہ میں عشق مجازی کے ذریعہ طلب حق پیدا ہوئی چند سال اغنیا کی صورت میں ریاضات مجاہدات شاقہ اور ہر سلسلہ کے عملیات کیے۔ اور بطرز اویسی حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت پیدا ہوئی ـــــ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ـــــ یہ نیازمند اویسی ہے کہ ابتدا سے اب تک ارادت و تربیت و نوازش و نظر قبول بعز ندی روحانیت پاک خواجہ بزرگ حضرت معین الحق والدین قدس سرہ سے فیض حاصل کیا اس کی تفصیل بیان کرنا مناسب نہیں سمجھدار لوگ خود سمجھ لیں گے ؎

من کہ بروئے یار حیرانم طاقت وصف او کجا دارم

مرآۃ مسعودی کی تصنیف کے زمانہ میں تعین مرآۃ الاسرار کی خود نوشت تصریحات کی بنا پر بہت اچھی طرح کیا جاسکتا ہے اور یہ مولانا عبدالرحمن چشتی نے خود بتایا ہے کہ ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے ـ ۱۰۵۷ھ میں لکھتے ہیں کہ ستائیس سال سے اس نیازمند کو سید الشہداء سالار مسعود کی روحانیت سے لگاؤ پیدا ہوا ہے ۱۰۵۷ھ میں سے ۲۷ برس گھٹانے سے ۱۰۳۰ نکلتے ہیں یعنی پچیس سال کی عمر میں مولانا کو سید سالار مسعود کی عقیدت پیدا ہو چکی تھی۔

چشتی صاحب ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۹ سال کی عمر یعنی ۱۰۲۴ھ میں عشق کی شورش پیدا ہوئی۔ ۱۰۳۰ھ سے سید سالار مسعود کی روحانیت سے لگاؤ پیدا ہوا۔ اس لگاؤ کے بعد وہ بہرائچ تشریف لاتے ہیں اس آمد کے موقعہ پر خادمان درگاہ نے حالات جمع کرنے کی خواہش کی ہے اس سات سال کے درمیانی وقفہ میں مرآۃ مسعودی لکھی گئی ہے۔ یہی وہ متبرک نسخہ ہے جس میں سید سالار کی روحانیت سے تعلق کے علاوہ دوسری نعمتوں سے بھی مالا مال ہوئے ہیں مرآۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ

"اس سیر و سلوک کے زمانہ میں حالات دریافت کرنے کے خاطر میں نے بڑی ریاضتیں کی ہیں لیکن دل کی آرزو کے مقصد نہ کھلے اتفاقاً اسی زمانہ یعنی ۱۰۳۰ھ سلطان جہانگیر کے زمانہ میں مجھے تذکرۃ الاولیا نامی کتاب پڑھنے کو مل گئی میں نے اس کا حرف بحرف مطالعہ کیا۔ جب حضرت خواجہ بایزید کے حال پر پہونچا جس حالت کا مشتاق تھا مجھ پر منکشف ہوگئی۔

ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ ـــــ "مرآۃ مسعودی کے لکھنے سے میرے اندر عشق حقیقی کا جذبہ پیدا ہوگیا۔"

مذکورہ بالا جذبہ اور شوق میں مرآۃ مسعودی لکھی گئی ـــ اس کتاب کی تفصیلی کیفیت یہ ہے کہ موجودہ اسکولی کتابوں یعنی (۸/۱) کے سائز میں تقریباً ۱۲۵ صفحات کی کتاب ہے۔ جس میں ایک دیباچہ اور پانچ داستانیں ہیں۔ دیباچہ میں قرآن شریف اور احادیث نبوی کے ذریعہ شہادت کی فضیلت بیان کرکے شہداء کی افضلیت دکھائی ہے۔ سالار مسعود کا شجرہ خاندانی۔ اور تفصیل تصنیف کتاب بیان کی ہے۔

داستان اول :۔ سلطان محمود غزنوی کے حکم کے مطابق سالار ساہو کا ہندوستان کی طرف مظفر خاں کی امداد کے لئے روانہ ہونا۔ اور سالار مسعود کی اجمیر میں پیدائش۔

داستان دوم :۔ سالار ساہو اور سلطان الشہداء سالار مسعود کا غزنی واپس ہونا۔ اور حسن میمندی (وزیر سلطنت) سے سومنات کے بت کی خاطر عناد پیدا ہو جانا

داستان سوم :۔ سلطان الشہداء سالار مسعود کا سلطان محمود سے رخصت ہونا۔ ہندوستان پہنچ کر ملتان دہلی فتح کرکے دریائے گنگا کو پار کرنا۔ ستر کھ میں قیام کرنا

داستان چہارم :۔ سالار ساہو کا ستر کھ پہونچنا اور سلطان الشہداء سالار مسعود کا بہرائچ کی طرف متوجہ ہوکر شہادت

(بقیہ صفحہ ۵۵ پر)

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر
(اقبال)

مقامِ آدم

از ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی امروہوی

کیوں بنائے یہ زمین و آسماں میرے لئے
تو نے کیوں تخلیق فرمایا جہاں میرے لئے

میری ذمہ داریاں تیرے جہاں کی بہتری
تیری بخشش طرفِ جانِ ناتواں میرے لئے

بے نیازی وقف کرلی تو نے اپنے واسطے
اور ہر اندیشۂ سود و زیاں میرے لئے

پھر بھی مجھ سے کام لینا ہے تو اتنا مان لے
غم نہیں بڑھ جائیں گر دشواریاں میرے لئے

میری فطرت کا تقاضہ ہے تلاش و جستجو
خود نہ کرنا رازِ سربستہ عیاں کے لئے

میری جانِ ناتواں ذوقِ تجسس سے قوی
اسکے دم سے سہل ہے ہر امتحاں میرے لئے

فرض میرا اپنے ذوقِ جستجو کی تربیت
منکشف خود ہوں گے اسرارِ نہاں میرے لئے

چاند کی سنسان وادی میں تجسس نے مرے
کر دیا آباد اک تازہ جہاں میرے لئے

دیکھ یہ ذوقِ عمل کا ایک ادنیٰ سا کمال
راہ بن جاتا ہے بحرِ بیکراں میرے لئے

اپنی جنت سے مجھے تو نے نکالا ہے تو کیا
یہ زمیں بن جائیگی رشکِ جناں میرے لئے

امتحاں میرا اگر پھر ہو ترے مدِ نظر
آگ بن سکتی ہے اب بھی گلستاں میرے لئے

پردۂ لاہوت سرکایا ہے میرے ہاتھ نے
جادۂ منزل بنی تھی کہکشاں میرے لئے

میری ہستی آشنائے سختیِ قیدِ وجود
لامکاں تیرے لئے ہے اور مکاں میرے لئے

ہے ترا بارِ خلافت صرف میرے دوش پر
میں ہوں تیرے واسطے تیرا جہاں میرے لئے

میں اٹھا لوں گا ترا بارِ امانت شوق سے
پھول ہو جائے گا یہ بارِ گراں میرے لئے

منشی امیر اللہ تسلیم

(طرز مومن کے پیرو)

—— ڈاکٹر ابرار احمد پی۔ایچ۔ڈی

مومن کو اردو شعراء میں عہد آفریں کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی شاعری میں بعض ایسی خوبیاں ہیں جو اس زمانہ کے کسی شاعر میں بھی نہیں اور ان کی یہ خوبیاں انکے بعد ان کے سلسلہ کے تمام شعراء میں منتقل ہوتی رہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے سلسلہ کے شعراء ان کی روایات کو ہر حال میں سینے سے لگائے رہے اس خصوصیت میں مومن کو غالب پر بھی تفوق حاصل ہے کیونکہ غالب نے اردو شاعری میں جو اپنا ایک رنگ قائم کیا وہ انہیں پر ختم ہو گیا ان کے طرز پر گامزن ہونا ان کے شاگردوں سے بھی بن نہ پڑا لیکن مومن کے طرز کی تقلید کا پتہ ہمیں بہت دور تک چلتا ہے مومن کے شاگرد رشید نسیم دہلوی نے جب لکھنؤ میں آکر سکونت اختیار کی اس وقت یہاں پر ناسخ کا رنگ شدت کے ساتھ چھایا ہوا تھا اور دلی اسکول کے شعراء کا لکھنؤ میں رنگ جمنا بہت دشوار تھا لیکن نسیم نے اس فضا میں بھی اپنے اس رنگ سخن کو نہ چھوڑا جو ان کو اپنے استاد مومن سے ورثہ میں ملا تھا چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

مومن کا طرز چھٹ نہ سکے گا نسیم سے
شاگرد سے نہ بندش استاد جائے گی

انہوں نے لکھنؤ کی زبان ضرور اپنائی لیکن خیالات میں وہ دہلوی رہے چنانچہ زبان لکھنؤ میں رنگ دلی کی نمود ہیں جس شاعر کے کلام میں سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ نسیم ہی ہیں۔ لکھنؤ کی فضا میں ان کے انداز میں جو تبدیلی ہوئی وہ صرف لفظی تھی جس کا ان کے ایک شعر میں اشارہ بھی ملتا ہے کہ غزل خواں کے الفاظ کا اندازہ بدلتا رہتا ہے۔

نسیم اک طرز پر رہنا نہیں اچھا کہ ہر لحظہ
بدلتا ہے نیا انداز الفاظ غزل خواں کا

لیکن معنوی اعتبار سے وہ اپنے استاد ہی کے رنگ پر قائم رہے۔

نسیم کے بعد ان کے شاگرد شیخ امیر اللہ تسلیم نے بھی مومن کی ان روایات سخن کو حرز جاں بنائے رکھا جو نسیم کے واسطہ سے انہیں ملی تھیں۔

تسلیم کی زندگی معاشی کشمکش کی ایک طولانی داستان ہے۔ پیٹ کی خاطر کبھی پلٹن میں سپاہی ہیں تو کبھی دربار اودھ میں شاعر، کبھی چھاپہ خانہ کی ملازمت ہے تو کبھی ریاست سنگرادل کے پنشن خوار اور کبھی نواب رامپور کی قدر دانیوں سے سرفراز۔ بہرحال ہر بڑے شاعر کی طرح اطمینان و فراغت سے ہمیشہ محرومی رہی۔

زندگی کی طرح شاعری میں بھی وہ کشمکش سے دوچار نظر آتے ہیں ان کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ وہ ناسخ کے رنگ سخن کو اپنائیں جو ان کے تمام معاصرین شعراء کے یہاں پایا جاتا ہے یا اپنے استاد کی روش پر گامزن ہوں یہی وجہ ہے کہ اگر ایک طرف ان کے یہاں مومن کے رنگ کے اشعار ہیں تو دوسری طرف وہ ناسخ کے رنگ میں خالص لکھنوی نظر آتے ہیں جیسا کہ ذیل کی

چند مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

رنگ مومن:۔

وصل کی شب بھی ادائے رسم حرماں میں رہا
صبح تک میں التماس شرح پنہاں میں رہا
مرگئے لاکھوں شہید ناز کچھ پروا نہیں
وہ تماشا سے ہلال عید قرباں میں رہا

زور دکھلاتا ہے کیا کیا ضعف جسم ناز کا
رنگ اڑنے کو ترستا ہے مرے رخسار کا
حشر میں لوٹ گئے گنہ کی پردہ پوشی کے لئے
مانگ لیں گے کچھ تمہاری پاکدامنی سے ہم

کوسوں ہے زمیں خون شہیداں سے شفق گوں
یہ آگ نئی خنجر قاتل سے لگی ہے

رنگ ناسخ:۔

پھر خیال زلف پر ہم مشک افشاں ہوگیا
پھر مرا مجموعۂ خاطر پریشاں ہوگیا
آشنائے لذت زخم جگر طفلی سے ہوں
شیر کا قطرہ مرے سینے میں پیکاں ہوگیا

جب بہار آئے گی بلبل کا وطن جل جائیگا
آتش گل بھڑکے گی سارا چمن جل جائیگا
یہ تو کیا وہ سوختہ قسمت ہوں پہنچوں گا اگر
چادر آب رواں کا پیرہن جل جائیگا
ان بتوں کو بے مروت بے وفا کیا کہوں
آگ بن جائے گا سن کر برہمن جل جائیگا

لیکن بالآخر ان کو یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ اپنے استاد کے طرز بیان کو قائم رکھیں ؎

میں ہوں اے تسلیم شاگرد نسیم دہلوی
چاہئے استاد کا طرز بیاں پیدا کروں

تسلیم کی شاعری میں طرز بیان کی کشمکش بھی ان کی شاعری کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی اس سے ان کی بیشتر غزلوں میں ایسا گنگا جمنی رنگ پیدا ہوگیا جس میں طرز دہلی اور انداز لکھنوی کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے کسی شاعر کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے اس کی شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ اگر ایک طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسکا استاد کس مرتبہ کا ہے تو دوسری طرف یہ چیز بھی ملحوظ رکھنا پڑتی ہے کہ میدان شعر و سخن میں اسکے شاگردوں کا کیا مقام ہے۔ تسلیم کو جب ہم اس معیار پر پرکھتے ہیں تو وہ بھی نجیب الطرفین نظر آتے ہیں اگر ایک طرف وہ نامور استاد نسیم دہلوی کے شاگرد ہیں تو دوسری طرف حسرت موہانی جیسے یگانۂ عصر شاعر کے استاد ہیں۔

اردو غزل پر حسرت کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پرآشوب دور میں غزل کے گیسوے پریشاں کو سنوارا جبکہ باد مخالف کے تیز و تند جھونکے چل رہے تھے اس سلسلہ میں فانی، اصغر اور کسی حد تک جگر بھی ان کے ساتھ شریک نظر آتے ہیں لیکن سالار کارواں کی حیثیت حسرت ہی کو حاصل ہے وہ غزل کے لئے اس وقت سینہ سپر ہوئے جبکہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند تھا یہ حسرت اور ان کے رفقاء کا زبردست کارنامہ ہے کہ انہوں نے چمنستان غزل کو خزاں کے بیدرد ہاتھوں سے بچا کر از سر نو پھر وہی محفل سجا دی جو متقدمین نے سجائی تھی اس مہم میں جو چیز سب سے زیادہ حسرت کے کام آئی وہ وہی طرز مومن ہے جو نسیم اور تسلیم میں منتقل ہوتا ہوا حسرت کو ملا تھا اور جس کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں ؎

طرز مومن میں مرحبا حسرت تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں

حسرت جو شعرا متوسطین میں امتیازی اہمیت لے حامل ہیں انہوں نے زبان لکھنؤ میں رنگ دلی کی نمود کو پایا جو انہیں ورثہ میں ملا تھا بقول خود ان کے شاعری کے نام کو انہوں نے روشن کر دیا ہے

ہے زبان لکھنؤ میں رنگ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرت شاعری کا نام روشن ہو گیا

حسرت کو اس بلند مقام پر پہنچانے والے امیر اللہ تسلیم ہیں جن کا مختصراً ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے ان کا نام احمد حسین، امیر اللہ عرفیت، تسلیم تخلص مولوی عبد الصمد کے بیٹے، مولوی شیخ امان اللہ کے پوتے اور نعیم اللہ کے پرپوتے تھے ان کے اجداد ہمیشہ عہدہ شاہی پر ممتاز رہے چنانچہ ان کے پردادا کو محمد شاہ بادشاہ دہلی نے مقام نوراہی پرگنہ منگلیسی ضلع فیض آباد میں قاضی مقرر کیا تھا اور ان کے والد عہد محمد علی شاہ بادشاہ اودھ میں تمندار کے عہدے پر فائز تھے۔ ١٨١٨ء میں ضرغام علی نامی ایک شخص ساکن ہدوی سرائے پر سرکاری روپیہ عرصہ سے بقایا چلا آتا تھا۔ انہوں نے اپنے روابط کی بنا پر ایک ماہ کے وعدے پر چھوٹ دے دی لیکن اس شخص نے مولوی صاحب کو دھوکا دے کر سرکاری رقم ادا نہیں کی جس کے باعث انہیں اپنی جاگیر رہن کر کے بارہ ہزار روپیے کی سرکاری رقم بیباق کرنا پڑی جس کے بعد ان کو مفلسی اور تنگ دستی کا منہ دیکھنا پڑا۔

جہاں شاہی کر چکے تھے گدائی کس طرح کرتے رعیت بن کر مرہونہ گاؤں میں رہنا کسی طرح گوارا نہ ہوا تو ہدوسرائے کی سکونت ترک کر کے چند سے فیض آباد میں قیام کیا کوئی صورت معاش نہ نکلی تو آخر لکھنؤ چلے آئے اور عہد محمد علی شاہ بادشاہ اودھ میں سپہ گری کی طرف رخ کیا اور عہدہ ادشداری تک پہنچے۔

تسلیم ١٨٠٨ء مطابق ١٢٢٥ھ میں بمقام منگلیسی نواح فیض آباد میں پیدا ہوئے چونکہ ان کے والد پلٹن میں ملازم تھے اس تقریب سے لکھنؤ میں نشو و نما ہوئی بزرگوں نے کچھ اور نام رکھا تھا لیکن کسی درویش نے امیر اللہ نام رکھ دیا وہی مشہور ہو گیا۔ تسلیم نے فارسی کی ساری ابتدائی و انتہائی کتابیں اپنی والدہ اور مولوی شہاب الدین مغفور شاگرد مرزا ناطق مکرانی سے اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف سے جو کہ مولوی ولی اللہ فرنگی محلی کے شاگرد تھے پڑھیں۔ تحصیل علم کا نہایت شوق تھا کہ عربی کی تکمیل رامپور میں مولوی سلامت صاحب سے کی۔ کچھ کتابیں اپنے والد صاحب سے بھی پڑھیں۔ فن خوشنویسی میں آپ کو منشی عبد الحئی سندیلوی سے تلمذ حاصل تھا چنانچہ فن خطاطی میں کمال پیدا کیا۔۳؎

صغر سنی سے ہی ذوق سخن کا چسکا لگ چکا تھا پلٹن کی ملازمت کے دوران وارث علی نامی صاحب سخن کے ساتھ نشست و برخاست کی بدولت شاعری کی طرف خصوصی توجہ کی اور اس زمانہ کا جو غزلوں کا ابتدائی مجموعہ تھا وہ غدر میں تلف ہو گیا لکھنؤ میں شعر و سخن کا مذاق بہت عام تھا مطیع مصطفیٰ خاں کی ملازمت میں مرزا اصغر علی خاں نسیم سے ملاقات ہوئی اور ان کی شاگردی اختیار کر کے اپنی راہ اہل لکھنؤ سے الگ نکالی اور استادانہ مرتبہ حاصل کیا۔

ان کے ہمعصر شعرا کا حلقہ کافی وسیع ہے اور ان میں سے تقریباً سبھی اپنے وقت کے استاد گزرے

۱؎ لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر ابو اللیث ص ۵۰۴
۲؎ تذکرہ کاملان رامپور از شوق ص ۴۲ ۳؎ تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ ص ۴۸۴ ۴؎ اردوئے معلی شمارہ جولائی ١٩١١ء ص ۴ ۵؎ گل رعنا از عبد الحئی ص ۴۱۴

ہیں مثلاً ظہیر الدین حسین ظہیر، منشی مظفر علی اسیر، امیر احمد مینائی، مرزا داغ دہلوی، جلال لکھنوی، منیر شکوہ آبادی، میر یار علی خاں جان، سید زین العابدین منصور، سید احمد علی رتسا، آغا علی نقی غنی، مرزا معین الدین غمگین صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا، منشی سید صابر حسین صبا احمد حسین عروج، میر محمد زکی زکی اور شیخ امداد علی بحر وغیرہ

تسلیم کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت وسیع ہے جن میں سے خود بہت سے صاحب دیوان اور اپنے وقت کے استاد مانے گئے مثلاً فیروز علی خاں شیدا لکھنوی مولوی ظہیر احسن نیموی، ضمیر الدین احمد عرش گیاوی، سید عطا الکریم عطا، حسرت موہانی، شبیر احمد وفا رامپوری، نظیر احمد حسین فریاد بہاری، مولوی شمس الحق خیال، اعزاز الدین اعزاز حامد رامپوری جو قدیم شاگردوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں اور جدید شاگردوں میں حاجی محمد اسمٰعیل خاں صبر رامپوری جنہیں استاد سے بلبل تسلیم کا خطاب عطا ہوا تھا۔ غلام حضرت خاں حاذق رامپوری، محمد اکبر نشتر رامپوری، مولوی عتیق الرحمٰن کلیم، منشی گنگا پرشاد شیدا رامپوری، حسن افضل بدر بدایونی، قدرت علی خاں قدرت احمد حسین خاں افسر، منشی نبی علی کشتہ، محمد علی خاں نکہت اور منشی حبیب علی حبیب وغیرہ کے علاوہ اور بھی شاگرد ہیں جن میں سے زیادہ تر رامپور کے ہیں اور کمتر دیگر مقامات ہندوستان کے۔

تسلیم کے دواوین میں قصائد، غزلیات اور مثنویات کے علاوہ رباعیات و قطعات تاریخ وغیرہ بھی کچھ ملتا ہے جس پر انہیں اچھی مہارت تھی۔ متعدد دیوان سخن جمع کئے، پہلا دیوان جو غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے تیار ہو گیا تھا وہ غدر کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا۔ دوسرا دیوان "نظم ارجمند" کے نام سے ۱۲۸۹ھ میں نولکشور پریس لکھنؤ سے طبع ہوا جس میں قبل غدر کا بھی کچھ کلام موجود ہے۔ دوران قیام رامپور "دل افروز" کے نام سے ایک دیوان مرتب کیا جو ۱۳۱۸ھ میں طبع ہوا چوتھا دیوان "دفتر خیال" کے نام سے ۱۳۲۰ھ میں سعیدی پریس رامپور سے طبع ہوا۔ پانچواں دیوان جو نامکمل ہے اس کے متفرق اجزا ان کے رامپوری شاگردوں کے پاس موجود ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد مثنویاں بھی لکھیں جن میں نالۂ تسلیم، شام غریباں، صبح خنداں، دل و جاں نغمۂ بلبل، شوکت شاہجہانی، گوہر انتخاب، تاریخ بدیع (تاریخ رامپور) مشہور ہیں جو سب طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ سفر نامہ یورپ (نواب صاحب رامپور) منظوم ۲۵ ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور کی ملکیت ہے۔

تسلیم کا انتقال ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۲۹ھ بعمر ۹۱ سال[1] لکھنؤ میں ہوا اور تدفین خدا یار خاں کے باغ میں ہوئی مختلف لوگوں نے تاریخ وفات کہی جن میں سے میں صرف صفدر مرزا رامپوری کی قطعہ تاریخ وفات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

تسلیم کے فراق کا صدمہ کسے نہیں
تربت پہ آ کے کون نہیں نوحہ گر ہوا
چادر چڑھائی پھولوں کی رو کر نسیم نے
حسرت کے ساتھ ابر سیہ چشم تر ہوا
بے چین ہو کے بلبل تسلیم صبر بھی
بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ہوا
تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ لکھی
ہے زبان کا خاتمہ تسلیم پر ہوا
(۱۳۲۹ھ)

---

[1] لکھنؤ کا دبستان شاعری میں ڈاکٹر ابو اللیث نے ص ۴۱۵ پر اور حسرت موہانی نے اردوئے معلی شمارہ اگست ۱۹۱۱ء میں ص ۱۲ پر عمر ۹۰ سال بتائی ہے لیکن رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادب اردو میں ص ۱۹۸ پر عمر ۸۱ سال لکھی ہے جو درست قرار دیا ہے

مولانا عبدالباری ندوی مرحوم

از ملک

دنیائے علم و فضل میں ہمیشہ ہی قابل اور دانشور شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہی ہیں مگر ایسی شخصیتیں جو اپنے علم و عمل سے ایسی انفرادی شان کی حامل ہوں جن کی انفرادیت بیک نظر ہر خاص و عام کو محسوس ہو جائے کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ مولانا عبدالباری ایسی ہی منفرد خصوصیات کے حامل تھے۔ کوئی بھی جو مولانا سے تھوڑی دیر کے لئے بھی ملاقات کرتا وہ مولانا کی نمایاں انفرادیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مولانا، شبلی علیہ الرحمۃ کے ان مخصوص تلامذہ میں سے تھے جن کو موصوف کی صحبت بابرکت سے تحقیق و تصنیف کا خصوصی ملکہ و سلیقہ حاصل ہوا تھا۔

مولانا عبدالباری ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ مطابق یکم اگست ۱۸۹۰ء قصبہ گدیہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے آبائی وطن قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ تھا ان کے والد ماجد حکیم عبدالخالق مرحوم ریاست گدیہ کے طبیب کی حیثیت سے گدیہ ضلع بارہ بنکی آئے اور اس سلسلہ سے وہیں قیام رہا۔ یہاں تک کہ گدیہ کو مولانا کا وطن کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ حیرت کی بات ہے کہ مولانا کے حالات کے بیان میں ابھی سے اختلافات رونما ہو رہے ہیں مولانا نعیم صاحب ندوی نے ماہ مارچ کے معارف میں مولانا کی جائے پیدائش گدیہ ضلع بارہ بنکی تحریر کی ہے حالانکہ مولانا کی پیدائش جیسا کہ مکاتیب گیلانی میں مذکور ہے اور جیسے مولانا نے خود ملاحظہ کیا ہوگا گدیہ ضلع بارہ بنکی میں ہوئی تھی اسی طرح مولانا موصوف نے مرحوم کی عمر ۹۰ سال لکھی ہے مگر راقم الحروف جب ایک دن مولانا کی خدمت میں عیادت کے لئے گیا تو مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں ۸۱ برس کا ہو گیا ہوں اور میرے رفقاء میں اب صرف مولانا ماجد میاں جو مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں باقی ہیں۔ اس کے بعد ۱½ سال تک وہ زندہ رہے اس بیان سے ان کی عمر ۸۲ و ۸۳ کے درمیان معلوم ہوتی ہو سکتا ہے مولانا کو بیماری کے باعث سہو ہوا ہو بہرحال ۸۶ برس سے زیادہ عمر نہیں ہوتی ۱۳۰۷ھ کے حساب سے ۸۸ و ۸۹ سال کے درمیان ہوتی مولانا دریابادی مدظلہ مذہب اور سائنس میں مختصر تعارف میں لکھتے ہیں کہ میں مولانا سے کوئی دو تین سال چھوٹا ہوں ایک اور غلطی الفرقان مارچ کے ایک مضمون میں دیکھنے میں آئی اس میں مولانا کو دریاباد کے ایک شریف انصاری خاندان کا فرد لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

ابتدائی تعلیم اردو فارسی قصبہ ستر کھ ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ پھر عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حکیم عبدالخالق مرحوم اور اپنے بڑے چچا حکیم امجد علی (تلمیذ حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی) سے حاصل کی۔ پھر پہلے ندوہ میں داخلہ ہوا اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے نگرام ضلع لکھنؤ کے بزرگ مولانا ادریس صاحب تذکرۃ العلماء کے پاس بغرض تحصیل علم بھیجے گئے۔ ان کے فیض صحبت نے مولانا پر جو

جو اثر کیا وہ انہیں کی زبان سے سنیئے فرماتے ہیں "مولانا ادریس صاحب نرے عالم نہ تھے بلکہ جوار کے بزرگوں میں ان کا شمار تھا اور اس تباہ کار پر ان کی بزرگانہ نظر ایسی کیمیا اثر ثابت ہوئی کہ نہ صرف نماز با جماعت پنجگانہ کا انہیں کی مسجد سے پابند ہو گیا پڑھنے کا شوق بھی اتنا ہو گیا کہ ندوہ کے زمانہ تعلیم کی جتنی خامیاں تھیں سب اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیں۔" جب علامہ شبلیؒ ندوہ میں تشریف لائے تو مولانا کے والد نے انہیں دوبارہ ندوہ میں داخل کر دیا اور وہ ذوق علمی جو مولانا ادریس کے فیض صحبت سے حاصل ہوا تھا۔ مولانا شبلی کی ادب آگیں صحبت نے اس پر اور بھی جلا کر دی۔ مولانا شبلی کے اس دبستان علم و فضل سے سید سلیمان۔ مولانا عبدالسلام جیسے نامور تلامذہ آسمان علم و ادب پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اسی مختصر جماعت میں مولانا عبدالباری ندوی کا بھی ایک خاص مقام تھا۔ مولانا شبلی کے عہد کی یہ خصوصیت تھی کہ طلباء درسی کتب کے دائرہ سے باہر غیر درسی کتب کا مطالعہ کرنے لگے اور مضمون نگاری کا شوق پیدا ہو گیا۔

بعد تحصیل علم مولانا بہ سلسلہ ملازمت گورنمنٹ ہائی اسکول سلطان پور۔ دکن کالج پونہ۔ گجرات کالج احمد آباد میں بہ حیثیت استاد فارسی خدمات انجام دیتے رہے پھر ستمبر ۱۹۲۲ء سے مسلسل ۲۳ سال تک عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی اور آخر میں شعبہ دینیات کی خدمات پر فائز رہے جولائی ۱۹۴۵ء میں رٹائرڈ ہو کر اپنی کوٹھی واقع ہارڈنگ روڈ لکھنؤ میں جس کا نام "شبستان سعادت" مولانا مناظر احسن گیلانی نے تجویز کیا مستقل طور پر متمکن ہو کر تصنیف و تالیف مطالعہ اور خدمت دین میں مشغول ہو گئے۔ شرف بیعت شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی سے حاصل تھا پھر مرشد ہی کی اجازت سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے رجوع فرمایا اور ان کے خلیفہ ہوئے۔

مولانا ان اشخاص میں تھے جنہیں قدرت نے علم و عمل دونوں میں ممتاز مقام عنایت کیا تھا۔ فلسفہ جدید اور اسلامیات پر مولانا کی نظر بہت گہری تھی۔ موصوف نے فلسفہ کے دقیق اور مشکل مسائل کو آسان اور سریع الفہم زبان میں بیان فرمایا ہے۔ مولانا کی تصنیف برکلے کا فلسفہ بہت مشہور ہے۔ مولانا نے مختلف مضامین پر کتابیں لکھی ہیں۔ نفسیات۔ معاشیات۔ اخلاق۔ الٰہیات، تصوف سلوک اور سوانح جیسے مختلف موضوعات پر ان کے قلم نے گلکاریاں کی ہیں۔ علم کلام و فلسفہ میں مولانا کی قابلیت مسلم تھی۔ فلسفہ پر ان کی تحریروں کا یہ مخصوص انداز ہے کہ وہ بجائے الحاد و تشکیک کے مستشرقین کے مذہب دشمن مقالات کی مدلل تردید کر کے یقین صالح کی کیفیات پیدا کرتی ہیں۔

مولانا نے جس طرح اپنی تصنیفی زمانہ کے دور اول میں "مذہب اور عقلیات" رسالہ لکھ کر اکابر و افاضل سے خراج تحسین حاصل کیا اسی طرح اپنی حیات کے آخری زمانہ میں "مذہب اور سائنس" جیسے مشکل اور وسیع موضوع پر جس تفحص اور باوجود پیرانہ سالی جس عرق ریزی سے یہ معرکۃ الآرا کتاب لکھی ہے وہ اس دور تشکک اور اس الحاد و بے دینی کی یلغار میں مذہب اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے۔ جہاں رسالہ "مذہب اور عقلیات" کے متعلق مولانا تھانوی کا یہ قول کہ یہ کتاب "مذہب کا آہنی قلعہ ہے" اور مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کا یہ تاثر کہ "فلسفہ نے مولانا کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے" اس کی خوبی کی شاہد ہے۔ مولانا علی میاں مدظلہ کی رائے سند کی حیثیت رکھتی ہے فرماتے ہیں "اس رسالہ سے عقل و نقل کے حدود اور تجربہ و علم انسانی کی نارسی و ناپائداری اور انبیاء علیہم السلام کے علم کی قطعیت کا تخیل حاصل ہوا۔ ان اکابر کی یہ رائیں رسالہ مذکور کی افادیت اور گراں قدر

اہمیت کو بخوبی واضح کرتی ہیں۔ اسی کے متوازی "مذہب اور سائنس" جیسی معرکۃ الآرا تصنیف نے بقول ڈاکٹر رضی الدین صدیقی "یقین محکم حاصل کرنے اور دنیا و آخرت میں نجات پانے کا سامان مہیا کیا ہے"۔

دنیائے اسلام کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جب کبھی اس کے خلاف کوئی فتنہ اٹھا ہے تو قدرت نے اسکے دفاع کے لئے متبحر علما و فضلا پیدا کئے۔ جب صلیبی یورشوں کے زمانے میں عیسائیت نے مذہب اسلام پر حملے شروع کئے اور فرقہ باطنیہ نے اپنے مخصوص طریقوں سے مذہب اسلام میں تشکیک کا زہر پھیلانا چاہا اور توہمات اور استمداد غیراللہ کا رواج بڑھ گیا تو اللہ تعالے نے حافظ ابن تیمیہ جیسا قادرالکلام پیدا کیا جس نے ان کے مفروضات اور بدعات کے تار و پود بکھیر دیے۔ اسی طرح جب تصرف میں ہندی افکار اور افلاطونی خیالات نے نفوذ شروع کیا اور رفاعیہ اور معتزلہ اسلام کے نظریہ وحدانیت پر حملہ آور ہوئے تو الغزالی جیسا عالم پیدا ہوا جس نے ان فتنوں کا استیصال کر دیا۔ اسی طرح جب اکبر شہنشاہ مغل کے دین الہی نے اسلام میں اختلال پیدا کرنے کی جسارت کی تو قدرت نے حضرت سید احمد سرہندی کو ان کی توبیخ پر مامور فرمایا۔ ان کے مواعظ نے اس فتنہ کو اس کے بانی کے ساتھ ہی مدفون کر دیا۔

یہ زمانہ تعقل اور سائنس کا ہے آج کا بزعم خود تعلیم یافتہ طبقہ کسی خلاف عقل اور ما فوق البشر حادثہ کے قبول کرنے سے قطعاً انکار کرتا ہے وہ کسی دعوے کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں جبتک وہ دعویٰ عقل کی کسوٹی پر صحیح ثابت نہ ہو۔ سائنس اپنی ایجادات اور محیرالعقول انکشافات میں بدمست ہوکر اور فلسفہ جدید اپنے انداز فکر کی بنیاد پر وجود خداوندی سے بھی منکر ہونا چاہتا ہے مولانا کی افتاد طبع بھی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ وہ بھی کسی بات کو قبول کرنے پر راضی نہ ہوتے تھے جو عقل کی کسوٹی پر صحیح نہ اترے اور ان کو یہ یقین تھا کہ اسلام کا ہر عقیدہ مطابق عقل ہے۔ ضروری تھا کہ کوئی ایسا ہی دیدہ ور عالم سائنس اور اس کے جدید انکشافات کا کما حقہ جائزہ لے یہ خدمت مولانا کے لئے مقدر تھی۔ انہوں نے مذہب اور عقلیات مذہب اور سائنس دو ایسی کتابیں لکھیں کہ اگر ذہن حق کو قبول کرنے کی صفت سے قطعاً محروم نہیں ہوگیا ہے اور عقل پر پردے نہیں پڑ گئے ہیں تو وہ سائنس کے جدید انکشافات میں وجود باری تعالے کی صداقت کے روز افزوں عمل کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگا۔

مولانا نے ایک چھوٹا سا کتابچہ "کلمہ طیبہ" از عبداللہ کے نام سے ۱۹۳۰ء میں شائع کیا تھا۔ جس طرح انہوں نے اکثر مضامین عباری کے نام سے شائع کئے تھے۔ یہ رسالہ سوال جواب کی شکل میں دین کے بنیادی مسائل کو بیان کرتا ہے اس کی تلخیص مسلسل مضمون کی شکل میں نشیراوقاف کی جلد ۲ کے شمارہ ۳ میں پیش کی جا چکی ہے اس کا انداز بیان نہایت سلیس اور معلومات نہایت جامع ہیں۔ اکثر ناظرین نے اسے بہت پسند فرمایا۔ اس شمارہ میں بھی مولانا کے نامکمل مسودات میں سے جن کو مرحوم نے مرحمت فرمایا تھا ایک اقتباس "وحی قرآن" شائع ہو رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے مطالب قرآنی پر مولانا کی نظر کی وسعت کا اندازہ ہو سکے گا۔ اس موقع پر فہم قرآن کے بارے میں مولانا گیلانی کے ساتھ ان کی ایک گفتگو یاد آگئی۔ مولانا نے فرمایا کہ کلام پاک کا سمجھنا بہت دشوار ہے مولانا گیلانی فوراً بول اٹھے۔ مگر حضرت کتاب الہٰی تو کتاب مبین ہونے کی دعویدار ہے اس کے بعد دونوں طرف سے خاموشی ہوگئی، مولانا کے پاس جتنی دیر بیٹھئے مواعظ حسنہ کا ایک بطاہر لامتناہی مذاکرہ شروع ہو جاتا جس میں دعاؤں سے لے کر تعقلیات قرآنی پر نہایت جوش سے تقریر فرماتے رہتے

شعائر اسلامی سے ذرا بھی انحراف ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ایک بار ارادہ مر دفاتر کی طرف سے کھیلی ہوئی لاپروائی پر حالت غیظ میں فرمایا کہ یہ کمبخت رسول مقبول کو (نعوذباللہ) جھوٹا سمجھتے ہیں معاملہ کو اس رخ سے دیکھا جائے تو حساس طبائع کے لئے یہ ایک سخت تازیانہ ہے۔

اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے بڑے واعظوں کی خارجی اور خانگی زندگی میں بڑا تفاوت ہوتا ہے شاید ایسے ہی لوگوں کے لئے کسی دل جلے شاعر نے کہا ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و ممبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

مگر مولانا کا حال باہر اندر یکساں تھا۔ وہ جس طرح گھر کے باہر کسی بے راہ روی اور دین سے لاپروائی پر سرزنش سے باز نہیں رہتے تھے اسی طرح گھر پر بھی سخت نگاہ رکھتے تھے یہاں تک کہ مولانا کی کوٹھی کے شاگرد پیشہ کے چند کمروں میں رہنے والے کرایہ داروں کے لئے ادائے کرایہ کی شرط سے زیادہ ادائے نماز باجماعت کی شرط لازمی تھی۔ مولانا مذہبی بے راہ روی برداشت ہی نہ کر سکتے تھے اور اظہار ملامت میں وہ کسی کی مروت یا لحاظ کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ یہ غنیمت ہی تھا کہ مولانا آخر عمر میں اپنی کوٹھی کے ایک کمرے میں گوشہ نشین ہو کر تصنیف و تالیف اور [illegible] بت دین میں مشغول رہے ورنہ ادارہ مر دفاتر کی سے اس لاپروا دنیا میں مولانا کی سرزنشیں، خدا جانے کتنوں کو شاق گزرتیں۔ مولانا کے دینی شغف کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مولانا کی کوٹھی کو مولانا گیلانی نے جنت کے خطاب سے پکارا ہے۔

مولانا معمولات کے سختی سے پابند تھے۔ جب تک چلنے پھرنے کے قابل رہے نماز پنجگانہ محلہ کی ایک بوسیدہ مسجد میں جس کو انہوں نے نئی شکل دی اور جس کی مزید توسیع میں ان کے صاحبزادے نضل الباری سلمہ آج کل منہمک ہیں ادا فرماتے تھے اور بعد نماز فجر مولانا کا معمول تھا کہ وہ طویل چہل قدمی کے لئے باہر بستی سے الگ نکل جاتے اور واپس آکر مطالعہ، تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتے۔

مولانا عمر کے بیشتر حصہ میں شدید تنفس کے مرض میں مبتلا رہے خود ہی فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ دمہ دم کے ساتھ ہے مگر اللہ کے فضل و کرم سے میرا مرض ایسا گیا کہ گویا تھا ہی نہیں۔ اس کے لئے انہوں نے چائے میں عرق لیموں ڈال کر ایسا التزام کیا کہ سفر و حضر میں کہیں بھی اس کا ناغہ نہ ہونے پایا۔ فرماتے تھے کہ اس فنجان نے اور کچھ اوراد نے مجھے اس موذی مرض سے نجات دلائی آخر عمر میں مولانا پیشاب کی تکلیف میں مبتلا ہوئے اور اس عالم ضعیفی میں ان کا آپریشن ہوا اس کے بعد ناقابل تشخیص عوارض نے ایسا حملہ کیا کہ مولانا صاحب فراش ہو گئے اور پھر افاقہ حاصل نہ ہوا بیماری کے زمانہ میں گھر والوں نے بالخصوص ان کی صاحبزادی صبیحہ خاتون نے ایسی تندہی اور مستعدی سے تیمارداری کی کہ مولانا ہر وقت اس کے لئے دعائیں فرماتے تھے مولانا نے ان سے اکثر فرمایا کہ بیٹی ماں باپ کی دعائیں اولاد کے لئے بہت موثر ہوتی ہیں تم بتاؤ کہ میں کون سی دعا تم کو دوں ایسا حالت بیماری میں ایک دن اپنے پوتوں اور نواسوں کو اپنے سامنے جمع کیا تعداد دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

اس رسالہ مشیر اوقاف کے اجرا کے وقت راقم الحروف نے اپنی کم علمی کے پیش نظر مولانا سے اس کا ذکر کیا تو مولانا نے فرمایا ذرا میری صحت ٹھیک ہو جائے تو میں تمہارے رسالہ کے لئے اچھے مضامین کا بندوبست کر دوں گا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا ان کی حالت روز بروز بگڑتی گئی اور بالآخر علم دین و فلسفہ کا یہ متبحر عالم اور عمل کا یہ حیرت انگیز نمونہ ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء صبح ۴ بجے اپنی اولاد معنوی کے ساتھ اولاد ظاہری چار فرزند اور دو لڑکیاں چھوڑ کر داصل بحق ہو گیا اور ڈالی گنج کے قبرستان تکورہ باغ میں محو خواب ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ --

ایک وقف کی کہانی
وقف بورڈ کی زبانی

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو

قرائن سے ایسا معلوم ہوا کہ ابھی تک آپ کو کہانیاں سننے کا شوق باقی ہے۔ ہمارے سامعین میں ایسے بھی سال خوردہ رسم رسیدہ و چشیدہ بزرگ ہوں گے جن کو یہ کہانیاں سنتے وقت خواہی نخواہی یہ شعر حافظہ پر ابھر آتا ہوگا۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

تو لیجیے نہ سہی آپ بیتی حدیث دیگراں سمجھ کر سنئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ خدانخواستہ کہانی کی سماعت کے دوران اگر نگاہ جائزہ کہیں اپنے ہی کسی متماثل واقعہ کی طرف بے اختیار گھوم گئی تو ضمیر خفتہ یا نیم مردہ پر بڑی چوٹ لگ جانے کا امکان ہے۔ اور کہانی کا سارا مزہ کرکرا ہو کر رہ جائے گا۔ مگر کسی ایک کو تنہا شرمانے کی ضرورت نہیں اور یقین مانئے اس قصہ کا رخ آپ کی طرف ہرگز نہیں۔ اس حمام میں بہت سے ننگے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے آپ بھی غالب کی طرح اپنی انفرادیت کے قیام پر زور دیں اور دوسروں کے ساتھ مرنا بھی پسند نہ کریں۔

ہاں کہنا کیا تھا اور بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی مجھے آپ کو یہ یاد دلانا تھا کہ آپ اس کو حہ ملامت کے اس دستور سے واقف ہو چکے ہیں کہ بالعموم کسی پوشیدہ وقف علی الخیر کو رجسٹرڈ کرتے وقت یہ نعرہ بلند ہوتا ہے کہ حضور یہ وقف "خالص" وقف علی الاولاد ہے اور ایک زمانہ دراز سے پشت در پشت ہمارے آباؤ اجداد اس بہتی گنگا میں اشنان کرتے رہے ہیں اور اس جائداد کی فتوحات سے عنداللہ مستفید ہوتے رہے ہیں اور آج بھی سارا خاندان ہم سمیت ھذا من فضل ربی پر شکر نعمت کرتا ہوا توانائی شکم کو اسی کے سہارے قائم کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا آپ براہ خداترسی اس تکلیف دہ خیال کو ترک کر دیجئے ورنہ ہمیں گھسیٹے ہی میدان عدالت کے دروازے بلا تخصیص حق و ناحق کھلے ہیں۔ اگر ہم ہار بھی جائیں تو ہماری گرہ سے کچھ نہ جائے گا۔ اسی وقف کی آمدنی صرف ہوگی ہم پر آنچ بھی نہ آئے گی اور پھر اگر آپ جیت بھی گئے تو حساب فہمی کا بھی سوال نہیں معاملہ رفت و گذشت ہو جائے گا اور ہم یہی کہیں گے مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا رہی آخرت کی بات تو رہنے بھی دیجئے اپنا تو یہ عقیدہ ہے ؎

اب تو یاں چین سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

نبٹتے رہیں گے لیکن آپ اگر ہار گئے تو اس دنیائے چندروزہ میں ہرجہ خرچہ وغیرہ وغیرہ کے ذمہ دار ہوں گے اور یہ بھی گوش گزار رہے کہ کچھ بھی ہو قانون کی موشگافیوں کے سہارے معاملہ کو ایک طویل عرصہ کے لئے لٹکا دینا ہمارے وکیلوں کو

خوب آتا ہے۔

یہی کچھ تکیہ قطب شاہ مرادآباد کے معاملہ میں ہوا۔ یہ تکیہ مرادآباد ریلوے اسپتال کے متصل واقع ہے کبھی تو یہ محض قبرستان تھا اور اس کی طرف نظر اسی وقت جاتی تھی جب کسی مردہ کو دفن کرنا ہوتا۔ مگر جب ریلوے لائن اس کے قریب سے نکلی اور شہر نے ترقی کی تو یہ قبرستان سول لائن کے حدود میں ہیلیٹ روڈ پر آگیا اور اسکی اہمیت اور قیمت میں بڑا اضافہ ہوگیا۔ یہ ایک قدیم قبرستان ہے پورے نو بگیھہ پختہ رقبہ کا اس میں ایک بزرگ قطب شاہ کی زیارت ہے۔ اور ایک مسجد بھی ہے۔ کمشنر بہادر مرادآباد کے حکم مورخہ ۶ مارچ ۱۸۴۵ء کے تحت اور بحکم کلکٹر مرادآباد مورخہ ۱۲ مارچ ۱۸۴۵ء اس کے خاموش وجود میں ایک انقلاب آیا حکامان مذکور نے اس قبرستان کی آراضی رقبی نو بگیھہ پختہ واقع موضع مان پور نرائن پور (حال سول لائن مرادآباد) بحق مسمیان زین الدین وامین الدین برادران دواماً معافی برائے اخراجات زیارت واگذار کردی سارٹیفکٹ کے خانہ کیفیت میں یہ عبارت درج ہوئی۔

"برائے خیراتی اور مذہبی اخراجات کے دواماً واگذار کی گئی"

کچھ گھبراہٹ ضرور ہوئی کہ قید و بند سے آزاد املاک دائرہ قانون میں آگئی مگر اطمینان بھی ہوا چلو کیا فرق پڑتا ہے کرم یوں بھی ہے اور یوں بھی۔ معافی ہاتھ لگی اب یہ جانیں اور زیارت۔

زین الدین کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے محمد ولایت حسین گدی نشین ہوئے معافی خواروں کا یہ سلسلہ چلا ولایت حسین کے مرنے پر ان کے بیٹے اعجاز حسین اور اعجاز حسین کی وفات کے بعد ان کے لخت جگر مشتاق حسین جانشین ہوئے۔ مشتاق حسین کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ لہذا ان کے مرنے کے بعد چھوٹی لڑکی کے فرزند محسن علی کو وراثت معافی ملی جو اس وقت بھی قابض جائیداد مذکور ہیں۔

ناشدنی دیکھئے کہ ۱۹۳۶ء میں وقف ایکٹ ۱۳ پاس ہوا جس کے تحت اندراج اوقاف یوپی کے لئے وقف کمشنر مقرر ہوئے۔ اس وقت میاں مشتاق حسین اس جائیداد پر قابض و متصرف تھے بڑا پرآشوب زمانہ تھا۔ وقف کمشنر ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اوقاف کا اندراج کر کے گزٹ میں مشتہر کر رہے تھے ایک دن میاں مشتاق حسین کے پاس بھی وقف کمشنر کا نوٹس بلائے بے درماں کی طرح آپہنچا کہ آپ اس زیارت کا اندراج بصیغہ وقف کرا لیجئے تو مشتاق حسین نے وہی وقف علی الاولاد زندہ باد کا نعرہ بلند کیا اور ۴ جنوری ۱۹۳۸ء کو زیارت کے حالات مرتب کر کے آراضی قبرستان کو وقف علی الاولاد کی منزل پہ پہنچاتے ہوئے اندراج سے مستثنیٰ کئے جانے کی درخواست پیش کی جس کی دفعہ ۱ میں یوں رقم طراز ہوئے۔

دفعہ ۱۔ ایک قطعہ آراضی نو بگیھہ پختہ واقع مان پور نرائن پور پرگنہ مرادآباد گورنمنٹ سے بحکم کمشنر بہادر مورخہ ۶ مارچ ۱۸۴۵ء و ذریعہ حکم کلکٹر بہادر مورخہ ۱۲ مارچ ۱۸۴۵ء بنام شیخ زین الدین وامین الدین برادران حقیقی بطور معافی لاخراج واسطے خرچ زیارت شاہ قطب صاحب معاف کی گئی۔ جس میں قبرستان خاندان شیخ زین الدین، مسجد پختہ و زیارت قطب صاحب واقع ہیں۔" دفعہ ۴ میں یوں گلفشاں ہوئے۔

اس قطعہ آراضی موقوفہ معافی کی آمدنی (اس جز کی جو کرایہ پر ہے فی الحال ایک سو ساٹھ روپیہ سالانہ بذریعہ تولیت دیئے گئے ہے۔ مگر جب سے ریلوے جنکشن اس نواح میں قائم ہوگیا آراضی افتادہ میں کچھ مکانات و دوکانات میں نے اپنے ذاتی پیسہ سے تعمیر کرائے ہیں جو میری ملکیت ہیں۔ (نوٹ: یہ ذاتی پیسہ اسی زیارت کی آراضی سے آمدنی کا تو نہ تھا) جن میں میں خود بھی رہتا ہوں اور کچھ مکانات

کرایہ پر بھی دے دیے جاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ان کے کرایہ کی آمدنی جو وقف نہیں ہے (چہ خوش) خانہ داری کے اخراجات میں صرف کرتا ہوں اور جو ضرورت یا کمی ہوتی ہے وقف میں بھی خرچ کرتا ہوں دفعہ ۵ میں لکھتے ہیں۔

خرچ متعلق زیارت شاہ قطب صاحب مسجد و قبرستان مرمت سالانہ وسفیدی وغیرہ جو تخمیناً دو سو ایک روپیہ سالانہ کے ہے جو کرایہ آمدنی وقف آراضی مذکورہ بالا سے کی جاتی ہے اور جو کمی رہتی ہے وہ اپنے پاس سے کی جاتی ہے" مشتاق حسین نے اس درخواست کے ساتھ حکم کلکٹر مرادآباد برائے واگذاری جائیداد برائے اخراجات مذہبی و زیارت بھی پیش کی نقشہ تفصیل جائیداد جو مشتاق حسین صاحب نے برا جلاس وقف کمشنر پیش کیا اس میں نو بیگھہ پختہ آراضی جو بعد نکل جانے آراضی بہ قبضہ ریلوے تخمیناً پانچ بیگھہ پختہ ظاہر کی گئی۔

مگر ؎

مرا دل ہے کے شیشہ کی طرح پتھر پہ دے ٹپکا
میں چلاتا رہا ظالم مرا دل ہے مرا دل ہے

وقف کمشنر نے ایک نہ سنی اور فیصلہ کیا کہ آراضی مذکورہ برائے اخراجات زیارت قطب شاہ و دوامی عطیہ سرکار ہے لہذا اسکو تحت وقف ایکٹ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حسب دفعہ ۵ وقف ایکٹ زیارت قطب شاہ کو زیر تولیت مشتاق حسین بہ حیثیت وقف علی الخیر نمبر ۸۰ مرادآباد ۲۲/۴۴ 26 کو گزٹ میں شائع ہوا تفصیل جائیداد موقوفہ کے خانہ میں حقیت آراضی نو بیگھہ واقع موضع مان پور نرائن پور درج کی گئی۔

وقف کمشنر کا اس کل جائیداد کو وقف علی الخیر قرار دے کر گزٹ میں مشتہر کرا دینا بڑی تشویش کی بات تھی۔ سارا بنا بنایا قلعہ ہی منہدم ہوا جا رہا تھا۔ مگر ضرورت اختراع کی ماں ہے ذہن کرشمہ ساز نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو مشتاق حسین صاحب نے اسی موقوفہ جائیداد کا از سر نو ایک وقف نامہ تحریر کیا۔ اس میں ان تمام عمارات واقع برآراضی موقوفہ جن کو بزعم خود ذاتی سرمایہ سے تعمیر کیا جانا ظاہر کیا تھا اور جو آراضی وقف نمبر ۸۰ پہ تعمیر ہوئیں درج کیا یہ وقف نامہ ۲۶ مارچ ۱۹۴۷ء کو دفتر سب رجسٹرار مرادآباد میں رجسٹرڈ ہوا اور بمصداق ؎

محو تدبیر ہیں ہم لیک خدا ہی جانے
کون سا گل ہے پس پردہ تقدیر کھلا

اس وقف نامہ کو منسلک کرتے ہوئے ایک درخواست رجسٹریشن بہ حیثیت وقف علی الاولاد بنام پریسیڈنٹ وقف بورڈ ۱۱ جون ۱۹۴۷ء دفتر بورڈ میں موصول ہوئی۔ دیکھا آپ نے ؎

اہل تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

ذرا اس دور کی کوڑی کو الٹ پلٹ کر دیکھئے یہ آراضی وہی ہے جس کا گزٹ بحیثیت وقف علی الخیر بحکم وقف کمشنر ضمیمہ گزٹ حصہ ۸ میں ۲۶ فروری ۱۹۴۲ء کو زیر دفعہ ۵ وقف ایکٹ ہو چکا اور جس کی میعاد عذرداری ایک سال گذر جانے کے بعد فیصلہ وقف کمشنر منتہی اور ناقابل منسوخ ہو گیا اسی جائیداد موقوفہ کو متولی صاحب وقف نمبر ۸۰ کے وجود کو پوشیدہ رکھتے ہوئے معہ ان عمارات کے جو اس آراضی پر واقع ہیں دوبارہ وقف فرماتے ہیں اور اسی وقف نامہ کی بنیاد پر وقف علی الاولاد کے اندراج کی درخواست کرتے ہیں وقف نامہ مذکور کی عبارت ذیل قابل ملاحظہ ہے۔

"اپنی جملہ تعمیر کردہ عمارات بہ سرمایہ ذاتی خود بہ صراحت ذیل مندرجہ نمبران ا لغایتہ ۱۱ بالائے آراضی موقوفہ سابق ۴۲ بیگھہ محدودہ ذیل منجملہ کل قطعہ آراضی ۲ ۳/۱۲ بیگھہ خام جس کی بقیہ آراضی میں سے ہے سوازی ۴ بیگھہ آراضی متفرق کے والد مرحوم نے اپنی حیات میں مسمی شری کرشن داس کو کرایہ پر دے دی تھی

جس پر انہوں نے مکانات بنا لئے اس سے صرف کرایۂ اراضی سالانہ وصول ہوتا ہے جو شامل وقف بذا رہے گا اور آٹھ بیگھہ آراضی زیر تحت و تصرف ریلوے آچکی ہے پس ۲۳ بیگھہ کل قطعہ آراضی مذکورہ خام سابق میں بہ تعین رقبہ نو بیگھہ پختہ ہوتے ہوئے آراضی معافی موقوفہ جو پہلے تکیہ کے نام سے مشہور تھی اور اب باغ قطب شاہ کے نام سے موسوم ہے اور شیخ زین الدین جد بزرگوار مرحوم کے نام کھیوٹ میں درج ہے ــــ الحال چودہ بیگھہ خام اراضی جو میرے قبضہ متولیان میں بذریعہ ارث مورثان ہے اور اس قطعہ آراضی میں مزار مبارک قطب شاہ صاحب و دیگر قبور وایک مسجد متعلقہ زیارت مبارکہ مذکور واقع ہے اور ما بقیہ آراضی پر باغ موجودہ و عمارات تعمیر کردہ مجھ مقر جن کی وضاحت ذیل میں درج ہے میری ملک ہیں۔ اب میں بخوشی خاطر خود تمامی عمارات مندرجہ ذیل ـ ـ ــــــ بالائے چودہ بیگھہ خام موقوفہ مذکورہ زیر ایکٹ ۶ ۱۹۱۳ء وقف علی الاولاد بقید مقاصد بشرائط بدفعات ذیل وقف کرتا ہوں" اس عبارت کے مدبرانہ انداز پر غور فرمائیے۔

۱۔ اس میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ یہ آراضی موقوفہ ۱۸۰۰ء مراد آباد پر بہ نوعیت وقف علی الخیر بحکم وقف کمشنر گزٹ ہو چکی ہے۔

۲۔ یہ آراضی جد امجد بزرگوار شیخ زین الدین کے نام کھیوٹ میں درج ہے (گو یا ملکیت ہے)

۳۔ الحال چودہ بیگھہ خام آراضی جو میرے قبضہ متولیان میں بذریعہ ارث مورثان ہے (قانون وراثت چلتا ہے ؟)

۴۔ آٹھ بیگھہ آراضی ریلوے کے تحت و تصرف میں آگئی ہے۔ (دیکھئے کیا بلا معاوضہ ؟)

۵ آراضی جو شری کرشن داس کو کرایہ پر دی گئی اسکا صرف کرایہ برائے خرچ زیارت وقف سمجھا گیا۔ (باقی آراضی پر متولی صاحب نے اپنی عمارات بغرض محال ذاتی سرمایہ ہی سے کیسے بنائیں)

بہر حال مشتاق حسین نے وقف نامہ کو منسلک کر کے وقف بورڈ میں رجسٹریشن کی درخواست ارسال کی تفصیل جائیداد میں ۲۴ بیگھہ خام آراضی پر متعدد عمارات از قسم مکانات رہائشی وکرایہ داری و دوکانات وغیرہ واقع ہیلیٹ روڈ سادات مراد آباد درج کیا۔ امور خیر کی مد میں صرف ۔/۲۷ روپے محفوظ کئے گئے۔ آراضی موقوفہ پر مزار قطب شاہ و دیگر قبور وایک مسجد متعلق زیارت دکھائی گئیں کل آمدنی جائیداد ۔/۳۱۲ روپے سالانہ اور مالیت ۔/۵۰۵۶ روپیہ ظاہر کی گئی۔ بورڈ بھی دھوکا کھا گیا اور وقف مشتاق حسین ۱۰ مئی ۱۹۴۸ء کو زیر تولیت مشتاق حسین بہ نمبر ۲۰۲/II بہ حیثیت وقف علی الاولاد درج ہو گیا گویا کایا کلپ ہو گیا۔ اچھا خاصا مانا ہوا وقف علی الخیر وقف علی الاولاد ہو گیا۔ متولی کے گھر گھی کے چراغ جل گئے علاوہ مانڈہ میں کمی نہ آئی۔ بورڈ نے ایک وقف مزید رجسٹرڈ کر لیا ان میں سے کسی کو فریب پر یا اپنی غلط فہمی پر نظر ثانی کا کیا موقع تھا بورڈ آموختہ نہیں پڑھتا۔ یہ تو قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ متولی کے اعزا میں پھوٹ پڑ گئی۔ غالباً مشتاق حسین صاحب نے اس وقف علی الاولاد کے تحت دعویدار مستفیدین کو ان کے متوقع حق سے محروم کر دینے کی کوشش کی ہوگی۔ بہر حال نوبت بہ مقدمہ بازی پہنچی بات پھیلی تو ایک صاحب محمد اسحق نے ایک شکایتی درخواست بورڈ کو ارسال کی جس میں تمام فریب کاری کو بے نقاب کرتے ہوئے ایک مقدمہ نمبر ۶۸/۶۳ ۱۹۴۷ء محمد افضال احمد بنام شیخ مشتاق حسین اجلاس منصفی مراد آباد و فیصلہ اپیل نمبر ۲۰۵ ۱۹۵۱ء محمد مقبول حسین بنام

مستحسن علی با جلاس اڈیشنل سول جج مرادآباد مورخہ ۲۷ رنومبر ۱۹۵۲ء کی نقول منسلک کیں اپیل میں یہ سوالات زیر بحث تھے آیا مدعا علیہ مشتاق حسین نے وقف نامہ مورخہ ۲۴ رمارچ ۱۹۴۷ء (مذکورہ بالا) اپنی مرضی سے لکھا تھا اور آیا وہ مدعی کے خلاف مؤثر ہے یا نہیں اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آراضی متنازعہ (جو نمبر ZZ EX 220 پر بحیثیت وقف رجسٹرڈ ہے) پرائیوٹ ہے یا عام قابل اڈیشنل سول جج مرادآباد نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کیا کہ وقف نامہ اقراری مشتاق حسین بالکل باطل ہے۔ جائیداد موقوفہ ذریعہ وقف نامہ پہلے سے وقف تھی اور مشتاق حسین جو صرف ممبر تھے اور متولی بھی نہیں تھے ان کو اس جائیداد کو دوبارہ وقف کرنے کا کوئی مجاز نہیں تھا۔ بالفرض اگر وہ متولی بھی تھے تب بھی وہ اس جائیداد موقوفہ کو دوبارہ وقف نہیں کر سکتے تھے اس لئے دستاویز وقف نامہ ایک ردّی کاغذ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ سب باہر ہی باہر عدالت میں ہوتا رہا۔ نہ تو مشتاق حسین نے (اور انہیں کیا پڑی تھی) اور نہ ان مقدمات کے مدعی نے اس بنیادی فریب کی اطلاع بورڈ کو دی بورڈ کے کاغذات میں وقف نامہ بھی صحیح رہا۔ اور متولی مشتاق حسین متولی قائم رہے۔ اور وقف ZZ EX 220 پر بھی کوئی خراش نہ آئی۔

اسی درمیان میں چونکہ مشتاق حسین متولی کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے مستحسن علی نے مذکورہ بالا مقدمات کو پوشیدہ رکھتے ہوئے بورڈ میں خود کو مشتاق حسین کی جگہ پر متولی مقرر کرا لیا۔

مستحسن علی صاحب نے اسی فیصلہ سول جج کی اپیل الہ آباد ہائی کورٹ میں کر رکھی ہے جو آج ۱۹۷۶ء ہو گیا زیر سماعت نہ آسکی اپیل کا نتیجہ کیا ہوگا یہ ہائی کورٹ کی صوابدید پر منحصر ہے۔ سماعت کی نوبت کب آئے گی اس کا بھی اندازہ مشکل ہے غلطی کہئے یا لا پروائی غضب یہ ہے کہ اس میں وقف بورڈ فریق مقدمہ نہیں ہے اب جبکہ بورڈ کے علم میں آگیا ہے کہ اپیل زیر سماعت ہے تو فریق نہ بننا دفعہ ۶۸ کے قطعاً منافی ہے اور جان بوجھ کر ایک بڑے وقف علی الخیر کو ہوا و ہوس کی قربانگاہ پر چڑھانا ہوگا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مستحسن علی متولی نے وقف نمبر ۸ مرادآباد جو علی الخیر تھا آڈٹ کراتے رہے۔ مگر اس کی ہوا بھی نہ دی کہ یہی جائیداد بحیثیت وقف علی الاولاد ZZ X E 0 2 2 پر بھی درج ہے اور آڈیٹر کو وقف علی الاولاد کے حسابات کی فہمید سے کوئی واسطہ بھی نہ تھا کیونکہ وقف علی الاولاد مستثنیٰ اوقاف میں ہے چونکہ محمد اسحٰق اور ڈاکٹر شمیم احمد خاں صاحب کی شکایتی درخواستوں سے اس راز کا انکشاف ہوا کہ مستحسن علی صاحب آمدنی وقف کو خرد برد کر رہے ہیں اور قبور کو منہدم کر کے عمارات بنوانے کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقف مذکور کی آمدنی موجودہ /۶۰۰۰ سالانہ ہے (لہٰذا بورڈ نے ۲۴ ستمبر ۱۹۶۵ء کو قابض جائیداد موقوفہ مستحسن علی صاحب کو نوٹس دیا کہ ان کو بربنا بدعنوانی تولیت سے کیوں نہ برطرف کر دیا جائے اور یہ کہ وقف نمبر ZZ X E 220 میں دی ہوئی جائیداد کو وقف نمبر ۸ علی الخیر کا حصہ کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے)

ان شکایات پر اسسٹنٹ سکریٹری ۔۔۔ نے تحقیقات رپورٹ پیش کی اور سکریٹری وقف بورڈ بھی خود موقع پر بغرض معائنہ تشریف لے گئے۔ اور واقعہ کو صحیح پاکر وقف نمبر ZZ X E 220 علی الاولاد کے اندراج کو ۲۸ رفروری ۱۹۷۶ء منسوخ کر دیا اور جائیداد

مندرجہ وقف مذکور کو وقف علی الخیر کا جس کی اشاعت
گزٹ میں [illegible] تھی اور جو ایک سال گذر جانے کے بعد
قابل ترمیم ہو گیا جزو قرار دیا۔ اندراج کے حکم مخصوص
کے خلاف مستحسن علی نے عدالت سول جج مرادآباد میں
ریفرنس نمبر ۵۹ سنہ ۱۹۶۶ء مستحسن علی بنام وقف بورڈ
داخل کیا۔ عدالت موصوف نے بورڈ کی اس دلیل کو
کہ زیر دفعہ ۱۰ وقف ایکٹ کی کارروائی ریفرنس میں
زیر بحث نہیں لائی جا سکتی نہ مانتے ہوئے ۳۰ جون ۱۹۶۸ء کو بحالہ
کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ اس فیصلہ کے خلاف بورڈ نے الہ آباد ہائیکورٹ میں
نگرانی سنہ ۱۹۶۷ء سنی سنٹرل وقف بورڈ بنام مستحسن علی
داخل کی جس کا فیصلہ ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۶۹ء کو بورڈ کے
حق میں صادر ہو گیا۔ البتہ فریق ثانی کو نمبری دعوی دائر
کرنے کا حق دیدیا۔

ایک اور اپیل مستحسن علی نے عدالت اڈیشنل
ڈسٹرکٹ جج مرادآباد میں اپیل متفرقہ ۹۷/۶۷ بورڈ
کے خلاف حکم امتناعی کی غرض سے داخل کی تھی عدالت
موصوف نے یہ نگرانی ۶۹/۱۲۲ کو خارج کر دی۔

چونکہ مستحسن علی متولی کو شوکاز نوٹس دیا جا چکا
تھا اس لیے اس خطرہ کے پیش نظر کہ بورڈ ان کو تولیت
سے علیحدہ نہ کر دے بطور حفظ ماتقدم ایک مقدمہ
استقرار یہ نمبر ۵۰ جے سنہ ۱۹۶۹ء مستحسن علی بنام سنی
وقف بورڈ عدالت منصفی مرادآباد میں دائر کیا اور بورڈ
کے خلاف عارضی حکم امتناعی بھی حاصل کر لیا۔ منجانب
بورڈ جواب دہی کی گئی اور عارضی حکم امتناعی کے خلاف
اعتراض داخل کیا گیا اس اعتراض کی سماعت کی نوبت
بھی نہ آئی تھی کہ مدعی نے ایک اور درخواست بابتہ توہین
عدالت گذار دی جس کا بھی جواب بورڈ نے داخل کیا۔
مقدمہ مذکور نے طول کھینچا۔ پیشیاں بڑھتی رہیں یا بڑھائے
جانے کی صورتیں پیدا کی گئیں بہرحال مختاران بورڈ لکھنؤ

سے مرادآباد دوڑ لگاتے رہے بورڈ کا روپیہ اڑتا رہا۔
جب مقدمہ میں طوالت سایہ کی آنت کی طرح ختم ہی
ہونے نہ آئی تو منجانب بورڈ رسیور تقرر کئے جانے کی
درخواست دی گئی تاکہ کم از کم ۶۰۰۰ روپیہ سالانہ آمدنی
وقف رسیور کے ہاتھوں میں محفوظ رہے اور مقدمہ بازی
کا صرفہ متولی صاحب کو اپنی جیب خاص سے کرنا پڑ جائے
تو شاید کچھ ہوش بجا ہوں۔ اس درخواست کی پیشیوں میں
بھی گورکھ دھندا پڑ گیا اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی چونکہ
مدعی نے عرضی دعوی میں خود تحریر کیا تھا کہ پچیس ہزار
کے صرف سے جائیداد موقوفہ تعمیر کی گئی تھی اسی لیے تعین
مالیت وکورٹ فیس اور حدود اختیار سماعت عدالت
پر بحث ہوئی جس کا فیصلہ مدعی کے حق میں ہوا۔ اس
موقع پر یہ تحریر کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ مدعی مستحسن علی
کے وکیل جناب حلیم الدین راحت مولائی ایم ال اے
ممبر بورڈ نے اپنے موکل کی طرف سے پیروی مقدمہ
میں بہترین صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اور منجانب بورڈ
کیئے گئے تمام اعتراضات اور درخواستیں خارج ہوتی
رہیں یہ اور بات ہے کہ بورڈ کے مقامی پیروکار محمد اسحٰق
نے اپنے ایک مراسلہ بنام گورنمنٹ جس کی نقل فائل
میں موجود ہے موصوف کی نیت پر حملہ کر دیا۔ لکھتے ہیں
مسٹر راحت مولائی ایم ال اے ہیں وہ اس وقف
کو پورا ہضم کرنا چاہتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ
آپ کے اوپر اس معاملہ میں اثر ڈال رہے ہیں آپ
اس مقدمہ کی پیروی میں ڈھیل ڈالے ہوئے ہیں مسٹر
غیاث عالم سابق سکریٹری موجودہ کنٹرولر اور اسسٹنٹ
سکریٹری فرید الحق نے بڑی کوشش اور جانفشانیوں سے
مستحسن علی کے ۶۰ جے کو سمجھا ہے " ظاہر ہے محمد اسحٰق
جذبات کی رو میں بہہ گئے ان کو یہ یاد نہیں رہا کہ
وکیل کسی کا دوست نہیں ہوتا اور حق و ناحق سے اسکو

کوئی مطلب نہیں منجانب بورڈ حکم اختتامی کے خلاف بورڈ کے اعتراض کے خارج ہونے پر نگرانی داخل کی گئی اور ریسیوری کی درخواست کی نامنظوری کے خلاف بھی اپیل کی گئی اور تیسری اپیل تعین مالیت و اختیار سماعت عدالت کے متعلق بھی کی گئی بالآخر مقدمہ روبزن نمبر ۵۵ سنہ ۱۹۷۳ء منفصلہ ۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۷۴ء یہ اپیل بحال ہوئی اور عدالت نے حکم دیا کہ مدعی کو دعویٰ واپس کر دیا جائے تاکہ پوری کورٹ فیس ادا کر کے عدالت مجاز میں چارہ جوئی کرے مسلسل چھ سال کی جد و جہد کا اب یہ نتیجہ نکلا کہ بورڈ کا روپیہ صرف ہوتا رہا اور مدعی قابض جائیداد موقوفہ آمدنی جائیداد موقوفہ سے گلچھرے اڑاتے رہے اور وکیل صاحب اپنا حق المحنت وصول کرتے رہے۔ اسی دوران ایک ناگوار واقعہ پیش آیا بورڈ نے وکالت نامہ جوان مقدمات کے سلسلہ میں دیا تھا وہ محی الدین صاحب اہلکار بورڈ نے بجائے مقدمہ بورڈ میں داخل کرنے کے مقامی پیروکار محمد اسحٰق کو نہ جانے کیوں دے دیا۔ اور محمد اسحٰق نے بلا اجازت بورڈ اس وکالت نامہ کو ایک دوسرے مقدمہ میں داخل کر دیا۔ اس غیر مجاز فعل کی پاداش میں محی الدین صاحب کی ملازمت ختم کر دی گئی اور محمد اسحٰق کے خلاف عدالت میں درخواست گذار دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ محمد اسحٰق جیسا پیروکار بورڈ سے بدظن ہو گیا۔ مگر بورڈ پر اصول کے ماتحت اس اقدام پر الزام نہیں عاید کیا جا سکتا۔ محمد اسحٰق کو اصولاً برا نہ ماننا چاہیئے۔

مستحسن علی مدعی نے کورٹ فیس کی کمی پوری کر کے عدالت مجاز سول ججی مراد آباد میں دعوی استقرار یہ داخل کیا اس طرح مقدمہ استقراریہ نمبر ۲۶ سنہ ۱۹۷۴ء بعنوان مستحسن علی بنام سنی سنٹرل وقف بورڈ بعدالت سول جج مراد آباد پھر شروع ہوا۔ جس میں اسسٹنٹ سکریٹری کو بغرض شہادت بھیجا گیا۔ مگر بیان نہ ہو سکا۔ لہٰذا اسکے بعد منیر احمد مختار عام کو شہادت دینے کے لئے حکم دیا گیا۔ منیر احمد صاحب نے اپنا بیان قلم بند کرایا۔ مگر بحث کی تاریخ پر وکیل بورڈ جمیل الدین حیدر کی اس لغو ہدایت پر کہ بورڈ سے کسی پیروکار کے آنے کی ضرورت نہیں ہے بورڈ سے کوئی مختار نہیں بھیجا گیا۔ خدا جانے وکیل صاحب نے کیا بحث کی نتیجہ یہ ہوا کہ عدالت نے حکم سکریٹری بابتہ منسوخی وقف نمبر ۲۲۰ علی الاولاد مورخہ ۱۹/۶/۶۷ غیر قانونی قرار دے کر بورڈ کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ فیصلہ سے ایک عجیب صورت کا انکشاف ہوا عدالت نے اپنے فیصلہ میں اس اپیل کا حوالہ دیا جو مدعی نے اپیل نمبر ۴۰۵ سنہ ۱۹۵۱ء محمد مقبول حسین بنام مستحسن علی اجلاسی اڈیشنل سول جج مراد آباد کے فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ میں داخل کر رکھی ہے جس میں نہ بورڈ پارٹی ہے اور نہ بورڈ کو اس کی اطلاع ہے اس اپیل کا کوئی ذکر ابتدائی مقدمہ نمبری ۲۵۰ سنہ ۱۹۶۹ عدالت منصفی مراد آباد میں نہیں تھا اور منصفی سے بربنائے عدم اختیار سماعت عدالت مجاز میں دائر کرنے کیلئے واپس کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں عدالت مجاز میں وہی عرضی دعویٰ داخل ہونا چاہیے تھا جو عدالت منصفی میں داخل ہوا تھا۔ مگر اس میں یہ اہم ترمیم کی گئی جس کا حوالہ سول جج نے اپنے فیصلہ میں دیا عدالت منصفی میں داخل ہوا تھا۔ مگر اس میں یہ اہم ترمیم کی گئی اور اس بنا پر عدالت نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ امر متنازعہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے لہٰذا عدالت کوئی فیصلہ کرنے سے معذور ہے اب جبکہ اس اپیل کا علم بورڈ کو ہو گیا۔ بورڈ کو اس کی خبر لینا ہوگی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بورڈ کے وکلا اس

خطرناک ترمیم کو کیسے نظر انداز کر گئے دوسری ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ابتدائی مقدمہ مذکور میں جو کاغذات بورڈ کی طرف سے عدالت منصفی میں داخل ہوئے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کاغذات کو وہاں سے واپس لے کر اڈیشنل سول جج کی عدالت میں داخل نہیں کیا گیا اور نہ امین کی رپورٹ ہی داخل ہوئی جس سے مالیت جائیداد متنازعہ پر بحث کی جا سکتی۔ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مالیت جائیداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ لہذا کورٹ فیس پھر بھی کم لگی۔ ظاہر ہے کہ ان دو فروگزاشتوں کا مقدمہ نمبر ۶۶ سنہ ۱۹۷۴ء اجلاس اڈیشنل سول جج پر نہایت مضر اثر پڑا ہوگا۔

بورڈ نے فیصلہ سول جج کے نفاذ کے خلاف حکم امتناعی کی درخواست دے رکھی ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ اس پر کیا کارروائی ہوئی۔ اس بارے میں دفتر کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیل صاحب پھر اپنی ذمہ داری پر کسی قلم بورڈ کی حاضری کو بے سود سمجھتے ہوئے ہیں اپیل منجانب بورڈ نمبر ۲۸۳ سنہ ۱۹۷۰ء میں وقف بورڈ بنام مستحسن علی عدالت جج مراد آباد میں داخل ہے جس میں ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۷۶ء تاریخ پیشی مقرر ہے۔ داستان گو کو قانون میں کوئی دخل نہیں ہے مگر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بظاہر جو خامیاں نظر آئی ہیں ان کی تلافی کی طرف خاص توجہ ہونا چاہئے خوش فہمی کا اقتضا تو یہ ہے کہ جس بات کے لئے وکیل ذمہ داری لے لے اس کا نتیجہ خوش آئند ہی ہونا چاہئے۔ اپنا منصب یہ نہیں ہے کہ ایک قانون داں کو خوش خیالی کا مریض سمجھا جائے۔

بورڈ کو اس وقف کی آمدنی ۱۵۰ روپیہ سے بحساب ۶ فیصدی نو روپیہ سالانہ ملتے ہیں اور متولی صاحب ایک تخمینہ کے مطابق ۷۰۰ سالانہ آمدنی کے بل بوتے پر وقف بورڈ کے جسم ناتواں میں جونک کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے سے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

داستاں گو کا یہ خیال یقین کی حد تک پہنچ رہا ہے کہ جب تک قانون میں مندرجہ ذیل ترمیمات نہ ہوں گی بے ضمیر طالب منفعت متولیان علی الخیر کے دندان آز کو دہن دامن مقید نہ کیا جا سکے گا۔

۱۔ متولیان اوقاف علی الخیر کے دماغ سے یہ بات نکل جانا چاہئے کہ ان اوقاف کے متولی مقرر ہونے کے بعد جائیداد موقوفہ ان کی وراثت یا جاگیر ہو جاتی ہے۔

۲۔ متولیوں کی برطرفی کے حکم کے خلاف حکم امتناعی کی مد ختم کر دینا چاہئے، وقف سے علیحدگی ان کا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے۔

۳۔ ان متولیوں کو عذرداری کا حق دیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کا تعلق وقف کی آمدنی سے نہ رہنا چاہئے وہ علیحدہ ہو کر اپنے سرمایہ سے مقدمہ بازی کر سکیں گے

۴۔ مقدمہ میں ہار جانے کی صورت میں متولی سے حساب فہمی کا حق بورڈ کو استعمال کرنا چاہئے اور ہرجہ و خرچہ کی رقم بھی متولی سے وصول کی جانا چاہئے۔

۵۔ بورڈ کی درخواست رسیوری عدالت کی صواب دید پر نہیں بلکہ کارروائی کا ایک مسلمہ اصول ہونا چاہئے رسیور مقرر ہو جانے سے وقف کا سرمایہ محفوظ ہو جائے اگر متولی اپنے اقتدار کے لئے لڑتا ہے تو اس کا صرفہ اسے اپنی ذات خاص سے برداشت کرنا ہوگا وقف کیوں زیر بار ہو اب رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ آپ کے آرام کا وقت آ گیا۔ مجھے بھی اجازت دیجئے۔ شب بخیر۔

۷۰۶ واں عرس درگاہ شریف کلیر

درگاہ شریف کلیر سے متعلق مقدمہ بازی کا وہ طویل
لہ جو ۱۹۵۸ء میں سجادہ درگاہ نواب احمد صابری مرحوم
نی وقف بورڈ عدالت سول جج سہارنپور سے شروع ہوا
اس کا تفصیلی بیان شیرازہ اوقاف جلد ۱ شمارہ ۲ میں شائع
ہوا ہے یہ مضمون اس پر مسرت امید پر ختم ہوا تھا کہ موجودہ
دہ درگاہ جناب اعجاز احمد صاحب کی صلح پسندی سے
رمات کی لعنت سے نجات پانے کے امکانات پیدا ہو رہے
۔ یہ توقع ایک حد تک صحیح ثابت ہوئی۔ سجادہ صاحب
اپنا ریفرنس واپس لے لیا پھر بورڈ کو اپنا مقدمہ قائم
رکھنے کا کوئی جواز نہ رہا۔ مگر بورڈ کی درخواست واپسی
دمہ پر الزام تراشے گئے اور ہائی کورٹ سے مقدمہ اٹھائے
نے کی درخواست کے خلاف حکم امتناعی حاصل کیا گیا۔
دمات کے ختم ہونے کے بعد بورڈ کے سامنے درگاہ پر
بضہ حاصل کرنے کا سوال تھا توقع سے دوسرے فریقوں نے
ن فائدہ اٹھایا اور سول جج سہارنپور کی عدالت رسیور نامزد
کے تقرری کی درخواست پیش ہوئی بورڈ نے بھی مرحوم
مود دولی خاں کی جگہ پر ان کے صاحبزادے منصور علی
ں صاحب کو رسیور مقرر کئے جانے کی درخواست گزاری
الت نے یکم نومبر ۸۴ء کو جناب آفتاب احمد صاحب
ائرڈ سیشن جج ساکن بدایوں کو رسیور مقرر کر دیا اس
قرری کے خلاف بورڈ نے ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر دی

۲۵ مارچ ۸۵ء کو ہائی کورٹ نے رسیور کی تقرری کو نامنظور کرتے ہوئے آفتاب احمد صاحب سے بورڈ کے حق میں قبضہ دلائے جانے کا حکم صادر کیا، ۲ مارچ ۸۵ء کو بورڈ نے عدالت سول جج سہارنپور میں دخلیابی کے لئے درخواست دی جو منظور ہوئی اور حسب الحکم عدالت موصوف ایڈوکیٹ کمشنر کے ذریعہ یکم اپریل ۸۵ء بورڈ کو قبضہ دلایا گیا۔ قبضہ تو ایک ڈرامائی انداز میں حاصل ہو گیا۔ مگر تولیا میں نہ تو کوئی رقم ملی اور نہ پچھلے حسابات کے کاغذ ہاتھ لگے۔ البتہ پچھلے مطالبات کے بل۔ عملہ کی بقایا تنخواہ اور اخراجات لنگر کی ادائیگی کی ذمہ داری حصہ میں آئی۔ سجادہ کے منیجر کے بکس سے ۴۵۰/- روپیہ اور دیوان عثمان حسن کے بکس سے ۸۰۰/- روپیہ برآمد ہوئے جنہیں ان لوگوں نے رقوم امانت بتائیں کچھ گولکیں سربمہر مقفل تھیں یہ بند رہیں اور پندرہ روز قبضہ بورڈ کے زمانہ میں بھی انہیں میں نذرانہ پڑتا رہا۔ پندرہ روز کے بعد جب یہ کھلیں تو ان میں سے ۶۰۰۰/- روپیہ کی رقم برآمد ہوئی اندازہ ہے کہ اس میں تقریباً ۲۰۰۰/- کی رقم بورڈ کے زمانہ میں ڈالی گئی۔

انتظام درگاہ کے لئے بورڈ کو نیا عملہ مقرر کرنا پڑا لہٰذا جمشید علی خاں ساکن کیلاش پور کو منیجر بنایا گیا اور کچھ دیگر اہلکار ملازم رکھے گئے۔ دفتر وقف بورڈ سے بھی

ایک اہلکار کو بھی کیا معاملات بہت الجھے ہوئے تھے گذشتہ رسیوروں کے زمانہ کے بہت سے مطالبات کو صاف کرنا تھا درگاہ کی تحویل میں رقم ناکافی تھی۔ ضرورت تھی کہ کوئی تجربہ کار شخص اپنی زیر نگرانی ان الجھے ہوئے معاملات کو طے کرے سالانہ عرس بھی قریب آرہا تھا۔ اس کے انتظام کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ لہذا بورڈ نے جناب رفیق احمد صاحب اسسٹنٹ سکریٹری وقف بورڈ کو درگاہ کے انتظام پر مامور کیا۔ ایک اجنبی ماحول میں شکست خوردہ ذہنیتوں کی ریشہ دوانیوں سے خبردار رہتے ہوئے کام کرنا تھا۔ ماننا پڑیگا کہ رفیق صاحب نے بڑی ہمت اور محنت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا۔ ہند و اخبار میرٹھ نے بورڈ کی کارکردگی کو شاندار الفاظ میں سراہا ہے۔

ہفتہ وار اخبار محافظ سہارنپور مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں آمدنی و خرچ کا ایک تقابلی گوشوارہ شائع ہوا تھا۔ جس کو مصدق نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بھی اس سے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے اس اخبار میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق سال ۷۲-۱۹۷۱ء تک بزمانہ رسیوری جناب سعید مرتضیٰ صاحب کل آمدنی 95000/- سے 97000/- تک سالانہ دکھائی گئی تھی اور جناب محمد علی صاحب مرحوم رسیور مابعد کے زمانہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں 193874-05 روپیہ آمدنی کا ہونا درج کیا گیا تھا۔ اس اضافہ کو اس وقت ایک کارنامہ سمجھا گیا۔ اس سال ۷۶-۱۹۷۵ء دوران انتظام وقف بورڈ زائد از تین لاکھ کی یافت ہوئی۔ یہ کامیابی قابل تعریف ہونے کے ساتھ ازمنہ ماضی میں انتظامی کمزوریوں کی غمازی کرتی ہے۔ دشواری یہ ہے کہ مسلسل مقدمہ بازی کی وجہ سے درگاہ کے حسابات کا آڈٹ ۷۰-۱۹۶۹ء کے بعد نہیں کیا جا سکا جس سے صحیح صورت سامنے آسکے۔ صحیح اعداد و شمار اسی وقت منظر عام پر آسکیں گے جب حسابات کا باقاعدہ آڈٹ کیا جا سکے گا۔ مگر جب پچھلے حسابات کے کاغذات ہی سرے سے ناپید ہیں تو نتیجہ معلوم۔

حیرت کی بات ہے کہ جس درگاہ پر ملک کے گوشہ گوشہ سے بلا تخصیص مذہب و ملت لاکھوں عقیدت مندوں کا اجتماع ہوتا ہو وہاں موسم کی بے اعتدالیوں سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ اور ٹھہرنے کے لئے کسی قیام گاہ کا کوئی انتظام نہ ہو اور وہ غیر مستطیع زائرین جو خیمہ وغیرہ کا کرایہ دینے کے متحمل نہ ہوں وہ کھلے آسمان کے نیچے گرمی سردی ابر و باد کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوں افسوس کی بات ہے کہ اس غریب نواز درگاہ کے قریب ہی چند رئیس شاندار کمروں میں عظیم شان امارت کا مظاہرہ کر رہے ہوں اور ہزارہا غریب طوفان ابر و باد سے پریشان کسی درخت کا سایہ کسی دیوار کی پشت یا کسی چادر کا سہارا ڈھونڈھتے پھریں۔ کیا یہ صورت حال ایسی نہ تھی کہ از آغاز تا ایندم کسی کا خیال اس طرف مبذول نہ ہوتا شاید یہ سعادت وقف بورڈ کے سکریٹری کی نگاہ نکتہ رس کے لئے محفوظ تھی۔ جنہوں نے درگاہ پر زائرین کے ٹھہرنے کے لئے ایک وسیع مہمان خانہ صابری اور مختلف مقامات پر چند وسیع سائبان کی تعمیر کی تجویز رکھ کر عمل درآمد بھی شروع کرا دیا اور اصحاب خیر سے امدادی رقوم دینے کیلئے ایک اپیل بھی شائع کرا دی معلوم ہوا ہے کہ اکثر ذی حوصلہ معتقد متمول نے رقوم پیش کی ہیں۔ کاش اس تجویز کو آئندہ عرس سے پہلے عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ اس سال خیموں ہی سے کام چلانا پڑا۔ رفع حوائج ضروریہ کے لئے تقریباً چالیس عارضی بیت الخلا بنوائے گئے جن میں سے سوک پٹ (جاذب غلاظت) بھی تعمیر ہوئے۔ چند غسل خانوں کا بھی انتظام کیا گیا۔ اس ناکافی انتظام کو ایک اہم ضرورت کی طرف ابتدائی قدم اور احساس ذمہ داری کی علامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ مؤثر انتظام تو مہمان خانہ وغیرہ کی تعمیر ہی پر ہو سکے گا

ج کے تعاون سے بلا معاوضہ وبا ڈل سے یہ معاوضہ
ن کا بہ افراط انتظام کیا گیا فوجی کارکن اپنی مستعد
رکردگی کے لئے شکریہ کے مستحق ہیں۔
اس سال پاکستان کے زائرین کا ایک ۵، رکنی
جتھہ جناب ناظر دیوان سجادہ درگاہ ابدال صاحب
زیر قیادت درگاہ پر حاضر ہوا۔ ان کی آمد پر پنجاب
قف بورڈ نے صدر ان کو خوش آمدید کہا۔ درگاہ
ان کی تشریف آوری پر ان کے آرام کا خاص خیال
یا گیا اور ہر شخص کو واپسی پر منجملہ تبرکات کے کچھ مذہبی
تا بچے اور ایک خوشخط طغریٰ خوبصورت کاغذی
ریطوں میں پیش کئے گئے۔ ان کے قائد نے اس
ال کی خوش انتظامی اور بہتر مہمان نوازی کا مناسب
فاظ میں اعتراف کیا اور بہت مطمئن واپس گئے۔
بورڈ کے انتظامیہ کو درگاہ کے ناموافق حالات
ر بے سروسامان فضا پر اس مختصر عرصہ میں خاطر خواہ قابو
لینے کا سوال ہی نہ تھا۔ مگر رفیق صاحب کی جانفشانی
ور سکریٹری صاحب کی بہ نفس نفیس شب و روز نگرانی
سے جو پر سکون فضا پیدا ہوئی اس کو عامتہ الناس
نے بخوبی محسوس کیا۔ درگاہ پر شاہدان بازاری کے
نیمہ زنی کی ممانعت کو ڈی۔ آئی۔ آر اور دفعہ ۱۴۴
ا مدد سے سختی سے زیر عمل لایا گیا۔ اور یہ متبرک مقام
س لعنت سے ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا۔ ستم یہ ہے
اس نیک اقدام پر ایک طبقہ کے جیسے دل ٹوٹ گئے
ور وہ اس اصلاح کے اخلاقی و سماجی پہلو کو نظر انداز
رتے ہوئے محض اپنی تفریح طبع کے لئے بورڈ کے
لاف لن ترانیوں پر اتر آئے۔ دوسرا سخت مسئلہ
ؤسا کے بنوائے ہوئے ان چند کمروں کا تھا جو سال بھر
مقفل رہتے اور مالکان کی آمد پر صرف چند دنوں
ے لئے کھلتے تھے اور پھر مقفل کر دیئے جاتے بورڈ نے

درگاہ پر بنے ہوئے ان کمروں کی اس خصوصیت کو ختم
کرنا چاہا اور ان کی کنجیاں درگاہ کے حوالہ کرنے کی
ہدایت جاری کردی ظاہر ہے کہ اس سے جذبہ خود نمائی
کو ٹھیس لگی ہوگی۔ مگر اصول پھر اصول ہے۔ وقف بورڈ
نے میدان درگاہ میں مسلم لیگ کی کیمپ لگانے کی
درخواست کو مسترد کر دیا۔ درگاہ ایک روحانی مرکز ہے
ایسے سیاسی اکھاڑا کسی حال میں نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی
طرح لنگر کی تقسیم میں اس خیال پر عمل کیا گیا کہ کسی کو بربنائے
رواج زائد از ضرورت کھانا بطور خاصہ نہ دے کر
ضرورت مندوں میں زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو۔ ان اصلاحات سے
ناراض ہو کر اگر بورڈ کے خلاف دشنام طرازی کی مہم شروع
کر دی جائے تو بورڈ کو اس کی کیا پرواہ آں را کہ حساب
پاک است از محاسبہ چہ باک۔
انما الاعمال بالنیات۔

(بقیہ مرأۃ مسعودی اور اسکا مصنف ص ۴۵)

حاصل کرنا۔
داستان پنجم۔ شہادت کے بعد سلطان الشہدا کے کرامات اور عمارت
روضہ کی بنیاد مع احوال و خوارق کتاب فارسی
زبان میں ہے ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں
ہوئی۔ اس کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں
پائے جاتے ہیں۔ اس کے کچھ اجزا مشہور انگریز
مورخ سر ہنری ایلیٹ Henry M. Elliot
نے اپنی تاریخ ہند میں نقل کردیے
ہیں۔ اس طرح ان اجزا کو طباعت میں اولیت
حاصل ہے۔

(باقی آئندہ)

قانون حد بندی جائداد شہری (متعلق وقف)

سنٹرل وقف کونسل دہلی نے قانون مذکورہ بالا کی ان دو دفعات کی نقل ہمارے پاس بھیجی ہے جن کا تعلق اوقاف کی جائداد سے ہے اس کا اردو ترجمہ برائے معلومات درج ذیل ہے۔

دفعہ ۱۹ (۱) تحت دفعہ ۲ کے احکام کی پابندی کے ساتھ اس باب کے کسی حکم کا اطلاق ایسی زمینوں پر نہ ہوگا۔

(۱۲) کسی پبلک خیراتی یا مذہبی ٹرسٹ (بہ شمول وقف) کی ملکیت میں ہو اور جو کسی پبلک خیراتی یا مذہبی مقاصد کے استعمال اور ضرورت کے لئے ہوں

بشرطیکہ اس فقرہ کے تحت ملے ہوئے استثنا کا اطلاق اس وقت تک ہوتا رہے گا جبتک وہ زمین ایسے ٹرسٹ کے مقاصد مذکورہ کے استعمال اور ضرورت میں رہے۔

دفعہ ۲۰ (۱)

اس باب میں اوپر دیے گئے احکام میں سے کسی حکم کے باوجود

(۱) اگر کوئی شخص قانون حد بندی (میں دی ہوئی حد) سے زیادہ خالی زمین کا مالک ہے اور ریاستی سرکار کو ایسی زمین کے متعلق اپنی تحریک پر یا کسی اور طرح پر اطمینان ہو جاتا ہے کہ وہ زمین اپنے محل وقوع کے اعتبار سے اور اس مقصد کے اعتبار سے جس کے لئے وہ زمین استعمال ہو رہی ہے یا ہونے والی ہے نیز حالات کے اقتضا سے متعلق عوامل کے اعتبار سے ایسا کرنا مفاد عامہ کے لئے ضروری اور مناسب ہے تو ریاستی سرکار ان شرائط کے ساتھ جن کی صراحت حکم میں کی جائے گی ایسی خالی زمین کو اس باب کے احکام سے مستثنیٰ کئے جانے کے احکام جاری کر سکتی ہے۔

(ب) اگر کوئی شخص (تعداد) حد بندی سے زیادہ خالی زمین کا مالک ہے اور ریاستی سرکار کو اپنی تحریک پر یا کسی اور ذریعہ سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس باب کے احکام کا اطلاق ایسے شخص کے لئے بیجا مشکلات کا باعث ہوگا تو ریاستی سرکار ان شرائط کے ساتھ اگر کوئی ہوں اور جن کی صراحت حکم میں کی جائے ایسی خالی زمین کو اس باب کے احکام سے مستثنیٰ کئے جانے کے احکام صادر کر سکتی ہے۔

تبصرہ

آشوب آگہی

جناب رفیع الدین احمد سالک رحمانی کے کلام کا پہلا مجموعہ آشوب آگہی کے نام سے شائع ہوا ہے۔
غالب نے کہا تھا ؎

بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی
کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

سالک صاحب کے اس مختصر مجموعہ میں جس اعتماد کے ساتھ "آگہی" کا اظہار ہوا ہے وہ غالب کے عجز حوصلہ اور بادہ پرستی کا جواب ہے۔

جادۂ علم و تحقیق کا رہرو ہو یا احساسات و واردات کا ترجمان۔ ان کی تخلیقات پر زمانہ کے رجحانات کی چھاپ پڑنا ضروری ہے۔ سالک صاحب بھی اس عبوری دور کی آشوبیت سے بہ حیثیت ایک شاعر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے مگر ایک خوددار شاعر زمانہ کی بدحالی پر صرف نوحہ خواں نہیں ہوتا۔ بلکہ جگر خراش طنز سے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے، گم کردہ راہ نوجوانوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

کھرچ کھرچ کے مٹاؤ نہ اپنے ذہنوں سے
ہمارے نام سے شاید تمہارا نام چلے

جو قوم اپنے ماضی سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے اس کی حالت اس جہاز کی سی ہو جاتی ہے جس کا مستول نہ ہو یا اس شعر میں بے رحم نعش کوش کی سنگدلی پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔

یہ کس کی لاش دریکدہ پہ ہے یارو
ہٹاؤ اس کو یہاں سے کہ دور جام چلے

سالک صاحب کی "ناآشنا" قافیہ والی پوری غزل ہی ان کے احساس آشوبیت کی غماز ہے اس کا ہر شعر اسی مرکزی خیال کی مسلسل داستان کا ایک ٹکڑا ہے۔ کہتے ہیں۔

رنگ محفل آج کیوں ہے اس قدر ناآشنا
شام غم ناآشنا نور سحر ناآشنا

اور یہ شعر تو ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قاری کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے

اپنے اپنے ہی گھروندوں میں اسیر یاس ہیں
فکر کی وسعت سے ہیں اہل ہنر ناآشنا

مصوری ہو یا سنگ تراشی، موسیقی ہو یا شاعری۔ اگر آرٹسٹ کی انفرادیت اس میں نہیں جھلکتی تو ایسے آرٹ کو آرٹ نہیں کہا جا سکتا۔ صنف غزل انا نیتی ادب میں آتی ہے اس کی قدیم تعریف "عورتوں سے باتیں کرنا" تو عرصہ ہوا ترک ہو چکی اور "یاران نکتہ داں" نے اپنی وسعت بیاں کے لئے نئے میدان تلاش کر لئے۔ مگر انا۔ میں کا تسلط اب بھی اس پر قائم ہے۔ غزل میں شاعر کی "میں" ہر قدم پر جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔ آرٹسٹ کی انفرادیت ظاہری علامات کے ساتھ معنوی تاثر سے تشکیل ہوتی ہے۔ اس انا کی تین حالتیں دیکھنے میں آتی ہیں ایک تو وہ انا۔ میں ہے جسے آپ انانیت مغلوبہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال میر کا کلام ہے ان کی دل شکستگی صرف اتنی التجا کر سکی سرہانے میر کے آہستہ بولو۔ ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے اس کے مقابلہ ایک انانیت جارحہ ہے سودا نے کہا ؎

سودا کی جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

غالب کی انا کی نمائش ملاحظہ ہو کہتے ہیں

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

ایک انانیت سطلنہ ہوتی ہے سیر انیس نے اپنے قدر دانوں کو یہ کہہ کر پکارا۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

سالک صاحب اسی انائے محمود کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں

سالک ہمارے دم سے رہی رونقِ حیات
ہم بزم کائنات کے روحِ رواں رہے
اترا رہے ہیں آج جو گلشن میں اس قدر
ہوتا کچھ ان میں کاش شعور بہار بھی
رہِ حیات میں سالک ہمارے نقشِ قدم
مہ و نجوم ہیں ہر میر کارواں کے لئے

اور حقیقت تو یہ ہے کہ جیسا سالک نے خود کہا۔

اپنا اپنا ظرف ہے سالک ۔ حیرت جلوہ تاب نظر تک

سالک صاحب کی انفرادیت کی ظاہری علامت شوخی مضامین طنز ملیح، شوکت الفاظ اور اس کا معنوی عنصر ہی انانیت محمود ہے انہوں نے اپنے واردات کو اپنے مخصوص انداز میں اشعار کا لباس پہنایا ہے۔ زبان خالص ادبی ہے یہ واردات مخصوص وجدان میں ان پر وارد ہوئے لہٰذا اس وجدان کے ختم ہونے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے مگر صفحۂ قرطاس پر وہ نقش چھوڑ گئے جن سے روح میں ہمیشہ اہتزاز پیدا ہوتا رہے گا۔ سالک صاحب کا کلام فرسودہ خیالات، سوقیانہ جذبات اور ملحدانہ خرافات سے قطعاً پاک ہے۔ دلکش بحروں میں حسین الفاظ کے استعمال نے ان کے اشعار کی روانی میں بلا کی موسیقیت پیدا کر دی ہے مشتے از خروارے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اوروں کے سفینے لے آئے ساحل پہ بچا کر طوفاں سے
خود اپنی شکستہ کشتی کو ساحل سے بچانا بھول گئے
اس ذوق ستم سے اے سالک خود داری الفت قائم ہے
وہ رحم وکرم پر مائل تھے ہم زخم دکھانا بھول گئے
تمہاری یاد کبھی اس طرح کبھی آئی ہے
کہ جیسے عطر سے بوجھل عروس شام چلے

نکہت جسم مرمریں کی قسم
چاندنی عطر میں نہائی ہے
ہزاروں سال سے فطرت ہے مصروف خود آرائی
پراگندہ ابھی تک زلف عالم ہے مگر کیوں ہے
پرعکس نور پہ شبنم پہ عطر سبز فضا
جمال یار کا ہم بانکپن سمجھتے ہیں
شکست جام تو بے مدعا بھی ہو جائے
شکست دل کے لئے مدعا ضروری ہے

سالک صاحب ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں۔

نہ ہم سفر نہ کوئی رہنما ضروری ہے
قدم قدم پہ ترا آسرا ضروری ہے
بھی شکست انا کی حاجت ہے
آدمی کو خدا کی حاجت ہے

سالک صاحب نے اکثر متقدمین کے کسی خیال پر بھی کامیاب اضافہ کیا ہے۔

میر:۔ شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
سالک۔ ایسے ویراں ہیں بہار کے دن
جیسے مفلس کی رات ہوتی ہے

غالب:۔ کیا یہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

سالک:۔ ہر طرف جل رہی ہے آگ یہاں
کیا یہ نمرود کی خدائی ہے

جگر:۔ ترک الفت بجا سہی ناصح
لیکن اس تک اگر یہ بات گئی

سالک:۔ ترک الفت کی جو تم بات کیا کرتے ہو
ترک الفت کو تو ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں

آرٹسٹ کو اپنے آرٹ پر اگر اطمینان نہ ہو تو وہ آرٹسٹ ہی نہیں سالک صاحب کی خود اعتمادی ملاحظہ ہو کہتے ہیں۔

چھوڑے ہیں ہم نے نقش ہر اک رہگذار پر
یاران تیز رو انہیں رہبر بنائیں گے

مگر یاران تیز رو، اس زمانہ میں مفقود ہوتے جا رہے ہیں اقبال کو جو زمانہ ملا اس نے ان کے سوز باطن کو اپنے قلب میں جگہ دی اور اسرار خودی کو حصول معرفت کا ذریعہ بنایا۔ غالب کو اپنے زمانہ کی ناقدری پر جل کر کہنا پڑا۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

زمانہ مابعد نے اس ناقدری کی تلافی کر دی سالک صاحب نے یہ نقوش اس دور میں کھینچے ہیں جب ان کے پرکھنے والے باقیات صالحات میں شمار ہوتے ہیں۔ آیندہ کیا ہوگا خدا ہی جانے مگر جو یہ کہہ سکتا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب لکھی ہے
یہ نہ دیکھو کہ انتساب نہیں

— اسے اس کا کیا غم —

نوٹ:۔ کتاب ۱۸×۲۲ سائز پر عمدہ کتابت و طباعت اور خوبصورت گرد پوش کے ساتھ شائع ہوئی ہے
قیمت دس روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ شعبہ نشر و اشاعت سنی وقف بورڈ
۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ

اعلان ملکیت

نام رسالہ	مشیر اوقاف
رجسٹریشن نمبر	R. N. 26535/74
مقام اشاعت	۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ
وقفہ اشاعت	سہ ماہی
ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر	سید آل حسن
قومیت	ہندوستانی
پتہ	۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ
مالک	یو پی سنی سنٹرل وقف بورڈ لکھنؤ
پتہ	۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ

میں سید آل حسن اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین سے بالکل صحیح ہیں۔

سید آل حسن
اپریل ۱۹۷۶ء

اسوۂ رسول اور ہم

از ریاض الدین احمد پرنسپل مجیدیہ کالج رزنا گوڈی

حضور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے نمونے میں تمہیں وہ سب ہدایتیں مل جائیں گی جو دنیا کی برائیوں اور عیبوں کی اصلاح کرتی ہیں، کیونکہ وہ باوجود قدرت اور قوت کے عجز کے رہنا پسند فرماتے تھے اور باوجود دنیا سے قریب ہونے کے اس کی زیب و زینت سے دور رہتے تھے اب ناظر کو اپنی عقل سے دیکھنا چاہئے کہ خدا نے ان باتوں کی وجہ سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کتنا بلند کیا آج تقریباً پندرہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی کیا کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسے عزت اور محبت کا وہ عالی مقام یا اسکا پاسنگ بھی حاصل ہے جو اللہ کے برگزیدہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے عطا کیا تھا؟

پھر بھی اگر یہ جائزہ لینا چاہیں کہ اسوہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کیا کیا چیزیں ہم اپنا رہے ہیں تو معلوم یہ ہوگا کہ ہماری کوششوں کا اور اعمال کا رخ زیادہ تر اسوہ حسنہ کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہ تمام دنیاوی منفعتوں سے بھی جو اس اسوہ مبارکہ سے منسوب ہیں دستبردار ہونا ہم گوارا کرتے ہیں گوارا ہی نہیں بلکہ ہم نے اس کے مخالف عمل کرنا ہی زندگی کا وظیفہ بنا لیا ہے۔

اس محرومی کا خاص سبب کا فرانہ عیش و عشرت میں غرقابی اللہ کے محبوب سے بے تعلقی اور مرضیات الٰہی کی طرف سے بے فکری ہے آئیے ایک نظر اسوہ محمدی پر ڈالیں اور دیکھیں کہ ہم اس سعادت سے کس حد تک محروم ہیں جو اخلاق نبوی کے دامن سے لپٹی ہوئی ہے۔

تعظیم انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کے لئے کوئی ہستی رسول اللہ صلعم سے زیادہ محبوب نہ تھی لیکن یہ لوگ آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے معمولی سے افسران اور نیتا بھی یہ توقع کرتے ہیں کہ لوگ ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ جبریہ تعظیم و تکریم کا یہ طریقہ اب ہماری مجالس کی عادت ثانیہ بن گیا ہے۔ مگر حدیث نبوی ہے کہ اس شخص کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لینا چاہئے جس کو لوگوں کا اپنے لئے کھڑا رہنا پسند ہو۔

شکران نعمت ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلعم مجھے کھانا کھا رہے تھے ایک معمولی عورت اس طرف سے گذری اور آپ کے کھانے کو دیکھ کر کہا یا رسول اللہ آپ تو ایک غلام کا سا کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ کا فرش بھی کتنا ادنیٰ قسم کا ہے جو غلام ہی استعمال کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اے عورت۔ تعجب کیوں کر رہی ہے؟ بھلا مجھ سے بڑھ کر غلام کون ہو سکتا ہے؟ میں اپنے

معبود کا سب سے بڑا غلام ہوں آپ کھانے کے لئے زمین پر تشریف فرما ہوتے اور اس طرح بیٹھتے جیسے نماز میں بیٹھا جاتا ہے تاکہ نعمت کا شکر اور حق عبودیت پوری طرح ادا ہو جائے۔

اور ہم۔ کیا جب ہم اپنی سجی سجائی کھانے کی میز پر بیٹھتے ہیں تو ہم کو کبھی اسوۂ رسول کی یاد آتی ہے؟ کیا ہم میں اس ذات پاک کے لئے کوئی جذبہ تشکر ابھرتا ہے جس نے یہ نعمتیں اکٹھا کر دی ہیں یا وہ جذبہ عبودیت جوش میں آتا ہے جو رسول امین کے دامن پاک سے لپٹا نظر آتا ہے؟ درحقیقت ان جذبات اور احساسات سے بچ کر نکل جانے ہی میں ہمیں آسانی نظر آتی ہے۔

اختصار} حضور صلعم تقریر و مواعظ میں اختصار ملحوظ رکھتے۔ اور کوئی بات ایسی نہیں فرماتے جو مبہم ہو یا جس کا مطلب ایک سے زیادہ ہو۔ آپ جو کچھ فرماتے وہ نہایت صاف اور واضح ہوتا اور اہم باتوں کو تکرار سے فرما دیتے تاکہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہ جائے۔ تقریر اور مواعظ تو الگ رہے آپ کی نماز بھی سب سے زیادہ مختصر ہوتی اور دعاؤں میں بھی اختصار فرماتے کہ مبادا کسی سننے والے یا مقتدی پر گراں نہ گذرے۔

مگر ہمارا طریقہ یہ ہے کہ لیڈران قوم جب ممبر پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ایسی لفاظی اور لسانی کا استعمال کرتے ہیں کہ ذرا سی بات گھنٹوں میں کہی جاے۔ اور کبھی بھی اس طرح جائے کہ جب موقع ہو اس کی آسانی سے تردید ہوسکے نمازوں اور دعاؤں میں اکثر امام مسجد بیماروں۔ ضعیفوں اور مسافروں کا خیال نہیں کرتے۔

استغنیٰ} ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بار جبریل نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام آپ کو پہنچایا۔ اے محمد۔ اگر تم چاہو تو مکہ کے اطراف کی جتنی ریت نظر آ رہی ہے سب سونے کی کر دی جائے۔" یہ سن کر آپ نے تین مرتبہ آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔" نہیں اے پروردگار بس یہ کافی ہے کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھاؤں اور تیری تعریف کروں۔ اور ایک روز بھوکا رہوں اور تجھ سے سوال کروں۔" یہ استغنیٰ تھا جس نے بھوک کو بھی لطیف کر دیا تھا اور سوال میں بھی لذت پیدا کر دی تھی۔

ہم میں استغنیٰ کی تو کیا صفت پیدا ہوتی لالچ ہمارے رگ و پے میں اس طرح پیوست ہو گئی ہے کہ کتنا ہی ملتا جائے ہمارا دامن پر نہیں ہوتا اور ہوس کم نہیں ہوتی طمع کا شکار وہ مفلس نہیں ہیں جنہیں ایک وقت کھانا ملتا ہے تو دوسرا وقت فاقے کا ہوتا ہے بلکہ بڑے لالچی وہ ہیں جن کی تجوریاں ہمیشہ مال و دولت سے بھری رہتی ہیں

گرما گرم کھانا} رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی گرم گرم کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ" گرم کھانا دوزخ والوں کی غذا ہوگی۔ تم ٹھنڈا کر کے کھایا کرو گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔" روٹی آپ اکثر جو کی کھاتے تھے جس کا آٹا چھانا نہیں جاتا تھا اور پیٹ بھر کر کبھی نوش نہیں فرماتے۔ کھانا تناول فرما کر آپ برتن انگلیوں سے صاف کر کے چاٹ لیتے۔ حدیث مبارکہ یہ ہے کہ" برتن کا

آخر حصہ برکت کے لحاظ سے اچھا کھانا ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا خوب گرم نہ ہو تو ہم کھا ہی نہیں سکتے۔ اور بعض گھروں میں تو یہ دستور ہے کہ جب لوگ کھانے پر بیٹھتے ہیں تب روٹیاں گرما گرم اترتی ہیں۔ اور جو کی روٹیاں تو کاشتکاروں نے بھی کھانا چھوڑ دیا حالانکہ وہ پچھلے دنوں میں ان کی توانائی اور تندرستی کی ضامن تھیں۔ اور برتن کا آخر حصہ جو برکت کا حامل ہے چھری اور کانٹے چمچے والے لوگ تو استعمال ہی نہیں کر سکتے۔ دعوتوں میں تو کھانے کا معقول حصہ لوگ پلیٹوں میں چھوڑ دیتے ہیں اور روٹیاں توڑ توڑ کر خراب کرتے ہیں۔ یہ بڑا اسراف ہے اور اسراف اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

مسواک } مسواک انبیاء کی سنت ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم زیتون یا پیلو کی مسواک کا استعمال فرماتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسواک کرنا زبان میں فصاحت اور شیرینی پیدا کرتا ہے۔ حضرت علی کو آپ نے وصیت فرمائی کہ "اے علی تم ہر وضو کے وقت مسواک کیا کرو" اور حدیث میں آیا ہے کہ "مسواک آدھا وضو ہے" دانتوں کی دوائی سوت مسواک ہے۔ ہر چیز کی ایک طہارت ہوتی ہے۔ منہ کی طہارت مسواک ہے۔ مسواک کے حسب ذیل فضائل بتائے گئے ہیں۔

(۱) سنت رسول ہے (۲) منہ کو صاف و پاک کرتی ہے (۳) آنکھوں کو جلا بخشتی ہے (۴) خدا کو راضی کرتی ہے (۵) دانتوں کا میل دور کرتی ہے (۶) دانتوں کو سفید کرتی ہے (۷) مسوڑھوں کو سخت کرتی ہے (۸) بھوک لگاتی ہے (۹) بلغم دور کرتی ہے (۱۰) حافظہ میں زیادتی کرتی ہے (۱۱) نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے (۱۲) فرشتے مسواک کرنے والے سے خوش رہتے ہیں

اس کے برخلاف آج برش اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال ہر خاص و عام کرنے لگا ہے۔ حالانکہ برش میں گندگی ہے اور ٹوتھ پیسٹ والے ممالک میں سب سے زیادہ امراض دانت کے ہوتے ہیں۔ مسواک کرنے والوں کے دانت مدت العمر تک قائم رہتے ہیں جبکہ امریکہ وغیرہ میں اکثریت کو شروع عمر ہی میں دانتوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ نیز یہ کہ مسواک کثیر فوائد کے ساتھ ایک کم خرچ بلکہ بے خرچ نسخہ ہے۔ مگر برگشتہ مزاج ایسی نعمتوں سے بھی اپنے کو محروم کر لیتا ہے جن کے منافع روحانی کے علاوہ مادی بھی ہیں۔ اور جو انسانی صحت اور تندرستی کے لئے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

پڑوسی } رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھ کو پڑوسی کے حق کے بارے میں ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ میں ڈرنے لگا کہ کہیں پڑوسی کو وارثوں کی فہرست میں نہ داخل کر دیں۔

آج طریقہ بالکل الٹا چل پڑا ہے۔ حق تو درکنار اکثر پڑوسیوں سے سلام کلام کی نوبت بھی نہیں آتی۔ میل ملاقات ہدیہ تحائف کا سلسلہ جاری تھا تو اسلامی اخلاق اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا تھا۔ نئی تہذیب نے یہ رسم اٹھا دی اور جذبہ باقی ہم آہنگی کا نعرہ لگایا۔ ہم آہنگی کی جڑ کاٹ دی اور کھپنگیوں پر آشیانہ بنا کر ڈھنڈورا

بنا شروع کر دیا۔
پڑوسیوں کے آرام و آسائش کی فکر کرنا تو بڑی بات ہے، مغربی طرز زندگی نے محرومیوں کی حد بہانگ بجا دی ہے کہ بھرے محلے راہی کو ہم اپنے پڑوسی کا پتہ تک نہیں بتا سکتے۔ خود اپنے ہی ملک کی بات ہے ایک بڑی کوٹھی میں دو آدمی داخل ہوئے۔ صاحب خانہ برآمدے میں تشریف فرما تھے ان کو کسی آس پاس کوٹھی میں رہنے والے کی تلاش تھی۔ صاحب خانہ سے دریافت کر بیٹھے۔ نتیجے میں انہیں راہنمائی تو کیا ملتی جھڑکیاں اور بد زبانیاں ہاتھ آئیں۔

سستا اور مفید صابن

خطمی اور بیر کے پتوں سے سر دھونا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رہا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ہر جمعہ کو خطمی سے سر دھونا (۱) جنون و برص سے امن میں رکھتا ہے (۲) رزق میں وسعت پیدا کرتا ہے (۳) میل کو خوب صاف کرتا ہے اور (۴) کیڑوں کو مارتا ہے۔
بیر کے پتوں سے سر دھونا تمام انبیاء و مرسلین کے نزدیک مقدس ہے یہ رزق کو بڑھاتا ہے اور وسوسوں کو دور کرتا ہے۔ جبریل امین نے حضور صلعم کا سر بیر کے پتوں کے پانی سے دھلایا تھا۔
اتنا مفید اور سستا نسخہ چھوڑ کر ہم سر دھونے کے لئے صابن اور شیمپو کا استعمال ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ وہ نہ مفید ہیں نہ ان میں کوئی طبی منفعت ہے اور نہ کم قیمت ہیں۔ اس کے برخلاف یہ نزلہ پیدا کرتے ہیں اور بالوں کو قبل از وقت سفید کر دیتے ہیں۔

بیماریوں سے تحفظ

ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ جو شخص جمعہ کو ناخن لیتا ہے حق تعالیٰ اس کی انگلیوں کی پوروں سے بیماروں کو دور کر دیتا ہے اور اس میں شفا داخل کر دیتا ہے۔ جمعہ کے دن ناخن لینا اور مونچھوں کا کتروانا جذام سے پناہ میں رکھتا ہے۔
حضور نے فرمایا "جو شخص آنکھ کی شکایات اور برص و جنون سے بچنا چاہے اس کو چاہیئے کہ ہر جمعرات ناخن نکلوائے سیدھی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں چھوٹی انگلی پر ختم کرے البتہ ایک انگلی کا ناخن جمعہ کو کاٹنے کے لئے چھوڑ دے۔ بڑے ناخن بڑھانے والوں کے لئے بڑی محرومی کی بات یہ ہے ایسے لوگوں کی دربار نبوی میں حاضری کی وجہ سے ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول رک گیا تھا معلوم ہوا کہ ناخن بڑھانا بڑی بے برکتی کی چیز ہے۔ اس کے علاوہ بڑے ناخن رکھنے سے نسیان کی بیماری پیدا ہوتی ہے حضور نے عورتوں کو خاص طور سے مخاطب فرما کر کہا تھا کہ " اے بیبیو! ناخن نکلوا دیا کرو۔ اس میں تمہارے لئے زینت بھی ہے۔"
مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خاص طور پر عورتوں ہی نے ناخن بڑھانے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ غضب یہ ہے کہ ہم۔ جنون اور نسیان کے خطرات مول لینے میں بھی انہیں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت

کی بات تو الگ ہی رہی۔

جذام کی بیماری بڑی گھناؤنی ہے۔ اللہ ہر شخص کو محفوظ رکھے۔ ہمارے ملک میں جذامیوں کی تعداد پوری دنیا کے جذامیوں کی تعداد کی تہائی ہے (بحوالہ ہندوستان ٹائمس مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۷۶ء) اس لئے یہ نسخہ نعمت نذر نسخہ اللہ کی بڑی نعمت سمجھنا چاہئے۔

مونچھیں اور داڑھی } رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لوگو مونچھ مت بڑھایا کرو یاد رکھو کہ اس کے بالوں کے پیچھے شیطان کو سایہ ملتا ہے"۔ مزید فرمایا "جو شخص مونچھ نہ کٹایا کرے وہ ہم میں سے نہیں"۔ اور فرمایا کہ "مونچھیں منڈوایا کرو اور داڑھی چھوڑ دو۔ تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ ہو۔ کم سے کم اتنی مونچھ لینا ضروری ہے کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارا کھل جائے۔ داڑھی کے بارے میں بھی آنحضرت صلعم انتشار اور بے قاعدگی کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کی داڑھی بہت لمبی اور بے ترتیب تھی اسے دیکھ کر فرمایا "کیا مضائقہ ہے اگر تم داڑھی کو چھوٹی کر دو اور اسے درست کر لو"۔ آپ سر اور داڑھی کے بالوں میں کنگھی کرنے کو فرمایا کرتے تھے۔ کنگھی سے بالوں میں خوبی پیدا ہونے کے علاوہ جسمانی فوائد بھی بتائے۔ فرمایا کہ داڑھی میں کنگھی کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلعم داڑھی کے نیچے چالیس مرتبہ اور آگے سات مرتبہ کنگھی پھیرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ذہن میں تیزی پیدا کرتا ہے اور بلغم کاٹتا ہے ہاتھی دانت کی کنگھی کرنا وبائی امراض سے محفوظ رکھتا ہے"۔ سر کے بالوں کے متعلق حضور صلعم کا فرمانا تھا کہ سلیقے سے رکھ سکتے ہو تو بڑے بال رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ مگر بھونڈے پن سے رکھنے کے مقابلہ میں کٹوا دینا ہی بہتر ہے۔ آپ خود اپنے بال اتنے کٹواتے تھے کہ وہ کانوں کی لو سے نیچے نہ رہیں۔ نبی صلعم کا فرمانا تھا کہ جو شخص اپنے سر۔ داڑھی اور سینے پر سات مرتبہ کنگھی پھیرے اس کے نزدیک کوئی وبا نہیں آسکتی۔ ہاتھی دانت کی کنگھی کرنے سے۔

(۱) سر میں بال اُگتے ہیں (۲) دماغ سے کیڑا دفع ہوتا ہے (۳) صفرے کی حدت ٹھنڈی پڑتی ہے اور (۴) مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تو یہ تھا مگر آج یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے نونہال جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں کفار کی نقل میں مونچھیں دراز کرتے بلکہ گل مچھے رکھنے لگے ہیں۔ اکثر لوگ تو داڑھی منڈاتے ہی تھے مگر اب ایک نیا فیشن چلا ہے کہ روسیوں کی نقل میں بلگنن کٹ داڑھی رکھتے ہیں کچھ نوجوان ہپی کٹ داڑھی اور سر کے بال رکھنا پسند کرتے ہیں۔ سر کے بال بڑھانا اور گردن سے نیچے تک بڑھائے رکھنا عام ہوتا جارہا ہے۔ اس کے برخلاف عورتوں میں بالوں کے کٹوانے کا رواج بڑھ رہا ہے ایک صاحب نے فرمایا کہ کہ مصر و دیگر عرب ممالک کے علما بھی تو داڑھی منڈواتے ہیں۔ دوسرے صاحب نے فرمایا کہ پچھلے دور کے بڑے بڑے انگریز فلسفی ادیب اور سائنسداں بھی تو سر کے بال بڑھائے رہتے تھے۔ افسوس کہ مصری علما اور انگریز زعما تو ان کی نظر میں قابل تقلید ہیں۔ مگر اللہ کے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال پر عمل بھی انہیں عار ہوتا ہے۔۔

لی الخیر میرٹھ : ——————— (گزشتہ سے پیوستہ)

نام متولی مع پتہ	تفصیل جائداد موقوفہ	نام وقف معہ تاریخ وقف	شمار
وحیداللہ خاں صاحب محلہ کھنڈہ پٹی قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	تین قطعہ دوکانات پختہ و دو قطعہ مکانات پختہ و خام واقع محلہ کھنڈہ پٹی قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	وقف مسجد محلہ کھنڈہ پٹی	۱۱۰
خان بہادر اعجاز حسین صاحب مجسٹریٹ محلہ نیل کی گلی میرٹھ	پانچ قطعہ دوکانات واقع بازار لالہ شہر میرٹھ	وقف مسجد لالہ والی	۱۱۱
عثمان خاں سرائے بہلم میرٹھ	ایک قطعہ مکان دوکرہ یہ واقع سرائے بہلم میرٹھ	وقف مسجد کھیریلی والی ۱۵ $\frac{1}{5}$ ۶	۱۱۲
قاضی سعداللہ صاحب محلہ ٹنکی صدر بازار میرٹھ	دو قطعہ دوکانات واقع محلہ صدر بازار محلہ ٹنکی کیمپ میرٹھ میں سے ایک دوکان جدید تعمیر ہوئی ہے۔	وقف مسجد قصابان	۱۱۳
بشیر خاں و کمیع الدین صاحب۔ دہلی گنج میرٹھ	دوکان ۵ و ایک بالاخانہ واقع بازار صرافہ میرٹھ	وقف مسجد بڑ والی	۱۱۴
مولوی حافظ شیخ محمد مظفر الدین صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ صدر۔ حاجی عبدالعزیز صاحب سکریٹری مالک فرم فیشن ایبل واچ کمپنی میرٹھ و دیگر ۶ ممبران کمیٹی انتظامیہ	کھیوٹ $\frac{9}{129}$ و $\frac{1}{130}$ رقبی ۲ بیگہ ۴ بسوہ واقع محال مضبط میرٹھ میں عیدگاہ ہے اور کچھ مکانات و جھونپڑیاں وغیرہ ہیں کھیوٹ ۸۵۸ رقبی محال معافی میرٹھ کھیوٹ $\frac{1}{314}$ منجملہ ۱۰ بسوانسی کھیوٹ $\frac{1}{313}$ رقبی ۲ بسوہ کھیوٹ $\frac{1}{314}$ منجملہ ۸ بسوہ کھیوٹ $\frac{1}{316}$ رقبی ۲ بسوہ کھیوٹ $\frac{1}{317}$ رقبی ایک بیگہ ۲ بسوہ کھیوٹ $\frac{1}{318}$ رقبی ایک بسوہ واقع محال خالصہ میرٹھ زر خرید برائے توسیع عیدگاہ میرٹھ نمبران مذکورہ بالا پر ۱۸ مکانات ۴ کوٹھریاں خام ۷ دوکانات پختہ و ۲۷ قطعہ آراضیات جن پر کرایہ داران آباد ہیں جدید تعمیر ہوگئی ہیں واقع عیدگاہ میرٹھ۔	وقف عیدگاہ	۱۱۵
سکریٹری سی سنٹرل وقف بورڈ بذریعہ سب کمیٹی اوقاف میرٹھ بحکم ۱۷ $\frac{11}{75}$ ۶	آراضی سکنائی واقع کوٹھی الحاق شہر میرٹھ رقبی ۱۰ بیگہ ۱۲ بسوہ پختہ مندرجہ کھیوٹ ۳۲ محال باخراج معافی دوام قصبہ و ضلع	وقف مدرسہ قومی ۸ $\frac{6}{1887}$ ۶	۱۱۶

نمبر شمار	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
		میرٹھ مع مکانات و دوکانات اندرون محلہ مکان متعلقہ مدرسہ واقع خیر نگر جس میں مدرسہ مذکور جاری ہے ایک قطعہ مکان واقع محلہ خیر نگر شہر میرٹھ آراضی سکنائی پیوستہ مسجد خیر نگر شہر میرٹھ بموجب آڈٹ رپورٹ بابتہ سال ۵۱-۵۲ آراضی سکنائی پر ۲۴۳ مکانات ملکیت کرایہ داران واقع ہیں اور جگہ ۱۸۱ کرایہ دار آباد ہیں ۔	
۱۱۷	وقف برائے دارالعلوم دیوبند	آراضی ۵ بیگہ ۲ بسوہ واقع موضع پائل خاص محال مدعا علیہم پرگنہ دوداللہ قصبہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ ۱۲	سکریٹری یوپی سنی سنٹرل وقف بورڈ لکھنؤ
۱۱۸	وقف جامع مسجد پلکھوہ ۶ $\frac{2}{35}$	دو قطعہ دوکانات پختہ و ایک منزل مکان پختہ واقع محلہ شکلاں و ایک مکان خام سالم واقع محلہ چاہ ڈیر قصبہ پلکھوہ بالائے عمارت مدرسہ ایک قطعہ مکان خورد قصبہ پلکھوہ ۔ ضلع میرٹھ	ڈاکٹر محمد اسد اللہ خاں صاحب متولی پلکھوہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ ۔
۱۱۹	وقف مسجد چھیپر والی	چھ قطعہ دوکانات پختہ واقع محلہ مفتی واڑہ متصل گدڑی بازار میرٹھ	قاضی زین العابدین صاحب محلہ نقارچیاں میرٹھ و دیگر ۴ ممبران کمیٹی انتظامیہ ۔
۱۲۰	وقف مسجد سرائے پختہ	پانچ قطعہ دوکانات پختہ و ایک قطعہ بالاخانہ واقع سرائے پختہ دہلی بازار و دو قطعہ اصطبل و ایک کمرہ بالائی واقع محلہ مذکور شہر میرٹھ ۔	حافظ محمد صدیق صاحب صدر سرائے پختہ بشیر اللہ خاں صاحب سکریٹری دہلی بازار شہر میرٹھ و دیگر ۴ ممبران کمیٹی انتظامیہ
۱۲۱	وقف جامع مسجد اولدھن	حقیت آراضی ۱۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی منجملہ خسرہ ۱۶۸ کھیوٹ نمبر ۲ واقع موضع اولدھن پرگنہ سرادہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	رفیق احمد و سید احمد نبی ساکنان موضع اولدھن پرگنہ سرادہ تحصیل ہاپوڑ ضلع
۱۲۲	وقف بغرض فاتحہ خوانی و امداد یتامی وغیرہ ۳ $\frac{1}{14}$ ۶	دو قطعہ دوکانات واقع بازار کھڑکی قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ ۔	واجد علی محلہ نبی کریم ۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ ۔
۱۲۳	وقف مسجد بازار بزازہ	دو منزل دوکانات واقع بازار بزازہ شہر میرٹھ	احسان الٰہی صاحب دہلی بازار میرٹھ
۱۲۴	وقف مسجد موضع کھیکڑہ	۱۴ دوکانات پختہ واقع موضع کھیکڑہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	نصیب الدین صاحب سکریٹری و ۶ دیگر ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان موضع کھیکڑہ تحصیل باغپت ۔ ضلع میرٹھ

شمار	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۱۱	- - - - - -	(اندراج بر نمبر ۳۵۱ ملاحظہ ہو)	
۱۲	وقف مسجد بازار کہنہ	ایک قطعہ دوکان سکنی واقع بازار کہنہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	رفیع الدین۔ بازار کہنہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۱۲	وقف مسجد خواجگان	۴ قطعہ دوکانات ۴ قطعہ کمرہ جات و بالاخانہ و ایک آراضی افتادہ واقع متصل سبزی منڈی گھنٹہ گھر بدایوں	حکیم بنیا دعلی صاحب صدر محمد یوسف صاحب سکریٹری و دیگر ۵ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان محلہ کوٹلہ میرٹھ
۱۲،	وقف مسجد مرسومہ مجاہد پہلوان ۱۵ $\frac{۱}{۲۵}$ ء	ایک قطعہ مکان خام واقع ہنڈیا محلہ لال کرتی بازار محلہ ایک دوکان پختہ و ایک قطعہ مکان پختہ واقع لال کرتی بازار میرٹھ	اللہ دیا صاحب صدر۔ شیخ صدر الدین صاحب صدلقی سکریٹری و دیگر ۲ ممبران کمیٹی انتظامیہ
۱۲۹	وقف مسجد واقع احاطہ اسمٹ گنج وصیت نامہ مورخہ ۲۷ $\frac{۳}{۱۸۸۹}$ ء	عمارت مسجد و دو قطعہ دوکانات ملحقہ مسجد واقع احاطہ اسمٹ گنج علاقہ دروازہ دہلی میرٹھ ایک قطعہ آراضی ہے جس میں دو کھتیاں بنی ہوئی ہیں۔	عبدالحمید صاحب و دیگر ۴ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان اسمٹ گنج احاطہ بخاران میرٹھ
۱۳۰	وقف مسجد ہمشا ۳ موتی گنج	تین قطعہ دوکانات واقع نیا بازار صدر بازار میرٹھ	حاجی محمد بشیر صاحب محلہ موتی گنج میرٹھ کیمپ میرٹھ
۱۳۱	وقف مسجد مدرسہ والی ۳ $\frac{۸}{۱۹}$ ء	ایک منزل مکان پختہ واقع نیا بازار صدر میرٹھ	حافظ نظام الدین صاحب ۶۱۔ صدر بازار میرٹھ
۱۳۲	وقف مسجد محلہ پیر میٹھا	ایک قطعہ دوکان پختہ ملحقہ مسجد محلہ پیر میٹھا میرٹھ	محمد حنیف صاحب محلہ پیر میٹھا میرٹھ
۱۳۳	وقف بغرض امور خیر ۱۴ $\frac{۱۱}{۱۹۰۰}$ ء	حقیت آراضی ایک بسوہ ۱۰ بسوانسی محال بخش اللہ خاں کھیوٹ نمبر ۱ واقع موضع بہادرگڑھ پرگنہ میرٹھ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	محمد عبدالغفار خاں موضع بہادرگڑھ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۱۳۴	وقف مسجد موضع نیرہ	حقیت آراضی ۱۶ بسوہ ۱۴ بسوانسی ۱۰ طنوانسی واقع موضع مرادپور محال ۱۲ بسوہ $\frac{۳}{۴}$ ۱۸ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ نمبر ۲ پرگنہ ٹھتیشر ضلع میرٹھ	یعقوب خاں صاحب موضع مرادپور تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۱۳۵	وقف مسجد محلہ بدھ بازار	۲۱ قطعہ دوکانات واقع بدھ بازار قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ	حافظ امیرالدین صاحب محلہ بدھ بازار قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۱۳۶	وقف قبرستان بساطیاں	محال لاخراج منضبطہ قصبہ میرٹھ سالم کھیوٹ نمبر ۲۴۹ رقبہ ۲ بیگہ ۱۰ بسوہ بندوبست حال۔ قبرستان ہے جس میں درخت امرود وغیرہ ایستادہ ہیں۔	مظہر اللہ وارثی صدر ساکن محلہ صدر گراں میرٹھ و دیگرہ ممبران کمیٹی انتظامیہ۔
۱۳۷	وقف مدرسہ سوسو نظامیہ	حقیت آراضی مندرجہ کھیوٹ نمبر ۲، ۴، ۶، ۸، ۹، ۱۲، ۱۴، ۱۸، ۳۲، ۳۶، ۳۸، ۴۸، ۶۷، ۶۳ رقبی ۱۴ بیگہ، ۱۲ بسوہ ۱۳ ½ بسوانسی واقع موضع بالی پرگنہ باغپت ضلع میرٹھ	نواب ارشاد علی خاں صاحب قصبہ باغپت ضلع میرٹھ
۱۳۸	وقف مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن	ایک قطعہ مکان واقع قصبہ بڑوت و ضلع میرٹھ	رحیم الٰہی قصبہ بڑوت تحصیل باغپت ضلع میرٹھ
۱۳۹	وقف مسجد موضع تیوڑی	حقیت آراضی ۳ بیگہ ۲ بسوہ ایک بسوانسی مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱ واقع موضع شکارپور پرگنہ سراوہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	محمد صدیق۔ موضع تیوڑی پرگنہ سراوہ ضلع میرٹھ
۱۴۰	وقف مسجد موضع سوال خاص ۲۹ ۱۱/۴۷ء	حقیت آراضی ایک بیگہ ۴ بسوہ ۱۳ بسوانسی مندرجہ کھاتہ کھیوٹ نمبر ۸ واقع موضع سوال خاص مدعیان بنی نفیرا پرگنہ و تحصیل میرٹھ و نصف منزل مکان احاطہ شرقیہ نمبر ۲۲۸۰ رقبی ۵ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۸۳ واقع آبادی موضع پرگنہ و تحصیل مذکور ضلع میرٹھ	مشیت اللہ موضع سوال خاص و ضلع میرٹھ
۱۴۱	. . . . .	اندراج بہ نمبر ۳۲ ملاحظہ ہو)	
۱۴۲	وقف مسجد بھاٹ واڑہ	تین قطعہ دوکانات پختہ ملحق مسجد۔ دو قطعہ دوکانات چندہ سے جدید تعمیر کرائی گئی ہیں واقع محلہ بھاٹ واڑہ شہر میرٹھ	حافظ رحیم بخش محلہ بھاٹ واڑہ شاہ پیر گیٹ میرٹھ
۱۴۳	وقف مسجد خام لال کرتی بازار ۱۲ ۱۲/۶	تین منزل دوکانات و ایک منزل بالاخانہ پختہ واقع لال کرتی بازار۔ میرٹھ	شمس الدین ٹیلر ماسٹر لال کرتی بازار میرٹھ۔
۱۴۴	وقف مسجد ڈگی والی	تین قطعہ دوکانات و ایک قطعہ مکان خام ملحقہ مسجد مذکور واقع محلہ مقبرہ ڈگی میرٹھ	اللہ مہر وغیرہ محلہ مقبرہ ابو میر- میرٹھ
۱۴۵	وقف مسجد کھجور والی	ایک قطعہ دوکان دکھنی ملحق مسجد کھجور۔ دو قطعہ مکانات پختہ نمبر ۳ و نمبر ۱/۲۱ مکان نوری گیٹ کے تبادلہ میں نمبر ۲۴۴ بنی سرائے میرٹھ تبادلہ کیا گیا	عبد المنان صاحب محلہ صابون گراں میرٹھ۔
۱۴۶	وقف مسجد بڑوالی	تین قطعہ دوکانات واقع موضع اولدھن پرگنہ سراوہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔ حقیت آراضی ۱ ۸ بیگہ ۴ بسوہ پختہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۳۶	عثمان احمد ساکن موضع اولدھن تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۱۴۷	وقف مسجد بازار	چار قطعہ دوکانات پختہ واقع بازار جوکر قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ	بشیر احمد قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۱۴۸	وقف مسجد پورہ فیاض علی	تین قطعہ دوکانات پختہ ملحق مسجد مذکور واقع پورہ ۔ فیاض علی میرٹھ	محب اللہ خاں صاحب صدر [illegible] سکریٹری ودیگر ۹ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان پورہ فیاض علی میرٹھ
۱۴۹	وقف مسجد گندھیان	دو قطعہ مکانات واقع محلہ درگا باڑی متصل مسجد مذکور میرٹھ	حافظ سعید احمد صاحب ۸۵ صدر بازار میرٹھ ۔
۱۵۰	وقف مسجد رجبن بازار	دو قطعہ مکانات نمبری ۱۲۲، ۱۲۳ واقع محلہ بکری لال کرتی بازار میرٹھ	ریاض الحسن صاحب محلہ رجبن بازار
۱۵۱	وقف مسجد بارے رجبن بازار ۶ $\frac{9}{48}$ ۲۰	گیارہ قطعہ مکانات واقع جرنیلی گنج میرٹھ کینٹ	عبدالعزیز صاحب رجبن بازار ۔ متصل کنٹونمنٹ بورڈ میرٹھ
۱۵۲	وقف مسجد گندم صاحب	۹ قطعہ دوکانات پختہ و ایک قطعہ کوٹھری پختہ و ایک قطعہ آراضی جس پر کرایہ داران نے بغیر اجازت عمارتیں تعمیر کرلی ہیں واقع محلہ خندق میرٹھ	عبدالعزیز صاحب صدر دہلی بازار میرٹھ ودیگر ۵ ممبران کمیٹی انتظامیہ
۱۵۱	وقف مسجد شورآب گیٹ	آٹھ عدد دوکانات اور ایک مختصر مکان متصل مسجد واقع شورآب گیٹ ۔ میرٹھ	حکیم الدین صاحب صدر، محمد فاروق صاحب سکریٹری ودیگر پانچ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان سرائے نہلم میرٹھ
۱۵۱	- - - - -	افلز بحکم ۲۱ $\frac{9}{59}$ ۶)	
۱۵۰	وقف مسجد پورہ ضابطہ خاں	پانچ قطعہ دوکانات پختہ ملحقہ مسجد مذکور شاہ پیر گیٹ ۔ میرٹھ	حافظ عظیم اللہ صاحب وغیرہ ۔ پورہ ضابطہ خاں میرٹھ
۱۵	وقف مسجد نقارچیاں	چار قطعہ دوکانات پختہ ملحقہ مسجد مذکور محلہ نقارچیاں میرٹھ	شیخ فخرالدین صاحب وغیرہ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان محلہ نقارچیاں میرٹھ
۱۵	وقف مسجد درزیاں	پانچ قطعہ دوکانات پختہ واقع موضع سوامی پاڑہ میرٹھ	کلو خاں صدر مدھاشہ دروازہ ۔ میرٹھ محمد عقیل صاحب سکریٹری سوامی پاڑہ میرٹھ ودیگر ۵ ممبران کمیٹی انتظامیہ
۱۵۰	وقف مسجد سید علو بابو صاحب	۸ قطعہ دوکانات و ایک قطعہ مکان واقع کھٹکیرہ شہر میرٹھ	عبدالسعید صاحب محلہ کھٹکیرہ واقع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۱۵۹	وقف برائے مسجد سرائے بہلم	چار منزل دوکانات پختہ واقع سرائے بہلم میرٹھ	حاجی محمد شفیع صاحب صدر عبدالمجید صوفی شبراتی ممبراں ساکنان سرائے بہلم میرٹھ
۱۶۰	وقف مسجد سرائے دہلی دروازہ	پانچ مکانات کلاں وایک مکان خورد وہ قطعہ حجرہ جات پختہ واقع سرائے دہلی دروازہ میرٹھ	نظام الحق سرائے خام دہلی دروازہ میرٹھ
۱۶۱	وقف مسجد رسالدار والی	۷ قطعہ دوکانات پختہ وایک قطعہ بالاخانہ واقع محلہ توپچی واڑہ میرٹھ	حاجی عبدالرحمن صاحب صدر حاجی مختار احمد صاحب سکریٹری ودیگر ۳ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان محلہ توپچی واڑہ میرٹھ
۱۶۲	وقف مسجد مفتیاں	ایک قطعہ دوکان واقع لساڑی دروازہ میرٹھ	مفتی محمد اشفاق صاحب مفتی واڑہ شہر میرٹھ
۱۶۳	....	(اندراج نمبر ۷۱ ملاحظہ ہو)	
۱۶۴	وقف مسجد کمہاراں ۱۲ ۸/۱۵ ۶	ایک قطعہ حویلی واقع محلہ خشت پزاں علاقہ لساڑی دروازہ شہر میرٹھ۔ ۴ قطعہ دوکانات پختہ دو کمرہ جات پختہ ودو قطعہ مکانات واقع محلہ خشت پزاں میرٹھ	چودھری عبدالکریم محلہ خشت پزاں میرٹھ
۱۶۵	وقف مسجد کلاں	ایک قطعہ دوکان واقع مقبرہ ابو محمد خاں۔ میرٹھ	حبیب خاں۔ محلہ ابو محمد خاں میرٹھ
۱۶۶	وقف مسجد خورد	ایک منزل دوکان پختہ واقع پشت مسجد محلہ مقبرہ ابو محمد خاں میرٹھ	حمید حسین صاحب محلہ مقبرہ ابو محمد خاں میرٹھ
۱۶۷	وقف مسجد نوگزہ	آٹھ قطعہ دوکانات پختہ واقع محلہ نوگزہ میرٹھ	ظہیر الاسلام۔ محلہ نوگزہ میرٹھ
۱۶۸	وقف مسجد شیخ نبی بخش	دو دوکانات ایک بیٹھک، ایک حویلی خام، ایک مکان خورد، تین کوٹھے خام وایک قطعہ آراضی واقع محلہ خندق گلی کمہاراں وشاہ گھاسہ میرٹھ	اقبال احمد صاحب محلہ شاہ گھاسہ میرٹھ
۱۶۹	وقف مسجد لوہاراں	ایک قطعہ دوکان واقع محلہ لوہاراں قصبہ بلکھیڑہ ضلع میرٹھ	عبداللطیف محلہ لوہاراں قصبہ [illegible] ضلع میرٹھ
۱۷۰	وقف مسجد ومدرسہ فریدنگر ۲۲ ۹/۲۹ ۶	۸ قطعہ دوکانات پختہ وایک قطعہ مکان خام واقع قصبہ فریدنگر ضلع میرٹھ	محمد اسمٰعیل خانصاحب موضع فر تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۱۷۱	وقف مسجد کلاں مخدوم شاہ پیر صاحب	پانچ قطعہ دوکانات، ایک پھاٹک و ایک قطعہ آراضی واقع محلہ شاہ پیر گیٹ میرٹھ	حکیم بلیغ الزماں صاحب شاہ پیر گیٹ میرٹھ
۱۷۲	وقف مسجد رنگریزاں اقرارنامہ مورخہ ۱۴ ۶/۲۲ ء	آٹھ دوکانات پختہ و ایک کمرہ پختہ واقع محلہ ٹھٹھیراں میرٹھ	محی الدین صاحب و دیگر ۷ ممبران کمیٹی انتظامیہ وقف مذکور ساکنان پورہ فیض شہر میرٹھ
۱۷۳	وقف مسجد طوطا شاہ	چار قطعہ دوکانات ملحقہ مسجد و ایک قطعہ مکان ملحقہ مسجد	مفتی محمد اشفاق صاحب صدر مفتی واڑہ میرٹھ و دیگر ۴ ممبران کمیٹی انتظامیہ وقف مذکور
۱۷۴	وقف مسجد ٹھٹھیر والی	دو قطعہ دوکانات ملحقہ مسجد محلہ ٹھٹھیر واڑہ میرٹھ	عبد السعید خاں صاحب محلہ ٹھٹھیر واڑہ میرٹھ
۱۷۵	وقف مسجد خورد	۸ قطعہ دوکانات پختہ ایک حجرہ و دو دوکانات واقعہ محلہ شاہ پیر گیٹ میرٹھ	صوفی صغیر احمد صاحب صدر مکان ۵۷۴ شاہ پیر گیٹ میرٹھ و دیگر چار ممبران کمیٹی انتظامیہ وقف مذکور
۱۷	- - - - - -	(اندراج بہ نمبر ۲۳۴۷ ملاحظہ ہو)	
۱۷	وقف مسجد چھپہ والی ۱۴ ۶/۳۰ ء	ایک قطعہ مکان واقع محلہ مسجد چھپہ قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ	عبد الوہاب خاں صاحب قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ
۱۷	وقف قبرستان بیرون بساڑی دروازہ	چاہ پختہ نمبر ۶۰۷ ایک منزل مکان پختہ نمبر ۱۰۷ قبرستان نمبر ۱۴۱ رقبی ایک بیگہ ۔ البسوہ محال لاخراج منضبطہ واقع قصبہ و ضلع میرٹھ معافی دوام	محمد عمر صاحب صدر محلہ تکیہ بساڑی گیٹ میرٹھ حکیم رفیع الغنی سکریٹری محلہ شانگالاں میرٹھ و دو ممبران کمیٹی انتظامیہ
۱۷	- - - - - -	شیعہ وقف قرار پایا)	
۱۸	وقف مدرسہ اسلامی ۶ ۲/۱۸۹۴ ء	حقیت آراضی واقع موضع جوگی پورہ تحصیل ہاپوڑ رقبی ۵ بیگہ ۷ البسوانسی مندرجہ کھاتہ کھیوٹ نمبر ۱۴۲ ضلع میرٹھ	منشی محمد اخلاق صاحب سکریٹری قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ و دیگر ۵ ممبران کمیٹی انتظامیہ
۱۸	وقف مسجد بنجاراں	تین قطعہ دوکانات و ایک بالاخانہ واقع محلہ ذوگرہ میرٹھ	شیخ ننھے انصاری محلہ ذوگرہ میرٹھ
۱۸	وقف اختر مسجد ۱۰ ۱۱/۸ ء	چھ دوکانات واقع کمبوہ دروازہ، ایک منزل مکان محلہ شانگان و حقیت آراضی ۹ بیگہ ۲ بسوہ پختہ معافی دوام واقع سہراب دروازہ میرٹھ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۶۲	ارشاد الدین صاحب قریشی صدر خیر نگر گیٹ میرٹھ مظفر علی صاحب سکریٹری محلہ بن بادلان میرٹھ و دیگر ۹ ممبران کمیٹی انتظامیہ

نمبر شمار	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۱۸۲	وقف برائے مدرسہ و قبرستان	حقیت مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۴۲، نمبر ۱۶۲، نمبر ۲۹۶، نمبر ۲۲۲، نمبر ۲۲۶، نمبر ۱۴۹ محال لاخراج قصبہ و ضلع میرٹھ	محمد مظفر محلہ شاہ نعمت۔ میرٹھ
۱۸۴	وقف تکیہ حجاماں ۲۷ 9/1904ء	حقیت آراضی ۷ بسوہ پختہ خسرہ نمبر ۲۳۸ کھیوٹ نمبر ۲ محال حافظ محمد حسن قصبہ و پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	نیاز احمد۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۱۸۵	وقف قبرستان ۲۴ 4/1914ء	۴ بسوہ آراضی پختہ یعنی 1/12 حصہ منجملہ دو حصہ موسومہ پتی رسول بخش از کھاتہ کھیوٹ نمبر ۱۸ تعدادی ۲ بیگہ ۸ بسوہ پختہ واقع محال لاخراج منضبطہ قصبہ و ضلع میرٹھ	حافظ عبدالشکور نمبر ۵۳۴ شاہ پیر گیٹ میرٹھ
۱۸۶	وقف مسجد نور بانان ۲ 1/1914ء	حقیت باغ موقوفہ تعدادی ۹ بسوہ ۱۰ بسوانسی آراضی پختہ واقع موضع چھری پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ مندرجہ کھاتہ کھیوٹ نمبر ۱۲ ضلع میرٹھ	محمد قاسم پسر جھنڈا قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۱۸۷	وقف عیدگاہ موضع لالپور	کھیوٹ نمبر ۶ رقبئی ۷ بسوہ عیدگاہ موضع لالپور پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	افلاطون۔ موضع لال پور تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ
۱۸۸	وقف عیدگاہ موضع بھبیرو پور	حقیت آراضی ۶ بسوہ واقع موضع بھبوڑو پور پرگنہ پھتیاپور تحصیل موانہ کلاں ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۸	علاءالدین موضع بھبورو پور پرگنہ پھتیاپور۔ ضلع میرٹھ
۱۸۹	وقف قبرستان نقارچیاں	آراضی قبرستان تعدادی ۲ بسوہ محال لاخراج منضبطہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۰۵ واقع موضع پرگنہ میرٹھ	عبدالکریم خاں محلہ نقارچیاں لوہاری گیٹ میرٹھ
۱۹۰	. . . .	تبادلہ ۲۔ نمبر ۲۲۷ بلندشہر	
۱۹۱	وقف مسجد و پیاؤ گندہ نالہ	حقیت آراضی ۴ بیگہ ۱۸ بسوہ ۱۰ بسوانسی تعدادی ۱۲ بیگہ ۱۲ بسوہ پختہ آراضی واقع محال منضبطہ لاخراج قصبہ و پرگنہ میرٹھ	عبدالرشید نئی سرائے مکان نمبر ۶۱۔ میرٹھ
۱۹۲	. . . .		
۱۹۳	وقف مسجد و باغ	حقیت آراضی ایک بیگہ ۴ بسوہ ۱۲ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ نمبر ۴۰۴ محال لاخراج منضبطہ و حقیت آراضی ایک بسوہ ۵ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ نمبر ۴۰۶ محال لاخراج منضبطہ قصبہ میرٹھ	ریاض الاسلام صاحب سب انسپکٹر پولیس الہ آباد
۱۹۴	برائے امور خیر 11/1918ء	۷ قطعہ دوکانات و ایک کمرہ واقع بازار فرنگ شہر میرٹھ	سلیم حامد خاں کوٹھی جنت نشاں خیر نگر۔ میرٹھ
۱۹۵	وقف کمالی مسجد	دوکانات نمبر ۹۰ تا ۹۳ و مسجد نمبر ۹۴ واقع محلہ قاضی واڑہ میرٹھ	قاضی نذر علی صاحب محلہ قاضی واڑہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ

اوقاف

3(2)

شعبۂ نشر و اشاعت یو، پی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ لکھنؤ

R.N. 26536/7

یو۔پی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ

کا

ترجمانُ

مشیر اوقاف لکھنؤ

سہ ماھی

جلد ۳ | مئی - جون - جولائی ۱۹۷۶ء | شمارہ ۲

ایڈیٹر

سیّد آلِ حسن ایم اے، ایل ایل بی

زرِ سالانہ اعزازی ۱۵ روپے

عام ۱۰ روپے

پتہ

۹۱- ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ

عنوانات

○ اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا اگر ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ آئندہ رسالہ وی پی روانہ ہوگا جس کی وصولیابی آپ کا اخلاقی و منصبی فرض ہوگا۔

سید آل حسن [illegible] نے یو۔پی سنی سنٹرل وقف بورڈ [illegible] قطب اللہ روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر
۹۱- ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

شذرات

مسائل اوقاف میں دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی گئی کہ عالی جناب محمد یونس خانصاحب وزیر اعظم کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے ممالک اسلامی کا دورہ کرکے واپس آئے ہیں ایک اقلیتی ادارہ میں بھی ہماری ہوشمند وزیر اعظم کی دلچسپی اُن کی ہمہ جہتی اصلاحات کی ایک کڑی ہے۔ اس کے لئے مسلمان قوم اُن کی احسان مند رہے گی۔ یہ سفر اسلامی ممالک میں اوقاف کے نظم و نسق سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا گیا۔ واپسی پر موصوف نے اعلان فرمایا کہ وہ ایک وقف سیمینار منعقد کریں گے۔ ہندوستان میں اوقاف کو بہت سی دشواریوں کا سامنا ہے اور آمدنی اوقاف کا بھی مفید استعمال نہیں ہو رہا ہے۔ اس سیمینار میں قوم کے دانشور حضرات جمع ہوکر مسائل اوقاف پر تبادلہ خیالات کریں گے اور غور و فکر کے بعد اوقاف کے بہتر انتظام کے متعلق تجاویز پیش کریں گے۔

فروعی اُمور سے قطع نظر سیمینار میں مندرجہ ذیل بنیادی اُمور پر خصوصی توجہ یقیناً مفید نتائج کا حامل ہوگا:۔

۱۔ جملہ اوقاف پر خواہ کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کے قبضہ وانتظام میں ہوں وقف ایکٹ کا اطلاق کیا جائے۔

۲۔ جائیداد موقوفہ کو ناجائز قبضہ سے برآمد کرنے کے لئے مثل سرکاری املاک میعاد کی قید سے بری کیا جائے۔

۳۔ اوقاف کا از سرِ نو مکمل سروے کیا جائے جس میں تمام موقوفہ جائیداد کی تفصیل معہ تخمینی مالیت اور موجودہ آمدنی درج کی جائے۔

۴۔ وسعت کار کی مناسبت سے وقف بورڈ کے عملہ میں توسیع کی جائے اور اُن کے ملازمین کو کسی مرکزی دفتر کے ملازمین کے برابر مشاہرہ دیا جائے۔

۵۔ آمدنی اوقاف کا زمانہ حال کے اقتضا اور ضرورت کے پیشِ نظر ملت کے مفاد میں استعمال کے لئے خواہشات واقف کو ممکن حد تک ملحوظ رکھتے ہوئے اصول وضع کئے جائیں۔

آپ اس شمارہ میں الحاج پنڈت قاری بشیر الدین قادری ایم۔اے نیشنل وارڈ یافتہ کے ایک نو تالیف کتابچہ "گورو نانک جی مہاراج" کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ کتابچہ پنڈت موصوف کا صرف ایک تحقیقی کارنامہ ہی نہیں ہے بلکہ ملک کی ایک اہم ضرورت قومی یکجہتی کے لئے ایک مؤثر کوشش ہے۔ انگریزی رسوائے زمانہ پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے تحت غلط بیانیوں نے سکھ اور مسلمانوں میں ایسی مغائرت پیدا کردی

وہ قوم جسے مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب ہونا چاہیئے وہ اُن سے بہت دُور ہو گئی۔ مولانا نے سکھ مت کے بانی گرو
ل جی مہاراج کے حیرت انگیز حالات معہ حوالہ جات تحریر کر کے ایک بہت بڑے فریب کو طشت از بام کیا ہے۔ اس
سلہ میں نیشنل ہیرالڈ مورخہ ۳ر جون ۱۹۶۷ء کی ایک رپورٹ قابل ملاحظہ ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ سکھوں کے پانچویں
ر وارجن دیو کی یادگار منانے کے لئے دلّی کے گاندھی میدان میں ایک جلسہ منعقد ہوا جلسہ میں ڈاکٹر شنکر دیال یونین منسٹر
، اپنی تقریر میں فرمایا کہ گورو ارجن لادینیت (secularism) کے حقیقی بانی تھے۔ انھوں نے کہا کہ ارجن دیو
، اپنے باپ گورو رام داس جی کی یادگار میں گولڈن ٹمپل (طلائی مندر امرتسر) بنوایا تو (اس عالیشان عبادتگاہ)
ا سنگ بنیاد انھوں نے ایک مسلمان بزرگ میاں میر سے رکھوایا۔ ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہ واقعہ فروغ لادینیت
، احساس کے ساتھ واقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو راقم کو اس سے بحث نہیں، مگر اس میں شک نہیں کہ اس واقعہ سے ایک سکھ
رو کی ایک مسلمان بزرگ سے غیر معمولی عقیدت و تعلق خاطر کا اظہار ہوتا ہے۔

اس شمارہ میں وقف پر ایک مسلسل مضمون کی پہلی قسط شائع کی جا رہی ہے ناظرین سے درخواست ہے کہ اس کا
غور مطالعہ فرما کر اپنے تاثرات سے مطلع فرمائیں۔ درحقیقت یہ کام کسی ایسے ماہر قانون داں کا تھا جس کو قانون الٰہیہ اور
انون موضوعہ دونوں پر عبور حاصل ہو، اوقاف کی بدحالی میں داخلی اور خارجی عوامل بُری طرح سے اثر انداز ہوئے ہے
یں۔ یہ مضمون صرف ایک دل کی پکار ہے ان دانشوران قوم کے لئے جو اصلاح قوم کی استعداد رکھتے ہیں کہ وہ سوچ
مجھ کر اوقاف کی طرف بڑھتے ہوئے سیلاب فنا کے دفعیہ کے لئے معقول تدابیر روبہ عمل لانے کی کوشش کریں اور ایسے وقت
یں جبکہ ہماری ہردلعزیز وزیر اعظم کی ہمدردیاں بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ ہماری کوششیں بارآور ہوں گی۔

ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کسی قسم کا پس و پیش نہیں ہے کہ ہمیں اس رسالہ کے لئے معیاری مضامین کے حاصل
رنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری درخواست کو اصحاب علم و فضل نے سوائے چند
کے کسی نے لائق اعتنا نہ سمجھا۔ یہ بات بھی سننے میں آئی کہ یہ رسالہ مضامین کا معاوضہ دینے کا انتظام کرے۔ ہمیں اس کا احساس ہے
ہ زندگی کے ہر شعبہ میں تجارتی مزاج سرایت کرتا جا رہا ہے۔ اور علم کی بھی آزادانہ خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ ہمیں افسوس
ہے کہ باوجود خلوص نیت اور محنت شاقہ کے یہ رسالہ معاوضہ دینے کی منزل تک نہ پہونچ سکا۔ حتیٰ کہ اس جانگسل کام کو
انجام دینے کے لئے ضروری اسٹاف کا بھی انتظام نہیں ہے۔ اس دور بدمذاقی میں جبکہ اُردو کے نامور اور بلند پایہ
رسائل مالی بحران میں مبتلا ہیں اس رسالہ کا مسلمانوں کے ایک اہم ادارہ وقف بورڈ سے منسلک ہونا اور اس کے ادب نواز
سکریٹری کی سرپرستانہ توجہ کی بدولت اس کی بقا کی طرف سے یک گونہ اطمینان حاصل ہے مگر اس رسالہ کی افادیت کے
اعتراف کے باوجود اہل علم حضرات کا تغافل سخت ہمت شکن ہے۔ اکثر یہ خیال آتا ہے کہ کیا ان سوداگران علم کے علاوہ
ایسا قحط الرجال ہو گیا کہ کوئی طبقہ خدمت دین و زبان کے جذبہ کے تحت عنداللہ اپنا تھوڑا سا قیمتی وقت اس
رسالہ کے لئے نہیں دے سکتا۔ ہم ایک بار پھر اہل قلم حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے گراں بہا مضامین سے
اس رسالہ کے معیار کو اور بلند کرنے اور قوم و ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں ادارہ کی مدد فرمائیں۔
آخر میں ہم یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ادارہ اس رسالہ میں معیار سے گرے ہوئے مضامین کی اشاعت سے اس کو بند کر دینا
بہتر سمجھتا ہے اگر ایسا خدانخواستہ ہوا تو شاید صحافت کی دنیا میں یہ اپنے قسم کی کمیاب مثال ہوگی۔ (از مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

ترجمہ: زمین و آسمان (کے خزانوں) کی کنجیاں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ

کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور پاک ہے اللہ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ

اور بخشش مانگتا ہوں میں اللہ سے کوئی معبود نہیں مگر اللہ وہ اوّل ہے اور وہ آخر ہے اور وہ ظاہر ہے

وَالْبَاطِنُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ

اور پوشیدہ ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ (ہمیشہ) زندہ ہے اسے (کبھی) موت نہیں اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے

وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۰۰ بار)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت اللہ کے اس فرمان آسمان زمین کی کنجیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ اے عثمان! تو نے مجھ سے ایک ایسی بات پوچھی ہے جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی آسمان و زمین کی کنجیاں (یہ ہیں) لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر الخ اے عثمان جس نے اس وظیفہ کو روزانہ سو مرتبہ پڑھا اس کو اس کے بدلے میں دس نوازشیں حاصل ہوں گی۔ پہلے اس کے اگلے گناہ معاف کیے جائیں گے دوسری اسکو آگ سے نجات لکھ دی جائیگی تیسری اسکے ساتھ دو فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں جو رات دن اس کی آفتوں سے بیماریوں سے حفاظت کرتے ہیں چوتھی اسکو خزانہ ثواب کا دیا جاتا ہے۔ پانچویں اسکو اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کیے۔ چھٹی اس کو اتنا ثواب ملے گا جیسے اس نے قرآن کریم، تورات، انجیل اور زبور پڑھا۔ ساتویں اس کے واسطے بہشت میں گھر بنے گا، آٹھویں اس کا حور العین سے نکاح کر دیا جائے گا۔ نویں اس کے سر پر عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔ دسویں اس کے گھر کے ستر آدمیوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائیگی۔ اے عثمان! اگر تو طاقت رکھے تو کسی دن بھی یہ وظیفہ تجھ سے فوت نہ ہو تو کامیاب ہونے والوں میں سے کامیاب ہوگا۔ اور اگلوں پچھلوں میں سے بڑھ جائے گا۔

اسے ابن مردویہ، ابو یعلیٰ، ابن ابی عاصم، ابو الحسن قطان نے طوالات میں، یوسف قاضی نے اپنی سنن میں، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن سنی [illegible] تک روایت کیا ہے۔

نعت

از ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی

ہے اُن کے دم سے رونقِ ایوانِ کائنات
اُن کے سوا نہیں ہے کوئی جانِ کائنات

"لولاک" نے دراصل یہ ثابت کیا کہ ہے
اُن کا وجود باعثِ امکانِ کائنات

کیا فیض تھا نگاہِ رسالت مآبؐ کا
اُن کے غلام صاحبِ فرمانِ کائنات

صدیقؓ باوفا عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ
اِن میں ہر ایک خاصۂ خاصانِ کائنات

مظلوم کوئی بھی ہو وہ ہوتا ہے دادرس
ہے آپ کی نگاہ نگہبانِ کائنات

ہے لفظِ "کائنات" محیطِ "نظامِ کُل"
وہ رحمتِ تمام ہیں شایانِ کائنات

جو اُن کے نام لیوا ہیں اُن کا یہ فرض ہے
سینچیں لہو سے اپنے گلستانِ کائنات

سوز و گدازِ مصطفویؐ ہو جنھیں نصیب
سُلجھا سکیں گے زُلفِ پریشانِ کائنات

جو پھیلتی ہے نورِ رسالت مآبؐ سے
وہ روشنی ہے وجہِ چراغانِ کائنات

دَر پر اگر نہ آئے رسالت مآبؐ کے
بھٹکیں گے اور راہِ نوردانِ کائنات

فکرِ علیل کے لئے اک نسخۂ شفا
قرآن پاک اصل میں درمانِ کائنات

جو حدِ ارتقائے ذہانت پہ آ گئے
وہ کلمہ گو ہی ٹھہرے ہیں اعیانِ کائنات

اللہ کا کلام زبانِ رسولؐ سے
گونگے ہیں اُن کے آگے فصیحانِ کائنات

سیفی کے حال پر بھی نگاہِ کرم شہا
ہم بر سلام شاہِ رسولانِ کائنات

مولانا عبدالغفار حسن
استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ

اسلام میں اسناد کی اہمیت

حدیث نبوی کے بارے میں عام طور پر افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو سرے سے حدیث کو حجت ہی نہیں سمجھتا اور پورے ذخیرہ حدیث کو دریا برد کر دینے کا قائل ہے اس کے برعکس مسلمانوں میں واعظوں۔ خطیبوں مورخوں اور مضمون نگاروں کا ایسا جم غفیر بھی موجود ہے جو ہر اس بات کو حدیث نبوی قرار دیتا ہے جس کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی گئی ہو خواہ اس کی سند میں گمنام یا بدنام راویوں کی بھرمار ہو یا سرے سے سند ہی غائب ہو۔ یعنی پوری روایت بے اصل اور بے بنیاد ہو۔ اس بارے میں معتدل مسلک یہ ہے کہ جو روایت قابل اعتماد سند سے منقول ہو اسے قبول کیا جائے باقی ذخیرہ روایات کے بیان یا تحریر سے پرہیز کیا جائے۔ ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کے نزدیک اس روایت کا رد کر دینا بھی ضروری ہے جو قرآن مجید یا عقل و تجربہ کے خلاف ہو خواہ اسکی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو[1]

سند کا معنی

حدیث نبوی دو اجزاء پر مشتمل ہے (الف) سند یا اسناد، (ب) متن، لغت میں سند کا معنی معتمد کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ "فلاں سند ای یعتمد علیہ" حدیث کی صحت و ضعف کا مدار سند پر ہے اس لئے راویان حدیث کے سلسلے کو سند کہا جاتا ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں سند کی تعریف ہے "الطریق الی المتن" یعنی متن حدیث تک پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تدریب الراوی للسیوطی ص٥)

متن کا معنی

متن حدیث سے مراد حدیث کی وہ عبارت ہے جو کلمات نبویہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ "متن هو الفاظ الحديث التي تتقوم به المعاني" یعنی متن سے مقصود حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن سے معانی کا وجود اور قوام حاصل ہوتا ہے۔ لغت میں سخت اور بلند زمین کو "متن" کہتے ہیں۔

اسناد کی اہمیت قرآن میں

قل ارأيتم ما تدعون من دون الله اروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في السموٰت

---

[1] اس بارے میں صحیح مسلک کی نشان دہی کسی دوسری فرصت میں کی جائے گی انشاء اللہ

ائتونی بکتٰب من قبل ھذا او اثٰرۃ من علم ان کنتم صٰدقین پ سورۃ الاحقاف آیت ۴

کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کی شرکت ہے۔ اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم انبیاء میں سے کچھ منقول چلا آتا ہو تو اسے پیش کرو

اس آیت میں لفظ اثارہ محل استدلال ہے لفظ اثارہ کی اصل اثر ہے جس کے معنی روایت کے ہیں۔ اس کے تین مصدر ہیں۔ اثرۃ، اثارہ، اثر، قاضی شوکانی فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

اصل الکلمۃ من الاثر وھی الروایۃ یقال اثرت الحدیث واثرہ اثرۃ واثارۃ واثرا اذا ذکرتہ عن غیرک وقال عطاء او شیٔ تاثرونہ عن نبی کان قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال مقاتل او روایۃ منہ علم الانبیاء (تفسیر مذکور ج ۴ ص۱۳)

یہ الفاظ اثر سے مشتق ہیں جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے۔ اس موقعہ پر یہ کلمہ بولا جاتا ہے عطار تابعی کہتے ہیں یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو۔ مقاتل مفسر کہتے ہیں یا علم انبیاء میں کوئی روایت پیش کرو۔

قاموس میں ہے الاثرۃ المکرمۃ المتوارثہ کالماثرۃ والبقیۃ من العلم توثر کالاثرۃ و الاثارۃ ج ۱ ص۳۶۲ یعنی اثرہ اس خوبی کو کہتے ہیں جو آباواجداد سے اولاد کی طرف منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور اس بقیہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہے جیساکہ اثرہ واثارہ کا مفہوم ہے خلاصہ کلام یہ کہ لفظ اثارہ نقل اور روایت کا مفہوم رکھتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں مشرکین سے ان کے شرک کے ثبوت میں دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

(الف) کسی سابق کتاب سے اس کی دلیل لاؤ
(ب) یا کوئی ایسی نقل وروایت پیش کرو جس کی بنیاد علم پر ہو۔ ظاہر ہے کوئی سی نقل وروایت بغیر ناقل وراوی کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے سند یعنی سلسلہ رواۃ کا اہتمام ضروری ہے اس کے بغیر کلام منقول کا صحت وضعف واضح نہیں ہو سکتا۔

۲۔ یاایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا (سورہ حجرات پ۲۶ آیت)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (غیر ذمہ دار شخص) خبر لائے تو اسکی چھان بین کر لو۔

اس آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی دوسری آیات و روایات کی بنیاد پر محدثین کرام نے راویوں کو پرکھنے کے لئے جرح وتعدیل جیسے اہم علم کی بنیاد ڈالی۔[1]

۳۔ واشھدوا ذوی عدل منکم پ سورۃ الطلاق آیت ۲۔

اور اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ ٹھہرالو۔

---

[1] یہ خیال درست نہیں ہے کہ محدثین کرام نے ضرورت وحکمت عمل کے ماتحت راویوں پر جرح اور غیبت کو جائز قرار دے دیا تھا جب کہ قرآن مجید وصحیح احادیث میں غیبت کی شدید ممانعت آئی ہے اور اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ ضعیف راویوں پر جرح اور ان کے معائب ونقائص کا بیان غیبت کے حدود ہی سے خارج ہے جیساکہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابوتراب نخشبی نے امام احمد بن حنبل کو راویوں پر جرح وقدح کرتے ہوئے سنا تو کہا۔ کیا آپ علماء کی غیبت کرتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب میں فرمایا۔ ارے بھائی! یہ نصیحت خیرخواہی ہے غیبت نہیں ہے۔ (اختصار علوم الحدیث ص۲۴۳ مقدمہ ابن الصلاح ص۲۵۴) یہی مفہوم الدین النصیحۃ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے [illegible]
[illegible]

شہادت وروایت میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے لیکن کئی اعتبار سے ان دونوں میں مماثلت ومشابہت پائی جاتی ہے۔ اس لئے جس طرح گواہ کے لئے عادل قابل اعتماد ہونا ضروری ہے اسی طرح راوی کا بھی بنیادی وصف یہی عدالت (سیرت کی پاکیزگی) ہے[1]

سند کی اہمیت سنت میں

عن ابن ابی بکرۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی خطبۃ یوم النحر لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسی ان یبلغ من ھو اوعی لہ منہ (الصحیح البخاری کتاب العلم)

ابن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ میں ارشاد فرمایا جو (مجمع میں) حاضر ہیں وہ (میری باتیں) ان کو پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب زیادہ قوت حافظہ رکھتا ہو غائب سے مراد دو قسم کے افراد ہو سکتے ہیں (۱) جو زندہ موجود تھے۔ لیکن حجۃ الوداع میں شریک نہ ہو سکے (۲) بعد میں آنے والی نسلیں۔ اسی فرمان کی بنا پر صحابہ کرام نے جو کچھ سنا، یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا وہ تابعین تک منتقل کر دیا اور تابعین نے یہ مبارک ذخیرہ اپنے تلامذہ تبع تابعین تک پہونچا دیا اس طرح یہ احادیث نبویہ سینہ بسینہ اور سفینہ در سفینہ (کتاب در کتاب) ہم تک پہونچ گئیں۔

۲۔ عن سمرۃ بن الجندب بن المغیرۃ بن شعبۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (صحیح مسلم)

سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہو وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ سے حدیث روایت کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے

۳۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار (جامع ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ سے حدیث بیان کرنے سے پرہیز کرو۔ مگر ایسی احادیث جن کو تم جانتے ہو۔ اس لئے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ (الف) موضوع من گھڑت روایات کا بیان کرنا اور ان کو لوگوں میں پھیلانا جائز نہیں ہے (ب) جس طرح وضع حدیث، روایت گھڑنا اپنی طرف سے پیش کرنا جرم عظیم ہے اسی طرح ایسی روایات کی عوام میں اشاعت بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اس قسم کی روایات کا بیان اسی وقت جائز ہوسکتا

---

[1] شہادت کے لئے مندرجہ ذیل امور بطور شرط کے ہونے ضروری ہیں (الف) حریت (آزادی) (ب) مرد ہونا صرف انہیں معاملات میں گواہ ہو سکتی ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں (ج) عدد یعنی گواہ کم سے کم دو ہونے ضروری ہیں (د) گواہ کا بینا ہونا ضروری ہے (ہ)، قرابت یا عداوت کی بنا پر گواہی معتبر نہیں ہو سکتی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفروق للقرافی ج ۱ صـ۱۲ طبع تونس۔ توضیح الافکار ج ۲ صـ۱۱ ان کے علاوہ وہ تمام امور جو شہادت میں معتبر ہیں وہی روایت میں بھی ملحوظ ہیں۔ ع۔ خ۔ ع۔

ان کی اصلیت اور حقیقت بھی بے نقاب کردی
ہے۔

علمائے سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ موضوع
، فضائل اعمال میں اور ترغیب و ترہیب میں
ن نہیں کی جا سکتیں[۱] (مقدمہ ابن الصلاح)

اسی طرح جس حدیث کا ماخذ (سرچشمہ) یا سند
ہو اس کو بھی بلا تحقیق پھیلانا جائز نہیں اس طرح
یا طی سے بہت سے بے بنیاد روایات اور گمراہ کن
مسلمانوں کے لٹریچر میں شامل ہو گئی ہیں جن کی بنا
و اعمال کے لحاظ سے بہت سی ضلالتیں اور بے
یاں مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑ گئی ہیں[۲]

مذکورہ بالا روایات سے سند کی اہمیت واضح
ہے کہ راوی کے صادق و کاذب ہونے کی پہچان
بغیر ممکن نہیں ہے۔

عن فاطمہ بنت قیس قالت ذکرت للنبی
ہ علیہ وسلم ان معاویہ بن ابی سفیان
ہم خطبانی فقال رسول اللہ صلی اللہ
سلم اما ابو جہم فلا یضع عصاہ عن
وفی روایۃ فرجل ضراب للنساء واما
ہ فصعلوک لا مال لہ

فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ معاویہ
سفیان اور ابو جہم نے مجھے پیغام نکاح بھیجا
ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہے
ابو جہم تو وہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں ہٹاتے
اور ایک روایت میں ہے کہ یہ عورتوں کے حق میں
بڑے مرکھنے ہیں اور رہے معاویہ تو وہ فقیر قلاش ہیں
ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔

اس حدیث میں ایک عورت کی خیر خواہی کی بنا پر
دو صحابیوں کے عیب ان کی غیر حاضری میں بیان کئے
گئے ہیں کیونکہ اس سے ایک خاتون بلکہ ایک خاندان کی
خیر خواہی مقصود ہے اس کو غیبت قرار نہیں دیا جا سکتا
اسی طرح بدرجہ اولیٰ دین کے تحفظ کے لئے راویوں پر
جرح و قدح بھی امت محمدیہ کی خیر خواہی شمار ہوگی۔
حقیقت میں یہ تعمیل ہے۔ اس حدیث نبوی کی جس میں
ارشاد ہے۔

الدین النصیحۃ قالوا لمن یا رسول اللہ
قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین
وعامتہم (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۲ ص۔)

دین نام ہے نصیحت کا صحابہ نے دریافت کیا کس کیلئے
آپ نے فرمایا اللہ کے لئے اس کی کتاب کے لئے اور
مسلمانوں کے سربراہوں کے لئے اور ان کے عوام کیلئے۔

۵۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی فانہ من
یکذب علی یلج النار (مقدمہ صحیح مسلم ص ۲)

حضرت علی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ

---

[۱] ضعیف فضائل اور ترغیب و ترہیب میں بیان ہو سکتی ہے یا نہیں اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی انشاء اللہ العزیز ع غ ح

[۲] ح ستہ کے علاوہ احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جس کے بارے میں یقین سے کہا جاتا ہے کہ یہ روایات موضوع اور گھڑی
ہیں۔ اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو کنز العمال کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ کتاب حافظ سیوطی کی تصنیف جمع الجوامع کی ترتیب ہے اس میں
ب و یابس روایات کی بھر مار ہے۔ بلا تحقیق اس کتاب میں مندرج احادیث کی اشاعت جائز نہیں ہے۔
کے نمونے آئندہ بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ مت باندھو اس لئے جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ دوزخ میں داخل ہو کر رہے گا

۶۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی روایات لائیں گے جن کو نہ تم نے سنا اور نہ تمہارے باپ دادوں نے، تم ان سے دور رہو وہ تم کو گمراہی اور فتنہ میں ڈالنے نہ پاویں۔

۷۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (مقدمہ صحیح مسلم)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ بس جو کچھ وہ سنے دوسروں کے سامنے اگل دے۔

یعنی سند کے بغیر سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے خصوصاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں جو یہ بے احتیاطی کرتا ہے اسے ذیل کی حدیث سے سبق لینا چاہئے۔

۸۔ عن المغیرۃ بن شعبۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان کذبا علی لیس ککذب علی احد، فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (مقدمہ مسلم ج ۱ ص۶۹)

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ مجھ پر جھوٹ باندھنا دوسرے پر جھوٹ و افترا پردازی کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا (جانتے بوجھتے) تو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

۱۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال ان الشیطان لیتمثل فی صورۃ الانسان فیاتی القوم فیحدثھم بالحدیث من الکذب فیتفرقون، فیقول الرجل منھم سمعت رجلا اعرف وجھہ ولا ادری ما اسمہ یحدث (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص۹)

عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ شیطان انسان کی شکل اختیار کر کے لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان کو جھوٹی سچی باتیں سناتا ہے پھر لوگ منتشر ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو فلاں بات کرتے ہوئے سنا ہے میں اس کی صورت پہچانتا ہوں لیکن اس کے نام سے واقف نہیں ہوں۔

کسی راوی کی بات پر یقین و اعتماد کرنے کے لئے اس کی شخصیت سے پوری طرح واقفیت ضروری ہے۔ محض صورت شناسی کافی نہیں ہے۔ جب عام بات چیت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود تنبیہ فرما رہے ہیں تو حدیث نبوی میں تو بدرجہ اولیٰ احتیاط کی ضرورت ہے

عن مجاھد قال جاء بشیر العدوی الی ابن عباس فجعل یحدث ویقول، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل ابن عباس لا یاذن لحدیثہ ولا ینظر الیہ فقال یا ابن عباس مالی لا اراک تسمع لحدیثی، احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تسمع فقال ابن عباس انا کنا اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا واصغینا الیہ باذاننا فلما رکب الناس الصعب والذلول

لم نأخذ من الناس الا ما نعرف (مقدمہ صحیح مسلم مع النووی طبع مصر ج ۱ صلہ)

مجاہد سے روایت ہے کہ بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لگے حدیثیں بیان کرنے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور یہ فرمایا لیکن حضرت ابن عباس کا یہ حال تھا کہ نہ ان کی بات پر کان دھرتے اور نہ نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ آخرکار بشیر نے کہا۔ کیا معاملہ ہے آپ میری بات نہیں سنتے۔ میں آپ سے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہوں اور آپ توجہ نہیں دیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، ہمارا یہ حال تھا کہ جب ہم کسی کو یہ کہتے ہوئے سنتے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" تو ہماری نگاہیں اس کی طرف فوراً اٹھ جاتیں اور کان اس کی طرف لگ جاتے۔ لیکن جب لوگوں نے رطب و یابس بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم وہی روایت قبول کرتے ہیں جس کو ہم جانتے پہچانتے ہیں (کہ یہ حدیث نبوی ہے)

۳۔ قال ابو ذر لو وضعتم الصمصامة على هذه واشار الى قفاه ثم ظننت انى انفذ كلمة سمعتها من النبى صلے الله عليه وسلم قبل ان تجيزوا على لانفذتها۔

حضرت ابوذر نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس پر تلوار رکھ دو اور مجھے یہ اندازہ ہو کہ تمہاری تلوار چلانے سے پہلے میں ایک کلمہ بھی زبان پر لا سکتا ہوں جس کو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو میں ضرور اسے لوگوں کو سنا کر رہوں گا۔

صحابہ کرام کا یہی ذوق و شوق تھا اور یہی جرأت ہمت تھی جس کی بنا پر احادیث نبوی کا ذخیرہ محفوظ طریقہ سے ہم تک پہنچ سکا۔

۴۔ مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور جلیل القدر صحابی ابو ایوب انصاری عقبہ بن عامر کے پاس تشریف لے گئے (یہ مدینہ سے مصر کا سفر صرف ایک حدیث سننے کے لئے تھا)

جب ابو ایوب انصاری مصر کے امیر مسلمہ بن مخلد کے مکان پر پہنچے تو اطلاع ملنے پر مسلمہ فوراً باہر آئے اور گلے ملے۔ دریافت کیا، کیسے یہ سفر فرمایا؟ ابو ایوب نے فرمایا ایک حدیث میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اب اس کے سننے والوں میں میرے اور عقبہ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیجئے جو عقبہ کا مکان مجھے بتلا دے۔ جب ابو ایوب عقبہ کے پاس پہونچے تو وہ فوراً باہر تشریف لائے، معانقہ کیا اور اس سفر کی زحمت گوارا کرنے کی وجہ دریافت کی حضرت ابو ایوب نے فرمایا "ستر المومن" کے بارے میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حدیث سننے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ حضرت عقبہ نے فرمایا، جی ہاں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، من ستر مومنا فى الدنيا على خزية ستره الله يوم القيامة جس نے مومن کے رسوا کن عمل پر پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔

یہ روایت سننے کے بعد ابو ایوب نے فرمایا "صدقت" عقبہ آپ نے سچ فرمایا اس کے بعد ابو ایوب اپنی سواری کی طرف پلٹے اور مدینہ منورہ واپسی کے لئے اس پر سوار ہوگئے۔ امیر مصر کا عطیہ ان کو اس وقت ملا جب کہ وہ مصر کی سرحد پر پہنچ چکے تھے۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم صلہ)

حضرت ابو ایوب نے مدینہ منورہ سے مصر تک کا طول

طویل سفر صرف ایک حدیث کی خاطر کیا، تاکہ اس کے الفاظ میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہ جائے۔

حضرت ابوایوب چاہتے تو ان الفاظ کی تصدیق مدینہ منورہ ہی میں صحابہ کرامؓ کے شاگردوں سے معلوم کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ضروری سمجھا کہ براہ راست حضرت عقبہ سے معلوم کریں جنہوں نے بلا واسطہ یہ حدیث آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی

محدثین کرام نے اس حدیث سے سند عالی (جس میں نسبتاً واسطے کم ہوں) کی اہمیت پر استدلال کیا ہے۔ اس لئے کہ جس قدر واسطے کم ہوں گے اسی لحاظ سے غلطی کا امکان کم ہوگا۔

۵۔ ابن عقیل سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ طلب حدیث کے لئے اپنے سفر کا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خریدا اور ایک ماہ کا سفر طے کرکے ملک شام میں عبداللہ بن انیس کے مکان پر پہونچا قاصد کے ذریعہ اندر اطلاع کرائی گئی۔ وہاں سے سوال کیا گیا کہ جابر بن عبداللہ تشریف لائے ہیں؟ میں نے جواب اثبات میں دیا تو فوراً عبداللہ بن انیس باہر تشریف لائے اور مجھے گلے لگایا میں نے ان سے کہا مجھے ایک حدیث کا علم ہوا ہے جسے براہ راست میں نے آپ سے نہیں سنا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم دونوں میں سے کسی کو موت کا پیغام نہ آجائے اس لئے میں نے سفر میں جلدی کی عبداللہ بن انیس نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

یحشر اللہ العباد او الناس عراۃ غرلا بھما قلنا ما بھما قال لیس معھم شئی فینادیھم بصوت یسمعہ من بعد احسبہ قال، کما یسمعہ من قرب انا الملک لا ینبغی لاحد من اھل الجنۃ یدخل الجنۃ واحد من اھل النار یطلبہ بظلمۃ و لا ینبغی لاحد من اھل النار یدخل النار واحد من اھل الجنۃ یطلبہ بمظلمۃ قلت وکیف؟ وانما نأتی اللہ عراۃ بھما قال بالحسنات والسیئات،

جامع بیان العلم و فضلہ ص۹۳

الادب المفرد للبخاری ص۳۲۷

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے۔ ہم نے پوچھا بُھما کے معنی کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایسے اشخاص جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا ایسی آواز جس کو دور والے بھی سنیں گے راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے اسکے بعد فرمایا جیسے قریب والے (اللہ تعالیٰ فرمائے گا)، میں ہی بادشاہ ہوں کوئی جنتی جنت میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی دوزخی ظلم کی بنا پر اس سے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہو اور کوئی دوزخی دوزخ میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی جنتی اس سے ظلم کی وجہ بدلہ تقاضا کر رہا ہو۔ میں نے کہا " تو خدا کے حضور میں برہنہ بدن اور بے سروسامان حاضر ہوں گے تو کیسے ظلم کا ادا ممکن ہوگا۔ آپ نے فرمایا نیکیوں اور برائیوں کے ذریعہ، یعنی ظالم کی نیکیاں چھین کر مظلوم کو دلوا دی جائیں گی۔ اور اگر نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوم کی برائیاں ظالم کے سر تھوپ دی جائیں گی جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

۴۔۵۔ بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام کے نزدیک سند کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو صرف ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا دشوار گذار سفر اختیار نہ کرتے۔

(بہ شکریہ ترجمان دہلی)

فروغ علوی کا کو مروی :-

انسانیت اور مذہب

تجربہ تحقیق اور تفحص اس امر کی قطعی تصدیق کرتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور کائنات میں کوئی نداراز ل سے ابتک ایسا وجود پذیر نہ ہوا جس نے سان پر اپنی برتری ثابت کرکے اس کو اپنا محکوم بنالیا بلکہ ہزاروں برس سے ابتک یہی انسان اللہ کی تمام وقات ارضی کو اپنے قبضہ میں کئے ہوئے ہے۔ اور اللہ کی ائی ہوئی تمام مخلوقات اور فطرت کے جملہ انعامات و سائل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور ان کو جس طرح چاہتا استعمال کرتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ جملہ دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں اس عقل بھی زیادہ ملی ہے۔ اور یہی عقل اس میں اور دیگر وقات میں مابہ الامتیاز شے ہے۔ دوسری تمام مخلوقات د بیش ایک محدود قسم کی سمجھ رکھتی ہیں جو انسان کی سمجھ سے رجہا پست ہے۔ اور اس کی غائت اور حد صرف اس قدر ہے وہ اپنی ضروریات زندگی فراہم و مہیا کرکے اپنے جسم و ن اور نسل کو باقی رکھ سکیں۔ ان کو یہ استعداد بھی عطا ہیں فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے طریقہ زندگی میں ترمیم و اصلاح سکیں یا اپنی عقل میں کسی طرح کا اضافہ کرسکیں۔ شیر چیتا ربلی گائے بھینس اور بکری۔ مگرمچھ اور مچھلی۔ گدھ چیل رکا وغیرہ اپنی غذا اور عادات میں کچھ مخصوص خصوصیات ھتے ہیں۔ اور ہمیشہ سے ایک حالت پر ہیں۔ نہ ان میں کسی طرح ترمیم آجتک ہوئی ہے اور نہ ترقی۔ مگر انسان کو قدرت نے عقل دیگر ایسی طاقت دیدی ہے کہ وہ سوائے اللہ کی قدرت کے اور کسی چیز کا پابند نہیں۔ اس میں فطری صلاحیت و استعداد ایک محدود حیثیت ضرور رکھتی ہے۔ مگر دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں اس کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ اسلئے بظاہر وہ کسی فطری جبلت کا پابند نہیں معلوم ہوتا۔ وہ عام طور پر ہر چیز میں اپنے مخصوص طریقوں سے پکا کر کھانے کا عادی ہے۔ مگر کچا گوشت کھانے والے۔ کچا اناج چبانے والے۔ پتیاں اور گھاس کھانے والے بھی انسان دنیا میں پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔ برعکس اس کے شیر، چیتا، بلی۔ کوا، مگرمچھ، گائے، بھینس کی غذا معین ہے جس کے سوا وہ کچھ نہیں کھاتے اور جس طرح وہ چار سو برس قبل اپنی غذا مہیا کرتے اور جس طریقہ سے کھا لیتے تھے۔ بجنسہ اسی طریقہ پر آج بھی کرتے ہیں۔ اور ان انواع کی جملہ مخلوقات یکساں طریقوں پر عامل ہے۔

برخلاف اس کے انسان ایک ایسا خود مختار جانور ہے جو اپنے اعمال میں مطلق العنان ہے اور جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ اور اس کی ذاتی فطرت یا قضا و قدر کی طاقتیں اس راستہ میں بظاہر بالکل حائل نہیں ہوتیں۔ اگر وہ کوئی نامناسب اقدام کرتا ہے تو دوسرے انسانوں کی طاقت اسے باز رکھے تو رکھے ورنہ قدرت کا نامعلوم ہاتھ بڑھ کر اسے روکنے نہیں آتا۔ دنیا میں اس کی طاقت قدرت، علم اور عقل کی کوئی انتہا نہیں اور اس کی قدرت طاقت، اور علم و عقل کی

نیرنگیاں اور کرشمہ سازیاں دن دوگنی رات چوگنی بڑھتی جاتی ہیں۔ دنیا کی تمام مخلوقات اور فطرت کی بے شمار طاقتیں اس کی معین و مددگار ہیں۔ وہ اپنے علم و عقل کی مدد سے جب چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے۔ کہیں وہ لاسلکی ٹیلیفون کے ذریعہ سے آن واحد میں ہزاروں کوس دور مقامات کے حالات معلوم کرتا ہے۔ تو ہوائی جہاز کے ذریعہ سے پانچ سات سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا میں اڑ کر مسافت طے کرتا ہے اور کہیں وہ اپنی طاقت کی مدد سے آن واحد میں بڑی سے بڑی انسانی آبادی کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

یہ امر فطری اور لازمی ہے کہ انسان اپنے سے کم طاقت، کم علم و عقل رکھنے والے کو اپنے سے کمتر سمجھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول دنیا کا مسلمہ اصول ہے اس وجہ سے انسان نے دیگر مخلوقات عالم کو اپنا محکوم بنانا اور ان کو اپنی ضروریات کے لئے استعمال کرنا جائز سمجھا۔ اور نظام عالم بھی اسی اصول پر قائم ہے۔ شیر بکری کو کھا جاتا ہے۔ بلی بڑے بڑے چوہے آن واحد میں ختم کر دیتی ہے اور ان کے دلوں میں ذرا رحم نہیں آتا کہ ہم اپنے سے کمتر مخلوق کو کس بے دردی سے ختم کر دیتے ہیں۔ اسی قانون فطرت کے مطابق انسان جو اشرف المخلوقات ہے جملہ دیگر مخلوق کو بلا رحم کھائے اپنے تصرف میں لاتا ہے اور فطرت نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر جس طرح بلا ضرورت کوئی جانور اپنے سے کمزور تر مخلوق کو ہلاک نہیں کرتا تاکہ وقت پر ضرورت پڑنے پر اس کا مہیا ہونا ناممکن نہ ہو جائے۔ اسی اصول پر انسان بھی دیگر مخلوقات کو ہلاک کرنے میں محتاط رہتا ہے اور جہاں اس احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتا نقصان اٹھاتا ہے۔

اس طرح دنیا کی تمام مخلوق میں اپنی زندگی کے قیام اور ضروریات زندگی کے حصول کے لئے ایک کشمکش جاری ہے جس کو تنازع للبقا کہتے ہیں اور یہی کشمکش انسانوں میں آپس میں بھی قائم ہے۔ انسان دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں زیادہ سمجھ اور عقل رکھتا ہے اس لئے اس میں اپنی ضروریات زندگی فراہمی اور اپنی حیات کی بقا کے علاوہ بہتر وسائل حیات حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ آرام و اطمینان بہم پہنچانے کی خواہش بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان خواہشات کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ایسی تدبیریں کرے جس سے یہ خواہشات پوری ہوں۔ خواہش انسان کے دل و دماغ اور جسمانی کیفیات کا ایک مطالبہ ہے اور یہ جس قدر زیادہ شدید ہوتی ہے اتنی زیادہ عقل کو مختل کر دیتی ہے۔ اور انسان کو بعض اوقات مجبور کر دیتی ہے کہ وہ خود اپنی زندگی کو ہلاکت میں ڈال کر اسے پورا کرے۔ مثلاً ایک شخص کو پیاس لگی ہے۔ کئی دن کے بعد زہر ملا ہوا پانی اس کو دیا جاتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے مگر پیاس کی شدت اس کو مجبور کرتی ہے کہ اس پانی کو پی کر اپنی پیاس بجھائے اور اپنی جان ہلاک کرے۔ اسی طرح دوسری خواہشات بھی بعض حالتوں میں ایسی ہی شدید ہو جاتی ہیں کہ ان کی تسکین کے لئے انسان اپنی جان کی ہلاکت قبول کر لیتا ہے چہ جائیکہ دوسرے انسانوں کی جانوں کی ہلاکت یا دوسروں پر ہلاکت سے کم درجہ کا ظلم۔ مثلاً ایک ڈاکو محض اس غرض سے ڈاکے ڈالتا ہے کہ اس کو وہ دولت اور عیش و آرام کی زندگی میسر آ جائے جو دوسرے دولتمند بسر کر رہے ہیں اور جس کا حاصل کرنا کسی دوسرے جائز طریقے سے اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس خواہش کے پورا کرنے کی غرض سے وہ ڈاکے ڈالتا ہے۔ ضرورت پڑتی ہے تو جو لوگ اس کے راستہ میں مزاحم ہوتے ہیں ان کو بے دھڑک اور بغیر ذرا بھی رحم کھائے مار ڈالتا ہے اور جس قدر اس کو ڈاکہ زنی میں کامیابی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی اس میں زیادہ دولت اور زیادہ عیش و آرام حاصل کرنے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اور اتنا ہی بے رحم و ظالم اور خونخوار وہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے وہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ پولیس

رح سے بھی ٹکڑے لیتا ہے اور بالآ مارا جاتا ہے۔ یہی
غور کیجئے تو جماعتوں اور حکومتوں کا بھی ہے۔ ایک
ت اپنا اقتدار پیدا کرنے کی غرض سے دنیا میں کیا کیا
نہیں ڈھا رہی ہے۔ دنیا کی یہ بڑی بڑی جنگیں جن میں
ں آدمی مار ڈالا گیا، بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں
ب محض اپنی ذاتی قومی اور جماعتی برتری کی غرض سے
اور آج بھی دنیا اسی قسم کی بدترین اور مہلک ترین
ات میں مبتلا ہے۔ یہ فطرتِ انسانی ہے اور جس طرح
ر ایک باقاعدہ جماعتی نظام بنانے اور حکومت قائم
ی ضرورت محض اس غرض سے پڑی کہ اپنی خواہشات
کرنے اور ضروریات بہم پہونچانے کے لئے انسان ایک
ے پر ظلم نہ کرے اور بالآخر اپنے آپ کو یا اپنی جماعت
کت میں نہ ڈالے اسی طرح اس امر کو بھی ضرورت پڑی
نسان کو اپنے حدود اندازہ کا ایک ایسا احساس اور
پیدا کر دیا جائے جو اس کو افراط و تفریط سے باز رکھے اور
حرکات کرنے نہ دے جو جماعتی نظام میں خلل پیدا کریں۔

انسان دیگر تمام مخلوقات سے زیادہ طاقت اور عقل
ہے مگر اس معاملہ میں وہ دیگر جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں
، کہ دیگر مخلوقات اپنی ضروریات میں خود کفیل ہیں اور
رح کی مدد کی اتنی ضرورت ان کو نہیں ہوتی جتنی انسان
ب شیر، ایک بھیڑیا، ایک باز، ایک کبوتر، ایک مگرمچھ
چیونٹی، اپنی غذا اور دیگر ضروریات زندگی جو بھی ہوں
دوسروں کی مدد کے حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر انسان تو
غذا حاصل کرنے ہی میں لاتعداد آدمیوں کا محتاج ہے۔
الباس کی دوسری بے شمار ضروریات کا بھی اندازہ لگا
ہے۔ کاشتکاری ہے۔ بنائی ہے اور کھانا پکانا ہے۔ یہی
جڑے کا اور دیگر لوازمات زندگی کا ہے اس لئے وہ تنہا
رہ نہیں سکتا۔ اور بغیر دوسروں کی مدد کے ایک دن اس
نہیں چلا سکتا۔ اور زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا وہ
مجبور ہے کہ ایک جگہ پر ایک بڑی تعداد میں رہے۔ دوسروں کی مدد
کے بغیر اس کا کام نہیں چل سکتا۔ اور زندگی بسر نہیں ہو سکتی
لہٰذا وہ مجبور ہے کہ ایک جگہ پر ایک بڑی تعداد میں دوسروں
کے ساتھ مل جل کر رہے اور سب ایک دوسرے کی مدد سے اپنی
ضروریات زندگی فراہم کریں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے
نہایت ضروری ہے کہ جملہ ایک ساتھ رہنے والے اس حد تک
اپنی خواہشات کو روکیں یا ان میں کمی کریں جس حد سے تجاوز
کرنے سے دوسروں کو نقصان پہونچتا ہے یا ان کی جائز خواہشات
اور ضروریات کے پورا ہونے میں رکاوٹ ہوتی ہے اس وجہ
سے یہ ضرورت ہوئی کہ اس نظام تمدن کے قیام و استحکام کے
لئے یہ امر متعین کر دیا جائے کہ ہر شخص اپنی خواہشات و
ضروریات حاصل کرنے میں دوسروں کو نقصان یا تکلیف
پہونچانے اور ان کی آزادی آرام اور اطمینان میں خلل انداز
ہونے سے کس حد تک باز رکھا جا سکتا ہے۔

قانون کا وجود اسی ضرورت کے پورا کرنے کی غرض سے
عمل میں آیا۔ اور ہر قسم اور ہر حیثیت کے افراد کے حقوق و فرائض
کا تعین اسی بنا پر کیا گیا۔ اور حکومت کا نظام پولیس اور
فوج عدالتوں کا قیام۔ یہ سب اسی غرض کے لئے ہوا کہ لوگ اپنی
مقررہ حد میں رہ کر اپنی خواہشات و ضروریات کے مقررہ حد
تک پورا ہونے میں مزاحم نہ ہو سکیں تاکہ کل جماعت سکون و
اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے اور سب مل کر ایسے وسائل
اختیار کر سکیں جن کی مدد سے کل معاشرہ یا جماعت کے سکون
و اطمینان دولت و عزت اور عظمت و شوکت میں اضافہ ہوتا
چلا جائے۔

حکومت۔ حکومت کے معنی اور حکومت کے قوانین
و ضوابط ایک سلجھا طریقہ اپنی حد میں رکھنے کا ہے۔ اگر عملی
طور پر لوگوں میں خود اس امر کا احساس پیدا ہو جائے کہ اپنی
خواہشات و ضروریات کے پورا کرنے میں دوسروں کی خواہشات
و ضروریات کا بھی احترام کرنا چاہئے اور ہر شخص اس پر عمل

ئے کہ یہ خود اپنی خواہشات وضروریات پورا کرنے میں
وں کی پرواہ نہ کروں گا اور جس طرح بھی ممکن ہوگا حکومت
سلی نظام میں اپنی راہ پیدا کرنے اور اعمال حکومت کو
ہو کا دینے کی کوشش کروں گا۔ تو بڑی سے بڑی اور زبردست
ہ زبردست حکومت بھی نظام قائم رکھنے میں کامیاب
یں ہو سکتی۔ موجودہ حالات میں حکومتوں کا نظام جس
در کامیابی سے چل رہا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ زیادہ
یادہ لوگوں کی خود اپنے حدود و اندازہ کا سختی سے لحاظ
تی ہے۔ کسی قدر حکومت کے ڈر سے اور زیادہ تر ان
خلاقی نظریات و معتقدات کی بنا پر جو اس کے دماغ میں
صدیوں سے راسخ کئے جاتے رہے ہیں۔ وہ درحقیقت اخلاقی
مدرات کا صدیوں سے ذہن نشین کیا جانا اور اس کی
شق ہوتی رہنا ہی وہ ایجابی عمل ہے۔ جس پر حکومتوں کے
ظام و انتظام کا دار و مدار ہے۔ ورنہ دنیا میں کسی نظام
ا قائم رہنا یا کامیابی سے چلایا جا سکنا محال و ناممکن ہوتا۔

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اپنی
خواہشات و ضروریات کے پورا کرنے میں وہ دوسروں کیا
بلکہ بعض اوقات خود اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔
یسی حالت میں اگر اس کو صرف یہ بتایا جائے کہ فلاں بات
بھلی اور مفید ہے اور فلاں بات بری اور مضر تو اس کا زیادہ
اثر اس پر نہیں ہوتا۔ جب خواہش اور ضرورت ایسی زبردست
چیز ہے جو اپنی جان تک کی پروا نہیں کرنے دیتی، تو محض بھلائی
برائی اور اجتماعی فائدہ اور نقصان کا لحاظ وہ بالکل
نہیں کرتی۔ البتہ اچھائی برائی اور اجتماعی اور فائدہ اور
نقصان کے تصور کے ساتھ کسی طرح کا خوف یا لالچ بھی
شامل کر دیا جائے تو بے شک اثر ہو سکتا ہے۔ یعنی انسان
کو یہ یقین دلایا جائے کہ کوئی ہستی ایسی بھی ہے جو حاضر
ناظر ہے۔ تم اس سے چھپا کر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ وہ قادر
مطلق ہے اس لئے تم کتنی ہی بڑی طاقت رکھتے ہو اس سے

سر برا نہیں ہو سکتے۔ اس نے ان ان باتوں کو اچھا کہا۔ لہٰذا
ان کو کرو۔ اور فلاں فلاں باتوں کو برا کہا ہے ان کو نہ کرو۔
ورنہ دنیا میں اور مرنے کے بعد وہ تم کو سزا دے گا۔ تو اس کا
اثر انسان پر ضرور ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی حد و اندازہ رکھنے
پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ کام مذہب نے کیا اور اسی ضرورت
کو پورا کرنے کے لئے مذہب وجود میں آیا۔ نیز اسی کے ساتھ
کائنات کا نظام زندگی و موت، سورج اور چاند کی
کارفرمائی وغیرہ ایسے نکتہ ہائے لاینحل تھے جن کو انسان
باوجود بے انتہا علم و عقل رکھنے کے آج تک حل نہیں کر سکا
ہے۔ ان چیزوں نے اس کو مجبور کیا کہ وہ چند ما فوق الانسان
طاقتوں کا دل سے اعتراف کرے اور ان سے ڈرے۔ مذہب
نے نہ صرف انسانی معاملت کے حدود اندازے اور خواہشات
کے پورا کرنے کے سلسلہ میں دوسروں کے فائدہ نقصان آرام
و تکلیف کا لحاظ رکھنے پر مجبور کیا بلکہ ان عقدہ ہائے لاینحل
کا حل بھی اپنے طور پر پیش کیا۔ مذہب کے ہادیوں نے اپنے
روحانی کمالات کے جوہر دکھا کر اس کی تصدیق کی اس لئے
انسان مذہب سے مرعوب ہونے پر مجبور ہوا۔ اور اس نے
اخلاقی قدرات کی پابندی کو اپنا اصول بنایا۔ جب تک یہی
احساس انسانوں کے دماغوں میں مستحکم رہا۔ اخلاقی قدرات
کا سختی سے لحاظ رکھا گیا۔ اور خواہشات و ضروریات اور
نظام معاشرت و تمدن کا لحاظ خود بخود ہوتا رہا۔ لوگ معاشرہ
اور سماج کی مجموعی بہبودی سے مرعوب ہو کر سزا و جزا کے
خیال سے کم سے کم اخلاقی حدود سے تجاوز کرنے سے ڈرتے
رہے۔

ابتدائے آفرینش سے گزشتہ صدی کے ختم تک کم و بیش
دنیا پر انفرادی اور اجتماعی طور پر مذہب کا اثر غالب رہا۔
مگر اس صدی میں دنیا کی غیر معمولی ترقی کے ساتھ مذہب کی اہمیت
نظر انداز ہو گئی ہے۔ ابتدا میں تو یہ ہوا کہ لوگ عادتاً نظام
حکومت اور قانون کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ان کو اس

سلہ میں یہ امر یاد نہ رہا کہ دراصل حکومت کے قانون
احترام کی صلاحیت ان میں مذہبی اثر سے پیدا ہوتی ہے
ں کو نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ اور مذہب کو جو اہمیت حاصل
اسے کم کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس سے شدید
صان پہونچے گا۔ دوسرے اسلام کو چھوڑ کر جملہ مذاہب
لم میں کچھ ایسی تحریفیں ہو گئیں جن کی وجہ سے طرح طرح
فتنے اٹھ کھڑے ہوئے آخر دنیا نے تنگ آکر مذہب کو
ر انداز کیا۔ اور تنظیم قومی اور استقلام مملکت خالص وطنیت
میت اور جمہوریت کے اصولوں پر کیا گیا۔ اور اسے کامیابی
صل کرنے کی غرض سے مذہب کو بیکار چیز اور توہم پرستی
بت کرکے عوام کی نظر سے گرانے کی منظم کوشش ہونے لگی
ھر اسلام اور مسلمانوں کا حشر یہ ہوا کہ گو مذہب میں کوئی
ریف نہ کی جا سکی اور مذہب اپنی اصلی حالت میں علیٰ حالہ
فوظ و موجود ہے مگر روایات ورسم اندھی تقلید اور زیادہ تر
رب کی مذکورہ بالا تحریک کے اثر سے یہ بھی متاثر ہوئے بغیر
رہ سکے اور انھوں نے مذہب سے ایک ایسی بے گانگت
ختیار کی کہ زندگی بھر قرآن کو گا گا کر پڑھتے رہے اور چومتے
اٹھتے رہے۔ مگر ایک بار بھی یہ کوشش نہ کی کہ دیکھیں قرآن
تا کیا ہے اور اس میں لکھا کیا ہے۔

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ وطنیت۔ قومیت اور جمہوریت
تحریکات نے مذہب کی اہمیت کو بالکل ختم کر دیا جس کے
ثر سے لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر اخلاقی قدرات
در حدود اعتدال کا لحاظ رکھتے تھے۔ قومی مفاد کے لئے
بے ایمانی و ناحق کوشی گذشتہ صدی میں ہی یورپ والے
شروع کر چکے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ہونا ہی چاہیئے تھا کہ
اتی مفاد کے لئے بھی بے ایمانی اور ناحق کوشی عام ہو جائے
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لارڈ کلائیو اور وارن ہسٹنگز نے قومی
مفاد کے لئے ہندوستانیوں پر مظالم کئے تھے۔ اس پر بھی
انگلستان میں ان لوگوں کے خلاف آواز اٹھی اور ان پر مقدمہ
چلایا گیا مگر اس صدی میں دو جنگ ہائے عظیم اسی قومی
مفاد کے لئے ناحق کوشی کی وجہ سے برپا ہوئیں جن سے دنیا
تباہ ہوئی۔ مگر ایک آواز نہ اٹھی۔ یہی احساس اخلاقی تھا
جس کی بنا پر یورپین اقوام کے لوگ۔ اپنی معاملت میں نہایت
محتاط رہتے تھے۔ ہر جگہ ان کی ساکھ اور ان کا اعتبار تھا۔ لوگ
ان کے فیصلہ پر اعتماد رکھتے تھے اور ان کی تیار کردہ اشیاء
کی خوبی مانی ہوئی تھی۔ بازار میں ان کی بہت بڑی ساکھ تھی
مگر اب پہلے کے مقابلے میں ان باتوں میں بے حد کمی ہو گئی ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی قدرات کا احترام تو بالکل نہیں
ہے البتہ ساکھ و اعتبار سے جو نفع ہوتا ہے اس کا ضرور
لحاظ ہے۔ مگر جہاں کوئی ذاتی مشکل پیدا ہوئی یا وقتی نفع
ضروری معلوم ہوا وہ بھی نظرانداز ہو جاتی ہے اور بعض
اوقات ایسا ناقص مال بازار میں بھیج دیا جاتا ہے جو بالکل
قابل استعمال نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر سیون او کلاک
بلیڈ جنگ کے زمانے میں اور اس کے بعد کئی بار ایسا خراب
آیا کہ ایک مرتبہ استعمال کے بعد بالکل بے کار ہو گیا۔ اس
طرح کے تجربات اس عرصہ کے اندر بار بار ہوئے ہیں۔

اس طرح مذہب کی اہمیت کے نظرانداز ہو جانے
کے نتائج موجودہ زمانہ میں ہر ملک و قوم میں بکثرت
پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے جملہ نظام اس وقت جھوٹ فریب
عیاری اور مکاری پر قائم ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قومی
مفاد ہو یا ذاتی دونوں کی مطلب برآری انھیں وسائل سے
ہو رہی ہے اسی وجہ سے کوئی ملک اور کوئی قوم صحیح معنوں
میں مطمئن اور خوش نہیں ہے اور نظام حکومت کا برقرار
رکھنا اور کامیابی سے ملک کا انتظام چلانا بے حد مشکل
ہو گیا ہے۔ ہر ملک میں لاتعداد جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں جو
حکومت حاصل کرنے کے لئے باہم دست و گریبان رہتی ہیں۔
جرائم پیشگی بہت بڑھتی جاتی ہے اور خود غرضی اور فوائد
ذاتی پر جملہ مصالح کو قربان کر دینا واحد مقصد بن گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایک ناگزیر چیز ہے، جس کے بغیر جزا و سزا کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ اور بغیر جزا و سزا کے احساس کی اخلاقی قدرات کی پابندی اور خواہشات و ضروریات کو پورا کرنے میں حد و اندازہ کی نگہداشت نہیں ہو سکتی اور بغیر اس کے کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا اس وجہ سے آج دنیا انفرادی و اجتماعی طور پر بدترین فعال کی مرتکب ہے۔ دو عالمگیر جنگیں ہو چکی ہیں جن میں، لاکھوں کروڑوں انسان مارا گیا۔ اور سنکھوں روپیہ کی دولت تباہ ہوئی۔ پھر بھی دنیا والے ایک ایسی جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں جس میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور اسی طرح کے دوسرے مہلک حربے استعمال ہونگے اور دنیا یکسر برباد ہو کر رہ جائے گی۔ اس ہیبت ناک پس منظر کا واحد علاج یہ ہے کہ دنیا کو جلد از جلد مذہب کی طرف واپس لایا جائے۔ دنیا عالم اسباب ہے اور اسمیں شک نہیں کہ مذہب کا وجود مذکورہ بالا ضروریات اور مقاصد کی بنا پر ہوا اگر خالق کائنات نے دنیا کو علت و معلول اور سبب و مسبب کے اصول پر منحصر رکھا ہے یہ اسی کا کارنامہ تھا کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ دنیا کو مذہب کی مذکورۂ بالا ضرورت پیدا ہوئی اور اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے اس نے پیغمبروں اور نبیوں کے ذریعہ سے دنیا والوں کی وقتاً فوقتاً صحیح رہنمائی فرمائی ورنہ مذاہب اگر صرف توہمات کی بنا پر اہل علم و عقل لوگوں کی من گھڑت ہوتے تو ہزاروں برس تک تمام عالم انسان کو اسطرح کے خیالی و وہمی نظریات و بے نتیجہ و بے اثر اعمال کا پابند نہیں رکھا جا سکتا تھا اور اسمیں ہرگز شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں دنیا کی بد نظمی تخریبی طاقتوں اور مہلک حربوں کی ایجاد اور استعمال کے خطرہ کا واحد علاج مذہبی احساس خالق کائنات کی ناراضگی کا خوف اور موجودہ زمانہ کی زندگی اور حیات بعد الموت کے بے پناہ مکافات عمل کے احساس اور تصور کے سوا کچھ نہیں۔

بقیہ وقف صفحہ ۴۴

۱۹۴۷ء میں ہندوستان نے آزادی حاصل کی۔ اور ملک نے بدیسی راج کی لعنت سے نجات پائی۔ اب ملک کا نظم و نسق۔ قانون و عدلیہ ہندوستانیوں کے خود ہاتھ میں آ گیا اور جسٹس بیڑہین کا وہ ریمارک کہ انگریز جج ہندوستانی رواج سے ناواقف ہونے کے باعث اکثر غلط فیصلوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بے بنیاد ہو گیا۔ اب معاملات ان کے ہاتھ میں آ گئے جن کو ملک کے تمام رسوم و رواج، حالات، و رجحانات، ضروریات و امکانات کا بخوبی علم تھا۔ آزاد فضا میں ملک کے ارباب حل و عقد نے سماج وادی حکومت کے قیام کو نصب العین قرار دیا۔ اس خیال کے ماتحت سب سے پہلے زمینداری نظام کو ختم کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ تاکہ کاشتکار اور زمیندار کے درمیان کوئی واسطہ نہ رہے اور جاگیرداری نظام کی یہ نشانی ختم کر دی جائے۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں خاتمۂ زمینداری اور اصلاحات مزارعین ایکٹ نمبر ا پاس کیا گیا۔ اور اس کا نفاذ یکم جولائی سنہ ۱۹۵۲ء کو کر دیا گیا۔ اس کے تحت زمینداروں کی صحرائی املاک بحق سرکار منتقل ہو گئی اور اس کے عوض میں ان کو ایک مقررہ شرح کے مطابق معاوضہ دے دیا گیا۔ اوقاف کی صحرائی جائیداد کا بھی یہی حشر ہوا۔ زمینداروں پر جو گزری سو گزری۔ اوقاف پر جو قیامت ٹوٹی۔ اس کی داستان بڑی دلخراش ہے۔

(باقی آئندہ)

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رندان خبرے نیست کہ نیست

گورونانک جی مہاراج

مشہور بابا نانک شاہ

از مرتبہ و مؤلفہ الحاج قاری محمد بشیر الدین بیدلث قادری البدایونی ثمہ شاہجہانپوری ایم اے نشنل پولیڈما فتہ

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب جناب
مد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام انبیائے کرام
خشور و شی میوں سے از آدم تا حضرت عیسیٰ روز ازل
ذ عہد لیا تھا کہ وہ جب دنیا میں تشریف لائیں تو تم ان پر
یان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ اس عہد کو ان تمام واجب التعظیم
واجب الاحترام برگزیدہ ہستیوں نے کس طرح پورا کیا
س کا اندازہ آپ کو اس ناچیز کی تازہ تالیف —
شاہد و مشہود" سے ہو سکتا ہے۔ آج کی صحبت میں
رض کرنا یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد بھی جو بزرگ
مدارسیدہ و صاحب کرامات ہوئے ہیں۔ ان سب کے
ارج علیا پر فائز ہونے کا راز آنحضرت صلے اللہ
لیہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور آپ کی ہدایات پر
کل کرنے میں مضمر ہے، اس لئے کہ بقول حضرت شیخ
سعدی علیہ الرحمۃ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مرحوم و مغفور الحاج حضرت مولانا عبدالحامد صاحب
قادری البدایونی ثمہ کراچوی نے بالکل صحیح فرمایا
ہے ؎

نبی کو جہاں میں یہ عزت ملی ہے
نبی کے لئے ساری دنیا بنی ہے

یہ سب گل ہیں گلزار طیبہ کے حامد
کوئی سنجری ہے کوئی قادری ہے

بالفاظ دیگر یاد رہا دس مدینہ منورہ میں تا قیام قیامت
قائم کر دیا گیا ہے۔ وہیں سے کرنٹ دوڑ رہا ہے اور
تمام دنیا کے بلب اور راڈ حسب استطاعت اسی سے
روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ البتہ آسانی کی غرض سے
جابجا سب اسٹیشن Sub stations جابجا قائم ہیں۔
کہیں قادری وسہروردی کے نام سے کہیں چشتی و نظامی
اور صابری کے نام سے اور کہیں نقشبندی و مجددی اور
دوسرے ناموں سے ننکانہ صاحب کا سب اسٹیشن بھی
منجملہ ان میں سے ایک ہے۔ یہ میرا یقین ہے۔ جیسا کہ
سطور ذیل سے ظاہر ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ امتداد
زمانہ نے اس کی ہیئت و حیثیت کو کچھ اس طرح
بدل دیا ہے کہ اصل حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو گئی
جو مذہب کے نام پر سیاسی کھیل کی مرہون منت ہے
جیسا کہ صاحب تحفۃ الہند کا خیال ہے یہی وجہ ہے کہ
شری گورونانک جی کی جماعت جو خدا پرستوں کی جماعت
تھی، اصل راستہ سے دور جا پڑی۔ کاش کہ ہمارے سکھ
بھائی سنجیدگی کے ساتھ اس حقیقت پر غور کریں اور
بابا نانک جی کی تعلیمات کو اپنا کر ان کے رنگ میں
رنگ جائیں کہ جو سراپا اللہ اور اس کے رسول کے

عشق و محبت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

پیدائش و بچپن کا حال

بابا گورو نانک جی تلونڈی (ننکانہ صاحب) کے ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مہتہ کالو چند اور ماتا جی کا نام شریمتی ترپتا جی تھا۔ ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء تاریخ پیدائش ہے اور تاریخ وفات ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء یعنی ستر سال ۵ ماہ اور سات دن اس دنیائے فانی میں گذار کر حیات جاودانی حاصل کی۔ بچپن ہی سے طبیعت کا ایک نرالا انداز تھا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود، دھینگا مشتی و شرارت کے بجائے سب سے الگ تھلگ اور خاموش رہتے تھے فکر اور طلب حق کا مادّہ شروع ہی سے پایا جاتا تھا۔ بزرگوں اور نیکوں کی صحبت میں بیٹھنا اور یاد الہٰی میں وقت گزارنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کی محبت الہٰی اور ذکر اللہ میں محویت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے والد بزرگوار نے جب آپ کو تجارت کے لئے کچھ رقم دی اور آپ کو سفر کے لئے روانہ کیا تاکہ کچھ نفع کما کر لائیں تو راستہ میں اتفاق سے چوڑ کانہ مقام پر آپ کی ملاقات چند فاقہ کش درویشوں سے ہوئی۔ معاً دل میں خیال آیا کہ یہ میرے معشوق حقیقی کے بندے ہو کر بھوکے کیسے ؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا مولیٰ مجھ سے سوال کر بیٹھے کہ اے نانک! تجھے میرے کچھ بھوکے بندے بھی ملے تھے تو کیا اس محبت کا جو میری تیرے دل میں ہے یہ تقاضا نہ تھا کہ تو میرے بھوکے انسانوں کی بھوک دور کرنے کی خاطر دنیاوی تجارتوں کی قربانی میرے حضور میں پیش کرتا۔ اسی تصور کا یہ نتیجہ تھا کہ جو تاریخ میں سچا سودا کہلاتا ہے۔ آپ نے اپنی تجارتی رقم سے ان فاقہ کش درویشوں کی خورد و نوش کا انتظام کیا اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آئے، لیکن محبت الہٰی کی حقیقی دولت سے مالا مال ہو کر اور پرسکون قلب کے ساتھ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[1] کا عملی نمونہ بن کر۔ آپ کے والد بزرگوار مہتہ کالو جی جن کی نظر میں مادی منفعت ہی نفع کا سودا ہو سکتی تھی۔ آپ کو خالی ہاتھ دیکھ کر غصہ کا اظہار کیا اور سختی سے پیش آئے تو اس پر تلونڈی کے نواب رائے بلار نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور شری کالو جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ :-

" جب تک نانک بچہ ہے اس کی خدمت ہم کریں گے۔ اس کا خرچ بھی (اپنی تنخواہ کے ساتھ ساتھ ہم سے لے لیا کرو۔ جتنا روپیہ تیرے گھر کا نانک نے ضائع کیا ہے وہ بھی ہم سے لے لو۔ بحوالہ جنم ساکھی بھائی بالا ص۳۷)

مختصراً یہ کہ بچپن ہی سے آپ پر عشق الہٰی کا جو جذبہ طاری تھا اس کو صاحب نظر ہی پہچان سکتا تھا ورنہ عوام تو اسے خلل دماغ پر محمول کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کے کہنے سننے سے مہتہ کالو جی نے کسی وئید کو بلا کر دکھایا تو عشق الہٰی کے اس ستوانے وید کو مخاطب کر کے کہا ؎

وئید بلایا ویدگی پکڑ ڈھنڈولے بانہہ
بھولا وئید نہ جانی کرک کر یجے مانہہ

یعنی طبیب کو علاج کے لئے بلایا گیا ہے جو نبض کو ٹٹول کر مرض تلاش کرنا چاہتا ہے، مگر یہ سادہ لوح طبیب

---

[1] قلوب کے اطمینان کا حقیقی ذریعہ تو ذکر الہٰی ہی ہے۔ اس کے متعلق گورو نانک جی کے تصورات کے لئے ملاحظہ ہوں سری راگ محلہ ا بسنت محلہ ا، وار سارنگ محلہ ا، آسا محلہ ا، وغیرہ وغیرہ

کیا جانے کہ کلیجہ میں عشق حقیقی کا درد ہے جس سے یہ دنیادار طبیب ناآشنا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں۔

اس سلسلہ میں وہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جو دوران ملازمت سلطانپور میں نواب دولت خاں لودھی کے مودی خانہ سے متعلق ہے۔ ایک مرتبہ غلہ وزن کرکے لوگوں کو دے رہے تھے اور ہر تول پر حسب معمول اس کا شمار یاد رکھنے کے لئے بلند آواز سے ایک ہی ایک دو ہی دو وغیرہ بھی کہتے جاتے تھے جب تیرہ عدد کا نمبر آیا تو اس عدد سے آپ پر خدائی عشق و محبت کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہر اگلی تول پر زبان سے "بس تیرا ہے تیرا" نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ پورا ڈھیر ختم کردیا۔ اس عالم جذب یا عالم محویت میں جو مزہ گورو جی کو آیا وہ صرف اہل دل سمجھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اے خدا میں بھی تیرا ہوں یہ غلہ بھی تیرا ہے اور اسکا لینے والا یہ غریب انسان بھی تیرا ہی بندہ ہے، اس لئے اس کی یاد میں ایسے مگن ہوئے کہ اگلا عدد ہی بھول گئے۔ اس واقعہ کے بعد ملازمت ترک کردی۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

چھ سال کی عمر میں پنڈت گوپال سے ہندی پڑھنا شروع کی اور تین سال تک ہندی ہی سیکھتے رہے چونکہ ذہین و محنتی تھے، اس لئے اب ساتھ ساتھ سنسکرت کا سبق بھی ہونے لگا۔ سنسکرت کے معلم پنڈت برج لال تھے۔ غرضکہ تیرہ سال کی عمر تک ہندی و سنسکرت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلے میں مجھے ان لوگوں کی رائے سے کوئی اتفاق نہیں جو گورو جی کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ انہیں علمیت کچھ بھی نہ تھی۔ وہ وید آدی شاستر اور سنسکرت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ ان گنواروں کے سامنے جنہوں نے سنسکرت کبھی سنی بھی نہیں تھی۔ سنسکرتی ستوتر (گرنتھ صاحب) بناکر سنسکرت کے پنڈت بھی بن گئے ہوں گے۔ یہ بات اپنی بڑائی، عزت اور شہرت کی خواہش کے بغیر کبھی نہ کرتے۔ ان کو اپنی شہرت کی خواہش ضرور تھی۔ نہیں تو جیسی زبان جانتے تھے کہتے رہتے اور یہ بھی کہہ دیتے کہ میں نے سنسکرت نہیں پڑھا ـــ ورنہ گرنتھ صاحب میں ویدوں کی تعریف اور مذمت کا مجموعہ مرکب نہ ہوتا ـــ اگر وہ ویدوں ہی کی تعلیم کرتے تو ان کا فرقہ نہ چلتا۔ وہ گورو بن سکتے تھے۔ کیونکہ جب سنسکرت پڑھی ہی نہ تھی تو پھر دوسرے کو پڑھا کر اپنا شاگرد کس طرح بنا سکتے تھے (ملاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش اردو ترجمہ صفحہ ۲۷۹ و صفحہ ۲۸۰ بحوالہ بابا نانک شاہ صفحہ ۶۸ و صفحہ ۶۹)

اس کے بعد مولوی قطب الدین صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی۔ مولوی صاحب کی اخلاقی و روحانی تعلیم سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ بچپن میں "سچا سودا" کا واقعہ اسی اخلاقی تعلیم کے زیر اثر تھا۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے۔ آپ کے والد صاحب آپ کی افتاد طبع سے بہت بیزار و پریشان تھے، اس لئے ان کی بہن نانکی جی انہیں اپنے ساتھ سلطان پور لے گئیں جہاں وہ دولت خاں لودھی کے مودی خانہ میں منتظم مقرر ہوگئے۔ دس سال ملازمت کی۔ اٹھائیس سال کی عمر میں "تیرا ہے تیرا" کا واقعہ سرزد ہوا اور آپ نے حالت جذب سے مغلوب ہوکر ملازمت ترک کردی اور چھ سال تک گھر پر رہے۔

شادی

گورونانک جی ہندو سنت اور سادھوؤں کی طرح رہبانیت کے قائل نہ تھے۔ سمبت ۱۵۴۴ عمر ۱۸ سال شری مولچند کی لڑکی شریمتی سولکھنی دیوی کے ساتھ شادی

ہوئی۔ رائے بلار اور دولت خاں لودھی دونوں نے شادی میں حصہ لیا۔ اور روپیہ پیسہ سے کافی مدد کی شادی نہایت ٹھاٹ باٹ کے ساتھ ہوئی۔ شریمتی سولکشمی دیوی سے دو لڑکے تولد ہوئے۔ ایک کا نام سری چند اور دوسرے صاحبزادے کا نام لکشمی چند تھا۔ نواب دولت خاں کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد چھ سال تک خانگی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد ۳۴ سال کی عمر میں عوام کی اصلاح و درستی کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور طول طویل سفر اختیار کئے۔ ان سفروں کو "اداسیاں" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان سفروں میں "مردانہ ربابی" جو مسلمان تھا آپ کا شریک سفر رہا۔ بالا جی کے متعلق اختلاف ہے جس کو دوسرا ساتھی بتایا جاتا ہے[1]

سیر وسیاحت

۳۴ سال کی عمر میں سیاحت شروع کی پہلے دورے میں کورو کشتیر، کرنال۔ پانی پت، دہلی، متھرا اور ضلع نینی تال میں نانک متا (جہاں نانک جی نانک ساگر بن گیا ہے) کی سیر کی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر بنارس پٹنہ، آسام اور اڑیسہ کا دورہ کیا۔ ہر جگہ ذات پات اور غلط رسوم و رواج کے خلاف لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کی انتھک کوشش کی۔ واپسی میں راجستھان کو دیکھتے ہوئے پنجاب آئے۔

(۲) دوسرا دورہ ۳۹ سال کی عمر میں دکھن کی جانب بیکانیر، اجمیر، اجین ہوتے ہوئے مدراس اور لنکا تک گیا۔ واپسی میں دوارکا کے پنڈتوں اور سندھ کے صوفیائے کرام سے تبادلہ خیال کیا۔ ملتان میں چلہ کشی کے بعد وطن واپس آئے اور ہندو مسلم ہم آہنگی و یک جہتی کے لئے کوشش کی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک مشترک لنگر خانہ جاری کیا۔ جہاں ہر ملت و مذہب والے باہم اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ یہ ایک اصلاحی خانقاہ تھی جس میں دس سال تک اصلاح و تربیت کا سلسلہ جاری رہا گورو نانک جی لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے معاشرہ کو اختیار کریں تاکہ آپس کی تفریق کو خیر باد کہہ کر لوگ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ اسلامی معاشرہ کیلئے اس ناچیز کی مولفہ کتاب "معلم اعظم" کا مطالعہ فرمائیں

(۳) آپ کا تیسرا دورہ ۴۷ سال کی عمر میں سکم، تبت اور چین کی طرف ہوا۔ اس سفر میں آپ نے مانسرور کے ان جوگیوں اور سدھوں سے ملاقات کی جو اپنے من کی شانتی کے متلاشی تھے اور جو گرہستی اور گرہستہ زندگی کو ترک کر کے عوام سے بالکل یکسو

[1] بھائی بالا جی :۔ موجودہ زمانہ کے سکھ محققین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ بھائی بالا جی کا وجود فرضی ہے، اس لئے کہ (۱) گورو گرنتھ صاحب کی بھار بھاگڑا میں تین اشلوک بھائی مردانہ کے متعلق درج ہیں، لیکن گورو گرنتھ صاحب میں کوئی بھی اسلوک بھائی بالا جی کے متعلق نہیں ملتا (۲) بھائی گورو داس جی نے مردانہ کے متعلق اپنی "واروں" میں کسی تیسرے ساتھی کا ذکر نہیں کیا جو سفر بغداد میں آپ کے ساتھ ہو (۳) ایک سکھ ودوان پروفیسر سنگھ جی صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ بالا جی آپ کا ہمسفر کبھی نہیں رہا۔۔۔۔۔۔۔
(۴) ایک مشہور مورخ کرم سنگھ جی نے اپنی کتاب "کتک کہ وساکھ" میں قومی دلائل دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ گورو بابا نانک جی کا ایک ہی ساتھی بھائی مردانہ تھا اور بالا جی فرضی وجود ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اخبار "اجیت" جالندھر مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۶۸ء و ہفت روزہ "بدر قادیان" صفحہ ۸ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۶۹ء

اور بے خبر تھے ۔ انہیں آپ نے سمجھایا کہ عوام کو چھوڑ کر صرف اپنی نجات کی فکر کرنا انتہائی خود غرضی ہے ۔ دنیا میں رہ کر گھر کی زندگی کو درست کرنا تاکہ عوام کی اصلاح ہو اصل دھرم ہے ۔

(۴) چوتھا دورہ ۱۵ سال کی عمر میں بلاد اسلامیہ کی طرف تھا ۔ بغداد اور حرمین شریفین کی زیارت کی مصر اور ترکی کا دورہ کیا پھر ایران و افغانستان ہوتے ہوئے تین سال کے بعد ہندوستان واپس آئے اور ۱۵۷۹ سمبت بکرمی سے گوروجی کرتارپور کو اپنا مستقر بنا کر رہنے لگے ۔ اسی سال آپ کے والدین کا انتقال ہوا ۔

شری گورونانک جی اور مسلمان

گورونانک کے پوتر جیون کا ایک روشن پہلو جو ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ بچپن سے لیکر وفات تک مسلمانوں کے اندر رہے ۔ ان سے محبت کی اور انکی محبت کو پایا ۔ چنانچہ اتہاس کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل حقائق روز روشن کی طرح عیاں ہیں ۔

(۱) گورو جی نے ہندی بھی پڑھی اور سنسکرت بھی ، لیکن فارسی کی تعلیم سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے ۔ مولوی قطب الدین صاحب آپ کے اخلاقی و روحانی معلم اول تھے ۔ سید غلام حسین حسنی طبا طبائی کی روایت کے بموجب "نانک در عہد طفلی حسنے وصباحتے بانمک مایہ استعداد ولیاقتے فداداشت و سید حسن نام درویشے صاحب حال وقال بر نانک مذکور نظر توجہ داشتہ ہمت بر ترتیب می گماشت ، بفیض صحبت درویش حقیقت کیش فی الجملہ شعور و دانش بہم رسانیدہ و بر حقائق ومعارف کہ کتب فقرائے اسلام و صوفیائے ذوی الاحترام بآں مشحون است اطلاع حاصل نمود و از تعصب کیش آبائی خود درگذشتہ مضامین اقوال آں بزرگواراں بزبان پنجابی کہ داشت در بحور اشعار ہندی موزوں می نمود و اشعار و کلمات او فراہم آمدہ صورت کتابے گرفت و نام آں کتاب "گرنت" افتاد بیشتر اوضاع اوشابہ اوضاع فقرائے مسلمان ہند بود ۔

(سیر المتاخرین جلد ۲ صـ۴۱۱)

یعنی گورونانک جی اپنے بچپن میں حسین و ملیح تھے اور خداداد استعداد ولیاقت رکھتے تھے ۔ سید حسن نام کے ایک صاحب حال وقال بزرگ درویش نانک جی پر نظر خاص رکھ کر ان کی تربیت کی طرف توجہ فرماتے تھے ۔ اس حقیقت شناس درویش کامل کے فیض صحبت سے کچھ شعور و دانش پیدا ہوگیا اور ان حقائق ومعارف پر جن سے مسلمان درویشوں اور قابل احترام صوفیوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں ، واقفیت حاصل ہوگئی اور اپنے آبائی متعصبانہ رویہ کو چھوڑ کر ان بزرگوں کے اقوال ومضامین پنجابی زبان میں جو ان کی مادری زبان تھی ہندی زبان کی بحروں میں اشعار موزوں کرتے تھے نانک جی کے اشعار و کلمات کو اکٹھا کر کے کتابی شکل دی گئی ۔ اس کتاب کا نام "گورو گرنتھ" پڑ گیا —— ان کے بیشتر طریقے ہندی مسلمان درویشوں کے طریقوں کے موافق تھے ۔

(۲) بابا نانک جی تلونڈی میں پیدا ہوئے ۔ وہاں کا جاگیر دار رائے بولار ایک بھٹی راجپوت مسلمان تھا ۔ باباصاحب کے والد محترم مہتہ کالو جی اس کے گماشتے اور زمین کے منتظم تھے ۔ رائے بولار نے بچپن ہی سے آپ میں غیر معمولی باتیں دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ ہونہار بچہ ہے ۔ اس لئے وہ خود بھی آپ سے دلی محبت رکھتا تھا اور عزت کرتا تھا اور آپ کے والد ماجد کو بھی آپ کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ

کرنے کی تلقین کرتا تھا جیسا کہ واقعہ "سچا سودا" سے ظاہر ہے

(۳) گورو نانک جی جب دور دراز کے سفروں سے جب تلونڈی واپس آئے تو رائے بلار آپ کی ہر ممکن خدمت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ تلونڈی واپس آکر پانی کی قلت کا ذکر کیا تو رائے بلار نے فوراً "نانک سر" تالاب بنوا دیا یہ تالاب بال لیلا گوردوارہ کے ساتھ ملحق اب بھی تلونڈی (موجودہ ننکانہ صاحب) میں موجود ہے۔ رائے بلار نے بہت سی زمین بھی گورو جی کی نذر کر دی۔ بال لیلا گوردوارہ کو ۹۰ مربع گز زمین وقف کی اور پچاس روپیہ سالانہ خرچ کے لیے مقرر کیا۔ اسی طرح گوردوارہ کیا رہ صاحب کو بھی بہت سی زمین دی (ملاحظہ ہو گوردوھام دیدار ص ۱۲۳ نانک پرکاش ص ۲۹۶ از بھائی ویر سنگھ) گویا کہ رائے بلار پہلا شخص ہے جو آپ کا از اول تا آخر معتقد رہا اور وہ مسلمان تھا۔

(۴) رائے بلار نے جب تہ کالو جی کی طبیعت کو سخت گیر دیکھ کر نانک جی کو ان کی بہن نانکی جی کے ہمراہ ان کے بہنوئی جے رام داس کے پاس سلطانپور بھجوا دیا۔ اور وہاں کے نواب دولت خاں لودھی سے سفارش کی "یہ (گورو نانک جی) خدا کا پیارا ہے اس کا خیال رکھا جائے"۔ چنانچہ نواب صاحب نے آپ کو اپنے مودی خانہ کا منتظم بنا دیا۔ اس زمانہ میں یہ نہایت اہم خدمت تھی جو صرف معتبر سے معتبر ترین شخص کے ہی سپرد کی جاتی تھی۔ دس سال کی ملازمت کے بعد "تیرا ہے تیرا" کا واقعہ رونما ہوا اور آپ نے حالت جذب میں ملازمت ترک کر دی۔ غرضکہ نواب دولت خاں لودھی کو بھی آپ سے بڑی محبت و عقیدت تھی اور وہ بھی ایک مسلمان تھا۔

(۵) گورو نانک جی کی شادی کے موقعہ پر رائے بلار اور نواب دولت خاں لودھی دونوں نے روپیہ پیسہ اور ضروری سامان سے پوری پوری مدد دی۔ اس سے بھی دونوں کی محبت و عقیدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۶) جب ۱۵۲۶ء میں شہنشاہ بابر نے ایمن آباد (سید پور) پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا تو اس کے سپاہی نانک جی کو بھی پکڑ کر بابر کے پاس لے گئے۔ بابر آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور آزاد کرنے کے بعد درخواست کی کہ آپ جو چاہیں مجھ سے طلب کریں۔ اس پر آپ نے جو جواب دیا اس سے آپ کی شان بے نیازی اور توکل علی اللہ کا اندازہ ہوتا ہے آپ نے فرمایا ؎

ایمان دیا اک خدا نے — جس کا دیا ہر کوئی کھائے
بندے کی جو لیوے اوٹ — دین دنی میں تا کو ٹوٹ
کہہ نانک سن بابر میر — تجھ سے مانگے سو احمق فقیر

(نانک پربودھ ص ۱۶۶ بحوالہ رسالہ بدر ۲۰ اپریل ۶۹)

البتہ ایک نیک خواہش کا اظہار کیا جو بجائے اپنے مخلوق کے لئے فائدہ کی تھی یعنی یہ کہ قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے ـــ چنانچہ خواہش کی تعمیل میں قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ بادشاہ نے عدل وانصاف سے حکومت کرنے اور گدی کا احترام ملحوظ رکھنے کا وعدہ کیا۔ آپ نے بابر بادشاہ کو دعا بھی دی تھی کہ تیری سلطنت بہت دنوں تک چلے گی۔ غرضکہ بابر بھی آپ کی بزرگی سے متاثر تھا (ملخص اتہاس گورو صاحبان ص ۹۹ نیز گورمت سدھاکر ص ۳۰۷)

(۷) حضرت گورو نانک صاحب کے سفر وحضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والا بھی ایک مسلمان تھا۔ وہ آپ کے بچپن کا ساتھی مردانہ میراسی تھا۔ بھائی گورداس لکھتے ہیں ؎

بابا گیا بغداد نوں باہر جائے کیا استھانہ
اک بابا اکال روپ دوجا ربابی مردانہ

(وار ۱ پوڑی ۳۵)

بھائی مردانہ کا آپ کے ہمراہ سفر ہی میں انتقال
ہوگیا اور اس طرح اس نے حق رفاقت و ارادت
ادا کر دیا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے جیون ساتھی
کا گور و کفن کیا۔ غرضکہ آپ کا ہمسفر بھی آپ کا معتقد
ایک مسلمان ہی تھا۔

حضرت باباجی زندگی بھر مسلمان درویشوں اور
فقیروں کے ہمنوار رہے۔ آپ کی صحبتیں جن مسلمان فقراء
علما سے رہیں ان میں پیر جلال، میاں مٹھا، پانی پت
کے شاہ شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ، پیر عبدالرحمٰن
بابا بدھن شاہ، تلونڈی کے سید شاہ حسن، ملتان
کے درویش ولی قندھاریؒ، بغداد کے پیر شیخ مرادؒ،
مدینہ کے بزرگ قاضی رکن الدینؒ اور پاک پٹن کے
فرید ثانی شاہ ابراہیمؒ نمایاں ہیں۔ آپ نے دوران سفر
اجمیر شریف، ملتان اور بغداد میں چلہ کشی کی ملتان
میں گورو جی نے جس جگہ چلہ کشی کی وہاں بطور نشانی
لفظ اللہ اپنے ہاتھ سے لکھا جو اب بھی دیکھا جاسکتا
ہے (ملاحظہ ہو "چشمہ معرفت" صفحہ ۲۳۵ گورونانک جی
ایک عرصہ تک بغداد میں عبادت و ریاضت میں مشغول
رہے۔ ان کی چلہ کشی کی یادگار وہاں ابھی بدستور
قائم ہے۔ ایک معزز خاتون راحیل شروانیہ اپنے
سفرنامہ میں لکھتی ہیں :-

"ہم کاظمین سے واپس ہوتے ہوئے
بغداد کے ایک قبرستان میں گئے وہاں
ایک چاردیواری کے اندر تین گنبد ہیں۔
ایک گنبد میں حضرت جنید بغدادی اور سری
سقطیؒ آرام فرما ہیں۔ گنبد کے باہر
ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ دوسرا گنبد حضرت
یوشع بن نونؑ کا ہے۔ اسکے قریب ہی تیسرا
گنبد بہلول دانا کا ہے۔ اس میں مقبرہ کے
اندر ایک حجرہ کا دروازہ ہے۔ اس میں
ایک عجیب چیز گورونانک کا چلہ ہے۔
یہاں انہوں نے چار ماہ تک چلہ کشی کی
یادگار کے بطور یہاں ایک کتبہ موجود
ہے جو شکستہ حالت میں ہے۔ بہت
کوشش سے میں نے اتنا نکالا " عبدالمجید
گورونانک ۹۱۷ھ" (ملاحظہ ہو سفرنامہ
راحیل شروانیہ صفحہ ۲۱، بابا نانک شاہ
صفحہ ۹۶ از مولانا احتشام الحسن مرحوم کاندھلوی)

اس کتبہ سے گورونانک جی کے اصل نام کا پتہ چلتا
ہے۔ اسلامی ملک میں آپ اسی نام سے مشہور و متعارف
تھے ورنہ چلہ کشی کے بعد خانہ کعبہ تک نہ پہنچ سکتے
اس لئے کہ غیر مسلم کے حرم محترم میں داخلہ پر سخت
پابندی عائد ہے۔ مشہور ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر گورو
نانک جی کعبہ شریف کی طرف پیر پھیلا کر سو گئے اس پر
وہاں کے قاضی نے آپ کو ٹوکا تو آپ نے جواب دیا
"قاضی جی میرے پیر ادھر کر دیجئے جدھر اللہ کا گھر نہ ہو"
نادان لوگ اس کو بے ادبی پر محمول کرتے ہیں۔
حالانکہ گورو جی کے متعلق ایسا خیال کرنا خود بے ادبی ہے اگر اس
واقعہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے گورو جی کے استغراق اور عالم جذب کی
کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ بیت اللہ شریف
کے دیدار سے اس قدر سرشار تھے کہ آپ کو ہر طرف
بیت اللہ ہی بیت اللہ نظر آ رہا تھا۔ اور خدا کے
نور کا جلوہ چاروں طرف چھایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔
ایسی حالت میں انسان پاس ادب سے بے نیاز
ہوتا ہے اور شرعی گرفت و مواخذہ سے آزاد۔

مدینہ منورہ میں واپس ہو کر آپ نے اس زمانہ کے
مشہور بزرگ قاضی رکن الدین صاحب سے ملاقات کی
اور ان سے فیض حاصل کیا۔ بغداد کے پیر شیخ مراد سے

ملے تو انکی محبت و عقیدت میں اپنے کو بھول گئے۔ فرماتے ہیں ؎

من دیا گرو آپ نے، پایاں نرمل ناؤں

(گورو گرنتھ رام کلی محلہ ۱)

(۹) گورو نانک جی کی وفات کے بعد آپ کی جو یادگاریں اب تک محفوظ ہیں ان میں دو قابل ذکر ہیں اول قرآن مجید کا وہ نسخہ جو حرمین شریفین کے مبارک سفر میں آپ کے ہمراہ تھا اور اب گورو ہر سہائے فیروز پور کے گوردوارہ میں بجنسہ محفوظ ہے۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا ہے ؎

کل پردھان کتیب قرآن

پوتھی پنڈت پڑھیں پوران

(گورو گرنتھ محلہ ۱)

یعنی اس کلجگ میں خاص طور پر کام کرنے والی کتاب تو صرف قرآن ہے۔ پنڈت پوتھی اور پوران تو بیکار پڑھ رہے ہیں۔

دوسری یادگار آپ کا وہ چوغہ ہے جو بغداد کے سفر میں آپ کو ملا اس پر آیات قرآنی اور متبرک کلمات جابجا مرقوم ہیں۔ یہ چوغہ بھی اپنی اصلی صورت میں موجود و محفوظ ہے۔ ڈیرہ بابا نانک میں کابلی مل کی اولاد (بیدی خاندان والے) اس کے محافظ و نگراں ہیں اس کے عزت و احترام کا اندازہ اس میلے کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے جو ہر سال ۲۱ ر ۲۲ ر ۲۳ ر ماہ پھاگن کی تاریخوں میں چولہ صاحب کے نام سے ضلع گورداس پور کے ڈیرہ بابا نانک نامی مقام پر لگتا ہے جہاں لاکھوں معتقدین جمع ہو کر ارادت و عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ اسی چولہ کو زیب تن کر کے حق و صداقت کے اظہار اور حق کی تبلیغ کی خاطر شری گورو نانک جی نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور لوگوں کو بتایا کہ :- ؎

مِعات ملے سہج وعات کو پڑ کر وعادے

(گورو گرنتھ صاحب)

یعنی محبت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ محبت کسی کی خوبیاں کو دیکھ کر اور اپنا کر پیدا ہوتی ہے اس لیے فرمایا :- ع

سائیں کر بھے غزہ ہیں کیری چھوڑا دگن چلئے

(دسوہی محلہ ۱)

یعنی تمہیں چاہئے کہ دوسروں کی اچھی صفات کو اپناؤ اور اس کی برائیوں کی طرف نظر نہ ڈالو۔ لفظ اسلام اور مسلم کی درحقیقت یہ نہایت جامع تعریف ہے۔ سچے مسلمان کی یہ امتیازی شان ہے کہ وہ اوروں کے بخلاف تمام مذاہب کے بزرگوں، مقدس کتابوں اور استھانوں کی عزت کرتا ہے اور ان کا احترام ملحوظ رکھتا ہے اور یہ باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے ضروری ہے — ہمارے سکھ بھائیوں کو بھی گورو نانک جی کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے اتحاد و اتفاق کی اہمیت کو بابا نانک جی نے کتنے پیارے الفاظ میں ادا فرمایا ہے :- ع

سبے دسیوا ، کی ٹھاں برل نرساکوں نانک پرے پریلا

(گوجری محلہ ۱)

یعنی مخلوق کی خدمت ازراہ محبت اتنی بلند و اہم چیز ہے کہ میں اس کی تعریف رہا، بیان نہیں کر سکتا غرضکہ شری گورو نانک جی نے خلوص و محبت اور باہمی اتحاد و اتفاق نیز خالص خدا پرستی کا لوگوں کو سبق دیا اور اسلامی تعلیمات کو حسن تدبیر کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا۔

۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء کو آپ کا وصال ہوا، آپ کے انتقال کے بعد ہندو اور مسلمان دونوں میں آپ کی آخری رسوم ادا کرنے پر اختلاف ہوا۔ آخر میں جب چادر ہٹائی گئی تو وہاں جسم نہ ملا۔ لہٰذا آدھی چادر مسلمانوں نے قبر میں دفن کی اور ہندوؤں نے آدھی چادر لے کر داہ سنسکار کیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم کو اسلامی طریقے سے دفن کرنا پسند نہیں کرتا۔ تاآنکہ متوفی کے عقائد اسلامی کا اُسے علم نہ ہو۔

از ڈاکٹر ابرار احمد ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

عاقل خاں رازی

نام میر عسکری[1] والد کا نام سید محمد تقی اور دادا کا نام سید محمد قاسم تھا۔ آبائی وطن خواف (خراسان) تھا[2]۔ مگر ان کی پیدائش اور تربیت ہندوستان میں ہوئی اپنا تخلص اپنے پیر مرشد حضرت برہان الدین راز کے لقب کی مناسبت سے اختیار کیا[3] تھا۔ ان کی محبت کی بے بنیاد افسانے شہزادی زیب النسا سے منسوب کئے جاتے ہیں، عہد عالمگیر کے شعرا میں دنیاوی جاہ و حشمت کے لحاظ سے سب سے بلند پایہ اور قابل رشک تھے۔

عاقل خاں رازی اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی سے قبل بھی اُن سے وابستہ تھے۔ دکن کی گورنری کے زمانہ میں عالمگیر کے بخشی دوم[4] تھے۔ تخت نشینی کی جنگ کے سلسلہ میں جب عالمگیر نے شمالی ہند کا رخ کیا تو ان کو اورنگ آباد کی دفاع سپرد کی۔ بعد تخت نشین ہونے کے عالمگیر نے انھیں دربار میں بلا کر عاقل خاں کا خطاب عطا کیا[5]۔ اور دوآب کا فوجدار بنا کر روانہ کیا لیکن تیسرے سن جلوس ۷۱-۱۰۷۰ھ مطابق ۶۱-۱۶۶۰ء میں انھیں خرابی صحت کی بنا پر سبکدوش کر کے نو ہزار روپے سالانہ کا وظیفہ مقرر کر کے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت عطا کی گئی[6]۔ کشمیر سے واپس آتے ہوئے ۷۴-۱۰۷۳ھ مطابق ۶۴-۱۶۶۳ء میں لاہور ٹھہر کر عالمگیر نے انھیں داروغۂ غسل خانہ کے عہدہ پر مقرر کیا اور دو ہزاری منصب عطا کیا[7]۔ اور تین سال بعد انکے عہدہ میں پانصدی کا اضافہ ہوا لیکن ۸۰-۱۰۷۹ھ مطابق ۱۶۶۹ء میں انھیں پھر معزول کر کے بارہ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا[8]۔ تقریباً دس سال تک انھیں کوئی عہدہ نہیں ملا۔ مگر ۱۰۹۰ھ مطابق ۱۶۷۹ء میں

---

[1] یہ نام تقریباً سبھی تذکروں میں ہے مگر خود انھوں نے ثمرۃ الحیاۃ (سالار جنگ نمبر ۳۸) ورق ۱ میں میر علی عسکری لکھا ہے۔

[2] سفینۂ خوشگو ص ۱۳

[3] رازی مثنوی مہر وماہ (علی گڑھ) ورق ۹۲۔ شیخ برہان الدین راز الٰہی شیخ عیسیٰ کے خلیفہ اور شطاریہ سلسلہ کے ایک بلند مرتبہ صوفی تھے اورنگ زیب عہد شہزادگی سے انکا معتقد تھا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نشتر عشق ص ۶۸۴

[4] ماثر الامرا ۸۲۱/۲

[5] محمد کاظم، عالمگیر نامہ کلکتہ ۱۸۶۸ ص ۳۴-۳۴۳

[6] عالمگیر نامہ (ص ۹۳۰) بقول خوانی خاں ۱۲۷/۲ یہ رقم پچاس ہزار تھی اور بقول ماثر الامرا دس ہزار روپیہ لیکن ماثر عالمگیری (ص ۳۷) نے صرف یہ لکھا ہے۔
"بہ سالانہ ہزار روپیہ خوطعت گشت"

[7] عالمگیر نامہ ص ۸۴۳، ۸۵۱

[8] ماثر الامرا ۸۲۲/۲۔ ماثر عالمگیری (ص ۱۵۴) کا بیان ہے کہ یہ رقم ۱۰۸۶ھ مطابق ۷۶-۱۶۷۵ء میں منظور ہوئی۔

بخشی اُن کے عہدہ پر فائز کیا گیا[۱] اور اس کے بعد دوسرے سال انھیں دہلی کی گورنری و چار ہزاری منصب دیا گیا جس پر وہ اپنی وفات تک قائم رہے۔ ان کی وفات بعمر ۸۰ سال ماہ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ مطابق اکتوبر ۱۶۹۶ء میں ہوئی[۲]۔

عاقل خاں رازی عالمگیر کے عہد شاہزادگی سے اس کے معتمد رفیقوں میں تھے جیسا کہ مذکورالصدر میں تحریر کیا گیا ہے اور بعض نجی معاملات میں بھی وہ اورنگ زیب کے ہمراز تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے غبار خاطر کے صفحہ ۳۲۰ پر بحوالہ ماثر الامرا ایک روایت بیان کی ہے: "کہ جب اورنگ زیب کی محبوبہ زین آبادی مری تو اورنگ زیب شاہزادگی کے ایام میں دکن کی مہمات پر تھا اپنی محبوبہ کی موت کا اُسے اسقدر صدمہ ہوا کہ تین دن تک سکتہ کا عالم طاری رہا۔ حاشیہ نشینوں نے دل بہلانے کے لئے شکار کا انتظام کیا۔ شہزادہ سوار ہو کر چلا مگر دل کو قرار نہ تھا۔ عاقل خاں جوان دنوں تازہ تازہ ملازم ہوا تھا ہم رکاب ساتھ تھا۔ اس نے یہ شعر پڑھا۔

عشق چہ آساں نمود لیک چہ دشوار بود

ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت "

اورنگ زیب کا دل اُمنڈ آیا۔ آنسوؤں کا تانتا بندھ گیا۔ پوچھا "از ان کیست" جواب ملا "از آنِ من است"۔ یہی شعر عاقل خاں کے تقرّب کا باعث ہوا جو بعد میں ترقی کرتے کرتے گورنری کے عہدے تک پہونچا۔

ان دیرینہ تعلقات کی بنا پر اورنگ زیب رازی کی بعض کوتاہیوں کو نظرانداز کر دیتا تھا۔ ایک دفعہ مہابت خاں گورنر لاہور نے لال قلعہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ اپنے ساتھ شاہی اجازت نامہ لایا تھا۔ مگر رازی نے صاف انکار کر دیا اور اُسے قلعہ نہیں دکھایا۔ مرزا فاخر جو وزیر اعظم اسد خاں کا بھتیجہ تھا۔ اُس نے رازی کی شان میں کوئی گستاخی کی۔ اسد خاں نے فوراً انھیں ایک خط لکھ کر معافی مانگی اور اتنے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ انھیں عہد شاہجہانی سے اپنے تعلقات کا واسطہ دلایا۔[۴]

عاقل خاں رازی کو شعر و ادب سے بڑی دلچسپی تھی کافی مصروفیات کے باوجود متعدد تصانیف چھوڑی ہیں جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ تصوّف کے رموز پر بھی ان کی گہری نظر تھی مثنوی معنوی کے اعلیٰ مفسروں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور انھیں کے ایما پر انکے داماد شکر اللہ خاں نے مثنوی رومی کی شرح لکھی اور خود بیدل اپنے ذوق تصوف کے لئے رازی کے ممنون تھے[۵] کیونکہ جب وہ بیدل کے کسی شعر کی تعریف کرتے تھے تو وہ سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم کرتے تھے[۶]

نظم و نثر میں رازی کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) مثنوی مہر و ماہ یا مثنوی مہر و مدھومالت (۲) مثنوی شمع و پروانہ یا بدماوت (۳) مرقع (۴) دیوان۔
(۵) وقائع عالمگیری (عہد اورنگ زیب کے پہلے پانچ سال کی تاریخ) (۶) ثمرات الحیات (حضرت برہان الدین رازکے ملفوظات کا مجموعہ ہے)

---

[۱] ماثر عالمگیری (ص ۱۷۶) اس بحالی پر رازی نے اورنگ زیب کی خدمت میں جو شکریہ لکھا تھا وہ ریاض الافکار (ص ۴۹) پر تحریر ہے۔ [۲] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۳۔ ید بیضا (علی گڈھ) ص ۱۰۳ اور ماثر الامرا (۲/۸۲۲) میں سال وفات ۱۱۰۷ھ درج ہے۔
[۳] ماثر الامرا ۳/۶۲۶

[۴] احکام عالمگیری (انگریزی ترجمہ سر جادو ناتھ سرکار کلکتہ ۱۹۴۹ء) ص ۹۹ [۵] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۳
[۶] نشتر عشق ص ۶۸۴

ول (۸) رسالہ امواج خوبی (تصوف کا پتہ نہیں
یٔ اسی کی منظوم شکل ہے) (۹) نغمات العشق ۔
دبلبل (صرف سرخوش نے ذکر کیا ہے)
اس کے علاوہ صحائف شریف میں ان کے کچھ
رج ہیں، ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰)

دیوان مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے جس میں ایک
یہ، خمار نامہ، ترجیع بند، شیخ برہان الدین کی
ں قصیدہ اور عزیزوں کی وفات پر قطعے لکھے ہیں۔
بعض تذکرہ نویسیوں نے ان کی مثنویوں کو بے مزہ[۱]
احت افتادہ[۲] کہہ کر نظر انداز کر دیا ہے جبکہ بنیادی
شقیہ مثنوی کے شاعر تھے۔ ان کی دلکشی اور رعنائی
م نہیں کیا جا سکتا انھوں نے ہندوستانی قصوں
رع اپنایا اور اپنے ذوق تصوف اور ذوق سلیم
یں حسن اور جاذبیت پیدا کی ہے۔

۵ عاقل خاں رازی کی پہلی مثنوی مہر و ماہ
منوہر اور مدھو مالتی کی داستان عشق پر
ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۰۶۵ھ مطابق ۵۵-۱۶۵۴ء
رنگ زیب کی تخت نشینی سے تقریباً تین سال پہلے
ہ مثنوی میں منوہر اور مدھو مالتی کے نام بالترتیب
ہ سے تبدیل کر دیئے گئے ہیں، اس لئے اسے مثنوی
ہ کہا گیا ہے ؎

منوہر را کتابی | وہم از نام مہر آن را خطابی
ن مدھمالت سرایم | ولی از پردہ ماہش خانیم

مہر و ماہ کی اہمیت ایک جذباتی داستان عشق
دہ بھی ہے کیونکہ اس سے شاعر کے حالات زندگی
عقائد اور ہندوستان سے اس کی گہری وابستگی پر
پڑتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہندوستانی

قصوں کو فارسی زبان میں نظم کیا گو کہ وہ ایرانی تھے لیکن
انھیں یہ احساس تھا کہ ہندوستان کی دلکشی ایرانیوں کا
دل اس طرح موہ لیتی ہے کہ وہ واپس اپنے وطن نہیں
جانا چاہتے ؎

سواد عنبر ورنگ وی ہندو | بود دلبند چون گیسوی ہندو
ازآن ہر کس بہ ہند آمد سفر ساز | بہ ملک خویشتن کمتر رود باز

رازی کے نزدیک ہندوستان کے فارسی اساتذہ
کی عظمت ایرانیوں سے کسی طرح کم نہیں ؎

بسا آئینہ روشن ضمیرا ں | زہند انداختہ پرتو بہ ایران
سواد ہند را گر نکتہ دانی | سیاہی دان ز افواج معانی

رازی سے کم و بیش ایک سو تیرہ سال قبل شیخ
منجھن نے ہندی میں مدھو مالتی کا قصہ نظم کیا تھا۔ رازی
نے صراحتاً شیخ منجھن کا نام نہیں لیا ہے مگر وہ اپنی مثنوی
کا ماخذ "نوح ہندی" کو بتاتے ہیں۔ اسی طرح وہ شیخ
نور محمد کی مثنوی منوہر و مدھو مالتی کا بھی ذکر نہیں کرتے جو
۱۰۵۹ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں مکمل ہو چکی تھی۔

داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ منوہر کنیسر کے راجہ
سورج بھان کا اکلوتا نور نظر تھا جس کی پیدائش کے وقت
نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ جب چودہ سال کا
ہوگا تو کسی خطرہ کا شکار ہوگا۔ لہٰذا راجہ نے ہر ممکن احتیاط
برتی لیکن جب وہ جوان ہوا تو ایک شب کھلی چھت پر
محو خواب تھا کہ ادھر سے پریوں کے ایک قافلہ کا گذر
ہوا۔ وہ منوہر کو اپنے ہمراہ اٹھا لے گیا اور اسے راجہ بکرم
کی لڑکی مدھو مالتی کی خوابگاہ میں پہونچا دیا۔ جب منوہر
کی آنکھ کھلی تو اپنے پہلو میں ایک ماہ پیکر کو دیکھ کر غرق
حیرت ہوا پھر حواس بجا رکھتے ہوئے اس ماہ پارہ کا
نام پوچھا تو یہ جواب ملا ؎

بود مدھمالتی نامم درین عصر
بہ رغم چرخ خود کامم درین عصر

۱۔ ات الشعرا ص ۳۰
۲۔ ن الغرائب (علی گڑھ) ورق ۱۴۸

منوہر نے عالمِ وجد میں بقیہ رات گذاری سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے قبل پریوں نے اُسے واپس اس کے محل میں پہونچا دیا۔ نوجوان شہزادہ جو لذتِ عشق سے آشنا ہو چکا تھا بھلا محل میں کیا ٹکتا۔ وہ گھر چھوڑ کر جنگل نکل گیا۔ قضارا اُس کی ملاقات مدھومالتی کی رشتہ دار بھی پیما (پریما) سے ہوئی جس کو ایک دیو نے گرفتار کر رکھا تھا۔ منوہر نے پیما کو دیو کے چنگل سے چھڑایا اور اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ پیما نے بچھڑے ہوئے عاشق و معشوق کے وصال کا انتظام کیا۔ منوہر نے جب مدھومالتی کو آتے ہوئے دیکھا تو ؎

زجا برخاست لیک از پا در افتاد

ازاں شوری کہ او را در سر افتاد

چو جانش شد باستقبال جاناں

چساں برخیزد از جا جسم بیجاں

مدھومالتی نے فوراً آگے بڑھ کر منوہر کو سہارا دیا اور ساری رات محبوب کے ساتھ گزاری ؎

بدست جان سرش بگرفت جاناں

بپہلو جای کردش چون بہ تن جان

کشیدش مہر چون مستان در آغوش

چو جان و دل بہم گشتند مدہوش

مدھومالتی کی ماں کو جب اس عشق کی خبر ہوئی تو اُس نے جادو کے ذریعہ مدھومالتی کو چڑیا بنا کر ایک پنجرے میں قید کر دیا۔ اتفاق سے موقع پا کر چڑیا اُڑ گئی۔ اور اُڑتے اُڑتے دہلی کے ایک رئیس تاراچند کی حویلی میں پہونچی۔ تاراچند اُسے لے کر اس کی ماں کے پاس آیا اور ماں نے بیٹی کی اصلی شکل بحال کر دی۔ اسکے بعد منوہر کی شادی مدھومالتی سے اور تاراچند کی شادی پیما سے ہو جاتی ہے۔

مثنوی عشق کے نغمے سے بھرپور اور رازی کی فنکاری سے معمور ہے ان کا اصل کمال عشقیہ شاعری میں ہی ہے غالباً اسی باعث مثنوی مہر و ماہ کو قصۂ عشق بھی کہا گیا ہے۔ فارسی میں مدھومالتی کی ایک نثری روایت بھی ملتی ہے مگر اس کے مصنف یا تاریخ کا پتہ نہیں چلتا[۱]

شمع و پروانہ یہ رازی کی دوسری مثنوی ہے جو چار سال بعد ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۹ء میں مکمل ہوئی۔ شمع و پروانہ میں پدماوت کا قصہ نظم کیا گیا ہے جس کا ماخذ ملک محمد جائسی کی مشہور نظم پدماوت ہے مگر رازی نے جائسی کا ذکر نہ کرتے ہوئے صرف قصہ پرداز ہندی کہا ہے ؎

قصہ پرداز ہندی افسانہ

محرم راز شمع و پروانہ

پدماوت کی داستان مشہور ہے۔ فارسی اور ہندی دار میں جزوی اختلاف کا ہونا لازمی ہے۔ اس مثنوی میں بھی رازی کی رومانی شاعری اپنے پورے عروج کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ لیکن مہر و ماہ کے مقابلے میں شمع و پروانہ خوش بیانی اور شدتِ جذبات کے لحاظ سے کچھ کمتر ہے درج ذیل اشعار میں پدمنی کے حسن کا ذکر بڑے دلکش انداز میں کیا ہے ؎

مہر و مہ، روز و شب، نشیب و فراز

از جالش شدہ علم افرا

چشم او صید گیرا ہوئے مست

ہندوی مست صد خدنگ بدست

دہن تنگ او چو تنگ نبات

لب او چشمہ ای ز آب حیات

مثنوی مہر و ماہ میں ۱۸۵۰ اشعار ہیں اور پوری

۱؎ ایتھے نمبر ۸۰۳ (ج) نسخۂ آصفیہ ۲/۱۲۹۰ نمبر ۱۹۲

بدنِ آں نگارِ مشکیں بوی
ورق از بو دولی خوشبوی

اس نے پدماوت کی داستانِ عشق سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ لوحِ عالم پر صرف عشق کو ہی ثبات ہے باقی ساری چیزیں فانی ہیں ؎

راز یا در جہاں بہ روی زمیں
ز زن ماندنی علاء الدین
نی بدم ماندنی جمال پدم
بر دبا خود زن خیال پدم
لیک از عشق داستانی ماند
زاں وفا پیشگاں نشانی ماند
نام او ثبت شد بر لوحِ ابد
ذکر او می رسد بہ گوشِ خرد
ہشت صد سال شد ز عشق زن
لیک این داستان نگشتہ کہن[1]

فارسی میں سب سے پہلے عبدالشکور بزمی نے داستان پدماوت نظم کی جو عہد جہانگیر میں ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۸ء میں مکمل ہوئی اسکے بعد حسام الدین نے حسن و عشق کے نام سے اور پھر حسین غزنوی نے بھی یہی داستان نظم کی اور میر عبدالجلیل بلگرامی نے اسے مخلوط ہندی و فارسی میں منتقل کیا[2] نثر میں پدماوت کی دو روایتیں ملتی ہیں۔ ایک بھی رام ابراہیم آبادی کی فرح بخش ہے[3] اور دوسری روایت کے نام اور مصنف کا پتہ نہیں چلتا[4]

مُرقع یہ رازی کی تیسری مثنوی ہے جو مثنوی رومی کی بحر اور طرز میں ہے۔ سال تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ رازی نے اس سے پہلے تصوف کے نکات پر نثر میں ایک رسالہ 'امواجِ خوبی' لکھا تھا اور مرقع میں اسی مضمون کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ مثنوی میں چھوٹی چھوٹی حکایتیں اور قصے ہیں۔ ابتدائی شعر یہ ہے ؎

ایھا الساقی اغثنی فی الغمام
اسقنی من جرعۃ الکاس الکرام

آزاد لائبریری علی گڑھ یونیورسٹی میں رازی کی ایک اور مختصر مثنوی بعنوان قصہ "لدھا فقیر" موجود ہے[1] لیکن یہ مرقع کا ہی جزو ہے۔ یہ ایک درویش کا قصہ ہے۔ جس کا نام لدھا تھا جو اپنی خانقاہ میں دنیا سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ ایک دن خانقاہ میں ایک دلھن کی ڈولی آکر رکی اور تھوڑا دم لے کر چلدی۔ اتفاقاً لدھا نے دلھن کا جلوہ دیکھ لیا اور وہ اتنا محو ہوا کہ جب ڈولی چلی تو ایک پیڑ پر چڑھ کر دیر تک اسے نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی ڈولی اوجھل ہوئی لدھا زمین پر گر پڑا اور دم توڑ دیا ؎

جان پاکش ناقۂ معشوق راند
جسم خاکش خاکسار افتادہ اند

اُدھر لڑکی کا حال اچانک بدلا اور اُس نے فرمائش کی کہ ڈولی واپس خانقاہ لے جائی جائے۔ جب واپس پہونچ کر اسے معلوم ہوا کہ درویش کو دفنایا جا چکا ہے تو وہ اس کی قبر پر بے اختیار گر پڑی۔ اتفاقاً قبر شق ہوگئی اور لڑکی درویش کی آغوش میں سما گئی ؎

آں سمن بر فت خنداں در لحد
شد فراہم خاک از حکم احد
لاجرم دست تصرف داشتند
ہر دو را بر حال شان بگذاشتند

---

[1] شمع و پروانہ (سالار جنگ نمبر ۶۱) ورق ۴۴۔ آخری شعر تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ علاؤالدین نے ۱۳۰۰ء کے لگ بھگ چتوڑ پر حملہ کیا تھا [2] ریو ۲/۱۰۳۶
[3] ایضاً ۲/۷۸، [4] ایضاً نمبر، ۱۹۳

[1] علی گڑھ سلیمان نمبر ۴۴-۴۳، (۱۹-۱۸)

یہ مثنوی تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ مرقع میں مثنوی کی طرح چھوٹی چھوٹی اخلاقی اور صوفیانہ حکایتیں ہیں جن کے ضمن میں شاعر نے تصوف کے رموز کی تشریح کی ہے مگر مرقع کا انداز سطحی ہے اور رازؔی کے مرتبہ سے فروتر ہے۔ یہ اس کا تقلیدی کارنامہ ہے تخلیقی نہیں۔

عاقل خاں رازؔی کی نثری خصوصیات کے سلسلہ میں درج ذیل کتب قابل ملاحظہ ہیں :-

ثمرات الحیاۃ یہ اپنے پیر شیخ برہان الدین راز الٰہی کے اقوال و حکم اور تصوف کے نکات پر مشتمل تصنیف ہے جس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء میں مکمل ہوا جبکہ اس کی عمر صرف ۲۶ سال کی تھی۔ دوسرا حصہ کچھ وقفہ کے بعد لکھا گیا۔

ثمرات الحیاۃ تصوف کی ایک وقیع تصنیف ہے جس میں شطاریہ فرقے کے اصول تصوف پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے صوفیہ کے جو اقوال کو بیان کیا گیا ہے وہ کافی اہم اور مستند ہیں۔ قرآن و حدیث کی تشریح بھی شامل ہے۔ نیز بہت سی تاریخی شخصیتوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک واقعہ شہزادہ اورنگ زیب کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ شیخ برہان الدین سے ملنے کا متمنی تھا لیکن شیخ کے صاف انکار پر شہزادے کو خاص ندامت ہوئی۔ اس سے رازؔی کی بیباکی اور حق گوئی ثابت ہوتی ہے۔

نغمات العشق تصوف پر رازؔی کی یہ دوسری تصنیف ہے جس میں عشق، مقامات عشق اور لطائف عشق کا انتہائی دلچسپ و دلآویز بیان ہے۔ اس کتاب میں رازؔی نے مخلوق نظم و نثر میں عشق پر اپنے بیباکانہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور جگہ جگہ اپنے شیخ کی تعریف بیان کی ہے جن کی بدولت وہ بادۂ عشق سے فیضیاب ہوا۔ اس کے تصوف میں عشق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی نظم و نثر میں بے پناہ شگفتگی، رنگینی اور جذباتیت ہے۔ کتاب میں سال تصنیف کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

کشکول تصوف پر یہ اس کی تیسری تصنیف ہے۔ اس میں بھی تصوف کے رموز و نکات پر صوفیا اور مشائخ کے مشہور اقوال درج ہیں۔ کشکول ایک مقدمہ، دو فصل اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ہر حصہ کا عنوان لقمہ ہے۔ اس کا سنہ تالیف ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۹۰ء ہے۔

حقیقت

کوئی خطرہ مجاہد کے قریں آیا نہیں کرتا
کرشاہیں کثرتِ زاغاں سے گھبرایا نہیں کرتا
شعاعِ مہر تاباں ظلمتوں سے رُک نہیں سکتی
نگاہِ حق نما باطل کے آگے جھک نہیں سکتی
خدا سے ڈرنے والا غیر سے ڈر ہی نہیں سکتا
دلِ مومن رجوعِ ماسوا کر ہی نہیں سکتا
اندھیرے کو ضیائے نور سے ہٹنا ہی پڑتا ہے
سحابِ کفر کو ہر حال میں چھٹنا ہی پڑتا ہے
خزاں کے جور ہی سے رنگ کلیوں کا نکھرتا ہے
ہواؤں سے کہیں شیرازۂ گلشن بکھرتا ہے

(از سلطان مراد آبادی)

قند پارسی

از رئیس نعمانی

رقیباں را نظر ہست و نظر نیست | نگارِ ما بشر ہست و بشر نیست
ز قہر و لطفِ اُو از من چہ پرسی | بجانِ ما! اگر ہست و اگر نیست
نگاہش سوئے من ہم نیست ہم ہست | بشوقِ من اثر ہست و اثر نیست
بگوئے شاہدے نادیدہ روئے | شب و روزم سفر ہست و سفر نیست
چہ سادہ بین و ہم شوخ است کورا | زِحالِ من خبر ہست و خبر نیست
براہِ اُلفت و شاہد پرستی | بہر گامے خطر ہست و خطر نیست
خیالِ چہرہ تا با زلف پیوست | شبِ ما را سحر ہست و سحر نیست
پرستد ہر کہ اصنامِ خیالی | ہمہ کارش خبر ہست و خبر و نیست

رئیس "از کردہ" ماند نامِ مرداں
سخن گفتن ہنر ہست و ہنر نیست

اثر ملیں —

وقف

اسلام سراسر خیر و برکت بن کر اس دارِ محن میں گم کردہ راہ انسانوں کی خود آفریدہ مصیبت کا سدباب کرنے کے لئے آیا۔ اس نے سلامتی کی راہیں دکھائیں۔ اور ہدایت مکمل اور ضابطۂ دوامی کی شکل میں اپنے برگزیدہ نبی رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرما کر راہِ مستقیم کا تعین فرمادیا۔ اللہ کا یہ کلام اوامر و نواہی کا ایک مبسوط قانون ہے۔ برائی سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کی ہدایتوں سے یہ صحیفۂ آسمانی بھرا پڑا ہے۔ جہاں کہیں بھی خدا اور رسول پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ اُسی کے ساتھ عمل صالح کی تاکید بھی موجود ہے۔ قرآن صاف الفاظ میں واضح کرتا ہے۔ نیکی مشرق یا مغرب کی طرف منھ پھیر لینے میں نہیں ہے بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا، روزِ آخرت، فرشتوں، خدا کی کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور اپنا عزیز مال رشتہ داروں یتیموں۔ محتاجوں۔ مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں غلاموں کو آزاد کرائیں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔

پھر فرمایا۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیں وہ درجہ بدرجہ اہلِ استحقاق یعنی ماں باپ۔ قریبی رشتہ دارو یتیموں۔ محتاجوں اور مسافروں کو دیں۔ پھر فرمایا۔ مومنو جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں راہِ خدا میں خرچ نہ کروگے، کبھی نیکی حاصل نہ کرسکوگے۔

اب ذرا اس تہدید کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتا ہے۔

"جو لوگ مال میں بخل کرتے ہیں وہ بخل اُن کے حق میں اچھا نہیں ہے جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر گردنوں میں ڈالا جائے گا۔"

یہ چند آیات کا ترجمہ نمونہ از خروارے ہے۔ تمام کلام پاک میں خیر و خیرات کی فضیلت بیان ہوئی ہے یہاں آپ دیکھیں کہ قرآن نے صاف الفاظ میں بتایا کہ نیکی کیا ہے پھر یہ بھی بتایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیسے کریں۔ انہ کے ساتھ جن کے ساتھ نیکی کرنے کا خصوصیت کے ساتھ حکم ہے۔ اُن کی درجہ بندی بھی کردی۔ ذوی القربا، والیتامیٰ والمساکین۔ پھر نیکی میں بخل کرنے والوں پر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار بھی فرمادیا۔"

درحقیقت اسلام کی دو تعلیمات بنیادی ہیں اول توحید۔ دوسرے بندگانِ خدا پر رحمت و شفقت امورِ خیر و صدقہ کے متعلق رسولِ مقبول کی بکثرت احادیث ہیں سرکارِ دو عالم نے بمصداق وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ اپنی زبانِ مبارک سے منشاءِ الٰہی کو دنیا پر واضح کردیا۔

وقف بھی ملہمِ غیب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا نیکی کرنے کا ایک عدیم المثال طریقہ ہے جس کی مثال ماقبل اسلام کہیں نہیں ملتی۔ روم۔ مصر یونان میں بڑی نامور تہذیبوں نے جنم لیا مگر خیرات کی اس نادر ایجاد تک ان کا خیال نہ پہونچ سکا افلاطون نے مدنیت کے قوانین کو مدون کرنے کا شہرہ آفاق کارنامہ انجام دیا۔ مگر اس انوکھے طریقِ خیر کی طرف اُس کا دماغ نہیں گیا۔ اور کیسے جاتا یہ ایسے ہی بشر کے بس

ت تھی جسے اللہ کی طرف سے ہدایت ہو Helfening
عتراف حقیقت انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ کے صفحہ ۱۰۹۸
ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتا ہے " وقف کا وجود خیر و خیرات
اُس نمایاں جذبہ کی پیداوار ہے جو اسلام کی ایک
صوص صفت ہے۔ وقف اسلام کے ساتھ منصۂ شہود
یا ہے۔ ایسا مبسوط نظام خیر و خیرات جس میں کسی
ئیداد کی آمدنی سے مختلف اور متواتر مستفیدین کے
، تاحیات دوامًا اہتمام کیا گیا ہو اس کی کوئی مثال قبل
سلام کہیں نہیں ملتی۔

وقف کی بنیاد کسی نص قرآنی پر نہیں ہے۔ بلکہ
ں کا جواز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی معتبر
ادیث پر قائم ہے۔ اس کی تشکیل کو بھی کسی تنہا مخرج
، وابستہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ وقف بصورت موجودہ
ختلف عوامل اور حالات کے مجموعی اثرات کا نتیجہ ہے جو
لم فقہ کے ارتقائی عمل میں کارفرما ہوتے رہے۔ وقف
نے تمام قواعد و ضوابط کے ساتھ ساتویں صدی عیسوی
، ایک مکمل شکل میں زیر عمل آچکا تھا جبکہ انگریزی ٹرسٹ
ہویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے (Henry cattan
ہنا ہے کہ ٹرسٹ کا اپنے وجود کے لئے اسلامی وقف کا
ہونِ منت ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ جامع ترمذی
مطابق سب سے پہلا وقف حضرت عمرؓ نے قائم کیا۔ حضرت
رؓ کو فتح خیبر کے بعد غنیمت میں کچھ جائیداد ملی تھی انھوں
، رسول مقبولؐ سے اس جائیداد کے مصرف کے لئے دریافت
ا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تصدق باصلہ لا یباع ولا
یھب ولاکن ینفق بثمرہٖ یعنی اصل کو اس طرح
صدقہ کرو کہ وہ نہ بک سکے گی، نہ ہبہ ہو سکے گی اور نہ اس
قانون وراثت جاری ہو سکے گا۔ بلکہ اس کی آمدنی اپنے
یال، اقربا اور مساکین پر اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ
ے مطابق صرف کرو۔ درحقیقت وقف کی یہی تعریف ہے

یہاں اسے ذہن میں محفوظ رکھئے کہ رسولؐ نے کالا یوھب
(نہ ہبہ ہو سکے گی) فرما کر وقف اور ہبہ میں ایسی حدِ فاصل
قائم کر دی کہ وقف اور ہبہ کو ایک ہی چیز سمجھنے کی گنجائش
ہی نہیں رہی۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے صفحہ ۱۱۰۰ پر
درج ہے کہ وقف علی الاولاد بھی اتنے ہی قدیم ہیں جتنے
کہ وقف علی الخیر۔ اس کے ثبوت میں وہاں شفیع کے ایک
وقف نامہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کے ذریعے انھوں نے
فسطاط کا ایک مکان اپنے ورثا کے حق میں وقف کیا تھا۔
ان دو قدیم مثالوں سے یہ بات بلا ریب واضح ہو جاتی ہے
کہ اسلام میں سب سے پہلے قائم ہونے والے اوقاف میں
اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ وقف علی الاولاد ہی وقف
علی الاولاد کی قدامت کی اور بہت سی مثالیں ہیں جن
میں سے کچھ کو مولنا شبلی مرحوم نے اُس کتابچہ میں درج
کیا ہے جو موصوف نے پریوی کونسل کے ایک فیصلہ بابتہ
وقف علی الاولاد کے خلاف لکھا تھا۔

فقہ حنفی میں وقف کے لئے مندرجہ ذیل شرائط
ہیں :-

۱- واقف کو جائیداد کے وقف کرنے کا حق حاصل ہو
یعنی جائیداد پر واقف مکمل حق ملکیت رکھتا ہو۔

۲- وقف کی جانے والی جائیداد مادی ہو۔ یہ شرط
منقولہ و غیر منقولہ دونوں اقسام پر حاوی ہے

۳- وقف کا صرف اعلان ضروری ہے۔ اعلان کے لئے
کوئی طریقہ معین نہیں کیا گیا۔ وقف زبانی بھی
ہو سکتا ہے۔ اور تحریری بھی۔

۴- جائیداد موقوفہ کو کسی متولی کے قبضہ میں دیے جانے
کی شرط جواز وقف کے لئے ضروری نہیں ہے۔ واقف
خود بھی وقف کرنے کے بعد جائیداد موقوفہ بحیثیت
متولی قابض رہ سکتا ہے۔

۵- وقف کا اعلان غیر مشروط۔ دائمی اور ناقابل تنسیخ

ہونا چاہیئے۔

۲۔ وقف کے مقاصد شرعاً جائز اور خیراتی ہونا چاہئیں جس میں ثواب کی نیت بھی ہونا چاہیئے۔ مقصد خیر وخیرات وقف کو قانونی جواز دینے کے لئے کافی ہے خیر وخیرات جائز وقف کی بنیادی شرط ہے۔

عربی زبان میں وقف یا حبس مصدر ہے۔ جس کے معنی روکنا۔ منع کرنا ہیں۔ اصطلاح میں بنیادی طور سے اس کے معنی ہیں کسی چیز کو محفوظ کر لینا کسی تیسرے شخص کی ملکیت میں جانے سے روکنا۔ عزت مآب جسٹس امیر علی نے محمڈن لا میں لکھا ہے کہ وقف کے لغوی معنی روکنا۔ پابند کرنا اور باندھنا ہیں۔ مسٹر جسٹس مُلّا نے مسلم وقف ویلیڈیٹنگ ایکٹ ۱۹۱۳ء میں دی ہوئی تعریف کو اختیار کیا ہے۔ اس ایکٹ میں وقف کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ " وقف سے وہ دائمی انتساب مراد ہے، جو صرف مذہب اسلام کا ماننے والا کر سکتا ہے۔ اور جس کا مقصد شرعی نقطۂ نظر سے مذہبی۔ صالح یا خیراتی ہو۔ پریوی کونسل نے اس تعریف کے متعلق یہ رائے دی ہے کہ یہ صرف ایکٹ مذکور کی ضروریات کے لئے ہے۔ فیضی نے اس سے یہ استنباط کیا کہ مختصراً وقف کی تین خصوصیات ضروری ہیں۔ اول یہ کہ وقف کا مقصد مذہبی ہو۔ محض لادینی مقصد انتساب کو ہبہ یا ٹرسٹ میں تبدیل کر دے گا۔ وقف نہ سمجھا جائے گا۔ دوم انتساب دوامی ہونا چاہیئے۔ سوم یہ کہ جائیداد موقوفہ کی آمدنی بنی نوع انسان کی بھلائی کے کام میں لائی جائے۔

سنٹرل وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء میں وقف کی جو تعریف کی گئی ہے وہ زیادہ واضح ضرور ہے۔ لیکن وقف علی الاولاد کو اس نے وقف کی تعریف سے خارج کر دیا ہے۔ ایکٹ مذکور میں تعریف اس طرح کی گئی ہے، وقف سے ایسا دائمی انتساب مراد ہے جو مذہب اسلام کا ماننے والا کسی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو ایسے مقصد کے لئے کرتا ہے جو شریعت اسلامی کی رو سے۔ صالح، مذہبی یا خیراتی ہو۔ اس میں مندرجہ ذیل اقسام شامل ہیں:۔

۱۔ وقف بالاستعمال۔

۲۔ مشروط الخدمت

۳۔ وقف علی الاولاد بقدر اس حصۂ جائیداد کے جو شرعاً صالح، مذہبی یا خیراتی امور کے لئے مخصوص ہو

جسٹس امیر علی کی رائے کے مطابق قیام وقف کے لئے واقف کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ صرف یہ ضروری ہے کہ وقف کا مقصد واقف کے معتقدات اور اسلامی نقطۂ نظر دونوں کی رو سے جائز ہو۔ یو۔پی مسلم وقف ایکٹ ۱۶ ۱۹۶۰ء میں تعریف حسب ذیل تھی جس میں ۱۹۷۲ء کے ترمیمی وقف کے تحت ترمیم کر دی گئی۔

" وقف سے کسی جائیداد کا ایسا انتساب یا عطیہ مراد ہے جو شرعاً یا رواجاً امر مذہبی، صالح یا خیراتی ہو اس میں وقف علی الاولاد اور وقف بالاستعمال شامل ہیں "۔

یہ تعریف اسلامی نقطۂ نظر سے عین اصول شریعت کے مطابق تھی۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ وقف علی الاولاد اور وقف علی الخیر کو یکساں سطح پر رکھا گیا تھا جیسا کہ اسلامی نظریۂ اوقاف ہے۔ مگر اس تعریف میں ۱۹۷۲ء میں ترمیم کر دی گئی اور اس کو بھی مرکزی وقف ایکٹ کے ہم معنی کر دیا گیا۔ اس ترمیم کے تحت وقف علی الاولاد وقف کی تعریف سے نکل گئے صرف وقف علی الاولاد کے اس جزو کو جو خیراتی امور کے لئے مخصوص کیا گیا ہو وقف میں شامل رکھا گیا یعنی یہ کہ وقف علی الاولاد کی بقیہ جائیداد جو اولاد واقف یا خاندان واقف کے لئے محفوظ رکھی گئی ہو وہ وقف نہ سمجھی جائے گی درانحالیکہ جیسا مذکور ہوا شرع محمدی میں اولاد کے لئے وقف کرنا جائز قرار دیا گیا ہے اور جیسا کہ دفعہ ۸۲ محمڈن لا کے ساتویں ایڈیشن مترجمہ محمد

ہدایت اشد رٹائرڈ چیف جسٹس آف انڈیا میں درج ہے اس طرح اس ترمیم کا نتیجہ صرف یہ نہیں ہے کہ وقف علی الاولاد وقف بورڈ کے دائرۂ اختیار سے کلیتاً خارج سمجھے جارہے ہیں بلکہ ایک بار پھر یہ بات سامنے آگئی ہے کہ وقف علی الاولاد کو وقف ہی نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ سراسر محمڈن لا کے خلاف ہے۔ اس ترمیم سے قبل وقف کی تعریف میں وقف علی الاولاد بے کم و بیش شامل تھا البتہ ایسے وقف کو جس کی آمدنی کا ۵۰ فیصد یا اُس سے زائد حصہ اولاد یا خاندان واقف کے لئے مخصوص تھا اُسے وقف ایکٹ کے اطلاق سے مستثنیٰ کردیا گیا تھا اور وقف بورڈ کو اُس حصہ آمدنی کا کہ جو اولاد یا خاندان واقف کے لئے مخصوص ہو حساب لینے کا یا اُس پر مطالبہ بورڈ وصول کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ لیکن ترمیم سے وقف ایکٹ کا اطلاق تو جملہ اوقاف پر کردیا گیا ہے اور کسی وقف کو ایکٹ کے اطلاق سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا گیا ہے لیکن وقف علی الاولاد کو وقف کی تعریف سے خارج کردیا گیا ہے۔

اوقاف کے سلسلہ میں دفعہ ۹۲ ضابطۂ دیوانی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس دفعہ میں وقف کا نہیں بلکہ ٹرسٹ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ہائی کورٹ کے فیصلہ جات اس پر متفق ہیں کہ دفعہ ۹۲ کا اطلاق اُن اوقاف پر ہوگا کہ جو امور خیر یا امور مذہبی کے لئے ہیں یا جو مفاد عامہ کے لئے ہیں اس طرح پر وقف علی الاولاد پر اس دفعہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ دفعہ ۹۲ کے تحت دعویٰ صرف عدالت ججی میں دائر ہوسکتا ہے۔ لیکن وقف علی الاولاد پر دفعہ ۹۲ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے وقف علی الاولاد کے متعلق دعاوی عام قانون کے مطابق عدالت دیوانی کی دوسری عدالت مجاز میں داخل ہوتے ہیں۔ بہرصورت اب اُن اوقاف کے لئے جن پر یو۔پی مسلم وقف ایکٹ سنہ ۶۰ء کا اطلاق ہوتا ہے۔ دفعہ ۹۲ ضابطہ دیوانی غیر ضروری ہوگئی ہے اس لئے کہ وہ تمام دادرسیاں کہ جن کے متعلق دفعہ ۹۲ میں دعویٰ دائر کیا جاسکتا ہے خود وقف بورڈ موجودہ وقف ایکٹ سنہ ۶۰ء کے تحت دے سکتا ہے اور بورڈ کے حکم کے خلاف مخصوص عدالت ٹریبونل میں چارہ جوئی کی جاسکتی ہے ساتھ ہی ساتھ اس کے وقف ایکٹ نے دفعہ ۹۲ کے جواز کو بھی قائم رکھا ہے اور دفعہ ۹۴ وقف ایکٹ کے تحت کوئی شخص بورڈ سے اجازت لے کر دعویٰ زیر دفعہ ۹۲ دائر کرسکتا ہے۔ بورڈ کو بھی یہ اختیار اسی دفعہ میں دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو وہ بھی زیر دفعہ ۹۲ دعویٰ دائر کرسکتا ہے۔ اور اُس کو کسی کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ضابطۂ دیوانی کی اس دفعہ کی ردعملی حکومت سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے لیکن قانون دیوانی نے بھی جس طرح وقف علی الخیر اور وقف علی الاولاد کے درمیان تفریق کی ہے وہ قابل غور ہے۔ یہاں بہتر ہوگا کہ وقف اور ٹرسٹ کے فرق کو بیان کردیا جائے۔ مسٹر ورما کی تصنیف مسلم قانون کے صفحہ ۴۲۳ و ۴۲۴ پر دیا ہوا تقابلی نقشہ اس فرق کو بخوبی ظاہر کرتا ہے:—

جس طرح وقف اور ٹرسٹ کے مخارج الگ الگ ہیں اُسی طرح اُن کی خصوصیات بھی واضح طور سے مختلف ہیں ایسی صورت میں ٹرسٹ کے ساتھ وقف کو شامل کرلینا بادی النظر میں درست معلوم نہیں ہوتا۔

ٹرسٹ	وقف
١- اس کے لیے مقصد کی کوئی تشخیص نہیں ہے	وقف کے مقاصد مذہبی۔ خیراتی یا صالح ہوتے ہیں۔
٢- ٹرسٹ قائم کرنے والا خود بھی مستفید ہو سکتا ہے	حنفی قانون کے بموجب واقف اپنے لئے بھی آمدنی جائیداد موقوفہ میں حق یا فائدہ محفوظ رکھ سکتا ہے۔
٣- ٹرسٹ کسی بھی قانونی امر کے لئے قائم کیا جا سکتا ہے۔	وقف کے تحت مقاصد شرعی طور پر مذہبی، خیراتی یا صالح ہونا ضروری ہیں۔ وقف علی الاولاد میں آخری مقصد رفاہ بنی نوع انسان ہونا ضروری ہے۔
۴- ٹرسٹ میں جائیداد کی ملکیت ٹرسٹی کے حق میں منتقل ہو جاتی ہے۔	تحت وقف جائیداد موقوفہ اللہ جل شانہٗ کی ملکیت ہو جاتی ہے۔
۵- ٹرسٹی کے اختیارات بمقابلہ متولی وسیع ہوتے ہیں۔	متولی کی حیثیت محض منتظم یا نگراں کی رہ جاتی ہے۔
٦- ٹرسٹ کے لئے دوامی، ناقابل تنسیخ و ناقابل انتقال ہونا ضروری نہیں ہے۔	وقف دائمی ناقابل انتقال و ناقابل تنسیخ ہوتا ہے۔
٧- ٹرسٹ ہر ایسے امر کے لئے کیا جا سکتا ہے جو خلاف قانون یا ضابطہ اخلاق کے منافی نہ ہو	مذکورہ پابندیوں کے علاوہ وقف کے مقاصد بموجب شرع جائز ہونا ضروری ہیں۔
٨- ٹرسٹ قائم کرنے والے کے مفاد کیلئے ہوتا ہے جب تک کہ جائیداد کا وجود باقی رہے۔	وقف پر (Cy pres) کا قانون عائد ہوتا ہے اور جائیداد کو دیگر مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔
٩- ٹرسٹ کا تعلق محض دنیا اور مادی منفعت سے ہوتا ہے۔	وقف کی نوعیت ہمیشہ مذہبی ہوتی ہے اور وقف کے قیام میں ثواب کی نیت ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرہ میں وقف کی اہمیت کا اندازہ بیک نظر ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی زندگی اور سماجی نظام بڑی حد تک اوقاف سے وابستہ ہیں۔ وقف اسلامی معاشرہ کی عمارت میں ایک ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین نے اپنی اُمت کو بنی نوع انسان کے ساتھ جس ہمدردی کا سبق دیا اُس کا اقتضا تھا کہ ہر مسلمان ہدایت رسول پر جو قرآنی تعلیمات پر مبنی تھی دل و جان سے کاربند ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانی ہمدردی ہی وہ اعلیٰ صفت ہے جس پر کوئی قوم بجا طور سے ناز کر سکتی ہے اور جو کسی قوم کے عروج و ترقی کی ضامن اور ذریعہ ہے۔ بدنصیبی سے آج کل اقوام کی ترقی و عروج کے ناپنے کا پیمانہ یہ ہے کہ اُن کے یہاں صنعتی اور سائنسی ایجادات کی کیا حالت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے پاس عالم سوز اور انسان کش ہتھیاروں کا کس قدر ذخیرہ ہے۔ اب اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا کہ اس قوم میں انسانیت۔ ہمدردی۔

اخلاق کا کیا عالم ہے۔ بہرحال ملّتِ اسلامی خیر وصدقہ کے معاملہ میں جس بلندی پر پہونچ گئی تھی اس کا جواب آج تک کوئی قوم پیش نہ کرسکی۔ مسلمانوں کو اُمورِ خیر پر ابھارنے والا جذبہ محض خدا کی رضا جوئی تھی۔ اسمیں دنیوی یا سیاسی مصالح کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کے ارشادات اور خیر وصدقہ کی قرآنی فضیلت کے پیش نظر اوقاف کے قیام میں بڑی دلچسپی لی۔ ایک اندازہ کے مطابق صرف ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ وقف ہیں جن کی مالیت ایک سو کروڑ روپیہ سے بھی زیادہ ہے قومی آواز ۱۲ ؍ نومبر ۱۹۷۶ء کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان بھر میں مسلم اوقاف کی مالیت چار ارب سے چھ ارب تک ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی آمدنی کم سے کم ۴۰ کروڑ سے ۶۰ کروڑ روپیہ سالانہ ہونا چاہیئے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر نے ایک موقع پر کہا تھا کہ اگر مسلمان اپنے اوقاف کا نظام صحیح کرلیں تو ان کی آمدنی سے علی گڑھ جیسی چھ یونیورسٹیاں کھول سکتے ہیں۔

اوقاف کی اہمیت اُن کی مالیت سے زیادہ اُنکی افادیت میں مضمر ہے۔ اگر ہم اوقاف سے استفادہ حاصل کرنے والوں (Beneficeurie) کے ملک بھر کے اعداد وشمار جمع کرلیں تو معلوم ہوگا کہ لاکھوں مسجدیں متعدد محتاج خانے ویتیم خانے۔ بکثرت مسافر خانے، ہزارہا مدارس، اوقاف کی آمدنی پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ سماج کے کمزور طبقہ کے افراد مثل بیوائیں۔ محتاجین۔ کی ایک بہت بڑی تعداد کی پرورش کا انحصار اوقاف پر ہے۔ اگر خدا نخواستہ اوقاف ختم ہوجائیں تو بہت سی مساجد بے سروسامان ہوجائیں گی۔ مدرسے بند ہوجائیں گے اور محتاجین ومساکین کی اتنی بڑی تعداد قوت لایموت سے محروم ہوجائے گی کہ صرف مسلمان قوم ہی نہیں بلکہ تمام ملک کی اقتصادیات ایسے بحران میں مبتلا ہوجائے گی کہ اس کا مداوا آسان نہ ہوگا۔

صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں اوقاف کا نظام قائم ہے۔ مسلمانوں کی اس صنف خیر وصدقہ میں غیر معمولی دلچسپی اور نازک خیالی کا اندازہ ان جدّتوں سے ہوسکتا ہے جو انھوں نے اکثر اوقاف کے مقاصد مقرر کرنے میں دکھائیں بغداد میں ایک ایسا وقف قائم ہوا جس میں کچھ ملازم رکھے گئے تھے جن کا صرف یہ کام تھا کہ وہ اسپتالوں میں جائیں اور مریضوں کے قریب سے آپس میں یہ کہتے ہوئے گزر جائیں کہ اس مریض کی طبیعت کل سے آج کہیں بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس کا نفسیاتی اثر جیسا مریضوں پر پڑسکتا ہے اس کا تصور کچھ دشوار نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور وقف تھا جس کی آمدنی گھریلو ملازمین کے ہاتھ سے ٹوٹے ہوئے ظروف کے عوض اسی طرح کے ظروف فراہم کرکے اُن غریبوں کو مالکان کے غیظ وغضب سے بچایا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں خالصۃً لوجہ اللہ اُن تمام اُمور کے لئے وقف کیں جن کی ضرورت انسان کو لاحق ہوتی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق اوقاف کم وبیش ۳۰ معاملات پر حاوی تھے جس میں مساجد سے لیکر قیام مدارس وشفاخانہ۔ محتاج خانہ سب آجاتے ہیں۔ عوام سے لیکر شاہان وقت تک نے بڑے بڑے اوقاف قایم کئے۔ سلطان صلاح الدین نے اپنی ساری دولت رفاہ عامہ پر خرچ کردی۔ اور مصر وشام کو رفاہی اداروں اور اوقاف سے بھردیا۔ لیکن یہ کبھی خواہش نہیں کی کہ کسی عمارت پر اُن کا نام لکھا جائے۔ اسی سلطان نے دمشق کے قلعہ کے دروازہ پر دو میزاب بنوائے تھے جن میں سے ایک سے دودھ بہتا تھا اور دوسرے سے شربت مائیں آتیں اور اپنے بچوں کے لئے حسب ضرورت دودھ اور شربت لے جاتیں۔ مسلمانوں نے بنی نوع انسان کی

بھلائی کے ایسے شعبوں میں اوقاف قائم کئے جن سے دنیا آج بھی ناآشنا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبون (تم نہیں پا سکتے بھلائی یہاں تک کہ خرچ کرو اس میں سے جس سے تم کو محبت ہے) تو حضرت ابوطلحہ انصاری نے کہا کہ میری ملکیت میں سب سے زیادہ عزیز بیرحاء ہے (یہ کنواں تھا جس کا پانی بہت شیریں تھا) میں اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر کا امیدوار ہوں۔ رسولؐ نے فرمایا اصل کو باقی رکھو اور اس کے فائدے کو وقف کردو (تفسیر ابن کثیر) یہ صدقہ اسلام کے اولین اوقاف میں سے ہے۔ رسول مقبولؐ نے خود بھی اپنی امّت کے لئے نمونہ پیش فرمایا۔ آپ نے سات باغ جن کو مہاجرین و انصار نے آپکے سپرد فرمایا تھا وقف فرما دیے۔ اوقاف سے مسلمانوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ "میں نہیں جانتا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام مہاجرین و انصار میں کوئی صاحب ثروت و استطاعت ہوا اور اس نے اپنا مال کچھ وقف نہ کیا ہو جو نہ خریدا جا سکتا ہے نہ وراثت میں ملتا ہے نہ ہبہ ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمان قوم نے مصیبت زدہ انسانیت اور کمزور حیوانوں تک کے درد و کلفت میں جیسی ہمدردی دکھائی اس کی مثال آج کے ترقی یافتہ تمدن میں بھی باوجود تلاشش محال ہے۔

اوقاف کے قیام کی غایت اولیٰ بنی نوع انسان کی خدمت اور اپنے اہل و عیال کی کفالت ہے۔ جائیداد کی ملکیت اور اس کے منافع کے درمیان علیحدگی کوئی نئی بات نہیں۔ مگر آمدنی جائیداد سے پشت در پشت نسل واقف کا متمتع ہوتا اور بالآخر رفاہ عامہ کے لئے فوراً یا کسی آئندہ مرحلہ پر موقوف ہو جانا ایک ایسی انوکھی خصوصیت ہے جو سوائے اسلامی وقف کے اور کہیں نہیں دیکھی جا سکتی۔ اسلامی وقف کا یہی علی الدوام پہلو ایسا ہے جس سے غیر مسلم اقوام موافقت نہیں کر پاتیں اس معاملہ میں ایک دشواری اور بھی ان کے سامنے آتی ہے۔ یہ لوگ خیر و صدقہ کے اسلامی مفہوم کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ اسلام مذہبی اور خیراتی امور میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ دیگر اقوام انگریزی کے لفظ (چیریٹیبل Charitable) کے محدود مفہوم کو اسلامی صدقہ پر منطبق کرتے ہیں۔ خیر و صدقہ کا اسلامی مفہوم (چیریٹیبل Charitable) کے مفہوم سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ اسلام مذہبی اور عرف عام میں خیراتی کہلائے جانے والے امور میں امتیاز نہیں کرتا اور نہ خیراتی مقاصد کو مذہبی مقاصد سے مختلف تصور کرتا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں مرقوم ہے حدیث قدسی ہے کہ ہر نیک کام صدقہ ہے۔ اپنے بھائی کو دیکھ کر خوشی سے مسکرانا صدقہ ہے۔ بنی نوع انسان کو نیکی کی تلقین کرنا اور بدی سے پرہیز کرنے کی ہدایت صدقہ ہے۔ راہ سے بھٹکے ہوئے مسافر کو راستہ بتانا۔ نابینا کو سہارا دینا۔ رہگذر سے اینٹ پتھر ہٹانا صدقہ ہے۔ اہل و عیال کی کفالت کا انتظام کرنا صدقہ ہے۔ صحیح ترمذی۔ ابن ماجہ اور نسائی میں ہے کہ الصدقة علی المساکین صدقة وهي علی ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة (مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور قرابت دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ صحیح مسلم میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ ودینار انفقتہ فی رقبة ودینار تصدقت علی مسکین ودینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک (اپنی دولت اللہ کی راہ میں اقربا، مساکین پر اور اپنے اہل و عیال پر صرف کرو اور سب سے زیادہ اجر اپنے اہل و عیال پر صرف کا ہے) بخاری اور

میں ہے۔ واذا انفق المسلم نفقۃ علی اھلہ وھو یحتسبھا کانت بہ صدقۃ (جب مسلمان اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے اور یہ سمجھ کر کرتا ہے تو یہ خیرات ہے)۔ مسلمان کے کسی نیک اقدام کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اُس کا بدل اس دنیا ہی میں مل جائے۔ وہ اپنے ہر عمل خیر کی جزا آخرت میں چاہتا ہے۔ یعنی اُس کے ہر فعل میں حصول ثواب کی نیت ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر اپنی دولت کا صرف کرنا خیر و صدقہ ہے کیونکہ اس میں نیت ثواب آخرت ہے۔ شرع اسلامی کے تحت تمام جائز امور کا اوقاف کے مقاصد صحیح تسلیم کیا جانا بالکل درست ہے۔ وقف سے خواہ مسجد کی تعمیر و مرمت مقصود ہو۔ خواہ مدارس کا قیام مقصد ہو۔ خواہ محتاجین کی پرورش مطلوب ہو، خواہ اپنے اہل و عیال کی کفالت کا انتظام ہو۔ غرضکہ وہ جملہ امور جن کی فضیلت اور ہدایت اسلام میں موجود ہے وہ سب وقف کے جائز مقصد ہو سکتے ہیں اور ان مقاصد کے لئے قائم ہونے والا وقف شرعی حیثیت سے جائز وقف ہوگا۔

فقہ وقف علی الخیر اور وقف علی الاولاد میں جواز کے اعتبار سے کوئی حد قائم نہیں کرتا۔ اسلام ان ہر دو اقسام وقف کو ایک سطح پر رکھتا ہے اور قانون وقف دونوں پر یکساں طور سے حاوی ہے۔ دونوں صورتوں میں جائیداد موقوفہ کی ملکیت واقف سے نکل کر اللہ جل شانہٗ سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ دونوں دوامی اور ناقابل انتقال ہوتے ہیں۔ وقف علی الاولاد کی تائید اور جواز کے لئے وقف ویلیڈیٹنگ ایکٹ ۱۹۱۳ء و ۱۹۳۰ء پاس کئے گئے۔ البتہ یہ ایکٹ ایسے وقف علی الاولاد کو تسلیم نہیں کرتا جس میں کسی مرحلہ پر آمدنی وقف مساکین کے لئے مقرر نہ کی گئی ہو۔ اکثر کتب فقہ مثل ہدایہ۔ فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ بھی اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں کہ واقف اپنے اہل و عیال کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ بہ شرطیکہ وقف سے بالآخر مساکین کو استفادہ کا حق دیا جائے۔ مگر امام ابو یوسفؒ اس پر اضافہ فرماتے ہیں۔ اُن کا یہ فیصلہ ہے کہ وقف اپنی ذات اور اہل و عیال کے لئے کرنا بھی جائز ہے خواہ اس میں آخری کسی مرحلہ پر مساکین کو حق استفادہ کا اہتمام نہ بھی کیا گیا ہو۔ اگر اسلامی نظریہ خیر و صدقہ کو سامنے رکھئے تو یہی نظریہ زیادہ معقول اور اسلامی منشا کے مطابق ہے۔ جب اہل و عیال کے لئے اپنی دولت صرف کرنا صدقہ اور احسن قسم خیرات ہے تو اہل و عیال کی کفالت کے لئے اعلان وقف کرنا وقف علی الخیر کے مترادف ہے اور اس نقطۂ نظر سے وقف کا جائز مقصد ہے۔ وقف کی آمدنی کو مساکین کے لئے بالآخر یا کسی مرحلہ پر موقوف کر دینا ضروری نہیں رہتا اور اگر غور فرمائیے تو وقف علی الاولاد کے جواز کے لئے بالآخر اہتمام برائے مساکین کی شرط لازمی کر دینا خیر و صدقہ کے اسلامی مفہوم کی نفی کرتا ہے۔ اگر اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لئے وقف کرنا "اجر عظیم" رکھتا ہے اور اگر اپنی اولاد کے ساتھ سلوک ہونا "صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی" تو وقف کے جواز کے لئے یہی ایک مقصد کافی و وافی ہے۔ ہدایہ کے مطابق امام ابو یوسفؒ کا نظریہ سب پر حاوی ہے اور اُن کے قول کے مطابق وقف علی الاولاد و وقف علی الخیر میں کوئی فرق نہیں۔ دراصل دونوں ہی وقف علی الخیر ہیں۔ صرف فرق مستفیدین کا ہے۔ جو وقف کے جواز و عدم جواز پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ وقف علی الاولاد کو تسلیم نہ کرنا صرف اسلامی منشا ہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ مساکین کو ان کو دیئے ہوئے حق سے خواہ وہ کسی مرحلہ پر ممکن ہو محروم کر دینا ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے وقف کی مندرجہ ذیل خصوصیات قرار پاتی ہے :-

۱۔ قیامِ وقف کے لئے کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے۔ وقف زبانی بھی جائز اور نافذ الاثر ہے۔

۲۔ وقف کا دوامی ہونا بنیادی شرط ہے۔

۳۔ وقف ناقابلِ تنسیخ ہوتا ہے۔

۴۔ جائیداد وقف بجز خاص صورتوں کے ناقابلِ انتقال ہے وقف بورڈ کی اجازت سے منتقل کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ انتقال مفادِ وقف میں ہو۔

۵۔ وقف کرنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور جائیداد موقوفہ بحق اللہ تعالیٰ منتقل ہو جاتی ہے۔

۶۔ واقف کی حیثیت مالکانہ ختم ہونے کے بعد اسکی حیثیت یکے از مستفیدین کی رہ جاتی ہے۔

۷۔ آمدنی جائیداد موقوفہ مقررہ مقاصدِ وقف ہی پر صرف کی جا سکتی ہے۔

۸۔ وقف شرعاً جائز امور کے لئے کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ شرع وقف علی الاولاد اور علی الخیر میں تفریق نہیں کرتی۔

۱۰۔ وقف کا اجر و نیت ثوابِ آخرت ہے۔

۱۱۔ وقف دوسری صدی ہجری میں نمایاں شکل میں وجود میں آگیا تھا اور اس وقت سے تا ایندم تمام اسلامی ممالک میں زیرِ عمل ہے۔

وقف کو دو اقسام وقف علی الخیر و وقف علی الاولاد میں تقسیم کرنا ہی ایک بنیادی غلطی تھی۔ اگر مقاصدِ وقف کی بنا پر اوقاف کی تقسیم کی جائے تو وقف کی نہ جانے کتنی قسمیں مثل وقف علی الرباط، وقف علی المدارس، وقف علی المساجد وغیرہ وغیرہ بن جائیں گی۔ جو نوعیت کے اعتبار سے وضاحت کا کام دیں گی مگر فی نفسہٖ وقف کی اقسام نہونگی بہرحال اس بنیادی غلطی نے ادارۂ وقف کو سخت نقصان پہونچایا۔ اور تمام مخالفانہ بلکہ یوں کہئے معاندانہ توجہ وقف علی الاولاد پر مرکوز ہو گئی۔ اور اس نئے انداز فکر نے وقف علی الاولاد کو بھی تین قسموں میں بانٹ دیا:۔

۱۔ وقف علی الاولاد و النفس

۲۔ وقف بیشتر مفادِ اولاد اور کمتر مساکین کے لئے۔

۳۔ بیشتر برائے غربا و مساکین اور کمتر برائے اولاد۔

پہلی صورت کو وقف کے دائرہ ہی سے خارج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ایسے وقف کے واقف کو یا اس کے متولی کو مالک متصور کیا گیا۔ اس صورت کو اس وقت قانونی سند حاصل ہو گئی جب مشہور مقدمہ عبدالفتح محمد اسحٰق بنام رسوموئے دھر چودھری میں پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کو وقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کو ہبہ کی ایک بدلی ہوئی صورت سے تعبیر کیا۔ فاضل ججان نے صدقہ کو انگریزی لفظ Charity کے ہم معنی سمجھا۔ دیگر اقوام کی نظر میں صدقہ و خیرات میں حقارت کا پہلو پایا جاتا ہے اور خیرات کے قبول کرنے والے کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلامی نظریہ خیرات جیسا اوپر مذکور ہوا بلند و وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اسلام وقف کے عوض میں اتنا ثواب ملنے کی بشارت دیتا ہے جو اس صدقہ کے مادی فوائد سے جو صدقہ پانے والے کو حاصل ہوتا ہے کہیں زیادہ ہے۔ اس طرح اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق وہ نیک عمل ہے جس کا واقف کو بے حد ثواب ملتا ہے خواہ یہ نیکی اپنی اولاد ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

وقف علی الاولاد کے اسلامی مفہوم سے ہندوستان کی سرزمین موافقت کرنے میں بہت عرصے دشواری محسوس کرتی رہی ہے اور اب بھی صورتِ حال میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ مسٹر جناح نے وقف ویلیڈیٹنگ ایکٹ کے سلسلہ میں ۷ / مارچ ۱۹۱۱ء کو کونسل میں جو تقریر کی تھی اس میں وقف علی الاولاد کی مخالفت میں ایک مقدمہ منفصلہ ۱۸۳۹ء کا ذکر کیا ہے۔ ۱۸۶۳ء میں بمبئی ہائیکورٹ

وقف علی الاولاد کے عدم جواز کا فیصلہ صادر کیا
بعد مخالف فیصلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں
۱۸۹۴ء میں ابوالفتح محمد اسحٰق بنام رسوموائے
ری دلا رپورٹ ۲۲ انڈین اپیل صفحہ ۷۶ میں
کونسل نے وقف علی الاولاد کو خلاف قانون قرار
مسلمانوں کو سخت الجھن اور ذہنی کوفت میں مبتلا
۔ اس فیصلے سے دو نتیجے مرتب ہوئے :۔
۔ قدیم اوقاف علی الاولاد کالعدم ہو گئے۔
۔ اہل خاندان و اولاد کے حق میں وقف کرنا
ناممکن ہو گیا۔

اس فیصلہ کے محرکات حسب ذیل تھے :۔
اپنی اولاد کے لئے وقف کرنا کوئی ایثار نہیں ہے
ججان نے وقف علی الاولاد پر حسب ذیل تنقید کی۔
" یہ خیال کرنا مقننِ اعظم (رسول مقبولؐ) کی نسبت بیجا ہوگا کہ مقننِ موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے جن کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی نہ کی ہو وہ ایک ہاتھ سے اس شے کو واپس لیتا ہے جو ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے دی اور جو ذریعہ جمع کرنے اور افزدیاد جائیداد خاندان ہیں "

شریعت میں ہبہ مشروط ناجائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یوں ہبہ کرے کہ میری جائیداد فلاں شخص کو ملے اس شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کر سکے گا۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کو اسی شرط کے ساتھ اور اس طرح یہ ہبہ اولاد در اولاد قائم رہے تو یہ ہبہ ناجائز ہوگا۔ جب اس قسم کا ہبہ ناجائز ہوگا تو وقف جس کی عملاً یہی صورت ہے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

۳۔ اولاد کے ساتھ سلوک صدقہ و خیرات کی تعریف میں نہیں آتا۔
۴۔ کوئی حصہ برائے امور خیر مخصوص کر دینے سے جائیداد برائے امور خیر کا تعین نہیں ہوتا۔
۵۔ بعد ختم نسل واقف آمدنی وقف کا مساکین کے لئے مخصوص کر دینے سے اس پر عملدرآمد ایک نامعلوم زمانہ بعید کے بعد شروع ہوتا ہے۔
۶۔ اس کی قدامت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔

پریوی کونسل کے ججوں کے اس سوال کا کہ وقف علی الاولاد اور ہبہ مشروط میں کیا فرق ہے۔ کلکتہ ہائیکورٹ کے مقدمہ فضل کریم بنام محمد 166/2077 میں اس طرح جواب دیا گیا۔ " وقف کے قیام کا مقصد ثواب آخرت ہے جبکہ ہبہ میں ثواب کا کوئی وعدہ نہیں، صرف اسی ایک وضاحت سے فاضل ججوں کی غلط فہمی عیاں ہو جاتی ہے۔ بالعموم خیرات کا مفہوم غرباء کے ساتھ سلوک ہونے کو سمجھا جاتا ہے۔ مگر شرع اسلامی میں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اولاد کے لئے کفالت کا اہتمام کرنا صرف صدقہ نہیں بلکہ صلہ رحمی ہے۔ یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ انسان فطری طور پر اپنی ذات اور اولاد کی بہبود کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے ثواب کی بشارت دے کر اس جذبہ کو اور بھی قوی کر دیا ہے۔ رسول مقبولؐ نے اس کی عظمت کو بار بار ظاہر فرمایا۔

" بہترین صدقہ وہ ہے جو ایک انسان اپنے خاندان کو دیتا ہے۔ سب سے بڑا صدقہ وہ ہے جو تم اپنے خاندان کو دو "

نمبر ۲ فاضل جج اسلامی مفہوم صدقہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نمبر ۳ زمانۂ قریب و بعید سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نمبر ۴ حصہ مخصوصہ برائے امور خیر کل جائیداد موقوفہ کے ہر جزو پر بار ہے۔ نمبر ۵ یہ دلیل کہ وقف

جو چیز ایک ہاتھ سے دیتا ہے دوسرے ہاتھ سے لیتا ہے۔ مشاہدہ کی خلاف ہے۔ ایک ہاتھ سے جو جائیداد دی گئی تھی دوسرے ہاتھ میں جب وہی جائیداد آئی تو اُس کی ماہیت ایسی بدلی کہ وقف کے لئے اس کی نوعیت بالکل نئی ہو گئی۔ وہ اب اُس جائیداد کا مالک نہیں رہا اُس کے تمام حقوق ملکیت ختم ہو گئے۔ اُس کی حیثیت صرف ایک منیجر کی رہ گئی۔ اب وہ اپنی کسی شدید ضرورت پر بھی اس جائیداد کو فروخت نہیں کر سکتا

نمبر ۲ عدالت کو عالم اسلام کے اوقاف کا علم نہیں کرایا گیا اور ان اوقاف کو ایسے مخصوص حالات کا نتیجہ بتلایا جن کا علم نہیں ہے۔

پریوی کونسل کے اس فیصلہ میں جو موقف اختیار کیا گیا۔ اُس کی تردید میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ وقف علی الاولاد کی مخالفت میں کچھ کہنا سوائے ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ پریوی کونسل کے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لارڈ اسٹینلی نے پارلیمنٹ میں کہا کہ پریوی کونسل کے انگریز ججان کو جسٹس امیر علی کے نظریہ کو رد کرتے وقت یہ نہ بھولنا چاہیئے تھا کہ سینٹ پال کی ٹموتھی کو دی گئی تحریر کے پانچویں باب کی آٹھویں سطر کی عبارت جسٹس امیر علی کے نظریہ سے مختلف نہیں اور وہ یہ ہے۔ "اگر کوئی اپنے لئے اور بالخصوص اپنے گھر والوں کے لئے انتظام نہیں کرتا وہ مذہب کا منکر اور بے دین ہے۔"

Zrf th chaptes of the 157 Spistle of Panl to Timothy

پریوی کونسل کا یہ فیصلہ وقف پر قانون کا پہلا حملہ تھا۔ جس کے اثرات سے قانون ساز جماعتیں ابھی تک متاثر ہیں۔ اس فیصلہ نے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک بےچینی کی لہر دوڑا دی۔ ملک میں احتجاجی جلسے منعقد ہوئے۔ اور بہت سی عرضداشتیں گورنمنٹ کو بھیجی گئیں۔ بالآخر مولانا شبلیؒ اور ان کے رفقاء نے عوام میں اور مسٹر جناح نے کونسل میں اس فیصلے کے استدلالات اور بے بنیاد شبہات کو مدلل بیانات سے غلط ثابت کیا اور عقلی و شرعی دونوں اعتبار سے اس کو مداخلت فی الدین کے مترادف قرار دیا۔ عدالت عالیہ اس مسئلہ پر قانون سازی کی حد تک پہونچ گئی اور مسلمانوں کی شرع کی مخالفت کی مرتکب ہوئی۔ ان انگریز ججوں کی غلط فہمی پر تنقید کرتے ہوئے سر ڈبلو کو مربیر ٹاسن چیف جسٹس ہائی کورٹ کلکتہ نے لاکوارٹلی ریویو ۱۸۹۹ء میں لکھا:

"ہندوستانی عدالتیں ہوں یا پریوی کونسل اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ ہندوؤں کے معاملات کے فیصلہ ہندو قانون کے تحت اور مسلمانوں کے معاملات اسلامی قانون کی روشنی میں فیصل کریں۔ اکثر انگریز جج جو سنسکرت سے ناواقف ہیں اور جن کو ہندوستان کے رسم و رواج کا بھی تجربہ نہیں ہے انکے لئے ہندو اور مسلمانوں کے قانون کا اچھی طرح سمجھنا دشوار ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر معاملات پر ایسے فیصلہ ہوئے ہیں جو اُن کے قانون اور رواج کے مطابق نہیں ہیں۔ انھوں نے مثال کے طور پر ہندوؤں کے خاندان مشترکہ کے نظام اور مسلمانوں کے ادارہ وقف کا ذکر کیا۔

بالآخر گورنمنٹ برطانیہ نے مسلمانوں کے احتجاج کو درست سمجھتے ہوئے وقف ویلیڈیٹنگ ایکٹ ۱۹۱۳ء پاس کیا۔ اسکی رو سے وقف علی الاولاد کو جائز قرار دیا گیا۔ پھر بھی ایسے اوقاف علی الاولاد جن میں بالآخر مساکین اور غرباء کے لئے التزام نہ کیا گیا ہو وقف تسلیم نہیں کئے گئے۔ اور اس طرح وقف علی الاولاد کی ایک شکل باوجود جواز شرع نابود ہو گئی۔ بظاہر کچھ عرصہ کے لئے سکون ہو گیا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۸ پر)

ایک وقف کی کہانی۔ وقف بورڈ کی زبانی

تکیہ باڑہ شاہ صفا مراد آباد

تاریخ واقعاتِ شہاں نانوشتہ اند ❋ افسانہ اگر گفت نظیری کتاب شد

زیارت شاہ قطب مراد آباد کا حال ناگفتنی سُن کر آپ یکایک خاموش کیوں ہوگئے کہانی میں تو آپ نے بڑی دلچسپی لی تھی اب یہ چہرہ کیوں اتر گیا۔ میاں یہ دنیا ایک تھیٹر ہے اس کے اسٹیج پر کتنے ہی مناظر اور کتنے ہی کردار سامنے آتے رہے ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ اس سے اتنا متاثر ہونا کیا معنی۔ یہ نہ افسردگی کا محل ہے نہ حیرت کا مقام۔ اور پھر آپ سے ایک بات بتاؤں وقف کی دنیا تو عجائباتِ خرافات سے بھری پڑی ہے۔

بس ہوچکا جی تھوڑا نہ کیجئے۔ آیئے ذرا شہر کے اندر چلیں وہ دیکھئے لال عمارت، بڑا سا پھاٹک ایک سپاہی بندوق لئے کھڑا ہے یہ کوتوالی ہے۔ اس کے سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک تنگ گلی جارہی ہے چلئے اس پر ہولیں۔ بس ایک دو فرلانگ۔ لیجئے یہاں سے محلہ باڑہ شاہ صفا شروع ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک قدیم قبرستان ہے۔ یہ قبرستان بہ حیثیت وقف علی الخیر نمبر ۲۰۸ مراد آباد بہ دفتر وقف بورڈ میں درج ہے اس وقف کی سرد سے مسِل میں شہنشاہ عالم گیر کے ایک فرمان بہ زبان فارسی کی نقل منسلک ہے جس سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ مغل شاہنشاہ نے ایک سو اکیس بیگھہ آراضی "حقائق آگاہ شاہ صفا درویش پسر خواندہ شاہ حقی از فرزندان نعمت اللہ ولی مشہدی برائے صرف مایحتاج" ۲۵ ویں سال جلوس میں وقف کیا۔ اس سند کی تصدیق فقیر برادری کے ایک فرد غفور شاہ نے کی ہے مگر اس کو قابل اعتبار یا مستند نہیں کہا جا سکتا۔ تاوقتیکہ اصل فرمان سامنے نہ ہو۔ بحالت موجودہ اس قبرستان کی آراضی کا تعین بیگھوں میں ہونا دشوار ہے مگر نظر سے اس کی وسعت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

اس عرصہ سے اس تکیہ پر تکیہ دار فقیر متصرف چلے آرہے تھے اور اب بھی انھیں کا دور دورہ ہے۔ اس میں اب بھی جابجا پختہ قبریں جو دست بُردِ زمانہ سے بچ رہی ہیں دکھائی دیتی ہیں۔ چونکہ یہ قبرستان اب آبادی کے اندر آگیا ہے لہٰذا نگر مہاپالیکا نے اس کو بند کر دیا ہے اب اس میں مردے دفن نہیں ہوتے۔ بلکہ گڑے ہوئے مُردوں پر اب زندوں نے گھر بنا لئے ہیں۔ کہیں کہیں اب بھی خالی آراضی آغوش وا کئے انتظار کرتے کرتے جیسے سو گئی ہے۔ اس قبرستان کے درمیان سے ایک سڑک نکالی گئی ہے

جس سے تکیہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ سڑک کے ہر دو جانب خصوصیت سے پورب کی طرف جس میں شاہ صفا کی زیارت بھی ہے عالیشان عمارتیں۔ دوکانات۔ ٹالیں۔ ذخیرہ کے ڈراموں اور نہ جانے کس کس خاک بلا کے گودام قائم ہیں۔

کیا دیکھنے لگے ان بلند بانگ عمارتوں کو۔ ذرا نظر نیچے بھی رکھئے۔ پائینچے اٹھائیے۔ ورنہ گئی عصر کی نماز۔ گندہ پانی پھیل رہا ہے۔ ہاں تو مُردوں کا دفن ہونا بند ہوا تو تکیہ دار فقیروں کا ذریعہ معاش جاتا رہا مگر وہ جو کہتے ہیں ایک در بند ہوتا ہے تو دوسرا در کھل جاتا ہے۔ شہر کی آبادی جو پھیلی تو زمین کی مانگ بھی بڑھ گئی۔ اب جو دروازہ کھلا وہ پہلے سے بھی بڑا۔ ان فقیروں نے قبرستان کی زمین کی تجارت شروع کر دی۔ کسی سے معاملت طے ہوئی تقابض البدلین عمل میں آیا۔ روپیہ ان کی جیب میں آیا۔ زمین ان کے قبضہ میں گئی۔ بنیادیں کھد گئیں۔ کہیں ہڈیاں نکلیں تو بنیاد ہی میں دبا دیا۔ دیواریں کھڑی کر دیں پہلے مردہ اگر سو من مٹی کے نیچے دبا تھا تو اب دیوار تھمبہ کے نیچے آ گیا۔ دیکھتے دیکھتے محل کھڑا ہو گیا۔ رین بسیرا ہونے لگا زندگی کے تمام کاروبار شروع ہو گئے۔ آپ کہتے ہیں یہ شہر خموشاں نہیں شہر نگاراں ہے۔ خیر آپ کچھ بھی کہئے مگر یہ تو دیکھئے کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ حشر تک جاگنا قسم ہے۔ یوں تو قبر کا حال مردہ ہی جانے مگر بظاہر ان کے سینوں پر مونگ دلی جا رہی ہے۔ کیا کہا آپ نے قبرستان کی بڑی بےحرمتی ہو رہی ہے۔ یہی بات تو وہ راحت کدہ والے مولانا صاحب اپنے مراسلات میں یکسو ایک بار لکھ چکے ہیں۔ بےحرمتی، بےحرمتی، بےحرمتی۔ میاں یہ بےحرمتی ہوتی تب غیروں سے اپنوں کا کیا بُرا ماننا۔ دستِ طلب بھی مسلمان کا اور دستِ عطا بھی مسلمان کا۔ سعدی علیہ الرحمۃ کو نہ جانے کیا تکلیف پہونچی تھی کہ چیخ پڑے سے

سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اس تکیہ میں ایک چھوڑ چار زیارتیں ہیں (۱) شاہ صفا (۲) دادا حقی شاہ۔ (۳) میاں عبداللہ شاہ۔ (۴) کھرنی والے شاہ میاں ـــ انہی کے قریب مقبرہ سہیلیان بھی ہے۔ یہ سب تکیہ باڑہ شاہ صفا کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں ہر سال عید کی چار تاریخ کو بڑی دھوم سے عرس منایا جاتا ہے۔ وہاں کے رہنے والے دو تین روپیہ صرف کرتے ہیں۔ دُور دُور سے قوال آتے ہیں بڑا جشن ہوتا ہے۔

اس طوفان بےتمیزی کی شکایتیں وقف بورڈ کو ملیں تو انسپکٹر کو مقامی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا۔ شکایات صحیح پائی گئیں۔ سکریٹری نے اپنی رپورٹ ۱۹ اپریل ۱۹۵۵ء پریسیڈنٹ بورڈ کے سامنے پیش کی۔ چودھری نعمت اللہ مرحوم ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ پریسیڈنٹ بورڈ نے ۲۳ اپریل ۱۹۵۵ء کو اس تکیہ کو بحیثیت وقف علی الخیر بورڈ میں درج کرنے کا حکم دیا اور اس کے انتظام کے لئے ایک سات رکنی کمیٹی تا صدور حکم ثانی مقرر کر دی۔ جس حکم کے الفاظ حسب ذیل تھے :-

"انسپکٹر کی مجوزہ کمیٹی کو حسب سفارش سکریٹری مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ کمیٹی تا صدور حکم ثانی کام کرے گی اس حکم سے یہ ظاہر ہے کہ اس کمیٹی کا وجود بورڈ کے حکم ثانی تک موقوف تھا۔ اس کمیٹی میں جملہ ممبران اسی فقیر برادری کے تھے جس نے یہ آفت مچا رکھی تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی پرانی روش سے باز آ جاتے۔ جلب منفعت کا کاروبار جیوں کا تیوں جاری رہا۔ بندر بانٹ میں تو لڑائی ہوتی ہی ہے۔ یہاں بھی کمیٹی کے فقیر آپس میں لڑے اور بورڈ میں ایک دوسرے کے خلاف الزامی شکایات موصول ہوئیں۔ نثار شاہ بنام شبیر حسین ایک استغاثہ اور اسی کے ساتھ تصفیہ نامہ کی نقل بھی آئی۔ بورڈ کو متعدد

کی خبر نہ تصفیہ کی اطلاع۔ بورڈ حیران کہ ان فقیروں کو کیسے قابو میں لایا جائے۔ بورڈ کے پاس اس کے سوا اور علاج ہی کیا تھا کہ پھر حالات کا جائزہ لیا جائے۔ لہٰذا اس بار پھر رفیق صاحب انسپکٹر کو تحقیقات کے لئے مامور کیا گیا۔ رفیق صاحب نے اپنی رپورٹ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۵۸ء میں اپنی تحقیقات کے نتائج کا خلاصہ ان الفاظ میں قلم بند کیا:۔

"موجودہ میران جو فقیر برادری کے لوگ ہیں، خدمت کی آڑ میں غاصبانہ طور پر آراضی تکیہ سے ناجائز فائدہ حاصل کر رہے ہیں وہ لوگ قطعی طور پر اس کا انتظام کے نااہل ثابت ہو چکے ہیں۔ چالاک فقیروں نے لوگوں کے خلاف ناجائز قبضے کے استغاثے دائر کئے اور پھر روپیہ لے کر صلحنامہ لگا دیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر انسپکٹر موصوف نے کمیٹی کی منسوخی کی رپورٹ کی اور ایک نئی کمیٹی کو جس میں معزز اشخاص کو شامل کیا گیا مقرر کئے جانے کی سفارش کی۔ سکریٹری بورڈ نے پریسیڈنٹ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں تحریر کیا کہ وہ سات رکنی کمیٹی جو ۲۳ اپریل ۱۹۵۵ء تا صدور حکم ثانی تکیہ کے انتظام کے لئے مقرر کی گئی تھی، سخت بدعنوانیوں کی مرتکب ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کو برخاست کر کے ایک نئی کمیٹی جس میں سری حلیم الدین مولائی وکیل ایم ایل اے اور دیگر چھ معزز افراد کے نام تھے تا صدور حکم ثانی مقرر کئے جائیں۔ سکریٹری نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی واضح کیا کہ تکیے سے متعلق کوئی وقف نامہ نہیں ہے اور نہ تقرر متولیان کے لئے کوئی رواج ہی پایا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں زیر دفعہ ۵۶ مسلم وقف ایکٹ یو پی نمبر ۱۳ ۱۹۳۶ء بورڈ کو متولی کے تقرر کا اختیار حاصل ہے۔ سکریٹری کی اس رپورٹ پر پریسیڈنٹ مذکورہ بالا نے ۱۰ فروری ۱۹۵۹ء کو پرانی کمیٹی کو برخاست کر کے نئی کمیٹی مذکور کے تقرری کا حکم دے دیا۔

مقرر ہونے کو کمیٹی مقرر تو ہو گئی اور اس کے ممبر بھی سب پڑھے لکھے معزز، مگر

بوجھ وہ سر پہ دھرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

فقیروں سے کیسے پیچھا چھوٹتا، ہاتھ سے سونے کی چڑیا نکلی جا رہی تھی اُسے خاموشی سے وہ کیسے جانے دیتے۔ ردِ عمل آسان تھا۔ فقیروں نے نئی کمیٹی کے خلاف ایڈیشنل منصف مراد آباد کی عدالت میں ایک مقدمہ نمبر ۱۳۹ ۱۹۵۹ء دائر کر دیا۔

شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

مدعیان کی استدعا تھی کہ نئی کمیٹی کے خلاف دوامی حکم امتناعی صادر کیا جائے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ فقیروں کے حق میں ۳۰ نومبر ۱۹۵۹ء کو ہو گیا۔ اس فیصلے کے خلاف نئی کمیٹی کی اپیل بھی خارج ہو گئی۔ نئی کمیٹی کے سرگرم کارکن مولائی صاحب کی رائے تھی کہ پرانی کمیٹی کو زیر دفعہ ۵۶ برخاست کرنے میں بورڈ نے غلطی کی۔ بورڈ کے افسران اور مشیر قانونی کی رائے تھی کہ دفعہ ۵۶ کا استعمال بالکل صحیح ہوا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ نئی کمیٹی مقدمہ اس وجہ سے ہار گئی کہ اسمیں پیروی صحیح طور سے نہیں کی گئی اور وکیل کی یہ بحث کہ بورڈ نے یہ حکم زیر دفعہ ۵۹ ایکٹ مذکور دیا ہے صحیح نہیں تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا پرانی کمیٹی زیر دفعہ ۵۶ ایکٹ مذکور تا صدور حکم ثانی مقرر کی گئی تھی۔ لہٰذا بورڈ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ جب چاہے اپنے حکم ثانی سے کمیٹی کو برخاست کر دے۔ وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ (۳) میں دی ہوئی تعریف میں کمیٹی انتظامیہ بھی متولی کے زمرہ میں آتی ہے۔ لہٰذا بورڈ نے کمیٹی کو جسے متولی بھی کہہ سکتے ہیں اپنے حکم ثانی مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۵۹ء سے برخاست کرنے میں اپنے اختیارات کا صحیح استعمال کیا۔ بورڈ کے مشیر قانونی مسٹر محمد ایوب ایڈوکیٹ نے

اپنی رائے مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء میں بورڈ کے نظریہ کی تائید کی۔ جناب رئیس صاحب کی ایک تحریر مورخہ ۲۲ جون ۱۹۵۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر مولائی صاحب نے بھی بورڈ کی اس کاروائی سے اتفاق کیا۔ کمیٹی کے پیروکار وکیل کا دھیان اس باریکی کی طرف نہیں گیا کہ دفعہ ۵۹ کا اطلاق نگراں کمیٹی پر ہوتا تھا۔ انتظامیہ کمیٹی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ برخاست شدہ کمیٹی انتظامیہ تھی۔ نگراں کمیٹی نہ تھی۔ اس نظریہ کی تائید الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ سنی سنٹرل وقف بورڈ بنام انتظار حسین وغیرہ (1958 صفحہ 567 (A. L. J) سے بھی ہوتی ہے۔

بہرحال ادھر قانونی موشگافیوں کی حرارت سے شکست کی ہڈی کی سنکائی ہوتی رہی ادھر فقیر اپنی کامیابی پر بغلیں بجاتے رہے۔ مولائی صاحب بیچارے اپنی شکست پر نالہ و شیون کرتے ہوئے اپنے مکتوب مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۹ء میں کچھ شرمندہ کچھ بیزار لکھتے ہیں :۔ ”افسوس ہارنے کا نہیں۔ ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ ہاں اس کا بڑا صدمہ ہے کہ ایسے لوگوں کے مقابلے میں ہار گئے جو بے حیثیت اور محض فقیر ہیں۔“ سچ کہا تھا کسی نے ، بے حیثیتوں کے منہ نہ لگئے۔ مگر یہ زمانہ تو جمہوریت کا ہے جاگیرداری ذہنیت کا خاتمہ ہو چکا۔ اب بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔

معزز کمیٹی اور بورڈ ابھی اس پیچ و تاب میں تھے کہ فقیروں کے ہاتھوں بے عزتی کا ازالہ کیسے ہو کہ ۳ دسمبر ۱۹۶۰ء کو وقف ایکٹ نمبر ۱۳ ۱۹۳۶ء منسوخ ہو گیا اور اس کے بجائے یو۔ پی مسلم وقف ایکٹ نمبر ۱۶ ۱۹۶۰ء کا نفاذ کیا گیا۔ اس جدید ایکٹ میں دفعہ ۵۹ وقف ایکٹ ۱۹۳۶ء کی جگہ دفعہ ۶۳ قائم ہوئی اس دفعہ کا اطلاق نگراں و انتظامیہ کمیٹی دونوں پر یکساں رکھا گیا۔ نئے ایکٹ میں ایک نئی دفعہ ۵۵ کا اضافہ کیا گیا۔ اس کے تحت متولیوں کی برطرفی کا اہتمام کیا گیا۔ بورڈ نے اب بھی اپنی پچھلی غلطی کی تلافی کے لئے کمیٹی فقیران کو نئے ایکٹ کی دفعہ ۵۵ میں برطرفی کا حکم دے کر دوبارہ غلطی کی۔ دفعہ ۵۵ متولیوں کی برطرفی کے لئے ہے۔ کمیٹی کی برطرفی زیر دفعہ ۶۳ عمل میں آتی ہے۔ یہ غلطی کیس نے کی داستان گو کا یہ منصب نہیں کہ وہ کہانی بھی سنائے اور فیصلے بھی کرے ——

بہرحال یہ فروگذاشت جتنی حیرت انگیز ہے اتنی ہی بورڈ کو گراں پڑی۔ فقرا پارٹی نے اس حکم کے خلاف بھی مقدمہ نمبر ۵۱۶ ۱۹۶۱ء منصف مرادآباد کی عدالت میں نئی کمیٹی پر دائر کر دیا اور پھر حکم امتناعی کی استدعا کی۔ عدالت موصوف نے اس مقدمہ کو اس بنا پر خارج کر دیا کہ اس کی رائے میں وقف ایکٹ کی دفعہ ۵۷ کی رو سے عدالت کو اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل نہیں ہے بلکہ اس مقدمہ کو ایکٹ مذکور کی دفعہ ۵۵ (۲) کے تحت عدالت ٹریبونل میں دائر ہونا چاہیئے۔ عدالت موصوف نے واقعات پر اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ فقرا نے اس مقدمہ کی اپیل نمبر ۱۱۳ ۱۹۶۲ء سول جج مرادآباد کی عدالت میں دائر کر دی۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اس مرحلہ پر بورڈ کو اپنی غلطی کا علم ہوا۔ اگر اپنی کسی غلطی میں کوئی دوسرا بھی شامل ہو جائے تو کچھ دل بہل جاتا ہے۔ بورڈ نے کہا کہ اس غلطی کے لئے صرف بورڈ ہی مورد الزام نہیں ہے بلکہ اس کی ذمہ داری کمیٹی کے پیروکار وکیل پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ان کی نظر مقدمہ کی تیاری کے وقت اس غلطی پر کیوں نہیں پڑی۔ وکیل صاحب یہ کہتے سنے گئے کہ مجھے اس کا خیال نہ تھا کہ بورڈ کا وہ شعبہ جس کے پاس رہے دے کے ۸۲، ۸۳ دفعات کا ایک مختصر اور جامع ایکٹ ہے اور جس کا استعمال ان کے روزانہ کے مشاغل میں داخل ہے وہ ایسی فاش غلطی کریں گے۔

بہر حال اس وقت وہ پریسیڈنٹ جنھوں نے ۲۱ر نومبر ۱۹۶۰ء کو یہ حکم نافذ کیا تھا بورڈ سے سبکدوش ہو چکے تھے لہٰذا سکریٹری وقف بورڈ نے جن کی سفارش پر پریسیڈنٹ نے یہ حکم جاری کیا تھا تصحیحی حکم نامہ جاری کیا۔ لیکن عدالت اپیل نے اس کو اس مرحلہ پر شامل مسل کرنے سے انکار کر دیا۔ عدالت موصوف نے اپنے فیصلہ میں لکھا چونکہ کمیٹی کی برخاستگی کا حکم دفعہ ۵۵ کے تحت دینا قانون کے خلاف تھا۔ لہٰذا عدالت کو زیر دفعہ ۷ وقف ایکٹ اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔

مقدمات کا یہ لامتناہی سلسلہ جاری تھا کہ مقدمہ نمبر ۵۱۶ ۱۹۶۰ء عبدل شاہ بنام حلیم الدین عدالتوں میں ہارتا جیتتا ہائی کورٹ میں پہونچا۔ ہائی کورٹ نے عدالت ماتحت کے فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے مقدمہ کو از سرِ نو قانون فیصل کرنے کے لئے عدالت ماتحت کو ۳۰ر اپریل ۱۹۶۳ء کو واپس کیا۔ فشار خواہ قبر کا ہو خواہ زندگی کا۔ اس کا تصور ہی بدحواس کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مسلسل مقدمہ بازی متواتر شکست۔ فقیروں کی پھبتیوں سے اگر مولائی صاحب گھبرا اٹھے تو کوئی تعجب نہیں۔ اپنے مکتوب مورخہ یکم جون ۱۹۶۲ء میں بھنا کر لکھتے ہیں:- "یہ جی۔او۔ نمبر ۲۲۷۳ ۱۹۶۱ء کس مقصد کے لئے ہے اس کو چاک کر کے پھینک دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ یہ تو محض مسلمانوں کی اشک شوئی اور ان کو بیوقوف بنانے کے لئے ہے۔ قانون ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن قانون کی ترجمانی کرنے والے اپنی من مانی کر رہے ہیں کوئی ان کی گوشمالی کرنے والا ہی نہیں۔ براہ کرم اس طرف توجہ دیجئے۔ یہ بورڈ کی محض لاپروائی کی وجہ سے ہے۔ اگر بورڈ ڈی۔ایم کو سخت لہجہ میں لکھے تو وہ پولیس کے کان کھینچ دے اور پھر پولیس والے چاق و چوبند ہو کر کام کرنے لگیں۔" کیا خوب۔ جی۔او کے مصدر سے بحیثیت ایم۔ایل۔اے آپ قریب۔ اور پھاڑ کر پھینکنے کا کام بورڈ کرے۔ بورڈ نے تو بہ سلسلہ کاروائی اس کی بہت سی نقلیں کی ہوں گی اور پھاڑی ہوں گی۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ ہاں گوشمالی کی بات ضرور سخت ہے شائد بورڈ کو اپنی چٹکی کی طاقت کا علم نہیں۔ ڈی۔ایم کو سخت لہجہ میں خطاب کرنا بورڈ مصلحتاً اپنی شرافت کے خلاف سمجھتا ہے۔

اس عرصہ میں فقیروں والی کمیٹی کے تین ممبر مر چکے تھے اور باقی ممبران وقف کے لئے تخریب کارانہ کاروائیوں میں مصروف تھے۔ حد یہ تھی کہ تکیہ کی انتظامیہ کمیٹی کی ممبری جن فقیروں نے بہ حیثیت وقف منجانب وقف بورڈ منظور کی تھی اُس کو اب وہی پرائیوٹ وقف کہنے لگے۔ اس قبرستان کی نوعیت وقف اور حدود مقدمہ نمبر ۱۵۷ ۱۹۱۲ء وزیر شاہ بنام چھدامی متولی وقف وزیر شاہ کے عرضی دعوے سے واضح ہو جاتی ہے تحریر ہے

"یہ کہ شہر مراد آباد محلہ باڑہ شاہ صفا میں ایک قبرستان موصوف و تکیہ باڑہ شاہ صفا واقع ہے جس میں تین مسجدیں بھی ہیں۔ سابق میں یہ کل قبرستان ایک قطعہ تھا۔ لیکن عرصہ دراز سے اُس میں ایک سڑک نکل گئی ہے جس کی وجہ سے یہ قبرستان دو قطعوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اور یہ کل آراضی تکیہ بحیثیت قبرستان حسب شرع محمدی ہمیشہ سے موقوفہ ہے۔ کسی شخص کو اس میں حق ملکیت یا حق انتقال حاصل نہیں ہے۔ البتہ خاندان مدعی میں تولیت اُس کی نسلاً بعد نسلاً چلی آتی ہے۔"

بہر حال بورڈ نے کمیٹی کی تباہ کارانہ روش کے پیش نظر اس کمیٹی کو ایک بار پھر زیر دفعہ ۴۳ (۲) وقف ایکٹ ۱۹۶۰ء برخاست کر کے دفعہ مذکور کی ذیلی دفعہ (۳) کے بموجب وقف کو براہ راست اپنے انتظام میں لے لیا اور بورڈ کی مقرر کردہ کمیٹی کے سرگرم کارکن حاجی عبدالشکور ولد مولا بخش ساکن محلہ باڑہ شاہ صفا کو ۲ر نومبر ۱۹۶۵ء

زیرِ نگرانی بورڈ وقف کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا اور بطور حق الخدمت آمدنی وقف میں سے ۱۵ فیصد اُن کو دیا جانا منظور کیا۔ مولائی صاحب نے بھی اپنے خط مورخہ ۳۰ر اکتوبر [illegible] میں لکھا تھا " عبدالشکور کا تقرر کر دیجئے ورنہ خدا کی قسم فقیروں میں بڑی بے عزتی ہو رہی ہے۔ پھبتیاں سنی نہیں جاتیں "۔ گویا مولائی صاحب بھی حاجی عبدالشکور کو مردِ میدان سمجھتے تھے جو فقیروں سے نبرد آزما ہو سکے۔ حاجی صاحب پہلے ہی سے مقدمات میں اپنا روپیہ صرف کر رہے تھے۔ کیونکہ وقف پر نہ قبضہ ملا تھا نہ کوئی آمدنی ہاتھ آئی تھی۔ اب ایڈمنسٹریٹر جو ہوئے تو ساری ذمہ داری اپنے ہی سر آگئی۔ لہٰذا خم ٹھونک کر فقیروں کے سامنے آ گئے اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ عنداللہ وقف کے تحفظ میں صرف کرنے لگے اور بقول مولائی صاحب جان و مال کی بازی لگا دی۔ ابھی تک مقدمہ بازی دیوانی میں ہو رہی تھی اب فریق مخالف فوجداری پر اُتر آئے یہاں تک کہ حاجی صاحب کے چچا حاجی حبان کو اتنا مارا کہ بیچارے اسپتال پہونچ گئے۔ حاجی صاحب کو بھی مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اسی زمانہ میں حاجی صاحب نے ایک فتویٰ بھی شائع کیا۔

سوال ۱؎ ایسے مسلمانوں اور اُس کے مددگاروں کے متعلق جو قبرستان علی الخیر کی قبور کو منہدم کر کے قبضہ کر لیتا ہے اور رہنے کے واسطے مکان تعمیر کرتا ہے ازروئے شریعت کیا حکم ہے

جواب ۱؎ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ قبور کو منہدم کر کے اراضی قبرستان میں مکان بنالے اور اپنی رہائش یا آمدنی حاصل کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی ظلماً ناحق ایک بالشت زمین بھی دنیا میں لے لے گا تو قیامت میں ساتوں طبقہ زمین کے اسی مقدار کے اُس کے گلے میں ڈالے جائیں گے یہ کھلا ہوا عذاب ہے ایسے ظالم کے لئے۔

سوال ۲؎ ایسے مسلمان اور اُس کے مددگاروں کے متعلق جو جان و مال سے قبرستان وقف علی الخیر سے تعمیر ہٹانے اور اُس کو وقف علیہ کے مقصد پر دوبارہ لانے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ازروئے شریعت کیا حکم ہے۔

۲؎ ایسے مسلمان عنداللہ ثواب کے مستحق ہیں بشرطیکہ نیت بخیر ہو اور رنجش و عداوت باہمی محرک نہ رہے

سوال ۳؎ قبضہ قبرستان وقف علی الخیر ہٹانے کے سلسلے میں نوبت قتل کی آجائے۔ اگر ہٹوانے والوں میں سے کوئی قتل ہو جائے تو مقتول کا درجہ کیا ہوگا اور قبضہ کرنے والوں میں سے کوئی قتل ہو جائے تو مقتول کا درجہ کیا ہوگا۔

۳؎ حتی الامکان نصیحت و فہمائش سے کام لیا جائے اور اور دیگر محلہ کو شامل کر کے اس ظالم کو اسکی بیجا حرکت سے روکا جائے قتل و قتال کی نوبت نہ آنے دی جائے۔ بفرض محال اگر ایسی نوبت آئے تو بشرط صحت نیت فریق اول یعنی قبرستان بچانے والوں کو شہدا کا درجہ ملے گا۔ اور فریق ثانی یعنی قبرستان پر قبضہ کرنے والوں کو چور۔ ڈاکو۔ غاصب و ظالم کا درجہ ملے گا۔

دستخط مفتی واحد رضا صاحب

مہر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

پیچئے حاجی صاحب نے اپنے عمل نیک کے لئے شرعی سند بھی حاصل کرلی۔ اور غاصبین کو شرعی فیصلہ سے بھی آگاہ کر دیا۔ حاجی عبدالشکور کے ایڈمنسٹریٹر بنائے جانے پر فقیروں نے ریفرنس دائر کیا تھا وہ ابھی میں زیر سماعت ہی تھا اور حاجی عبدالشکو متعدد مقدمات اپنے صرفے لڑ رہے تھے کہ یکایک جناب شاہد فاخری مرحوم پریسیڈنٹ بورڈ نے ۲۹ر جون ۱۹۶۸ء کو تکیہ کا انتظام بورڈ سے آزاد کردیا۔ حاجی عبدالشکور کی ایڈمنسٹریٹری ختم کردی اور ایک کمیٹی کو جس میں بورڈ کے مخالف گروہ کے سرگرم فقیر کارکن عبدل شاہ۔ اور بشارت شاہ شامل تھے تکیہ سپرد کردیا گیا۔ مولانا صاحب حیران۔ حاجی صاحب ششدر۔ داستاں گو بھی چکرا گیا۔ سچ ہے۔ رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

ایک طویل درخواست مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۹ء دستخطی تقریباً ایک سو اشخاص دفتر میں موصول ہوئی۔ اس درخواست میں تکیہ کی انتظامی تاریخ از آغاز قلم بند کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بورڈ نے حاجی عبدالشکور کو ہٹا کر سخت بے انصافی کی ہے ان کا کہنا تھا کہ عبدالشکور نے تقریباً دس بارہ ہزار روپیہ اپنی جیب سے مقدمہ بازی میں صرف کرکے وقف کے تحفظ میں اپنی جان و مال کی بازی لگا دی۔ مگر بورڈ نے اس تکیہ کو جس کی موجودہ قیمت تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہے انھیں چالاک فقیروں کے سپرد کردی۔ جو اس کو تباہ کرتے چلے آرہے تھے سچ ہے

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اب تک فقرا یارٹی اپنی برطرفی پر عدالت کا رخ کرتی تھی اب حاجی صاحب پر برق گری تو یہ بیچارے بھی اپنی برطرفی کے خلاف عدالت ٹریبونل میں ریفرنس نمبر ۱۳۲ سنہ ۱۹۶۹ء عبدالشکور بنام سنی وقف بورڈ کا استغاثہ لے گئے۔ دور لگن اسکو کہتے ہیں کہ حاجی صاحب جو انھوں نے فقیروں کی بدعنوانیوں کے خلاف دائر کر رکھے تھے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے اور خود کنارہ کش ہوجاتے تو یہ سب مقدمات ختم ہوجاتے اور اب تک کی ساری کی کرائی محنت خاک میں مل جاتی۔ مندرجہ بالا قسم کے احتجاجی عرضداشتوں کی بنا پر حاجی صاحب کی برطرفی کا حکم ایک بار بحکم سکریٹری مورخہ ۲۶ر مارچ ۱۹۶۹ء ملتوی بھی ہوا۔ مگر مولانا شاہد فاخری نے جو اسوقت پریسیڈنٹ تھے بشارت شاہ کی درخواست مورخہ ۲ر مئی ۱۹۶۹ء پر حکم التوا مذکور کو اپنے حکم مورخہ ۳ر مئی ۱۹۶۹ء سے منسوخ کردیا۔ فقیروں کے یہاں گھی کے چراغ جل گئے ان کی کمیٹی برسر اقتدار آگئی۔ مولانا شاہد فاخری مرحوم کو ابتداً ان کو بخشے نہ جانے کیوں ان چالاک فقیروں سے اتنی ہمدردی تھی انھوں نے بورڈ سے سبکدوشی کے بعد بھی ۱۰ر اگست ۱۹۷۰ء کو مرادآباد سے ایک خط بورڈ کو لکھا "درخواست دہندہ (یعنی فقیر پارٹی) غریب اور مظلوم ہیں اور ہر روز زیر بار ہوتے جاتے ہیں۔ حق انھیں لوگوں کا ہے ...... ان کی مدد کی جائے آج چار روز سے مرادآباد میں ہوں آج یا کل روانہ ہوں گا۔" یہ فقیر غریب تو ہوسکتے ہیں مگر مظلوم اور حق کی بات حلق سے نیچے نہیں اترتی۔ وقف علی الخیر پر کسی کو تصرف کا حق عجیب سی بات ہے۔

حاجی صاحب کی برطرفی اور تخریب کار فقیروں کی تقرری۔ یہ ساری کارروائی کچھ ایسی بعید از فہم تھی کہ گورنمنٹ نے بھی اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۱۹ر اگست ۱۹۷۰ء سے عبدالشکور کو ہٹائے جانے کی وجوہ بورڈ سے دریافت کئے۔ بورڈ نے اپنے جواب میں مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۷۰ء میں صرف یہ لکھا کہ بورڈ کو اپنے مقرر کردہ ایڈمنسٹریٹر کو بغیر وجہ بتائے ہوئے ہر وقت ہٹانے کا اختیار ہے۔ اور حاجی صاحب کی نا عاقبت اندیشانہ روش کے اظہار کے طور پر

لڑ رہے ہیں۔ حاجی صاحب کو بحال کرنے کے لئے مولائی صاحب نے بھی سفارش کی مگر بورڈ تیار نہیں ہوا۔ بورڈ نے یہ شرط لگا دی کہ حاجی صاحب پہلے بورڈ کے خلاف اپنا ریفرنس واپس لیں۔ حاجی صاحب کا یہ کہنا تھا کہ انھیں ریفرنس کی واپسی میں کوئی عذر نہیں ہے۔ مگر ریفرنس واپس لیتے ہی قانوناً اُن کی ایڈمنسٹریٹری ختم ہوجائے گی اور وہ متعدد مقدمات جو تحفظ تکیہ موقوفہ کے لئے وہ بہ صرف کثیر لڑ رہے ہیں یک وقت ختم ہوجائیں گے اور وقف کا ناقابل تلافی نقصان ہوجائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لوگ کہتے ہیں کہ حاجی صاحب غالب کا وہ شعر اکثر پڑھتے لگے ہیں گئے ؎

وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مختصر یہ کہ حاجی صاحب نے ریفرنس واپس نہیں لیا اور بورڈ نے ان کو ایڈمنسٹریٹر نہیں بنایا۔ اس کشمکش کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے جناب سر تاج حسین سپرنٹنڈنٹ اوقاف کو تحقیقات سپرد کی گئی۔ موصوف نے فقیروں کی چیرہ دستیوں کے پوست کندہ حالات اپنی رپورٹ میں درج کئے اور تحفظ قبرستان کے لئے مقدمہ بازی میں حاجی عبدالشکور کا انہماک اور ان کی زیرباری کا ذکر بھی کیا۔ موصوف نے بشارت شاہ کو وقف کی تباہی کا سب سے زیادہ ذمہ دار ٹھہرایا۔ لکھتے ہیں: "اس حصہ میں (یعنی سڑک کے جانب پورب) صاحب ثروت لوگوں نے مثل عبدالحمید۔ عبدالرزاق۔ ماسٹر عنایت حسین، حافظ محمد و محمد عثمان وغیرہ نے اپنی عالی شان تعمیرات کھڑی کرلی ہیں اور یہی لوگ اپنے مفاد میں فقیروں کی مالی و ہر قسم کی امداد کرتے ہیں۔

اس قبرستان کی کہانی بڑی افسوسناک ہے۔

اشفاق علی صاحب انسپکٹر بورڈ نے اپنی رپورٹ مورخہ ۱۶ر جون ۱۹۶۷ء میں لکھا ہے کہ وقف ہذا کے سلسلہ میں ۱۹۵۶ء سے کراب تک فوجداری و دیوانی کے ساٹھ مقدمات چل چکے ہیں اور اس وقت بھی سات مقدمات مختلف عدالتوں میں زیر سماعت ہیں۔ سر تاج صاحب نے بھی اپنی رپورٹ ۱۹۷۲ء میں زیر سماعت مقدمات کی تعداد سات لکھی ہے اس طرح کل مقدمات کی تعداد ۶۷ ہوتی ہے۔ گویا کامیاب طلبا کی طرح امتحان میں امتیازی نمبر حاصل کیا۔

۱۹ر جولائی ۱۹۷۳ء کو کنٹرولر وقف بورڈ نے اپنے حکم میں لکھا کہ وہ حاجی عبدالشکور کی برطرفی کے حکم کو واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہیں مگر چونکہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ کمیٹی ناکارہ ہے اور بشارت شاہ تنہا تکیہ پر قابض و متصرف ہوکر مفاد وقف کے خلاف کھلم کھلا کارروائی کر رہا ہے۔ لہٰذا کمیٹی کو منسوخ کرکے جناب حلیم الدین مولائی ایڈوکیٹ کو ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا جاتا ہے مولائی صاحب کو یہ کانٹوں کا تاج مبارک۔

بشارت شاہ نے بورڈ کے اس حکم کے خلاف ریفرنس نمبر ۳۲ ۱۹۷۳ء دائر کر دیا ہے جو زیر سماعت ہے۔ جب حاجی عبدالشکور کو ہٹا کر فاخری صاحب نے بشارت شاہ فقیر والی کمیٹی بنا دی تھی تو حاجی صاحب نے ریفرنس فائل کیا تھا۔ جب اس کمیٹی کو منسوخ کرکے مولائی صاحب کو ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا۔ تو اس کمیٹی نے اپنی برطرفی کے حکم کے خلاف ریفرنس دائر کر دیا۔ دونوں ہی ریفرنس عدالت میں زیر سماعت ہیں، جہاں تک قبضہ کا سوال ہے نہ تو بورڈ کی مقرر کردہ کمیٹی ۱۹۵۸ء کو ملا تھا۔ نہ حاجی عبدالشکور کو قبضہ حاصل ہوا۔ اور نہ مولائی صاحب ہنوز ان فقیروں کا کچھ بگاڑ سکے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حاجی صاحب کا اس وقف سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ مگر جیسے اُن کو قلبی تعلق ہے

کہ وہ اب بھی مقدمات کی پیروی کر رہے ہیں۔ سنا ہے کہ بیچارے تباہ ہوگئے۔ لکڑی کی ٹال جو ذریعہ معاش تھی وہ ختم ہو رہی ہے۔ اور جہاں تک قبرستان کے تحفظ اور قبضہ کا سوال ہے ہنوز روز اول ہے۔ بورڈ نے مولائی صاحب کو قبضہ دلانے کے لئے زیر دفعہ ۶۴ (۵) وقف ایکٹ بتاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۶۲ء منصف مرادآباد کو مراسلہ جاری کر دیا ہے۔ مگر ابھی تک کوئی نتیجہ خیز اقدام کی خبر نہیں ملی ہے۔ مولائی صاحب نے اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۲ اپریل ۱۹۵۹ء لکھا تھا: "یہ کیا وبال سر کر دیا۔ ان کمبخت فقیروں ہی نے اٹھا کر دعویٰ کر دیا۔ اور اس میں حکم امتناعی بھی لے لیا۔ ۱۹۵۹ء میں محسوس ہونے والا "وبال سر" اب اپنی پوری "وبالیت" کے ساتھ مولائی صاحب کے فرق اقدس پر بلا شرکت غیرے و مساحمت دیگرے نشیمن بنا چکا ہے۔ اللہ ان کی مدد کرے۔

مقدمات کی کثرت کا ایک شمار اوپر دیا جا چکا ہے ان میں فریقین کا کتنا روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ داستان گو حساب میں بڑا کمزور ہے اور اس کے شمار کے لئے کمپیوٹر کی امداد ضروری سمجھتا ہے۔ ہاں یہ سمجھتا ہے کہ اس طویل مدت کی کارروائی کے اندراجات کے لئے فریقین کے اعمال ناموں میں نئے مزید اوراق جوڑے گئے ہونگے مولائی صاحب نے اس "وبال سر" سے گھبرا کر ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء کو اپنا استعفا بھیج دیا تھا گویا ان "کمبخت فقیروں" کے سامنے سپر ڈالدی۔ مگر بورڈ نے استعفا منظور نہیں کیا۔ مولائی صاحب گھبرائے نہیں ؎

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اس بڈھے حاجی کو داد دیجئے کہ اب بھی جو کھمی لڑ رہا ہے۔

حرف آخر کے طور پر داستان گو یہ کہنا چاہتا ہے کہ تکیہ پر رہائشی مکانات کی تعمیر کا کوئی قانونی یا شرعی جواز نہیں ہے۔ ان عمارتوں کے مالکوں کی قانونی حیثیت محض غاصبین کی اور شرعی حیثیت معصیت کاروں ہی کی رہے گی۔ انھیں چاہئے کہ وہ جلد از جلد اس لعنت جاریہ کے مواخذہ سے بچنے کی سبیل پیدا کریں۔ دوسری طرف ہم بورڈ سے درخواست کریں گے کہ اب ان عالیشان عمارتوں کے ہٹانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اگر اللہ ان غاصبین کو ہدایت دے تو ان سے مناسب شرائط پر معاہدات کر لئے جائیں۔ اور فاخری صاحب مرحوم کی رائے اگر صحیح سمجھی جائے تو ان "غریب مظلوم" فقیروں کے لئے آمدنی وقف سے کچھ گذارہ مقرر کر دیا جائے۔ وہ دن کتنا مبارک ہوگا۔ جس دن مولائی صاحب کو "وبال سر" سے۔ آبادکاروں کو "عذاب قبر" سے۔ اور بورڈ کو "درد سر" سے نجات مل جائے گی۔ بس اب اجازت دیجئے۔ یار زندہ صحبت باقی۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

★

در و دیوار سقف و بام سبھی ہیں
مگر منزل میں حائل گام سبھی ہیں
سفر میں دیدہ و دل کے علاوہ
ابھی کچھ فاصلے گمنام سبھی ہیں

★

کوائف

(سنٹرل وقف کونسل دہلی کے جلسہ مورخہ ۲۳ر۲۴ر اپریل ۸۶ء میں زیر بحث چند مسائل)

یہ جلسہ عالی جناب شاہ نواز خاں چیرمین سنٹرل وقف کونسل وزیر اوقاف بھارت سرکار دہلی میں منعقد ہوا جس میں ریاستی وزرائے وقف۔ وقف بورڈس کے صدر اور دیگر زعمائے ملت نے شرکت کی۔

چیرمین نے اپنی تقریر میں جائیداد موقوفہ کی ترقی کے لئے مرکزی سرکار سے ملنے والی سالانہ امداد کا خاص طور سے ذکر فرمایا۔ موصوف نے ایک اسکیم کے تحت آندھرا پردیش کے شہر وجے واڑا اور تامل ناڈو کے شہر سنیکار انتیار کوول میں اس سرکاری امداد سے دو بڑے منصوبوں کے اہتمام کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے کرناٹک کے اس عظیم منصوبہ کا بھی ذکر فرمایا جس پر ۱۰۳۹ کروڑ کی لاگت آئے گی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ سرکاری امداد آیندہ بھی جاری رہے گی اور اس کو شہری جائیداد کی ترقی کے لئے ایک مستقل فنڈ کی صورت میں قائم کر دیا جائے گا انہوں نے فرمایا کہ ملک کے اوقاف اگر اس اسکیم سے پورا فائدہ اٹھائیں گے تو دیرپا اور دوررس مفید نتائج مرتب ہوں گے اسی طرح ایک وقف ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے قیام کی تجویز زیر غور ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وقف انکوائری کمیٹی نے اپنی فائنل رپورٹ ۲۸ر فروری ۷۶ء پیش کر دی ہے جو طبع ہونے کے بعد پارلیمنٹ میں پیش ہوگی چیرمین صاحب نے یہ نہایت ہمت افزا خبر سنائی کہ ہماری وزیر اعظم نے ازراہ کرم خاص طور سے صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو ہدایت کی ہے کہ وقف کی جن جائیدادوں پر گورنمنٹ یا لوکل باڈیز کا غیر قانونی قبضہ ہے ان کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے قبضہ کو ہٹالیں۔ موصوفہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جائیداد ہائے موقوفہ کو قانون کرایہ داری سے مستثنیٰ کر دیا جائے وقف بورڈس کے چیرمینوں کو چاہئے کہ وہ اس ضمن میں اپنے صوبوں کے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کریں. بالخصوص ریاستی اوقاف کے وزیروں کو اس سازگار فضا سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر قانونی قبضوں کے ہٹانے میں پوری کوشش سے کام لینا چاہئے امید کی جاتی ہے کہ ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ وزیر اعظم کی ان خواہشات کا احترام کریں گے۔

سید محمد یحییٰ وزیر کرناٹک نے حضرت حمید شاہ منصوبہ کی جو دوکانات و دفاتر کے لئے ایک مخلوط عمارت پر مشتمل ہے تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ کرناٹک سرکار نے اس منصوبہ کیلئے سات لاکھ کی رقم منظور کی ہے اور بجٹ میں اس کے لئے علحدہ مد قائم ہے۔

تامل ناڈو کے وزیر اوقاف نے بتایا کہ ان کی سرکار نے تامل ناڈو وقف بورڈ کو ایک جائیداد کی ترقی کے لئے پانچ لاکھ روپیہ کی منظوری دی ہے

وزیر اوقاف بہار نے بھی اطلاع دی کہ بہار سرکار نے بھی بہار سنی وقف بورڈ کے لیے پانچ لاکھ روپیہ منظور کیئے ہیں۔

جلسہ میں یہ طے ہوا کہ سنٹرل وقف کونسل کے ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ کا ایک علیٰحدہ حساب سنٹرل وقف کونسل کے نام سے کھولا جائے گا۔ جو سکریٹری کونسل کے زیر عمل ہوگا۔

مسٹر اے۔ یو شیخ نے یہ تجویز پیش کی کہ متولیان کے قبضہ میں جو قدیم بیش قیمت کتابیں۔ مخطوطات۔ اسناد۔ فرامین۔ سکے۔ کتبے اور ظروف ہیں انکی فہرست مرتب کر کے انہیں محفوظ رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا۔ مسٹر شیخ نے آئی۔ ٹی۔ آئی کے نمونہ پر مسلمانوں میں صنعتی تعلیم کے انتظام کی ایک تجویز پیش کی۔ چیرمین صاحب نے فرمایا کہ وہ اس سلسلہ میں آئندہ جلسہ میں دل خوش کن خبر سنائیں گے۔

مولانا اسعد مدنی نے دیہی قبرستانوں کے تحفظ کا سوال اٹھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ گاؤں پنچائتیں قبرستانوں کو پرتی آراضی قرار دے کر قبضہ کر رہی ہیں انہوں نے یہ اندیشہ ظاہر فرمایا کہ اگر اس کو نہ روکا گیا تو کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی تدفین کے لئے زمین نہ رہ جائے گی۔

یوپی سرکار کی اس تجویز پر کہ ملک کی مشہور درگاہوں کی انتظامی جماعتوں میں جمہوری اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مقامی مسلمانوں بالخصوص ممبران لوکل باڈیز کی نمائندگی ضروری قرار دی جائے۔ بعد مباحثہ یہ طے ہوا کہ چونکہ اس کا تعلق ریاستی سرکاروں اور وقف بورڈوں سے ہے۔ لہٰذا سنٹرل وقف کونسل اس مسئلہ میں دست اندازی نہیں کر سکتی۔

یوپی سرکار کی اس تجویز پر کہ ...۲۵ روپئے سے زیادہ قیمت کی موقوفہ جائیداد کے بیچنے یا پٹہ پر دینے کے لئے ریاستی سرکار کی اجازت کو لازمی قرار دیا جائے چیرمین نے فرمایا کہ اس کے لئے وقف ایکٹ میں ترمیم کی ضرورت ہوگی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ممکن ہے وقف انکوائری کمیٹی نے اس سلسلہ میں اپنی رپورٹ میں کچھ سفارشات قلم بند کی ہوں۔

گورنمنٹ یوپی کی اس تجویز پر کہ تمام ملک میں اوقاف کا سروے کرایا جائے غور کیا گیا۔ چیرمین نے مطلع کیا کہ وزارت قانون کا شعبۂ وقف تمام ملک میں سروے کے متعلق کارروائیوں پر نظر رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں چودھری طیب حسین چیرمین وقف بورڈ پنجاب نے توجہ دلائی کہ قدیم ریاست پنجاب میں کیا ہوا سروے پنجاب اور ہریانہ ہائی کورٹ کے فیصلوں کی رو سے کالعدم ہو گیا ہے اور اس امر کی فوری اور اشد ضرورت ہے کہ وقف انکوائری کمیٹی کی درمیانی رپورٹ میں مندرج سفارشات کی بنیاد پر بلا تاخیر وقف ایکٹ میں ضروری ترمیم کی جائے۔ بدرالدین طیب جی اور جناب عزیزالرحمٰن وزیر اوقاف یوپی نے آرڈیننس جاری کرانے پر زور دیا۔

ریاست بہار سنی وقف بورڈ کی اس تجویز پر غور کیا گیا کہ ریاستی سرکار سے ریاستی وقف بورڈ کو سالانہ امداد دینے کی استدعا کی جائے جس طرح لوکل باڈیز مثل یونیورسٹی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ کارپوریشن وغیرہ کو امداد دی جاتی ہے وقف بورڈ اڑیسہ مغربی بنگال اور کچھ دیگر وقف بورڈوں کے چیرمینوں نے اس تجویز کی پر زور تائید کی۔ چیرمین نے یقین دلایا کہ معاملہ کو متعلقہ ریاستی سرکاروں سے رجوع کیا جائیگا۔

بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ اور پنجاب وقف

بورڈ نے یہ تجویز پیش کی کہ اوقاف علی الخیر کی جملہ جائدادوں کو شہری اور دیہی حد بندی قانون سے مستثنیٰ کیا جائے مباحثہ کے بعد ریاستی سرکاروں سے اس کے لئے سفارش کرنے کا رزولیوشن پاس کیا گیا۔ اس میں سنٹرل گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا گیا کہ اس نے شہری موقوفہ جائیدادوں کی خالی آراضیات کو قانون حد بندی ۱۹۷۶ء کے اطلاق سے بری کر دیا ہے۔ جلسہ نے بہ اتفاق رائے یہ تجویز منظور کی کہ سنٹرل گورنمنٹ سے درخواست کی جائے کہ وقف کی خالی آراضیات کو جو اوقاف کے مفاد میں زیر استعمال ہوں ایکٹ کے اطلاق سے مکمل طور پر مستثنیٰ کر دیا جائے۔

بہار اسٹیٹ شیعہ وقف بورڈ نے قانون خاتمہ زمینداری ۱۹۵۰ء کے تحت دی جانے والی انیوٹی کا فائنل تعین کئے جانے کے لئے بہار سرکار سے سفارش کرنے کی استدعا کی۔

پنجاب وقف بورڈ نے پنجاب اور ہریانہ ریاستوں کی ان مساجد کی طرف توجہ دلائی جن پر ۱۹۴۷ء سے ناجائز قبضہ ہے اور جو رہائش، مندر اور گوردواروں کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ یہ بتایا گیا کہ ایسی مساجد صرف پنجاب میں تیرہ ہزار تعداد ہے اور اتنی ہی تعداد میں ریاست ہریانہ کی مساجد بھی ناجائز قبضہ میں ہیں۔ یہ طے ہوا کہ ممبران کونسل کے جذبات سے ریاستی سرکار کو آگاہ کرتے ہوئے ان کے تخلیہ کا پر زور مطالبہ کیا جائے۔ پنجاب وقف بورڈ نے پنجاب۔ ہریانہ۔ ہماچل پردیش میں واقع قبرستانوں اور دیگر وقف کی جائیدادوں کو پنجاب ویلج کامن لینڈ ایکٹ ۱۹۶۱ء سے مستثنیٰ کئے جانے کی بھی تجویز پیش کی۔

پنجاب وقف بورڈ کی قانون کرایہ داری سے وقف کی عمارتوں کو مستثنیٰ کئے جانے کی تجویز بہ اتفاق رائے پاس ہوئی جس میں وزیر اعظم کی سفارش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تمام ریاستوں کے وزراء اعلیٰ سے وقف کی جائیدادوں کو قانون کرایہ داری سے مستثنیٰ کئے جانے کی استدعا کی گئی اور اس سلسلہ میں کرناٹک۔ تامل ناڈو۔ آندھرا پردیش اور راجستھان کی سرکاروں کا اوقاف کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دینے کے لئے مبارکباد پیش کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ دیگر ریاستیں بھی ایسا ہی قدم اٹھائیں۔

آندھرا پردیش وقف بورڈ نے قاضی ایکٹ ۱۸۸۰ء میں مناسب ترمیم کر کے شعبۂ قضات کو وقف بورڈوں کے تحت دیئے جانے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو کچھ قانونی دشواریوں کے باعث ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔

چیرمین کونسل نے بشیر احمد سعید کی وقف انکوائری کمیٹی کی کارروائی کے متعلق ایک تجویز پر فرمایا کہ کمیٹی مذکور نے اپنی فائنل رپورٹ ۲۸ فروری ۱۹۷۶ء کو پیش کردی ہے طبع ہونے کے بعد پارلیمنٹ میں پیش ہوگی انہوں نے امید ظاہر کی کہ وہ کونسل کے آئندہ اجلاس میں رپورٹ کی تجاویز کو پیش کر سکیں گے۔

سنٹرل وقف کونسل کے اس اجلاس نے یہ تجویز پاس کی کہ گورنمنٹ وقف انکوائری کمیٹی کی سفارشات پر کسی آخری فیصلہ سے پیشتر کونسل کو تبادلہ خیالات کا موقع دیا جائے۔

سنٹرل وقف کونسل کے اس اجلاس میں یہ تجویز پاس کی گئی کہ تحفظ اوقاف اور ان کے مقاصد امور خیر و مذہب کے قیام اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ سنٹرل وقف ایکٹ کے اوقاف کو انکم ٹیکس کے قانون میں بھی ٹرسٹ سے علیحدہ ایک اکائی تسلیم کیا جائے

کہ یہ دونوں بنیادی طور سے ایک دوسرے سے
لف ہیں۔
اس جلسہ میں باتفاق رائے یہ بھی طے ہوا
نٹرل گورنمنٹ سے استدعا کی جائے کہ وہ تمام
قاف جو وقف بورڈ میں رجسٹرڈ ہوں انہیں وقف
لیم کیا جائے خواہ ان سے متعلق کوئی تحریری وقف نامہ
یا نہ ہو۔
سنٹرل وقف کونسل نے یہ تجویز بھی منظور کی
چونکہ اوقاف کا رجسٹریشن وقف بورڈ میں لازمی
ردیا گیا ہے یہ اندراج انکم ٹیکس ایکٹ کے مقاصد
کے لئے بھی کافی سمجھا جائے اور انکم ٹیکس کمشنر کے
تر میں مزید اندراج سے بری کیا جائے۔
اجلاس نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ جبتک
قاف کی آمدنی بلا لحاظ مذہبی اور خیراتی امور پر صرف
تی ہے اس آمدنی کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کیا جائے
ر سنٹرل گورنمنٹ سے درخواست کی کہ اس معاملہ
ں ضروری اقدامات کئے جائیں۔
اجلاس نے اس حقیقت کے پیش نظر کہ اوقاف
ہبی یا خیراتی مقاصد کے لئے دوامی و ناقابل تنسیخ
نتساب ہونے کے باعث ٹرسٹ سے مختلف ہوتے
یں اور محدود وسائل رکھتے ہیں لہذا مرکزی حکومت
سے استدعا کی جائے کہ وہ ان اوقاف کو بذریعہ نوٹس
یر دفعہ (۱۲) 23-5/14 اور (۱۳) 8 جز انکم ٹیکس
یکٹ کے اطلاق سے بری کیا جائے۔
چیرمین کونسل نے بشیر احمد سعید نیز پنجاب وقف
رڈ کی تجویز بابتہ قانون میعاد متعلق اوقاف پر وقف
کوائری کمیٹی کی دیگر تجاویز کے ساتھ غور کرنے کا
لان فرمایا۔
چیرمین کونسل نے بتایا کہ ڈپٹی سکریٹری وقف

نے وقف فائننس کارپوریشن کے قیام کے متعلق اپنی
تجویز پیش کردی ہے اور جلد ہی پنجاب وقف بورڈ
اور دہلی وقف بورڈ کے لئے اس کا قیام عمل میں
آئے گا۔

(بقیہ رپورٹ سالانہ سنی وقف بورڈ ۷۶-۱۹۷۵ء)
کی تجویز ہے۔
درگاہ بہرائچ اور درگاہ جلیسر دو ایسے اوقاف
ہیں جو براہ راست بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ بہرائچ
میں درگاہ کے متصل سنگا روڈ پر ایک بازار غازی
مارکیٹ کے نام سے زیر تعمیر ہے۔ اس میں ۲۶ پختہ
دوکانیں بنائی جائیں گی۔ تعمیر کے مکمل ہونے کے بعد
۱۵۰۰ روپیہ ماہوار آمدنی کی توقع کی جاتی ہے۔ اس
درگاہ میں دوران میلہ آبنوشی کا معقول انتظام کرنے
کے لئے ایک نیا پمپنگ سٹ ۱۵۰۰۰ روپیہ قیمت کا
لگایا گیا۔ اس طرح کی سہولت درگاہ جلیسر کے ٹیوب
ول میں نیا انجن لگا کر پہنچائی گئی۔ اس درگاہ کو
میونسپلٹی کی سڑک سے ملانے والے کچے راستہ کو پختہ
کرایا جا رہا ہے جس پر ۱۶۰۰۰ روپیہ کی لاگت آئے گی

میلہ درگاہ بہرائچ شریف ۱۹۷۶ء

حسب روایات قدیم درگاہ سید سالار مسعود غازیؒ
واقع شہر بہرائچ کا میلہ اور اس کی تقریبات جیٹھے میاں
کا میلہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ۱۵ مئی کے چار اتوار
تک جاری رہا میلہ کا خاص دن ۲۳ مئی ۱۹۷۶ء کا تھا۔
۲۲، ۲۳ مئی کی درمیانی شب میں اس میلہ کی مخصوص رسم
رات بھر بڑی دھوم سے منائی جاتی رہی۔ میلہ میں ملک
کے دور دراز مقامات سے ہر قوم و ملت کے بکثرت زائرین

آنے ایک اندازہ کے مطابق اس سال زائرین کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی۔ دیکھنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ اتنا بڑا اجتماع اُن کی یادداشت میں عرصۂ دراز سے نہیں ہوا۔ اس اجتماع میں زائرین کا عقیدت مندانہ جوش قابل دید ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

یہ درگاہ وقف بورڈ کے براہِ راست زیرِ انتظام ہے لہٰذا وقف بورڈ کا عملہ بھی مختلف فرائض کی انجام دہی کے لئے مامور کیا گیا۔ میلہ کے انتظام کی نگرانی وقف بورڈ کے سکریٹری جناب سید رفیع الدین احمد رحمانی صاحب بڑی جانفشانی سے خود فرما رہے تھے۔ جناب رفیق احمد صاحب اسسٹنٹ سکریٹری اور جناب محمد عمر صاحب انچارج درگاہ شریف بھی موجود تھے۔ سکریٹری موصوف کے حسن انتظام کو کلیر شریف کے عرس میں عوام وخواص نے بنظر استحسان دیکھا تھا میلہ بہرائچ نے اُن پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

میلہ میں روشنی۔ پانی۔ صفائی کا بہت معقول انتظام تھا۔ پولیس و سرکاری افسران کا تعاون بھی قابل تعریف تھا۔ بالخصوص عملہ وقف بورڈ اور خدام آستانہ سکریٹری کے دوش بدوش بڑی تندہی سے دن رات کام کرتے رہے۔ اس کا ایک ناقابل انکار ثبوت یہ ہے کہ زائرین یا دوکانداران میں سے کوئی بھی شکایت سننے میں نہیں آئی۔

غالباً یہ سربراہ میلہ کی خلوص نیت کا نتیجہ تھا کہ امسال میلہ کی آمدنی میں توقع سے زائد اضافہ ہوا۔ اس سال تا ایندم آمدنی کا شمار دو لاکھ پینتالیس ہزار آٹھ سو چونتیس روپیہ تینتیس پیسہ ہے۔ اس میں چڑھاوا۔ کرایہ دوکانات اور ٹھیکہ جات کی آمدنی شامل ہے۔ درگاہ کی تاریخ میں اتنی وافر آمدنی کی دوسری مثال نہیں پائی جاتی۔ ابھی اس آمدنی میں پارچہ جات و چاندی وغیرہ کے نیلام کی رقم شامل نہیں ہے۔ اندازہ ہے کہ اس مد سے تقریباً دس ہزار روپیہ مزید حاصل ہونگے اور اس طرح اس سال کی آمدنی سال گذشتہ کی آمدنی سے تقریباً پچاس ہزار روپیہ زائد ہوگئی۔ واضح رہے کہ سال گذشتہ دوران انتظام بورڈ میلہ کی آمدنی نے تمام سنوں ماضیہ کے ریکارڈ کو توڑ دیا تھا۔

حسنِ انتظام کا صحیح اندازہ صرف چاندی سونے میں وزن کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ منتظم کا اصل جوہر حاصل شدہ آمدنی کے نفع بخش استعمال سے نمایاں ہوتا ہے۔ یہ درگاہ کئی سال سے بورڈ کے زیرِ انتظام ہے موجودہ سکریٹری کے دور میں سالہائے گذشتہ میں مفید اقدامات مثل توسیع اسپتال۔ خریداری عمارت مہمان خانہ مسعودی۔ قدیم سکہ جات و نوادر کا تحفظ۔ آغاز تعمیر غازی مارکیٹ تنصیب ریلینگ سٹ وغیرہ لئے جا چکے ہیں۔ اب عمارات درگاہ کی مرمت، بوسیدہ حصہ عمارات کی از سر نو تعمیر تکمیل غازی مارکیٹ آرائش عمارات درگاہ، اور درگاہ کے گرد افتادہ زمین پر باغات لگوانے کا خصوصی منصوبہ ۲۰ نکاتی پروگرام کو پیش نظر رکھ کر بنایا گیا ہے۔

وہ دیا ہے جشن سی تنہایاں وہ رواج و دیکھیے الاماں
وہی سنت بیٹیہ کلمہ سے جو بچے مجبود دنیا زمیں

ترجمہ از مدیر

اسکیم برائے ترقی آراضیات وقف شہری

مرتبہ سنٹرل وقف کونسل نئی دہلی

تمہید:-

وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء (ایکٹ یونین گورنمنٹ) تمام اوقاف ملک کے بہتر انتظام اور موثر نگرانی کیلئے پاس کیا گیا تھا۔ تاکہ بالآخر اس کے ذریعہ مسلمانوں کی سماجی اور اقتصادی خوشحالی کی رفتار میں تیزی پیدا کی جاسکے۔ اسکے تحت صوبائی وقف بورڈ اوقاف کے انتظام میں بہتری پیدا کرسکتے تھے۔ انہیں یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ مقاصد وقف کو ملحوظ رکھتے ہوئے اوقاف کی فاضل پس ماندہ آمدنی کے مناسب استعمال کے لئے متولیوں کو ہدایات جاری کریں۔ لیکن جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے بیشتر اوقاف میں کوئی آمدنی نہیں ہے اور بیش قیمت آراضیات معاشیاتی استعمال کے لئے کام میں نہیں لائی گئیں۔ اس طرح وقف بورڈس ان مقاصد کی تکمیل میں جن کے لئے ایکٹ مذکور پاس کیا گیا تھا قاصر رہے ہیں۔

لہٰذا مرکزی وزارت وقف کے سامنے یہ سوال آیا کہ ملک کے ان متعدد اوقاف کی آمدنی میں کس طرح اضافہ کرکے ملت کی سماجی اور اقتصادی ترقی کے امکانات پیدا کئے جائیں۔ اسی مقصد سے شہری آراضیات موقوفہ کو ترقی دینے کی یہ اسکیم مرتب کی گئی ہے۔

بحالت موجودہ اس ملک میں اوقاف کے پاس نہایت کثیر تعداد میں جائیدادیں ہیں جن میں سے بیشتر شہری علاقوں میں واقع ہیں۔ دیہات کی موقوفہ جائدادیں بیشتر آراضیات کاشتکاری پر مشتمل ہیں۔ جبکہ اوقاف کی وہ جائیدادیں جو بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں واقع ہیں۔ عمارات یا خالی آراضیات کی شکل میں ہیں۔ اور اس طرح موخرالذکر جائیدادوں کی ترقی کے وافر امکانات ہیں۔ ایک بار پھر وقف بورڈ سے زور دے کر کہا جارہا ہے کہ ان کی آمدنی بڑھانے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ وہ اپنی شہری جائیدادوں کی ترقی کے لئے ایک تیز رفتار منضبط اور منظم طریقہ بروئے کار لائیں

مقاصد:-

موجودہ اسکیم مندرجہ ذیل مقاصد کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔

۱۔ شہری جائیداد موقوفہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے۔

۲۔ اوقاف کی پس ماندہ آمدنی وقف متعلقہ کے بنیادی مقاصد کی تکمیل کے طور پر قوم و ملت کی ترقی کے لئے استعمال کی جائے۔

۳۔ وقف آراضیات کو ناجائز قبضہ سے محفوظ کیا جائے

۴۔ مجموعی ترقی اور اس شہر کو جس میں جائیداد واقع ہے خوبصورت بنانے میں شریک ہوکر زمانہ حال کے

تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

وسائل :-

اس اسکیم کے لئے فی الحال مرکزی حکومت سنٹرل وقف کونسل کو روپیہ قرض دے رہی ہے۔ آئندہ دیگر اداروں اور بینکوں سے سرمایہ حاصل کرنے کیلئے بات چیت کی جاسکتی ہے یا منصوبوں کے لئے حصول [illegible] کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔ قرضہ کی واپس شدہ رقم بھی دیگر منصوبوں کے لئے سرمایہ کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہے۔

مستفیدین :-

ملک کے تمام رجسٹرڈ اوقاف اپنی شہری جائداد کی ترقی کے لئے سنٹرل وقف کونسل سے قرض لے سکتے ہیں مندرجہ ذیل حالتوں میں قرض نہ دیا جاسکے گا۔

۱۔ ایسے اوقاف کہ جن پر بار ہے۔

۲۔ ان اوقاف کہ جن کا قبضہ جائیداد برائے ترقی پر نہیں ہے۔

۳۔ ایسے اوقاف کہ جن کی جائیداد میں کسی فرد یا جماعت کا حق۔ دعوی یا مفاد شامل ہے۔

قرض عام طور سے انہیں منصوبوں کے لئے دیا جائیگا جن سے آمدنی ہوسکے۔

قرض ملنے کا طریقہ

۱۔ کسی سند یافتہ ماہر تعمیرات کے مشورہ سے تفصیلی منصوبہ تیار کیا جائے۔ جس سے آراضی موقوفہ کی آمدنی میں اضافہ ہو۔

۲۔ منصوبہ کی ہر مد کے لئے علیحدہ علیحدہ تخمینہ اور متوقع مالی منفعت کا اندازہ لگایا جائے۔

۳۔ کسی منظور شدہ ([illegible]) قیمت لگانے والے یا با اختیار عہدہ دار مثلاً کسی افسر مال یا میونسپل کمیٹی سے آراضی وقف کی بازاری قیمت جنچوائی جائے۔

۴۔ آراضی مجوزہ کی مناسبت اور کے متعلق وقف بورڈ کی سفارش اور حسب دفعہ ۳۶ د ایکٹ ۱۹۵۴ء آراضی کو مکفول کرنے کا رزولیوشن پاس کرایا جائے۔

۵۔ تعمیر کے لئے میونسپلٹی یا دیگر با اختیار حاکم سے اجازت حاصل کی جائے۔

۶۔ سنٹرل وقف کونسل سے قرضہ لینے کے لئے حسب دفعہ ۷، ۷ وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء ریاستی سرکار سے باقاعدہ اجازت لی جائے۔

۷۔ اسکیم کو ریاستی سرکار کے ذریعہ سنٹرل وقف کونسل کے پاس روانہ کیا جائے تاکہ سنٹرل وقف کونسل قرضہ کی ان شرائط کو جنہیں وہ مناسب سمجھے طے کرے۔

۸۔ دفعہ ۲۲۰ تحتی دفعہ (۱) انکم ٹیکس ۱۹۶۱ء کے بموجب انکم ٹیکس افسر سے "کوئی اعتراض نہیں ہے" سرٹیفکیٹ حاصل کیا جائے۔ اسکی ضرورت رہنامہ کی رجسٹری کے وقت پڑے گی۔

۹۔ اگر سنٹرل وقف کونسل منصوبہ کے لئے قرضہ دینے کی منظوری دے تو آراضی کو سنٹرل وقف کونسل کے حق میں بطور ضمانت ادائیگی رہن کیا جائیگا۔ جس پر وقف بورڈ بہ حیثیت ضامن فریق کی حیثیت سے دستخط کرے گا۔

۱۰۔ رہنامہ پر واجب الادا اسٹامپ قبل سے معلوم کرنا ہوگا۔ جس کو وقف بورڈ وقف متعلقہ ادا کرے گا

۱۱۔ شیڈول (ب) میں تفصیل آراضی۔ رقبہ نمبر آراضی

اور عمل وتوع جگہ سے کھد لیا جائے گا جو رہنامہ میں منسلک کیا جائے گا۔

طریقہ کار:۔

۱۔ سنٹرل وقف کونسل منصوبہ کو مکمل کرنے کیلئے ایک کمیٹی تعمیرات کی تشکیل کرے گی اس کمیٹی میں حسب ذیل ممبر ہوں گے۔

۱۔ وقف بورڈ کا نامزد ایک ممبر
۲۔ کلکٹر ضلع جہاں آراضی واقع ہے۔
۳۔ ضلع کے پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کا اگزیکیوٹیو انجینیر۔
۴۔ حلقہ کا ایک سربرآوردہ مسلمان
۵۔ وقف کا متولی

اگر ضروری ہوگا تو کمیٹی زیادہ سے زیادہ دو ممبر اور شریک کر سکے گی۔ جس کی اطلاع سنٹرل وقف کونسل کو دینا ہوگی اس معاملہ میں سنٹرل وقف کونسل کا فیصلہ ناطق و قطعی ہوگا اور اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

۲۔ کمیٹی تعمیرات نقشہ منظور شدہ اور پی ڈبلیو۔ ڈی کی شرحوں کے مطابق منصوبہ کو زیر عمل لائے گی نقشہ منظور شدہ سے بغیر منظوری سنٹرل وقف کونسل کسی اختلاف کی اجازت نہ ہوگی۔ متعدد منزلہ عمارت کی تعمیر سنٹرل وقف کونسل کے منظور شدہ مرحلہ وار پروگرام کے مطابق عمل میں لائی جائے گی۔

۳۔ سنٹرل وقف کونسل سے حاصل شدہ زر قرضہ کا حساب بینک میں کمیٹی تعمیرات کے نام سے صرف اسی مقصد کیلئے کھولا جائیگا روپیہ نکالنے اور صرف کرنے کا اختیار کمیٹی تعمیرات کے دو ممبروں کو مشترکہ ہوگا۔ اُن میں سے کوئی ایک تنہا شخص روپیہ نہ نکال سکے گا۔

قرضہ کی ادائیگی:۔

۱۔ کل زر قرضہ دس سال میں، ۲۰ ششماہی قسطوں میں ادا کرنا لازمی ہوگا۔ سنٹرل وقف کونسل اگر ضروری سمجھے گی تو مخصوص صورتوں میں مدت ادائیگی میں توسیع دے سکتی ہے۔

۲۔ پہلی قسط بالعموم زر قرضہ حاصل کرنے کی تاریخ سے دو سال بعد واجب الادا ہوگی۔

۳۔ زر قرضہ ملنے کے ایک سال بعد سنٹرل وقف کونسل کو زر قرضہ پر چھ فیصدی چندہ دینا ہوگا۔ جس کی وصولیابی دو سال بعد قرضہ کی پہلی قسط کے ساتھ کی جائے گی۔

۴۔ اس حالت میں جبکہ وقف اور وقف بورڈ زر قرضہ یا چندہ نہ ادا کریں گے یا اور کسی طور پر اقرارنامہ کی شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو رہنامہ جبکہ وقف اور وقف بورڈ نے بحیثیت فریق اول اور سنٹرل وقف کونسل نے بہ حیثیت فریق دوم تکمیل کیا ہوگا بعینا سمجھا جائے گا اور جائیداد مرہونہ سنٹرل وقف کونسل کی ملکیت متصور ہوگی۔ ایسی صورت میں سنٹرل وقف کونسل کل جائیداد مرہونہ کی مالک قطعی ہو جائے گی اور وقف یا وقف بورڈ متعلقہ سے اس معاملہ کو رجوع نہ کیا جائے گا۔

آمدنی کا مصرف:۔

۱۔ متولی وقف یا مجلس انتظامیہ کے ممبران کا تعمیرات جدیدہ سے حاصل ہونے والی فاضل آمدنی پر کسی قسم کا ذاتی دعویٰ حق نہ ہوگا۔

۲۔ اگر متولی جائیداد کی ترقی سے پہلے وقف کی آمدنی سے کوئی رقم حاصل کرتا رہا ہے تو وہ اسی قدر پیسہ پانے کا مستحق ہوگا۔ اس رقم کا حساب قرض ملنے سے پیشتر تین برسوں میں پائے ہوئے روپیہ کی اوسط تعداد پر لگایا جائے گا۔

۳۔ بہرکیف متولی کو بڑھی ہوئی آمدنی وقف میں سے

کوئی مناسب رقم دی جاسکتی ہے۔ جس کا تعین چیرمین سنٹرل وقف کونسل کرے گا۔

۴۔ بڑھی ہوئی آمدنی کے مصرف میں وقف متعلقہ کے مقاصد کو تقدیم اول حاصل ہوگی۔

۵۔ اس آمدنی کی بقیہ رقم ایسی تعلیمی اور سماجی بہبود پر صرف کی جائے گی جس سے ملت کی فلاح و ترقی ہو۔ اس کا التزام یا تو اوقاف خود ہی کریں گے یا ایسی رقموں کو جمع کرکے سنٹرل وقف کونسل ایسے ہی مقاصد پر صرف کرے گا۔

۶۔ بڑھی ہوئی آمدنی کے مناسب مصرف کے لئے وقف سوچ سمجھ کر اور وقف بورڈ کے مشورہ سے ایک اسکیم مرتب کرے گا۔ جس کی منظوری سنٹرل وقف کونسل سے حاصل کی جائے گی۔ منظور شدہ اسکیم سالانہ بجٹ میں درج کی جائیگی کسی اختلاف رائے پر چیرمین سنٹرل وقف کونسل کا فیصلہ مختتم ہوگا اور جملہ فریق اس کے پابند ہوں گے۔

۷۔ زر قرضہ پر چھ فیصدی چندہ سالانہ جو وصول کیا جائے گا اسے یکجا کرکے ایک تعلیمی فنڈ قائم کیا جائے گا جس پر سنٹرل وقف کونسل عمل درآمد کرے گا۔

۸۔ قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو رقم سنٹرل وقف کونسل کو واپس ہوگی۔ اس رقم سے ایک چالو فنڈ (Revolving) قائم کیا جائے گا جو دوسرے اوقاف کی جائیدادوں کو ترقیانے میں صرف ہوگا۔

نظر ثانی :-

قرضہ کی تقسیم۔ اسکیم پر عمل درآمد اور ترقی یافتہ جائیدادوں سے حاصل شدہ آمدنی کے مصرف کی گورنمنٹ آف انڈیا اور سنٹرل وقف کونسل مقررہ وقفوں پر جانچ کرے گی۔

دفتر سنٹرل وقف کونسل
نظام الدین مغربی C-1
نئی دہلی 110013

بقیہ مضمون صفحہ ۹۴

بقیہ مضمون صفحہ ۹۴

کردیا گیا ہے۔ اس متعدد منزلہ عمارت کی لاگت کا آٹھ لاکھ روپیہ اندازہ لگایا گیا ہے۔ سردست تعمیر کا کام بورڈ کے عطیہ کی رقم مبلغ دو لاکھ اور حج کمیٹی کے چندہ مبلغ ایک لاکھ سے جلد ہی شروع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے بقیہ سرمایہ مخیر حضرات کے چندہ سے پورا کیئے جانے کی تجویز ہے۔

درگاہ بہرائچ اور درگاہ جلیسر دو ایسے اوقاف ہیں جو براہ راست بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ بہرائچ میں درگاہ کے متصل نانپارہ روڈ پر ایک بازار "غازی مارکیٹ" کے نام سے زیر تعمیر ہے۔ اس میں ۲۶ پختہ دوکانیں بنائی جائیں گی۔ تعمیر کے مکمل ہونے کے بعد -/1500 روپیہ ماہوار آمدنی کی توقع کی جاتی ہے۔ اس درگاہ میں دوران میلہ۔ آبنوشی کا معقول انتظام کرنے کے لئے ایک نیا پمپنگ سٹ قیمتی -/15000 روپیہ لگایا گیا۔ اسی طرح کی سہولت درگاہ جلیسر کے ٹیوب ویل میں نیا انجن لگا کر بہم پہونچائی گئی۔ اس درگاہ کو میونسپلٹی کی سڑک سے ملانے والے کچے راستہ کو پختہ کرایا جارہا ہے جس پر -/16000 روپیہ کی لاگت آئے گی۔

رپورٹ سالانہ سنی وقف بورڈ سنہ ۷۵-۷۶ء
جو گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجی گئی

انتظامیہ

بورڈ کے انتظامیہ میں سنہ ۱۹۶۰ء سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان گذشتہ چھ برسوں میں بورڈ کی تشکیل کی سعی جاری رہی مگر رٹ اور حکم امتناعی کے زیر اثر ہر کوشش ناکام ہوتی رہی۔ وہ حکم امتناعی جو سنہ ۱۹۶۹ء میں صادر ہوا تھا۔ اسے ترمیمی وقف ایکٹ سنہ ۱۹۷۰ء نے بے اثر کر دیا گورنمنٹ نے اس ایکٹ میں ایسی ترمیمات کر دیں جن سے بورڈ کے انتخاب و تشکیل میں کوئی امر مانع نہیں رہا۔ لہذا مجالس قانون ساز۔ بار ایسوسیشن اور صوبائی جمعیۃ العلماء کے ممبران کا انتخاب عمل میں آیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ان منتخب ممبران کی نشست برائے انتخاب شریک کار متولی منعقد ہو سکے۔ انتخاب کے خلاف رٹ فائل ہو گیا اب سنی وقف بورڈ کے خلاف حکم امتناعی ختم ہو چکا ہے اور بظاہر سنی وقف بورڈ کے لئے بورڈ کی تشکیل میں کوئی دشواری نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انتخاب کے سلسلہ میں پیش رفت کب تک ہو سکے گی۔

مالیات

بورڈ کی مالی حالت جوں کی توں ہے وصولیابی چندہ بورڈ کی رفتار تشفی بخش نہیں رہا۔ اس سال آڈیٹران کے حلقوں میں تبدیلی۔ نیز ایک آڈیٹر کی کمی کے باعث وصولیابی میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ خیال ہے کہ آئندہ سال اس کمی کی تلافی ہو سکے گی۔ ابھی تک زیر قانون خاتمہ زمینداری و اصلاحات اراضی ایک بڑی تعداد میں اوقاف کی انیوٹی کی تشخیص ہونا باقی ہے۔ نیز بورڈ کی جانب سے زیر دفعہ ۸-۱۰۰ بحکم توسیعات کے زمانہ میں سیکڑوں درخواستیں بغرض تشخیص انیوٹی جو بورڈ نے تحصیل لکھنؤ میں گذار دیں۔ ان پر ہنوز کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور انہیں وجوہ سے بورڈ کو ریاستی سرکار سے ملنے والی سالانہ انیوٹی کا کوئی منصفانہ اور مختتم فیصلہ ابھی تک نہیں ہو سکا۔ جیسا کہ معلوم ہے بورڈ کی آمدنی کا تنہا ذریعہ زیر دفعہ ۴۴ وقف ایکٹ ملنے والا چھ فیصدی چندہ ہے۔ لہذا جب تک متذکرہ بالا مسائل کا کوئی حل نہیں نکلتا بورڈ کی آمدنی میں کسی معتدبہ اضافہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

سروے

اس صوبہ میں پہلا اور آخری سروے اوقاف سنہ ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا جس کو ۴۰ برس ہو گئے۔ اس طویل عرصہ میں اوقاف کی اہمیت، آمدنی، حیثیت وغیرہ میں نمایاں فرق ہو گیا۔ بہت سے اوقاف اب کہیں رجسٹرڈ نہیں ہیں جیسا کہ آئے دن آنے والی درخواستوں سے معلوم ہوتا ہے

اندراج سے ظاہر ہوتا ہے ان سب حالات کا اقتضا ہے کہ ازسرنو اوقاف کا پھر سروے کیا جائے۔ ریاستی سرکار نے اس ضرورت کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اس طرف توجہ کی ہے اس سلسلہ میں افسران کا ایک جلسہ بھی حال ہی میں سکریٹریٹ میں منعقد ہوا ہے۔ سروے کیلئے ایک لائحہ عمل کا خاکہ بھی مرتب کیا گیا ہے۔ خیال ہے کہ جلد ہی سروے کمشنر کا تقرر عمل میں آئے گا۔ اس سال عوام کی درخواستوں پر ۱۱۲ اوقاف کا اندراج عمل میں آیا۔

کارگذاری وقف بورڈ

مجموعی طور سے ۱۳۰۸۶ روپیہ امداد طلبا جو دارس میں بشکل وظائف یا امداد تقسیم کئے گئے اس رقم میں وہ روپیہ بھی شامل ہے جو حسب دستور اس صوبہ کے چند بڑے اوقاف اس مقصد کے لئے بورڈ کے ذریعہ تقسیم کرنے کے لئے بھیجتے ہیں اس کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے انجینیرنگ کالج کے پرنسپل کی اپیل پر بورڈ نے ۱۰۶ ما ہوار کے چھ وظائف کی منظوری مستحق طلبا کا انتخاب انجینیرنگ کالج کے پرنسپل کی رائے پر منحصر کیا گیا ہے اسی رقم میں ۳۰۰۰ روپیہ کی وہ امداد بھی شامل ہے جو بورڈ نے مدرسہ قاسمیہ اعظم گڈھ کو دی۔

وقف بورڈ نے ثقافتی امور پر بھی توجہ کی۔ دارالعلوم ندوۃ العلما کے ۸۵ ویں سالانہ جشن کے عظیم اجتماع کے سلسلہ میں بورڈ نے ۲۳۲۷ روپیہ صرف کئے اس جلسہ میں تمام اسلامی دنیا سے تقریباً ۶۰ سے زیادہ نمائندہ شریک ہوئے۔ بورڈ نے مولانا آزاد میموریل اکاڈمی کے افتتاحیہ جلسہ کے اخراجات کیلئے ایک ہزار روپیہ منظور کیا۔ یہ جلسہ شری چاون وزیر امور خارجہ مملکت ہند کی صدارت میں تلک ہال سکریٹریٹ میں منعقد ہوا۔ جلسہ میں عمال حکومت اور دیگر عالی مرتبہ لوگ شریک ہوئے۔ کچھ مصنفین کو ان کی ادبی تخلیقات کی طباعت کے لئے بطور امداد ۳۰۸۱ روپیہ دیا گیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلما کی خواہش پر اس کے شعبہ نشر و اشاعت کی مطبوعات کیلئے ۲۵۰۰ ہزار روپیہ قرض دیا گیا۔ جس کو ادارہ چھ ماہ میں ادا کریگا۔

امور خیر و مذہب کے سلسلہ میں ۳۶۴۰ روپیہ نادار افراد کی بیٹیوں کی شادی کے اخراجات بیوائوں کی امداد اور لاوارث اموات کی تجہیز و تکفین کی مدات میں دیے گئے۔ صوبہ کی چند مسجدوں کی مرمت و تعمیر میں ۶۲۰۰ روپیہ سے شرکت کی گئی۔ اس طرح بورڈ نے فلاحی امور میں دوران سال زیر رپورٹ ۳۶۷۳۹ روپیہ صرف کئے۔ اس میں وہ رقم بھی شامل ہے جو صوبہ کے چند اوقاف نے برائے وظائف تعلیمی بورڈ کو بھیجی۔

مسلم مسافر خانہ

مسلم مسافر خانہ لکھنؤ کی تعمیر کے لئے جیسا کہ سال گذشتہ رپورٹ میں لکھا گیا تھا ریاستی سرکار نے چار باغ اسٹیشن کے قریب ایک وسیع قطعہ آراضی عطا کیا تھا۔ عمارت کی تعمیر کے ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور سردار گورچرن سنگھ وزیر بہبود سماج و ہریجن کی صدارت میں سنگ بنیاد کی رسم بھی ادا کی جا چکی تھی۔ مگر کچھ مالکان ٹرک نے جو اپنی گاڑیاں بلا استحقاق اس آراضی پر کھڑی کرتے تھے۔ تعمیر کے خلاف ہائی کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کر لیا۔ لہذا تعمیر کا کام رک گیا اب یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ مالکان ٹرک اب اپنی مزاحمت سے دست بردار ہو جانے پر راضی ہو گئے ہیں اور انہیں ایک دوسرے قطعہ آراضی کا اس مقصد کے لئے انتظام

(باقی صفحہ ۔۔۔ پر)

وقف عسلی انجر میرٹھ

نوٹ: یہ سند نہیں ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۱۹۶	وقف مسجد نگلہ ہریرو	حقیت آراضی ۱ بیگھہ ۱۲ بسوہ ۱۷ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ ۱/۵ واقع موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	عبدالحفیظ۔ قصبہ ڈاکخانہ نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۱۹۷	وقف مسجد و تکیہ عیسیٰ شہید صاحب	ایک دوکان پختہ ایک مکان خام و چار قطعہ آراضیات افتادہ واقع محلہ نوگزہ میرٹھ	عبدالمجید محلہ نوگزہ میرٹھ
۱۹۸	وقف مسجد نگلہ ہریرو ۲ ۱/۹ ء	ایک منزل دوکان خام واقع آبادی نگلہ ہریرو پرگنہ ہستنا پور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	عبدالحفیظ صاحب موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۱۹۹	وقف مسجد موضع نگلہ ہریرو موسومہ قطب جمال الدین ۱۰ ۱۱/۲۱ ء	۳ بسوہ ۴ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ [illegible] واقع موضع نگلہ ہریرو پرگنہ ہستنا پور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	عبدالحفیظ۔ موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۰۰	وقف برائے امور خیر ۲۸ ۱۲/۲۱ ء	حقیت آراضی ۴ بیگھہ ۳ بسوہ پختہ ۱۴ بیگھہ ۱۲ بسوہ پختہ ۴ بیگھہ پختہ واقع قصبہ میرٹھ محالات معافی دوام ومنضبط پرگنہ و تحصیل میرٹھ مندرجہ کھیوٹ نمبر 503 ز 557 ، 78 و مکانات 208/1 ونصف مکان 209/1 واقع محلہ کوٹلہ میرٹھ	امیر احمد۔ محلہ کوٹلہ میرٹھ
۲۰۱	وقف مسجد موضع میرپور	حقیت آراضی موقوفہ ۱ بیگھہ ۸ بسوانسی ۱۵ کچوانسی واقع موضع میرپور محال ولایت خاں کھیوٹ ۱/۱ پرگنہ و تحصیل و ضلع میرٹھ	انتظار علی۔ قصبہ میرپور ضلع میرٹھ
۲۰۲	وقف مسجد و مدارس عربیہ ۱۹ ۶/۱۸۸۳ ء	محال منشی احسان احمد واقع موضع رسولپور دھولڑی پرگنہ و تحصیل و ضلع میرٹھ تعدادی ۱۱۳ بیگھہ ۱۳ بسوہ رقبہ مزروعہ ۵۶ بیگھہ دو منزل مکان ایک مدرسہ خاص دوسرا مکان عقب مدرسہ واقع موضع رسولپور دھولڑی مذکورہ بالا	محمود مظفر صاحب موضع رسولپور محلہ شاہ نجمن ۱/۱ پور ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
٢٠٣	وقف مسجد شیخان ٢٢ $\frac{٢}{١}$ ء	تین قطعہ دوکانات پختہ واقع موضع رسولپور دھولڑی تحصیل وضلع میرٹھ	محمود مظفر صاحب موضع رسولپور محلہ شاہ نتھن ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔
٢٠٤ ٢٠٥	وقف مسجد نہال خاں	ایک قطعہ مکان واقع محلہ جنگلی گنج میرٹھ	محمد یوسف صاحب محلہ جنگلی گنج میرٹھ
٢٠٦	وقف مدرسہ امداد الاسلام	٢١ قطعہ دوکانات ٢ قطعہ مکانات و تین قطعہ بالاخانہ جات	حافظ نظام الدین صاحب ملا صدر بازار میرٹھ
٢٠٧	وقف مسجد سیاہی والی	تین قطعہ دوکانات و ایک کرہ واقع محلہ کرم علی میرٹھ	عبدالعزیز صاحب نشنل واچ کمپنی کمبوہ گیٹ میرٹھ
٢٠٨	وقف مسجد کوٹھی دروازہ	چھ قطعہ دوکانات پختہ زیر مسجد محلہ کوٹھی دروازہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	بشیر احمد چوڑی فروش۔ کوٹھی گیٹ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
٢٠٩	وقف مسجد کوٹھی دروازہ بیعنامہ مورخہ ٢٤ $\frac{٦}{١٩٠١}$ ء	ایک منزل دوکان پختہ واقع محلہ بازار کوٹھی قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	لسین احمد خانصاحب
٢١٠	وقف مسجد شاہ ولی اللہ صاحب والی	ایک بیگھہ اراضی پختہ واقع موضع شیخپوری منجملہ سوا سولہ بسوہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	
٢١١	وقف مسجد کلاں $\frac{٦}{٣٢}$ ٤ ء	حقیت اراضی ۷ بسوہ ١٣ بسوانسی پختہ منزلہ کھیوٹ ملا واقع موضع کاشی محال محمد یوسف پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	سعید احمد و عبدالحمید صاحبان موضع کاشی ضلع میرٹھ
٢١٢	وقف مسجد فرنگ دروازہ	پانچ قطعہ دوکانات واقع فرنگ بازار میرٹھ	خان بہادر اعجاز حسین صاحب کوچہ نیل میرٹھ
٢١٣ ٢١٤	وقف جامع مسجد	ایک قطعہ منزل مکان پختہ وخام واقع سردھنہ ضلع میرٹھ دوکان و چھ دوکانات چندہ سے بعد کو بحق مسجد مذکور خرید کی گئی	محمد خلیل صاحب محلہ بیرون سرائے افغانان قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
٢١٥	وقف جامع مسجد بڑوت ہبہ نامہ ٣١ $\frac{٨}{٤}$ ء	ایک منزل مکان واقع آبادی قصبہ بڑوت پٹی چودھریان تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	محمد علی شاہ صاحب صدر پٹی چودھریان قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ۔ عبدالستار خاں سکریٹری و دیگر ١٥

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
			ممبران کمیٹی انتظامیہ وقف مذکور ساکنان پٹی چودھریان قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ
۲۱۶	وقف مسجد نورباخان	آراضی قبرستان رقبی ۶ بیگھہ ۶ بسوہ واقع قصبہ کھیکڑہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ جسمیں ۲۸-۲۹ درخت کیکر کے لگے ہیں۔ عمارت مسجد 49/ وایک قطعہ مکان متعلق مسجد 50/ واقع محلہ گڈھی قصبہ کھیکڑہ باغپت ضلع میرٹھ	حسن کریم صاحب موضع کھیکڑہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ
۲۱۷	وقف جامع مسجد علی گڈھ	عمارت مسجد۔ عمارت مدرسہ و ۵ قطعہ دوکانات وایک قطعہ مکان واقع قصبہ کھیکڑہ	نواب جمشید علی خاں صاحب قصبہ باغپت صدر۔ بشیر احمد صاحب سکریٹری و دیگر ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان موضع کھیکڑہ۔ ڈاکخانہ کھیکڑہ ضلع میرٹھ
۲۱۸	وقف مسجد گلی والی	حقیت آراضی ۴ ۴ بیگھہ پختہ واقع موضع رضاپور تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	
۲۱۹	برائے مصارف مدرسہ و یتیم خانہ	حقیت آراضی ۷ بیگھہ ۷ بسوہ پختہ واقع موضع قاسم پور پرگنہ جلال آباد تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	ارتضی خاں موضع فریدنگر تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ
۲۲۰	وقف قطعہ شاہی شہنشاہ اورنگ زیب	حقیت آراضی ۴ بیگھہ پختہ واقع قصبہ ڈھولانہ محال غیرواجبان تحصیل غازی آباد و ۱ بیگھہ ۱۳ بسوہ آراضی	بندو ولد حمایت موضع ڈھولانہ پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ
۲۲۱	وقف درگاہ حضرت شاہ سید صابر علی صاحب چشتی رح	کھیوٹ 1/4 موضع محی الدین پور پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد تعداد ۲۱۲ بیگھہ ۱۵ بسوہ پختہ	سید صابر حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ صابریہ متصل چاہ کنک دریا گنج دہلی
۲۲۲		کھیوٹ 1/3 موضع محی الدین پور پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ تعدادی ۲۱۲ بیگھہ ۳ بسوہ پختہ	" " "
۲۲۳	وقف جامع مسجد اولدھن	حقیت آراضی واقع موضع اولدھن پرگنہ سراوہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ رقبی ۶ بیگھہ ۱۵ بسوہ مندرجہ کھیوٹ 83/ دو قطعہ دوکانات پختہ و حقیت آراضی ۷ بیگھہ ۱۱ بسوہ کھیوٹ 178/ واقع موضع مذکور	کلوشاہ۔ موضع اولدھن تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ

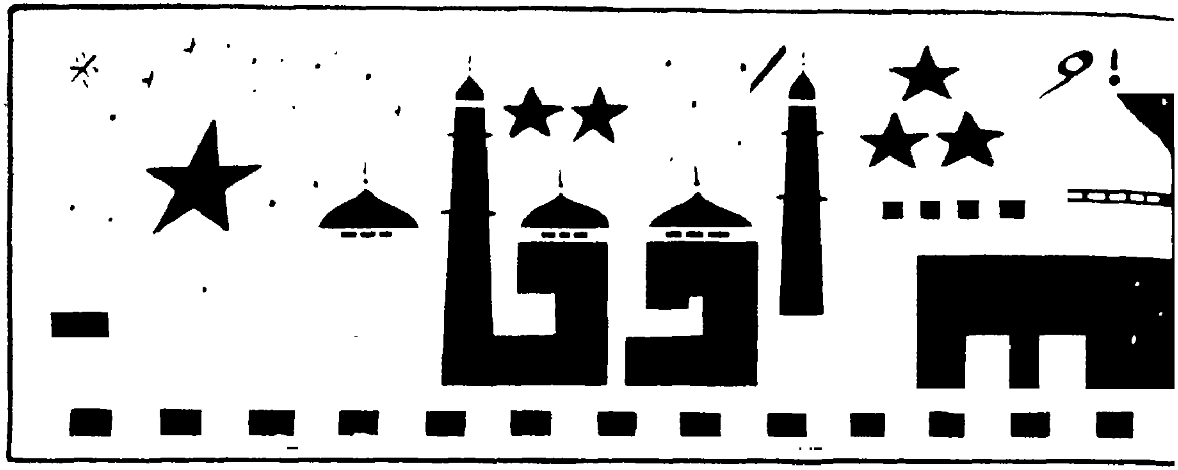
نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۲۴	وقف پیرا مسجد ع 245 ۲۹/۷/۱۸۹۷ء	عمارت مسجد ع 245 دو دکانات ع 344، 342 واقع محلہ جھنڈا اچی قانون گویان قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	محمد ظفر احمد۔ محلہ قانونگویان قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۲۲۵	وقف مسجد کلاں ۱۲/۵/۲۳ء	حقیت آراضی ۱ بیگھہ واقع موضع قانون محال مسلمانان پرگنہ و تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ ع 39	عبدالغنی موضع بدرالدین نگر قانون قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۲۲۶	وقف مسجد محلہ شیخان	حقیت آراضی ۱۸ بسوہ ۱۰ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ ع 17 واقع قصبہ سردھنہ محال خوشحال پرگنہ و تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ	حافظ امام الدین صاحب محلہ شیخان قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۲۲۷	وقف مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ دیوبند ۲۱/۵/۱۹ء	حقیت آراضی ۴ بیگھہ ۱۳ بسوہ ۱۷ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ ع 76 محال خوشحال قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ	مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور
۲۲۸	وقف برائے امور خیر	حقیت آراضی ۲ بیگھہ ۱۵ بسوہ ۸ بسوانسی واقع موضع جھونی پرگنہ و تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ۔ 405 سہام منجملہ 11475 سہام از کھیوٹ ع 12 تھوک گلاب واقع موضع جھونی پرگنہ و تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ	سید عبدالہادی شاہ قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۲۲۹	وقف مسجد مردہکان	حقیت آراضی ۳ بیگھہ ۴ بسوہ ۱۵ بسوانسی محال خوشحال کھیوٹ ع 120 قصبہ سردھنہ و حقیت آراضی ۵ حصہ از ۱۲ حصہ محال مدعا علیہم ع 6، ع 69، ع 76 و دو قطعہ مکانات واقع قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ	ناصر الدین صاحب۔ محلہ مردہکان قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۲۳۰	وقف مسجد و درگاہ حضرت مخدوم صاحب	حقیت آراضی ۴ بیگھہ ۲ بسوہ ۹ بسوانسی کھیوٹ ع 1 محال آفتاب علی موضع نرمل درکاوہ پرگنہ برناوہ تحصیل سردھنہ و حقیت ۳ بیگھہ ۱۳ بسوہ پختہ مندرجہ کھیوٹ ع 20 محال مدعا علیہم واقع موضع مذکور و آراضی ۸ بیگھہ ا بسوہ پختہ مندرجہ کھیوٹ ع 1 محال مسماۃ امیازی بیگم واقع موضع مذکور بالا ضلع میرٹھ	مظہر احمد صاحب
۲۳۱	وقف جامع مسجد	۵ قطعہ دوکانات و ا قطعہ مکان واقع قصبہ سردھنہ محلہ بیرون سرائے افغانان ضلع میرٹھ	محمد خلیل۔ محلہ بیرون سرائے افغانان قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۳۲	وقف مسجد عبوت باڑہ	ایک قطعہ دوکان واقع قصبہ عبلاوڑہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ ایک قطعہ احاطہ طول و عرض ۴۰ مربع گز جسکے اندر درختان نصب ہیں اور اسی احاطہ میں مسجد ہے۔	کریم الدین موضع عبلاوڑہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۳۳	وقف مسجد قانونگویان	صرف عمارت مسجد ہے کوئی جائیداد وقف نہیں ہے	عبدالرشید۔ بابو مصطفےٰ۔ مولوی محمد یامین ساکنان محلہ قانونگویان میرٹھ
۲۳۴	وقف مسجد کنجڑان	صرف عمارت بند ہے کوئی جائیداد نہیں ہے	ماسٹر ریاض احمد گورنمنٹ ہائی اسکول میرٹھ
۲۳۵	وقف مسجد کاغذی بازار	عمارت مسجد پختہ 105/ دوکانات 156/ و 105/ واقع محلہ کاغذی بازار میرٹھ	محمد غفران خاں۔ محلہ کاغذی بازار میرٹھ
۲۳۶	وقف مسجد اسمٹ گنج	دومنزل دوکانات پختہ و دو عدد کھتیاں غلہ واقع محلہ اسمٹ گنج میرٹھ	عبدالرشید صاحب۔ محلہ اسمٹ گنج میرٹھ
۲۳۷	وقف مسجد اسٹیشن	کھیوٹ 37/ ۲ بسوہ منجملہ کھیوٹ 37/ واقع موضع الیوڑہ اسٹیشن ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ	حاجی محمد اسمٰعیل صاحب اعزازی مجسٹریٹ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۲۳۸	وقف مزار حضرت سید حسن صاحب وغیرہ۔ اقرارنامہ ۲۶/۱۱/۱۸۸۰ء	۴۸۳ گز ۸ گرہ آراضی افتادہ اندرون آبادی قصبہ ہاپوڑ محلہ قاضی واڑہ ضلع میرٹھ ہے	سید قمر زماں علی۔ قاضی واڑہ۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔
۲۳۹	وقف مسجد میدہ	دو قطعہ مکانات پختہ واقع میدہ محلہ لال کرتی بازار میرٹھ	منشی عبدالحمید صاحب صدر میدہ محلہ لال کرتی بازار۔ نواب الٰہی صاحب سکریٹری 150 بکری محلہ و دیگر ممبران کمیٹی انتظامیہ لال کرتی بازار میرٹھ
۲۴۰	وقف مسجد بکری والان	صرف عمارت مسجد ہے کوئی جائیداد وقف نہیں ہے	وحید الدین صاحب لال کرتی بازار میرٹھ
۲۴۱	وقف مسجد کھجور تلہ	ایک قطعہ دوکان و ایک الماری واقع چھتہ علی رضا میرٹھ	حاجی صفات احمد صاحب چھتہ علی رضا میرٹھ
۲۴۲	وقف مسجد چاہ معماران	زمین افتادہ 61/ طولاً ۵ گز عرضاً ۴ گز واقع محلہ چاہ معماران شہر میرٹھ متصل عمارت 58/	بابو عبدالرشید گلی تیلیان نیرنگ بازار میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۴۳	وقف مسجد بنگلیہ	صرف عمارت مسجد ہے کوئی جائیداد وقف نہیں ہے	حکیم محمد بخش صاحب ۔ محلہ بنگلیہ نزنگ میرٹھ
۲۴۴	وقف مسجد منہیا ران	صرف عمارت مسجد ہے کوئی جائیداد نہیں ہے	عبدالکریم ۔ محلہ بیر منٹھا ۔ میرٹھ
۲۴۵	وقف قبرستان بڑا باغ	پلاٹ نمبر 202 قبرستان بڑا باغ پلاٹ نمبر 462 و 698 میں مسجد عیدگاہ و کنواں ہے جسکا رقبہ 2 بیگھ 2 بسوہ ہے ۔ واقع موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ نمبر 83	محمد ذاکر علی ۔ موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۴۶	وقف مسجد قطب شاہ جمال الدین صاحب ۱۸ ۹/۲۱ء	دو بیگھ دو بسوہ پختہ آراضی منجملہ آٹھ بیگھ تین بسوہ پختہ آراضی واقع موضع نگلہ ہریرو کھیڑہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ نمبر 83	" " "
۲۴۷	وقف جامع مسجد موضع نگلہ ہریرو ۱۶ ۹/۲۴ء	ایک قطعہ مکان واقع موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	ذاکر علی موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۴۸	وقف مسجد موسومہ قطب جمال الدین شاہ صاحب ۱۰ ۱۲/۲۱ء	حقیت آراضی ا بسوہ اا بسوانسی 5 3/4 اطنوانسی واقع موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ نمبر 83	ذاکر علی ۔ موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۴۹	وقف برائے امور خیر دخلنامہ نوشتہ ذاکر علی مورخہ ۱۳ ۹/۲۳ء	حقیت آراضی ا بیگھ اا بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر 5 واقع موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	" " "
۲۵۰	وقف برائے امور خیر	حقیت آراضی ا بیگھ ۱۸ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر 49 واقع موضع ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	ذاکر علی موضع نگلہ ہریرو تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۵۱	وقف مسجد گدیان بیعنامہ مورخہ ۲۰ ۲/۲۵ء	دو قطعہ دوکانات دو کھنٹی پختہ واقع قصبہ موانہ کلاں محلہ کابلی دروازہ ۔ ضلع میرٹھ	دلاور ۔ محلہ ہیرالال قصبہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ
۲۵۲	وقف مسجد گدیان تمسک نامہ ۵ ۱/۵ء	مکان منجملہ حویلی واقع قصبہ موانہ کلاں محلہ لقائی بہ تعمیر خام ضلع میرٹھ	" "
۲۵۳	وقف مسجد گدیان ہبہ نامہ ۲۸ ۱/۲۵ء	مکان تعمیر و خام معروف گھر واقعہ محلہ ہیرالال قصبہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ	دلاور ۔ محلہ ہیرالال ۔ قصبہ موانہ کلاں ۔ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۵۴	وقف مسجد گدریان	مکان بہ تعمیر خام غربرویہ واقع قصبہ موانہ کلاں محلہ ہیرالال ضلع میرٹھ	دلاور۔ محلہ ہیرالال۔ قصبہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ
۲۵۵	وقف مسجد بنی سرائے	تین قطعہ مکانات و دو قطعہ دوکانات واقع محلہ بنی سرائے میرٹھ	حکیم سیف الدین صاحب۔ محلہ بنی سرائے میرٹھ
۲۵۶	وقف مسجد گذری بازار بعینامہ مورخہ ۱۵ $\frac{5}{31}$ ء بحق مسجد۔ وقف مسجد گذری بازار بعینامہ حشمت اللہ وغیرہ مورخہ ۱۵ $\frac{9}{14}$ ء بحق مسجد وقف مسجد گذری بازار	۲۴ قطعہ دوکانات مکانات و بالاخانہ جات واقع محلہ گذری بازار محلہ تیرگراں، بازار بزازہ۔ میرٹھ ایک قطعہ مکان پختہ نمبر 95 واقع محلہ تیرگراں میرٹھ ایک منزل حویلی دو منزلہ غربرویہ تعمیر پختہ نمبری 237، 238، 239، واقع محلہ گذری بازار میرٹھ۔ دوکانات نمبر 255 تا 258 واقع محلہ گذری بازار میرٹھ	خان بہادر اعجاز حسین صاحب چیرمین میونسپل بورڈ میرٹھ
۲۵۷	وقف مسجد گذری بازار بعینامہ علیم الدین وغیرہ مورخہ ۳ $\frac{1}{6}$ ء بحق مسجد	ایک منزل مکان پختہ واقع محلہ مشائخان میرٹھ	″ ″ ″
۲۵۸	وقف بغرض اخراجات و تعمیر مسجد و رفاہ عام	ایک منزل مکان نمبر 105 محلہ افغانان دہلی دروازہ ۱۰ سہام منجملہ ۲۵ سہام دوکان واقع سرائے نظر علی۔ ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام موازی ۳ بیگھہ ۱ بسوہ ۳ بسوانسی پختہ آراضی منجملہ ۴ ۲ بیگھہ کھیوٹ نمبر 12 آبادی ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام۔ موازی ۱۳ بیگھہ ۱۵ بسوہ ۱۹ بسوانسی پختہ آراضی کھیوٹ نمبر 111 محال مدعا علیہم موضع کیلہ ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام۔ موازی ۲۴ بیگھہ ۱ بسوہ ۳ بسوانسی پختہ آراضی کھیوٹ نمبر 2 محال مدعا علیہم ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام۔ ۱۸۰ بیگھہ ۱ بسوہ پختہ آراضی نمبر 95 محال مدعا علیہم ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام موازی ۲۴ بیگھہ ۲ بسوہ پختہ آراضی کھیوٹ نمبر 9 محال مدعا علیہم موضع پہونچہ۔ ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام۔	شیخ محمد عمر صاحب صدر۔ محلہ افغانان۔ صوفی عبدالعزیز صاحب سکریٹری۔ دہلی دروازہ دیگر ۳ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان محلہ افغانان۔ میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
		موازی ۴ بیگھہ ۱۹ بسوہ پختہ آراضی کھیوٹ نمبر 16/1 محال مدعا علیہم موضع بہونچہ ۱۰ سہام منجملہ ۲۸ سہام	
۲۵۹	وقف برائے مصرف خیر ۱۴ 9/15ء	حقیت آراضی ۱۸۰ بیگھہ ۱۸ بسوہ ۳ بسوانسی ۸ طنوانسی مندرجہ کھیوٹ نمبر 24، 47، 64، 100، 114، 156، 247، 346 واقع گڈھ مکتیشر محال کلاں بانگر و حقیت آراضی رقبی ۵ بیگھہ ۱۸ بسوہ ۱۵ بسوانسی ۴ طنوانسی مندرجہ کھیوٹ 11، 23، 40، 56، 64، 75، 81، 140، 147، 176 واقعہ قصبہ گڈھ مکتیشر محال کلاں کھادر تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔ مکان پختہ منہدم ہونیکے بعد اب زمین افتادہ ہے۔	حافظ شبیر حسن صاحب گڈھ مکتیشر محلہ زمینداران ضلع میرٹھ
۲۶۰	وقف ذی القربا و الیتامیٰ والمساکین و بن السبیل ۱۳ 9/۳۶ء	حقیت آراضی ۸ بیگھہ ۱۱ بسوہ ۷ بسوانسی از کھاتہ کھیوٹ نمبر 1 تعدادی ۱۷/۱ بیگھہ ۷ بسوہ واقع قصبہ سرادہ مسلمانان و حصہ رسد از آراضی از کھیوٹ نمبر 9 ساثلات تعدادی ۱۲ بیگھہ پختہ خارج پرتہ سرادہ محال مسلمانان تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	عائشہ بیگم زوجہ سید احمد قصبہ سرادہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۲۶۱	وقف درگاہ شاہ شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ	حقیت آراضی ۲۴ بیگھہ ۱۱ بسوہ واقع موضع اجرادہ محال مدعا علیہم کھیوٹ نمبر 54 آراضی ۱۳ بیگھہ ۶ بسوہ واقع موضع حبوری محال پنجم مدعا علیہم کھیوٹ نمبر 17 آراضی ۹ بیگھہ ۱۱ بسوہ واقع موضع شفیع آباد بوئے محال مدعا علیہم کھیوٹ نمبر ۲ تحصیل ہاپوڑ پرگنہ سرادہ ضلع میرٹھ ایک منزل دو منزلہ پختہ و احاطہ حضرت شاہ شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ و ایک منزل دو کان ملحقہ احاطہ مذکور	مشتاق حسین قصبہ اجرادہ پرگنہ سرادہ ضلع میرٹھ



3(3)

شعبۂ نشر و اشاعت یو، پی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ۔ لکھنؤ

R.N. 26535/74

یو۔پی۔ سنّی سنٹرل وقف بورڈ

کا

ترجمان

مشیر اوقاف لکھنؤ

سہ ماہی

جلد (۳)	اگست ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۶ء	شمارہ (۳)

ایڈیٹر

سیّد آلِ حسن ایم۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

زرِ سالانہ اعزازی ۱۵ روپے

عام ۱۰ روپے

پتہ

۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ

عنوانات

اگر اس دائرے میں سرخ نشان لگا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ خریداری ختم ہوگیا ہے۔

سیّد آلِ حسن ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے منجانب یو پی سنی سنٹرل وقف بورڈ نامی پریس خواجہ قطب الدین روڈ لکھنؤ میں چھپواکر
۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

شذرات

۹ ستمبر ۱۹۷۶ء کو اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے استقبالیہ میں عالیجناب فخرالدین علی احمد صدر جمہوریہ ہند نے فرمایا کہ اُردو کے بارے میں غلط فہمیاں کہ یہ زبان بدیسی ہے یا کسی مذہبی فرقہ کی ہے "دماغوں سے" نکال دینا چاہیئے۔ انھوں نے فرمایا کہ "یہ کام صرف انھیں کو نہیں کرنا ہے جنھوں نے اس غلط فہمی کو پیدا کیا بلکہ ان کا بھی جو اُردو زبان جانتے ہیں اور جو اس کو اپنی قومی زبان کی حیثیت سے باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

موصوف نے اُردو کی اُس ہر دلعزیزی کا ذکر فرمایا جو اُسے تمام مذاہب کے ماننے والوں اور تمام علاقوں میں حاصل ہے انھوں نے فرمایا کہ یہ غلط فہمی کہ اُردو بدیسی زبان ہے یا یہ کہ یہ ایک مخصوص مذہبی فرقہ کی زبان ہے تقسیم ملک کے بعد کی پیداوار ہے ہندی ہو یا اُردو دونوں برج بھاشا سے نکلی ہیں جو نہ تو بدیسی زبان تھی اور نہ اُس کا رشتہ کسی مخصوص مذہبی فرقہ سے جوڑا جا سکتا ہے۔ اس زبان نے عربی و فارسی الفاظ کی ملاوٹ سے مغلوں کی آمد کے بعد موجودہ صورت اختیار کی۔ انھوں نے پُر زور الفاظ میں کہا کہ اُردو کو قائم رکھنا چاہیئے اور عزت کے ساتھ ترقی کرنے اور زندہ رہنے میں مدد کرنا چاہیئے انھوں نے فرمایا خواہ شاعری ہو یا اور کوئی صنفِ ادب اس آسانی اور روانی سے اور کسی زبان میں اس کے مانند اظہارِ خیال کی صلاحیت نہیں ہے۔

انھوں نے کہا اُردو ان لوگوں میں بھی مقبول ہے جو اس زبان کو نہیں جانتے اس کے ثبوت کے طور پر انھوں نے مشاعروں کا ذکر کیا جنمیں اُردو سے نابلد حضرات بھی شریک ہوتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں اُردو کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ اسکی سب سے بڑی مثال "انقلاب زندہ باد" کا مقبول عام نعرہ ہے جو اس نے ملک کو دیا۔

انھوں نے فرمایا کہ ایسی حالت میں جبکہ مرکزی اور ریاستی سرکاریں اُردو کو اس کا صحیح مقام دلانے میں کوشاں ہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خون چڑھانے اور انجکشن لگانے سے اُردو کو زندہ رکھا جا سکتا ہے یعنی کیا صرف اُردو اکیڈمی قائم کر دینے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں ہدایت فرمائی کہ ہم کو چاہیئے کہ اس بارے میں سرکاری احکامات کے زیر عمل لانے میں کوشش کریں۔ عالیجناب صدر نے فرمایا کہ اُردو تعلیم میں بغیر اس خیال کے کہ اُردو پڑھنے والوں کی تعداد کتنی ہے تمام سہولتیں فراہم کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اُردو کی بقا ناممکن ہو جائے گی۔ انھوں نے فرمایا جہاں بھی طلبا اُردو پڑھنا چاہتے ہیں وہاں تمام ضروری سہولیتوں کا انتظام ضروری ہے۔

موصوف نے اُردو زبان میں بچوں کے لئے معیاری کتابوں کی کمی کا بھی ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسی کتابیں انگریزی، ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں میں شائع کی جا رہی ہیں۔ اُردو اکیڈمی کو اپنی توجہ اس معاملہ پر مبذول کرنا چاہیئے انھوں نے اُردو اکیڈمی پر جدید ترین اُردو لغات کے شائع کرنے کے لئے بھی زور دیا۔ آخر میں عالیجناب صدر نے فرمایا کہ

لوگوں کو مذہبی اور علاقائی تعصبات سے بلند ہو کر ہندوستان کو ایک طاقتور اور عظیم ملک بنانے میں ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔

عزت مآب صدر جمہوریہ ہند کی یہ تقریر اُردو زبان کی عظمت کے بارے میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے کسی جُز سے بھی کوئی منصف مزاج اختلاف نہیں کر سکتا۔ وہ سب لوگ جو اُردو سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کے لئے صدر صاحب کے تہِ دل سے مشکور ہوں گے۔ اسی کے ساتھ یہ اُمید کی جاتی ہے کہ وہ حضرات بھی جن کو اُردو کے معاملہ میں کسی قسم کی غلط فہمی ہے وہ بھی اپنے ضمائر کو صاف کر لیں گے اس زبان کی قدر و قیمت کے بارے میں آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کی سعادتمند عالی دماغ صاحبزادی اندرا گاندھی وزیر اعظم جمہوریہ ہند کے خیالات سے بھی ہم سب واقف ہیں۔

اُردو زبان کے بارے میں صدر جمہوریہ ہند کی یہ تقریر کسقدر جامع ہے مندرجہ ذیل تجزیہ سے واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

اُردو زبان کی تاریخ :

۱۔ اُردو کسی بدیسی یا کسی مذہبی فرقہ کی زبان نہیں ہے۔ یہ زبان اسی ملک کی پیداوار ہے اور ہندی کی طرح یہ بھی برج بھاشا سے نکلی ہے۔

۲۔ اس کے جاننے اور بولنے والوں میں ہر مذہب و ملت اور تمام علاقوں کے لوگ شامل ہیں۔

۳۔ اس کے متعلق غلط فہمیاں تقسیم ہند کے بعد پیدا ہوئیں۔

۴۔ اس کی مقبولیت صرف اُردو داں حلقہ ہی تک محدود نہیں بلکہ اُردو نہ جاننے والے بھی اس کی نفاست اور دلآویزی کی وجہ سے اس میں دلچسپی لیتے ہیں جس کی مثال اُردو مشاعرے ہیں۔

۵۔ اُردو زبان ہر صنف ادب میں جس آسانی اور بے تکلفی سے اظہار خیال کی صلاحیت رکھتی ہے وہ دوسری زبانوں کو نہیں حاصل ہے۔

۶۔ اُردو زبان نے جنگِ آزادی میں بیش بہا حصہ لیا۔ ہمارا مشہور زبان زد قومی نعرہ "انقلاب زندہ باد" اسی زبان کی دین ہے۔

دُشواریاں :-

۱۔ اُردو زبان میں تعلیمی سہولتیں اب بھی آزادانہ طور سے حاصل نہیں ہیں۔

۲۔ اُردو کے سلسلہ میں مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے اقدامات کی تعمیل میں مشکلات حائل ہیں۔

۳۔ اُردو پڑھنے والے بچوں کے لئے انگریزی، ہندی اور دیگر زبانوں کی سی معیاری کتابیں نہیں موجود ہیں۔

۴۔ اُردو اکیڈمی کی کارگزاری جسم بیمار میں انجکشن لگانے یا خون رسانی کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

لائحۂ عمل :-

۱۔ غلط فہمیوں کے ذمہ دار اور اُردو کے پرستار دونوں گروہوں کو اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا چاہیئے۔

۲۔ سرکاری اقدامات کو زیر عمل لانے میں حارج رکاوٹوں کو دُور کرنا چاہیئے۔

۳۔ اُردو تعلیم کے لئے تعداد طلبا کی شرط کو ختم کرنا چاہیئے۔

۴۔ اُردو پڑھنے والے بچوں کے لئے معیاری اُردو نصاب تیار کرانا چاہیئے۔

۵۔ جدید ترین اُردو لغات شائع کرانا چاہیئے۔

۶۔ اُردو اکیڈمی کو وقتی تدابیر سے بڑھ کر مستقل اور دیرپا ترقیاتی اقدامات لینا چاہیئے۔

۷۔ مذہبی اور علاقائی تعصبات سے بلند ہو کر ملک کو عظیم تر بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

اس تقریر سے جہاں عوام الناس کو اپنے فرائض کی بابت آگاہی ملتی ہے اُسی کے ساتھ یہ اُمید بھی قائم ہوتی ہے کہ اس زبان کی ترویج و ترقی میں حائل مشکلات کا علم ہوجانے کے بعد ہماری سرکاریں اس امر پر سختی سے نگاہ رکھیں گی کہ سرکاری ہدایات کی طرف سے بے التفاتی کی کسی کو جرأت نہ ہو اور یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ اگر کسی قسم کا پس و پیش اس زبان کو ثانوی درجہ عطا کرنے میں ہوگا وہ بھی دُور ہوجائے گا وغیرہ

ان دنوں لندن میں اسلامی صنعت اور دیگر فنون لطیفہ میں کارگزاریوں کی اعلیٰ پیمانہ پر نمائش ہو رہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے جس غلط فہمی میں مغرب مبتلا رہا ہے اُسے ناقابلِ تردید حقیقت کی صورت میں پیش کرکے دُور کیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ دنیا کے تمام علمی، ادبی اور فنی شعبوں میں اسلام نے نہایت گرانقدر کارنامہ انجام دے کر تمام دنیا پر احسان عظیم کیا ہے۔ اس نمائش کی تفصیلی رپورٹ جناب فاطمہ ذکریا نے انگریزی میں پیش کی ہے اُس کا اُردو ترجمہ قارئین مشیر وفاق کے لئے اس شمارہ میں پیش کیا جا رہا ہے جس کو پڑھ کر ہمیں اُمید ہے آپ بھی موصوفہ کی طرح اس کی تمنا کریں گے کہ کاش یہ نمائش ہندوستان میں دکھائی جا سکتی۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ خبر بھی بڑی خوش آیند ہے کہ ایک اسلامی مسیحی مذاکرہ یکم فروری لغایتہ ۶ فروری ۱۹۷۶ء (لیبیا) میں منعقد ہوا۔ اس میں ساٹھ ممالک کے تقریباً تین سو نمایندے شریک ہوئے مسلمان نمایندوں میں علماء کرام اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور ریسرچ کالر زیادہ تھے عیسائیوں میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور راسخ العقیدہ لوگ بھی تھے۔ مسیحی فریق کے لیڈر ویٹیکن کے کارڈنیل سرگیو پگنوڈلی اور مسلمان فریق کے لیڈر لیبیا کے وزیر تعلیم محمد احمد الشریف تھے۔ اس سیمینار میں بحث کے لئے مندرجہ ذیل موضوعات منتخب کئے گئے :۔

۱۔ کیا مذہب انسانی زندگی کی آئیڈیولاجی (نصب العین) بن سکتا ہے۔

۲۔ مختلف مذاہب میں کون سی باتیں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نیز انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے اندر کہاں کہاں انسان باہم متحد ہو سکتے ہیں۔

۳۔ عدل اجتماعی خدا پر ایمان کے نتیجہ میں بروئے کار آ سکتا ہے۔

۴۔ ان سابقہ غلط تصورات و خیالات کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے جو دونوں مذاہب اسلام اور مسیحیت کے درمیان قائم ہوگئے ہیں۔

۵ فروری ۱۹۷۶ء کے اجلاس میں کارڈنیل نے جو موجودہ پاپائے روم کے بعد ویٹیکن کی گدی کے امیدوار ہیں اور جو مسلمانوں کی تمام زبانیں روانی سے بول سکتے ہیں کہا "مسیحیت کے نام پر ہم ان الفاظ پر اظہار معذرت کرتے ہیں اور طالب عفو ہیں، جو رسول صلوٰۃ اللہ علیہ کی ذات مبارک میں کئے گئے ہیں"۔ لبنان کے لارڈ بشپ گریگوار حداد نے اختتامی جلسہ میں عیسائیوں کو یہ دعوت دیدی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کرلی جائے۔ اس کے لئے جناب گریگوار نے یہ الفاظ بطور تجویز دوہرائے "ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اللہ کے رسول اور تمام انسانیت کے لئے اللہ کے نبی ہیں"۔

کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف تو دنیا کی فضا کو خوشگوار بنانے کی کوشش ہو رہی ہے بگڑے ہوئے تعلقات کو استوار کرنے کی راہیں نکالی جا رہی ہیں دوسری طرف خوفناک تباہی اور شدید عناد کا مظاہرہ ہو رہا ہے جس ملک کا لارڈ بشپ ایسے مصالحانہ خیالات کا علم بردار ہو اُس ملک میں آگ و خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہو ایک طرف بگڑے ہوئے تعلقات

کو استوار کرنے کی سعی جاری ہو دوسری طرف قتل خونریزی۔ منافرت کا بازار گرم ہو۔ دنیا کس طرف جا رہی ہے کیا اسکے خاتمہ کے دن قریب آرہے ہیں اور یہ خوبصورت ہنستی کھیلتی دنیا مہلک قیامت خیز سائنسی ایجادات کا نشانہ بن کے رہے گی۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیّآت اعمالنا

ہم نہایت افسوس کے ساتھ اپنے ناظرین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ مدیر کی خرابی صحت اور وقف بورڈ کے انتظامیہ میں تغیرات کی وجہ سے مشیر اوقاف کی اشاعت کا سلسلہ غالباً قائم نہ رہ سکے۔ یہ رسالہ ضروری علم سے گراں بار نہ ہونے اور ہر طرح کفایت پیش رکھنے کے باوجود دراصل خسارہ میں چل رہا تھا۔ اور صرف اپنے بانی کی ہمّت افزائی و دلچسپی پر زندہ تھا۔ آئندہ کیا صورت ہوگی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال اگر خدا نخواستہ اس کی نوبت آگئی تو جو بھی رقم پسماندہ ہوگی وہ حصّہ رسد بذریعہ منی آرڈر بعد منہائی صرفہ ڈاک خریداران کی خدمت میں روانہ کر دی جائے گی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی کمی صرف اُس حلقہ میں افسوس کے ساتھ محسوس کی جائے گی جو پاکیزہ اور مفید مضامین کے قدردان ہیں۔ وہ حلقہ جو صرف اوقاف علی الخیر کی تو سیت حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے اسکی زباں بندی سے سکون محسوس کریگا۔

آئیے ہم وقف بورڈ کے ماضی قریب پر بھی ایک سرسری نظر ڈالتے چلیں۔ گیارہ سال سے عالیجناب شاہ غیاث عالم صاحب اس کے سکریٹری تھے اور ایک منتخب بورڈ کے ماتحت کام ہو رہا تھا۔ یکایک ۱۹۶۹ء کے انتخاب ممبران بورڈ کے بعد ایک بدعت اُٹھ کھڑی ہوئی انتخاب مذکور سے بے اطمینانی کی بنا پر تشکیل بورڈ کے خلاف رٹ فائل ہوگئی۔ بورڈ برسر کار نہ آسکا لہٰذا ضرورت ہوئی کہ کوئی متبادل نظام قائم کیا جائے۔ لہٰذا گورنمنٹ نے شاہ صاحب کو بورڈ کے اختیارات دے کر کنٹرولر وقف بورڈ بنا دیا اور سکریٹری کی جگہ کے لئے قرعۂ فال جناب سید رفیع الدین احمد رحمانی صاحب کے نام نکلا۔ موصوف نے یکم جنوری ۱۹۷۱ء کو اپنی جگہ کا چارج لے لیا۔

اظہارِ حقیقت سے کسی کی دل شکنی یا کسی دور کی نہ مذمت مقصود ہے نہ ستائش بے جا مگر اس امر واقعہ سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا کہ زمانۂ ماضی میں وقف بورڈ کی کارگزاری کا ایک محدود میدان تھا جس سے تجاوز کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ زمانہ بدل رہا تھا تمام ملک میں اصلاح و ترقی کی ایک لہر سی دوڑ رہی تھی۔ رحمانی صاحب کی ترقی پسند طبیعت پر اس فضا کا اثر ناگزیر تھا۔ لہٰذا موصوف نے وقف بورڈ کو گوشۂ گمنامی سے باہر لاکر دوسرے فعال اداروں کی صف میں لانے کی کامیاب کوشش کی اور وقف بورڈ کے فرائض میں اقتضائے وقت کے موافق اضافے کئے اور ایک ہمہ جہت اصلاحی پروگرام کا سلسلہ شروع کر دیا جس کی تفصیل سے واقفیت ان سالانہ رپورٹوں سے جو پابندی کیساتھ مرکزی حکومت کو بھیجی جاتی رہی ہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

اس ہمیشہ بدلتی ہوئی دنیا میں کسی ماحول میں تبدیلی کوئی انوکھی بات نہیں۔ بلکہ کسی میدان میں نئے دماغ کی توجہ سے نئے مفید اقدامات کی امیدیں ہمیشہ وابستہ رہی ہیں اور ہر نیا دَور ماضی کے تجربات کی روشنی میں ترقی کی منزل کی طرف نئے قدم اٹھا کر بہتر صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہم اگر ایک طرف بہ اقتضائے بشریت اپنے پُرانے حاکم کی جُدائی سے متاثر ہیں تو دوسری طرف ہم تمام نیک خواہشات کے ساتھ نئے دَور کا استقبال کرتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ مؤثر انتظام کے لئے سکریٹریٹ میں ایک علحدہ شعبۂ اوقاف قائم کر دیا گیا ہے جو ایک انڈر سکریٹری کے ماتحت زیر نگرانی چیف سکریٹری کام کرے گا۔ ہمارے موجودہ سکریٹری جناب رفیع الدین احمد صاحب رحمانی ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو رہے ہیں ان کی جگہ پر سنی وقف بورڈ نے سکریٹری جناب تاج الحق صاحب بی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ) ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو اپنا چارج سنبھال لیں گے۔

مطلعِ فاراں کی ایک جھلک

روشنی پردۂ تاریک میں پوشیدہ تھی　　خود ضیا چادرِ ظلمات میں خوابیدہ تھی
جو نظر شمس کی پڑتی تھی وہ دزدیدہ تھی　　ہر کرن تیرگیٔ دہر سے ترسیدہ تھی
ظلمت آباد جہاں نور سے بیگانہ تھا
ساری آبادی میں ویرانہ ہی ویرانہ تھا

مہ و خورشید تھے ہر چند درخشاں اب تک　　پر اندھیرا تھا جہاں بھر میں نمایاں اب تک
تابشیں رکھتے نہ تھے کاکلِ پیچاں اب تک　　زلفِ لیلائے جہاں میں نہ تھی افشاں اب تک
سر بسر محفلِ امکان میں ویرانی تھی
خود تجلّی کے شبستان میں تاریکی تھی

اپنی دنیا سے ہے خالق کو محبّت بے حد　　ہے گنہگار پہ اللہ کی رحمت بے حد
تھے نہاں تیرگی میں رازِ مشیّت بے حد　　صبح سے قبل ہوا کرتی ہے ظلمت بے حد
تھا مشیّت کا ارادہ کہ سویرا ہو جائے
اس لئے چاہتی تھی خوب اندھیرا ہو جائے

دہر پر لامعِ قدرت کو ترحّم آیا　　بارشِ نور سے دنیا میں تراکم آیا
یک بیک قلزمِ رحمت میں تلاطم آیا　　ظلمتیں دیکھ کے جلووں کو تبسّم آیا
مرتعش ہو کے تجلّی کی شعاعیں سمٹیں
اپنے مرکز کی طرف نور کی موجیں سمٹیں

خالقِ نور نے کی آپ فروزاں اک صبح　　ہو گئی مشرقِ رحمت سے نمایاں اک صبح
یعنی جھلکی افقِ نور سے تاباں اک صبح　　جگمگا اٹھی سرِ مطلعِ فاراں اک صبح
نورِ قندیلِ رسالت کا سہارا لے کر
آ گیا ختمِ نبوّت کا اجالا لے کر

از:- سید ابوالاعلیٰ مودودی:-

اِسْلام

وجہ تسمیہ

دنیا میں جتنے مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک کا نام یا تو کسی خاص شخص کے نام پر رکھا گیا ہے یا اس قوم کے نام پر جس میں مذہب پیدا ہوا۔ مثلاً عیسائیت کا نام اس لئے عیسائیت ہے کہ اس کی نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہے۔ بودھ مت کا نام اس لئے بودھ مت ہے کہ اس کے بانی مہاتما بدھ تھے۔ زردشتی مذہب کا نام اپنے بانی زردشت کے نام پر ہے۔ یہودی مذہب ایک خاص قبیلہ میں پیدا ہوا جس کا نام یہوداہ تھا۔ ایسا ہی حال دوسرے مذاہب کے ناموں کا بھی ہے۔ مگر اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی شخص یا قوم کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس کا نام ایک خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کسی ایک شخص کی ایجاد نہیں ہے۔ نہ کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے اس کو شخص یا ملک یا قوم سے کوئی علاقہ نہیں۔ صرف "اسلام" کی صفت لوگوں میں پیدا کرنا اس کا مقصد ہے۔ ہر زمانے اور ہر قوم کے جن سچے اور نیک لوگوں میں یہ صفت پائی گئی ہے وہ سب "مُسلم" تھے۔ "مسلم" ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔

لفظ اسْلام کے معنی

اسلام کے معنی عربی زبان میں اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔ مذہب اسلام کا نام "اسلام" اسلئے رکھا گیا کہ یہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔

اِسلام کی حقیقت

تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سب ایک قاعدہ اور قانون کی تابع ہیں۔ چاند اور تارے سب ایک زبردست قاعدے میں بندھے ہوئے ہیں جس کے خلاف وہ بال برابر جنبش نہیں کرسکتے۔ زمین اپنی خاص رفتار کے ساتھ گھوم رہی ہے اسکے لئے جو وقت اور رفتار اور راستہ مقرر کیا گیا ہے اس میں ذرا فرق نہیں آتا۔ پانی اور ہوا، روشنی اور حرارت، سب ایک ضابطے کے پابند ہیں۔ جمادات و نباتات اور حیوانات میں ہر ایک کے لئے جو قانون مقرر ہے اسی کے مطابق یہ سب پیدا ہوتے ہیں، بڑھتے ہیں اور گھٹتے ہیں، جیتے ہیں اور مرتے ہیں۔ خود انسان کی حالت پر بھی تم غور کروگے تو تم کو معلوم ہوگا کہ وہ بھی قانونِ قدرت کا تابع ہے۔ جو قاعدہ اس کی پیدائش کے لئے مقرر کیا گیا ہے اسی کے مطابق سانس لیتا ہے پانی اور غذا اور حرارت اور روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس کے دل کی حرکت، اس کے خون کی گردش، اس کے سانس کی آمد و رفت اسی ضابطے کی پابند ہے۔ اس کا دماغ، اس کا معدہ، اس کے پھیپھڑے، اس کے اعصاب و عضلات، اسکے ہاتھ پاؤں، زبان، آنکھیں، کان اور ناک، غرض اس کے جسم کا ایک ایک حصہ وہی کام کر رہا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے

اور اسی طریقہ پر کر رہا ہے جو اس کو بتا دیا گیا ہے۔

یہ ایک زبردست قانون جس کی بندش میں بڑے بڑے سیاروں سے لے کر زمین کا ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ تک جکڑا ہوا ہے ایک بڑے حاکم کا بنایا ہوا قانون ہے۔ ساری کائنات اور کائنات کی ہر چیز اس حاکم کی مطیع اور فرمانبردار ہے، کیونکہ وہ اسی کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت و فرماں برداری کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے ساری کائنات کا مذہب اسلام ہے۔ کیونکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اسلام کہتے ہیں۔ سورج، چاند اور تارے سب مسلم ہیں۔ زمین بھی مسلم ہے، ہوا اور پانی اور روشنی بھی مسلم ہیں۔ درخت اور پتھر اور جانور بھی مسلم ہیں اور وہ انسان بھی جو خدا کو نہیں پہچانتا اور خدا کا انکار کرتا ہے، جو خدا کے سوا دوسروں کو پوجتا ہے، جو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے، ہاں وہ بھی اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے مسلم ہی ہے۔ کیونکہ اس کا پیدا ہونا، زندہ رہنا اور مرنا سب کچھ خدائی قانون ہی کے ماتحت ہے۔ اس کے تمام اعضاء اور اس کے جسم کے ایک ایک رونگٹے کا مذہب اسلام ہے۔ کیونکہ وہ سب خدائی قانون کے مطابق بنتے اور بڑھتے اور حرکت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی وہ زبان بھی اصل میں مسلم ہے جس سے وہ نادانی کے ساتھ شرک اور کفر کے خیالات ظاہر کرتا ہے۔ اس کا وہ سر بھی پیدائشی مسلم ہے جس کو وہ زبردستی خدا کے سوا دوسروں کے سامنے جھکاتا ہے۔ اس کا وہ دل بھی فطرتاً مسلم ہے جس میں وہ بے علمی کی وجہ سے خدا کے سوا دوسروں کی عزت اور محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں خدائی قانون کی فرمانبردار ہیں اور ان کی ہر جنبش خدا ہی کے قانون کے ماتحت ہوتی ہے۔

اب ایک دوسرے پہلو سے دیکھو:۔

انسان کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوقات کی طرح قانونِ قدرت کے زبردست قاعدوں سے جکڑا ہوا ہے اور ان کی پابندی پر مجبور ہے۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ عقل رکھتا ہے سوچنے اور سمجھنے اور رائے قائم کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اور اپنے اختیار سے ایک بات کو مانتا ہے۔ دوسری بات کو نہیں مانتا ایک طریقہ کو پسند کرتا ہے، دوسرے طریقہ کو پسند نہیں کرتا۔ زندگی کے معاملات میں اپنے ارادے سے خود ایک ضابطہ بناتا ہے۔ یا دوسروں کے بنائے ہوئے ضابطہ کو اختیار کرتا ہے۔ اس حیثیت میں وہ دنیا کی دوسری چیزوں کے مانند کسی مقرر قانون کا پابند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کو اپنے خیال، اپنی رائے اور عمل میں انتخاب کی آزادی بخشی گئی ہے۔

انسان کی زندگی میں یہ دو حیثیتیں الگ الگ پائی جاتی ہیں:۔

پہلی حیثیت میں، وہ دنیا کی تمام دوسری چیزوں کے ساتھ پیدائشی مسلم ہے۔ اور مسلم ہونے پر مجبور ہے جیسا کہ ابھی تم کو معلوم ہو چکا ہے۔

دوسری حیثیت میں مسلم ہونا یا نہ ہونا اس کے اختیار میں ہے اور اسی اختیار کی بنا پر انسان دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

ایک، انسان وہ ہے جو اپنے خالق کو پہچانتا ہے۔ اس کو اپنا آقا اور مالک تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے اختیاری کاموں میں بھی اس کے پسند کئے ہوئے قانون کی فرمانبرداری کرتا ہے یہ پورا مسلم ہے، اس کا اسلام مکمل ہو گیا کیونکہ اب اس کی زندگی سراسر اسلام ہے۔ اب وہ جان بوجھ کر بھی اسی کا فرمانبردار بن گیا جس کی فرمانبرداری بغیر جانے بوجھے کر رہا تھا۔ اب وہ اپنے ارادے سے بھی اسی خدا کا مطیع ہے جس کا مطیع وہ بلا ارادہ تھا۔ اب اس کا علم سچا ہے کیونکہ وہ اس خدا کو جان گیا جس نے اس کو جاننے اور علم حاصل کرنے کی قوت دی ہے۔ اب اس کی عقل اور اس کی رائے درست ہے کیونکہ اس نے سوچ سمجھ کر اس خدا کی اطاعت کا فیصلہ کیا جس نے

اسے سوچنے سمجھنے اور رائے قائم کرنے کی قابلیت بخشی ہے۔ اب اس کی زبان صادق ہے، کیونکہ وہ اسی خدا کا اقرار کر رہی ہے جس نے اس کو بولنے کی قوت عطا کی ہے۔ اب اسکی ساری زندگی میں راستی ہی راستی ہے۔ کیونکہ وہ اختیار و بے اختیاری دونوں حالتوں میں خدا کے قانون کا پابند ہے۔ اب ساری کائنات سے اس کی آشتی ہو گئی۔ کیونکہ کائنات کی ساری چیزیں جس کی بندگی کر رہی ہیں اسی کی بندگی وہ بھی کر رہا ہے۔ اب وہ زمین پر خدا کا خلیفہ نائب ہے۔ ساری دنیا اس کی ہے، اور وہ خدا کا ہے۔

کفر کی حقیقت

اس کے مقابلہ میں دوسرا انسان وہ ہے جو مسلم پیدا ہوا اور اپنی زندگی بھر بے جانے بوجھے مسلم ہی رہا۔ مگر اپنے علم اور عقل کی قوت سے کام لے کر اس نے خدا کو نہ پہچانا۔ اور اپنے اختیار کی حد میں اس نے خدا کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شخص کافر ہے۔ کفر کے اصلی معنی چھپانے اور پردہ ڈالنے کے ہیں۔ ایسے شخص کو کافر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی فطرت پر نادانی کا پردہ ڈال رکھا ہے، وہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوا ہے۔ اس کا سارا جسم اور جسم کا ہر حصہ اسلام کی فطرت پر کام کر رہا ہے۔ اس کے گرد و پیش ساری دنیا اسلام پر چل رہی ہے۔ مگر اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ تمام دنیا کی اور خود اپنی فطرت اس سے چھپ گئی ہے۔ وہ اس کے خلاف سوچتا ہے۔ اسکے خلاف چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جو شخص کافر ہے وہ کتنی بڑی گمراہی میں مبتلا ہے۔

کفر کے نقصانات

کفر ایک جہالت ہے۔ بلکہ اصلی جہالت کفر ہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا جہالت ہو سکتی ہے کہ انسان خدا سے ناواقف ہو۔ ایک شخص کائنات کے اتنے بڑے کارخانے کو رات دن چلتے ہوئے دیکھتا ہے۔ مگر نہیں جانتا کہ اس کارخانے کو بنانے اور چلانے والا کون ہے۔ وہ کون کاریگر ہے جس نے کوئلے اور لوہے اور کیلسیم اور سوڈیم اور ایسی ہی چند چیزوں کو ملا کر انسان جیسی لاجواب مخلوق پیدا کر دی ہے۔ ایک شخص دنیا میں ہر طرف ایسی چیزیں اور ایسے کام کرتا ہے جنمیں انجینیری، ریاضی دانی، کیمیا دانی اور ساری دانائیوں کے کمالات نظر آتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ وہ علم اور حکمت اور دانش والی ہستی کونسی ہے جس نے کائنات میں یہ سارے کام انجام دیے ہیں، سوچو اور غور کرو، ایسے شخص کے لئے صحیح علم کے دروازے کیسے کھل سکتے ہیں۔ جس کو علم کا پہلا سرا ہی نہ ملا ہو وہ خواہ کتنا ہی غور و فکر کرے اور کتنی ہی تلاش و تجسّس میں سر کھپائے اس کو کسی شعبے میں علم کا سیدھا اور یقینی راستہ نہ ملے گا۔ کیونکہ اس کو شروع میں بھی جہالت کا اندھیرا نظر آئے گا اور آخر میں بھی وہ اندھیرے کے سوا کچھ نہ دیکھے گا۔ کفر ایک ظلم ہے بلکہ سب سے بڑا ظلم کفر ہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ ظلم کسے کہتے ہیں؟ ظلم یہ ہے کہ کسی چیز سے اس کی طبیعت اور فطرت کے خلاف زبردستی کام لیا جائے۔ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کی تابعِ فرمان ہیں۔ اور ان کی فطرت ہی "اسلام" یعنی قانونِ خداوندی کی اطاعت ہے۔ خود انسان کا پورا جسم اور اس کا ہر حصہ اسی فطرت پر پیدا ہوا ہے۔ خدا نے ان چیزوں پر انسان کو حکومت کرنے کا تھوڑا سا اختیار تو ضرور دیا ہے مگر ہر چیز کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ اُس سے خدا کی مرضی کے مطابق کام لیا جائے۔ لیکن جو شخص کفر کرتا ہے وہ ان سب چیزوں سے ان کی فطرت کے خلاف کام لیتا ہے۔ وہ اپنے دل میں دوسروں کی بزرگی اور محبت اور خوف کے بُت بٹھاتا ہے۔ حالانکہ دل کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ اس میں خدا کی بزرگی اور محبت اور خوف ہو۔ وہ اپنے تمام اعضاء سے اور دنیا کی ان سب چیزوں سے جو اس کے اختیار میں ہیں خدا کی مرضی کے خلاف کام لیتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز کی طبیعت یہ چاہتی ہے کہ اس سے قانونِ خداوندی

کے مطابق کام لیا جائے، بتاؤ، ایسے شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اپنی زندگی میں ہر وقت ہر چیز پر حتیٰ کہ خود اپنے وجود پر بھی ظلم کرتا رہے۔

کفر صرف ظلم ہی نہیں، بغاوت اور ناشکری اور نمک حرامی بھی ہے۔ ذرا غور کرو، انسان کے پاس خود اپنی کیا چیز ہے؟ اپنے دماغ کو اس نے پیدا کیا ہے یا خدا نے؟ اپنے دل، اپنی آنکھوں اور اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنے تمام اعضاء کا وہ خود خالق ہے یا خدا؟ اس کے گرد و پیش جتنی چیزیں ہیں ان کو پیدا کرنے والا خود انسان ہے یا خدا؟ ان سب چیزوں کو انسان کے لئے مفید اور کارآمد بنانا اور انسان کو انکے استعمال کی قوت دینا انسان کا اپنا کام ہے یا خدا کا؟ تم کہوگے یہ سب چیزیں خدا کی ہیں۔ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ خدا ہی ان کا مالک ہے۔ اور خدا ہی کی بخشش سے یہ انسان کو حاصل ہوئی ہیں جب اصل حقیقت یہ ہے تو اس سے بڑا باغی کون ہوگا جو خدا کے دیئے ہوئے دماغ سے خدا ہی کے خلاف سوچنے کی خدمت لے؟ خدا کے بخشے ہوئے دل میں خدا ہی کے خلاف خیالات رکھے؟ خدا نے جو آنکھیں، زبان، جو ہاتھ پاؤں اور جو دوسری چیزیں اس کو عطا کی ہیں ان کو خدا ہی کی پسند اور اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرے؟ اگر کوئی ملازم اپنے آقا کا نمک کھا کر اس سے بے وفائی کرتا ہے تو تم اس کو نمک حرام کہتے ہو اگر کوئی سرکاری افسر حکومت کے دیئے ہوئے اختیارات کو خود حکومت ہی کے خلاف استعمال کرتا ہے تو تم اُسے باغی کہتے ہو۔ اگر کوئی اپنے محسن سے دغا کرتا ہے تو تم اسے احسان فراموش کہتے ہو۔ لیکن انسان کے مقابلہ میں انسان کی نمک حرامی، غدّاری اور احسان فراموشی کی کیا حقیقت ہے؟ انسان، انسان کو کہاں سے رزق دیتا ہے؟ وہ خدا کا دیا ہوا رزق ہی تو ہے۔ حکومت اپنے ملازموں کو جو اختیار دیتی ہے وہ کہاں سے آئے ہیں؟ خدا ہی نے تو اس کو فرمانروائی کی طاقت دی ہے

کوئی احسان کرنے والا دوسرے شخص پر کہاں سے احسان کرتا ہے۔ سب کچھ خدا ہی کا تو بخشا ہوا ہے۔ انسان پر سب سے بڑا حق اس کے ماں اور باپ کا ہے مگر ماں اور باپ کے دل میں اولاد کے لئے محبت کس نے پیدا کی؟ ماں کے سینے میں دودھ کس نے اتارا؟ باپ کے دل میں یہ بات کس نے ڈالی کہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی گوشت پوست کے ایک بیکار لوتھڑے پر خوشی خوشی لٹا دے اور اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں اپنا وقت، اپنی دولت، اپنی آسائش سب کچھ قربان کر دے؟ اب بتاؤ کہ جو خدا انسان کا اصلی محسن ہے، حقیقی بادشاہ ہے، سب سے بڑا پروردگار ہے اگر اسی کے ساتھ انسان کفر کرے، اُس کو خدا نہ مانے، اُس کی بندگی سے انکار کرے اور اُس کی اطاعت سے منہ موڑے تو یہ کیسی سخت بغاوت ہے۔ کتنی بڑی احسان فراموشی اور نمک حرامی ہے۔

کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ کفر سے انسان خدا کا کچھ بگاڑتا ہے۔ جس بادشاہ کی سلطنت اتنی بڑی ہے کہ ہم بڑی سے بڑی دوربین لگا کر بھی اب تک یہ معلوم نہ کر سکے کہ وہ کہاں سے شروع ہوئی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔ جس بادشاہ کی طاقت اتنی بڑی ہے کہ ہماری زمین اور سورج اور مریخ اور ایسے ہی کروڑوں ستارے اس کے اشاروں پر گیند کی طرح پھر رہے ہیں۔ جس بادشاہ کی دولت ایسی بے پایاں ہے کہ ساری کائنات میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے، اس میں کوئی حصہ دار نہیں۔ جو بادشاہ ایسا بے نیاز ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، بھلا انسان کی کیا ہستی ہے کہ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے ایسے بادشاہ کو کوئی نقصان ہو اس سے کفر اور سرکشی اختیار کرکے انسان اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑتا البتہ خود اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔

کفر اور نافرمانی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ کے لئے ناکام و نامراد ہو جائے۔ ایسے شخص کو علم کا سیدھا راستہ کبھی نہ مل سکے گا۔ کیونکہ جو علم خود اپنے خالق کو نہ جانے وہ کس

چیز کو صحیح جان سکتا ہے۔ اس کی عقل ہمیشہ ٹیڑھے راستہ پر چلے گی۔ کیونکہ جو عقل خود اپنے بنانے والے کے پہچاننے میں غلطی کرے وہ اور کس چیز کو صحیح سمجھ سکتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے سارے معاملات میں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھائے گا۔ اس کے اخلاق خراب ہوں گے۔ اس کا تمدن خراب ہوگا۔ اس کی معاشرت خراب ہوگی۔ اس کی معیشت خراب ہوگی۔ اس کی حکومت خراب ہوگی۔ وہ دنیا میں بدامنی پھیلائے گا کشت و خون کرے گا۔ دوسروں کے حقوق چھینے گا۔ ظلم و ستم کرے گا۔ خود اپنی زندگی کو اپنے برُے خیالات اور اپنی شرارت اور بداعمالی سے اپنے لئے تلخ کرے گا۔ پھر جب وہ اس دنیا سے گزر کر آخرت کے عالم میں پہونچے گا تو وہ سب چیزیں جن پر وہ تمام عمر ظلم کرتا رہا تھا، اس کے خلاف نالش کریں گی۔ اس کا دماغ، اس کا دل، اس کی آنکھیں۔ اس کے کان اس کے ہاتھ پاؤں، غرض اس کا رونگٹا رونگٹا خدا کی عدالت میں اس کے خلاف استغاثہ کرے گا کہ اس ظالم نے تیرے خلاف بغاوت کی اور اس بغاوت میں ہم سے زبردستی کام لیا۔ وہ زمین جس پر وہ نافرمانی کے ساتھ چلا اور بسا۔ وہ رزق جس کو اس نے ناجائز طریقوں سے کمایا، اور وہ دولت جو حرام سے آئی اور حرام پر خرچ کی گئی وہ سب چیزیں جن پر اس نے باغی بن کر غاصبانہ تصرف کیا۔ وہ سب آلات و اسباب جن سے اس نے اس بغاوت میں کام لیا۔ اس کے مقابلہ میں فریادی بن کر آئیں گے اور خدا جو حقیقی منصف ہے ان مظلوموں کی دادرسی میں اس باغی کو ذلت کی سزا دے گا۔

اسلام کے فائدے

یہ ہیں کفر کے نقصانات۔ آؤ اب ایک نظر یہ بھی دیکھو کہ اسلام کا طریقہ اختیار کرنے میں کیا فائدہ ہے۔ اوپر تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس جہان میں ہر طرف خدا کی خدائی کے نشانات پھیلے ہوئے ہیں۔ کائنات کا یہ عظیم الشان کارخانہ جو ایک مکمل نظام اور ایک اٹل قانون کے تحت چل رہا ہے خود اس بات پر گواہ ہے

کہ اس کا بنانے والا اور چلانے والا ایک زبردست فرمانروا ہے جس کی حکومت سے کوئی چیز سرتابی نہیں کر سکتی۔ تمام کائنات کی طرح خود انسان کی فطرت بھی یہی ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔ چنانچہ بے سمجھے وہ رات دن اس کی اطاعت کر ہی رہا ہے کیونکہ اس کے قانون قدرت کی خلاف ورزی کر کے وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

لیکن خدا نے انسان کو علم کی قابلیت، سوچنے اور سمجھنے کی قوت اور نیک و بد کی تمیز دے کر ارادے اور اختیار میں تھوڑی سی آزادی بخش دی ہے۔ اس آزادی میں دراصل انسان کا امتحان ہے، اس کی تمیز کا امتحان ہے، اور اس بات کا امتحان ہے کہ اسے جو آزادی عطا کی گئی ہے اس کو وہ کس طرح استعمال کرتا ہے اور اس امتحان میں کوئی ایک طریقہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ مجبور کرنے سے امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ امتحان میں سوالات کا پرچہ دینے کے بعد اگر تم کو ایک خاص جواب دینے پر مجبور کر دیا جائے تو ایسے امتحان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تمہاری اصل قابلیت تو اسی وقت کھلے گی جب تم کو ہر قسم کا جواب دینے کا اختیار حاصل ہو۔ اگر تم نے صحیح جواب دیا تو کامیاب ہوگے اور آئندہ ترقیوں کا دروازہ تمہارے لئے کھل جائیگا۔ اور اگر غلط جواب دیا تو ناکام ہوگے اور اپنی ناقابلیت سے خود ہی اپنی ترقی کا راستہ روک دوگے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے امتحان میں انسان کو آزاد رکھا ہے کہ جو طریقہ چاہے اختیار کرے۔

اب ایک شخص تو وہ ہے جو خود اپنی اور کائنات کی فطرت کو نہیں سمجھتا، اپنے خالق کی ذات و صفات کو پہچاننے میں غلطی کرتا ہے۔ اور اختیار کی جو آزادی اسے دی گئی ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر نافرمانی اور سرکشی کا طریقہ اختیار کرتا ہے یہ شخص علم اور عقل اور تمیز اور فرض شناسی کے امتحان میں ناکام ہو گیا۔ اس نے خود ثابت کر دیا کہ وہ ہر حیثیت سے

ادنیٰ درجہ کا آدمی ہے۔ لہٰذا اس کا وہی انجام ہونا چاہیئے جو تم نے اوپر دیکھ لیا۔

اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ہے جو اس امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے علم وعقل سے صحیح کام لے کر خدا کو جانا اور مانا۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا اس نے نیک و بد کی تمیز میں بھی غلطی نہ کی اور اپنے آزاد انتخاب سے نیکی ہی کو پسند کیا۔ حالانکہ وہ بدی کی طرف بھی مائل ہونے کا اختیار رکھتا تھا۔ اس نے اپنی فطرت کو سمجھا، اپنے خدا کو پہچانا اور نافرمانی کا اختیار رکھنے کے باوجود خدا کی فرمانبرداری ہی اختیار کی۔ اس شخص کو امتحان میں اسی وجہ سے تو کامیابی نصیب ہوئی کہ اس نے اپنی عقل سے ٹھیک کام لیا۔ آنکھوں سے ٹھیک دیکھا، کانوں سے ٹھیک سنا، دماغ سے ٹھیک رائے قائم کی، اور دل سے اسی بات کی پیروی کا فیصلہ کیا جو ٹھیک تھی۔ اس نے حق کو پہچان کر یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ حق شناس ہے اور حق کے آگے سر جھکا کر یہ بھی دکھا دیا کہ وہ حق پرست ہے۔

ظاہر ہے کہ جس شخص میں یہ صفات موجود ہوں، اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہونا ہی چاہیئے۔

وہ علم اور عمل کے میدان میں صحیح راستہ اختیار کریگا اسلئے کہ جو شخص ذاتِ خداوندی سے واقف ہے اور اس کی صفات کو پہچانتا ہے، وہ دراصل علم کی ابتدا کو بھی جانتا ہے اور اس کی انتہا کو بھی ایسا شخص کبھی غلط راستوں میں بھٹک نہیں سکتا۔ اس کا پہلا قدم بھی صحیح پڑا ہے، اور جس آخری منزل پر اسے جانا ہے اس کو بھی وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے۔ اب وہ فلسفیانہ غور وخوض سے کائنات کے اسرار سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ مگر ایک کافر فلسفی کی طرح کبھی شکوک وشبہات کی بھول بھلیوں میں گم نہ ہوگا۔ وہ سائنس کے ذریعہ سے قدرت کے قوانین کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔ کائنات کے چھپے ہوئے خزانوں کو نکالے گا۔ خدا نے جو قوتیں دنیا میں اور خود انسانوں کے وجود میں پیدا کی ہیں، ان سب کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر معلوم کرے گا۔ زمین وآسمان میں جتنی چیزیں ہیں ان سب سے کام لینے کے بہتر سے بہتر طریقے دریافت کرے گا۔ مگر خداشناسی ہر موقع پر اس کو سائنس کا غلط استعمال کرنے سے روکے گی۔ وہ کبھی اس غلط فہمی میں نہ پڑے گا کہ میں ان چیزوں کا مالک ہوں، میں نے فطرت پر فتح پالی ہے۔ میں اپنے نفع کے لئے سائنس سے مدد لوں گا۔ دنیا کو زیر وزبر کردونگا۔ لوٹ مار اور کشت وخون کرکے اپنی طاقت کا سکہ سارے جہان میں بٹھا دوں گا۔ یہ ایک کافر سائنٹسٹ کا کام ہے مسلم سائنٹسٹ جتنا زیادہ سائنس پر عبور حاصل کریگا اتنا ہی زیادہ خدا پر اس کا یقین بڑھے گا۔ اور اتنا ہی زیادہ وہ خدا کا شکر گزار بندہ بنے گا۔ اس کا عقیدہ یہ ہوگا کہ میرے مالک نے میری قوت اور میرے علم میں جو اضافہ کیا ہے اس سے میں اپنی اور تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ اور یہی اس کا صحیح شکریہ ہے۔

اسی طرح تاریخ، معاشیات، سیاسیات، قانون، اور دوسرے علوم وفنون میں بھی ایک مسلم اپنی تحقیق اور جدوجہد کے لحاظ سے ایک کافر کے مقابلہ میں کم نہ رہے گا مگر دونوں کی نظر میں بڑا فرق ہے۔ مسلم ہر علم کا مطالعہ صحیح نظر سے کرے گا۔ صحیح مقصد کے لئے کرے گا، اور صحیح نتیجہ پر پہونچے گا۔ تاریخ میں وہ انسان کے گذشتہ تجربوں سے ٹھیک ٹھیک سبق لے گا۔ قوموں کی ترقی وتنزل کے صحیح اسباب معلوم کریگا ان کی تہذیب وتمدن کی مفید چیزیں دریافت کرے گا، ان کے نیک دل لوگوں کے حالات سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور ان تمام چیزوں سے بچے گا جن کی بدولت پچھلی قومیں تباہ ہوگئیں۔ معاشیات میں دولت کمانے اور خرچ کرنے کے ایسے طریقے معلوم کرے گا جن سے تمام انسانوں کا بھلا ہو، نہ یہ کہ ایک کا فائدہ اور بہتوں کا نقصان ہو۔ سیاسیات میں اس کی تمام توجہ اس طرف صرف ہوگی کہ دنیا میں امن، عدل اور انصاف اور نیکی وشرافت کی حکومت ہو، کوئی شخص یا کوئی جماعت خدا کے

بندوں کو اپنا بندہ نہ بنائے۔ حکومت اور اس کی تمام طاقتوں کو خدا کی امانت سمجھا جائے اور بندگانِ خدا کی بہتری کے لئے استعمال کیا جائے۔ قانون میں وہ اس نظر سے غور کرے گا کہ عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کے حقوق مقرر کئے جائیں اور کسی صورت سے کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔

مسلم کے اخلاق میں خدا ترسی، حق شناسی اور راستبازی ہوگی۔ وہ دنیا میں یہ سمجھ کر رہے گا کہ سب چیزوں کا مالک خدا ہے۔ میرے پاس اور سب انسانوں کے پاس جو کچھ ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔ میں کسی کا حتیٰ کہ خود اپنے جسم اور جسمانی قوتوں کا بھی مالک نہیں ہوں، سب کچھ خدا کی امانت ہے اور اس امانت میں تصرف کرنے کا جو اختیار مجھ کو دیا گیا ہے اس کو خدا ہی کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیئے۔ ایک دن خدا مجھ سے اپنی یہ امانت واپس لے گا۔ اور اس وقت مجھ کو ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوگا۔

یہ سمجھ کر جو شخص دنیا میں رہے اس کے اخلاق کا اندازہ کرو۔ وہ اپنے دل کو بُرے خیالات سے پاک رکھے گا وہ اپنے دماغ کو بُرائی کی فکر سے بچائے گا۔ وہ اپنی آنکھوں کو بُری نگاہ سے روکے گا۔ وہ اپنے کانوں کو بُرائی سننے سے باز رکھے گا، وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے گا تاکہ اس سے حق کے خلاف کوئی بات نہ نکلے۔ وہ اپنے پیٹ کو حرام کے رزق سے بھرنے کے بجائے بھوکا رہنا زیادہ پسند کرے گا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو ظلم کے لئے کبھی نہ اٹھائے گا۔ وہ اپنے پاؤں کو بُرائی کے راستے پر کبھی نہ چلائے گا۔ وہ اپنے سر کو باطل کے سامنے کبھی نہ جھکائے گا، خواہ وہ کاٹ ہی کیوں نہ ڈالا جائے۔ وہ اپنی کسی خواہش اور کسی ضرورت کو ظلم اور ناحق کے راستے پر کبھی نہ پورا کرے گا۔ وہ نیکی اور شرافت کا مجسمہ ہوگا۔ حق اور صداقت کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھے گا۔ اور اس کے لئے اپنی ذات کے ہر فائدے اور اپنے دل کی ہر خواہش کو بلکہ اپنی ذات کو بھی قربان کر دے گا۔ وہ ظلم اور ناراستی کو ہر چیز سے زیادہ ناپسند کرے گا۔ اور کسی نقصان کے خوف سے یا کسی فائدے کے لالچ میں اس کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوگا۔ دنیا کی کامیابی بھی ایسے شخص کا حصّہ ہے۔

اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی معزز اور شریف نہ ہوگا کیونکہ اس کا سر خدا کے سوا کسی کے سامنے جھکنے والا نہیں، اور اس کا ہاتھ خدا کے سوا کسی کے آگے پھیلنے والا نہیں۔ ذلت ایسے شخص کے پاس کیونکر پھٹک سکتی ہے۔

اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی طاقتور بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اسکے دل میں خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں اور اس کو خدا کے سوا کسی سے بخشش اور انعام کا لالچ بھی نہیں۔ کون سی طاقت ہے جو ایسے شخص کو حق اور راستی سے ہٹا سکتی ہو اور کون سی دولت ہے جو اس کا ایمان خرید سکتی ہو۔

اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی غنی اور دولتمند بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ عیش پرست نہیں۔ خواہشاتِ نفس کا بندہ نہیں۔ حریص اور لالچی نہیں۔ اپنی جائز محنت سے جو کچھ کماتا ہے اسی پر قناعت کرتا ہے اور ناجائز دولت کے ڈھیر بھی اگر اس کے سامنے لگا دیے جائیں تو ان کو حقارت سے ٹھکرا دے گا۔ یہ اطمینان کی دولت ہے جس سے بڑی کوئی دولت انسان کے لئے نہیں ہو سکتی۔

اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی محبوب اور ہر دلعزیز بھی نہ ہوگا، کیونکہ وہ ہر شخص کا حق ادا کرے گا اور کسی کا حق نہ مارے گا۔ ہر شخص سے نیکی کرے گا اور کسی کے ساتھ بُرائی نہ کرے گا۔ بلکہ ہر شخص کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گا اور اس کے بدلے میں اپنے لئے کچھ نہ چاہے گا۔ لوگوں کے دل آپ سے آپ اس کی طرف کھنچیں گے۔ اور ہر شخص اس کی عزت اور محبت کرنے پر مجبور ہوگا۔

اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی کا اعتبار بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ امانت میں خیانت نہ کرے گا۔ صداقت سے منہ نہ موڑے گا۔ وعدہ کا سچا اور معاملہ کا کھرا ہوگا۔ اور ہر کام میں یہ سمجھ کر دیانتداری برتے گا کہ کوئی اور دیکھنے والا ہو یا نہ ہو مگر

خدا تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ایسے شخص کی ساکھ کا کیا پوچھنا، کون ہے جو اس پر بھروسہ نہ کرے گا؟

ایک مسلم کی سیرت کو اچھی طرح سمجھ لو تو تم کو یقین آجائے گا کہ مسلم کبھی دنیا میں ذلیل اور محکوم اور مغلوب بن کر نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمیشہ غالب اور حاکم ہی رہے گا۔ کیونکہ اسلام جو صفات اس میں پیدا کرتا ہے اس پر کوئی قوت غالب نہیں آسکتی۔

اس طرح دنیا میں عزت اور بزرگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہوگا تو اس پر خدا اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی بارش کرے گا۔ کیونکہ جو امانت اس کے سپرد کی گئی تھی اُس کا پورا پورا حق اُس نے ادا کر دیا۔ اور جس امتحان میں خدا نے اُس کو ڈالا تھا اُس میں وہ پورے پورے نمبروں کے ساتھ کامیاب ہوا۔ یہ ابدی کامیابی ہے جو دنیا سے لے کر آخرت تک مسلسل چلی جاتی ہے اور کہیں اس کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

یہ اسلام ہے انسان کا فطری مذہب۔ یہ کسی قوم اور ملک کے ساتھ خاص نہیں۔ ہر زمانے اور ہر قوم اور ہر ملک میں جو خدا شناس اور حق پسند لوگ گذرے ہیں ان سب کا یہی مذہب تھا۔ وہ سب مسلم تھے، خواہ ان کی زبان میں اس مذہب کا نام اسلام ہو یا کچھ اور۔

خود نظر کشتا ز تہی دامنی مرنج

در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

آرزوئے مدینہ

فرحت بی، اے بھدوہی

آرزو ہے کہ مدینے میں ہم آتے جاتے
حالِ دل سرورِ عالم کو سناتے جاتے

روضۂ پاک کے سایے میں کبھی دم لیتے
آبِ زمزم سے کبھی پیاس بجھاتے جاتے

یا الٰہی مرا مدفن ہو بقیعہ کے قریب
روح نکلے مری طیبہ میں بس آتے جاتے

ہم کو قسمت جو مدینے کی طرف لے جاتی
خارِ طیبہ کو ہم آنکھوں سے لگاتے جاتے

یا الٰہی کبھی وہ دن بھی میسّر ہوتا
دیکھتے روضۂ محبوب کو آتے جاتے

حشر فرحتِ خستہ کو بلا لو حضرت
اے صبا کہنا مدینے میں یہ آتے جاتے

(غیر مطبوعہ)

از غلام نبی متعلم جامعہ اشرفیہ بہرائچ

"مندرجہ ذیل تقریر درگاہ بہرائچ پر عرس کے موقعہ پر مقابلہ تقاریر میں ایک بچہ نے پیش کی جس کو اول درجہ کا انعام ملا"

ہمارے رسول ؐ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔
اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

وہ آئے جن کے آنے کی زمانے کو ضرورت تھی ۔ وہ آئے جن کے آنے کے لئے بے چین فطرت تھی
انبیاء اور بھی آئے [illegible] ۔ وہ تھے قوموں کے لئے تم ہو زمانے کے لئے
فلک پر ہم نے ڈھونڈھا اور ڈھونڈھا جن و انساں میں ۔ مثال احمد مرسل نہ پایا بزم امکاں میں

حضرات! خدا کی محبت کا اصل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے جو عملی نقشہ کھینچا ہے ان پر عمل کیا جائے لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سب کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور آپ کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کا اصل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں کتاب، اور سنت کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعے ہم تک پہونچے ہیں اور سنت جس کے لغوی معنی راستے کے ہیں وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام علیہ السلام خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے۔ یعنی آپ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے۔ الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سنت نبوی ہے

حضرات! ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ احساس سے متاثر ہوتے ہیں ہم کبھی راضی ہیں اور کبھی ناراض، کبھی خوش ہیں، کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دو چار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالا مال۔ کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب۔ ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہیں جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے۔ ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے وہ کہاں مل سکتی ہے صرف مصطفیٰ کے دامن میں۔ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم اور آپ کی عطا و رحمت سے ایک عالم کی پرورش ہو رہی ہے اور اس باغ عالم کی وجہ بقا حضور ہی کی ذات گرامی ہے۔ اور آپ ہی کی خاطر اور آپ ہی کے نور سے کائنات کو پیدا کیا گیا۔

ع وہی نور حق وہی ظل رب
ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں
کہ زمیں نہیں کہ زمانہ نہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "انا من نور اللہ وکل الخلائق من نوری" میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری کائنات میرے نور سے۔ تو گویا ذرہ ذرہ کائنات میں ضیاء المصطفےٰ کا جلوہ موجود ہر دور دنیا کے گوشے گوشے میں ضیاء المصطفےٰ کی جھلک پائی جاتی ہے

کیا شان احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

خداوند کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے قرآن کریم میں فرمایا "وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا" دوسری جگہ ارشاد فرمایا "قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین" بتحقیق کہ تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آیا اور ایک روشن کتاب، ان آیات میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ روشن اور نور فرمایا گیا ہے۔ دنیا میں کفر و شرک، بے دینی و ضلالت کی تاریکی چھا گئی تھی کہ نور مصطفےٰ نے ان ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا

تاریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
آپ سے بیشک ہوا ٹھنڈا کلیجہ نور کا

عدو نور اس میں شک نہیں کہ چور ہمیشہ چراغ و نور کا دشمن ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ چراغ و نور کا وجود رہے اس لئے کہ وہ روشنی میں وہ اپنا کام نہیں کر سکتا، لوٹ نہیں سکتا۔ اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ چراغ بجھ جائے، روشنی نہ رہے تاکہ وہ اپنا کام بآسانی کر سکے۔ اسی واسطے سارقان متاع ایمانی و دشمنان نور رحمانی نے ابتدا ہی سے یہ کوشش جاری رکھی کہ یہ نور بجھ جائے مگر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواہہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون" دشمنان نور چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اس نور کو پورا فرمانے والا ہے اگرچہ ان کافروں کو برا لگے۔ خدا نے اہل عالم کے لئے یہ چاند اور سورج دو بتیاں بنائی ہیں۔ غور فرمائیے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے جہاں کے لوگ اپنی مجموعی پھونکوں سے چاند یا سورج کو بجھانا چاہیں تو کیا بجھا سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں تو بھلا جب یہ دو خدائی بتیاں ہماری پھونکوں سے نہ بجھ سکیں تو اس مخزن نور منبع الظہور ذات انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو جس کے نور سے یہ چاند اور سورج بھی منور ہوئے کون بجھا سکتا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دوستو، عزیزو! اس شان و شوکت کے ساتھ دریائے رحمت کی سرشاری کا بھی اندازہ لگائیے جو مقدس رسول کہ جس کے سر پر۔۔۔ درخشاں تاج ذکر کا سہرا جس کی کرسی ولسوف یعطیک ربک فترضی کا ٹیکا جس کی صورت خدا نما صورت۔ جس کی زبان کن کی کنجی جس کی ہر بات وحی خداوندی فاوحی الی عبدہ ما اوحی ہی جس کے کلام کا راز جس کا مقام اصلی قاب قوسین او ادنیٰ جس کی حقیقت اصلیہ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ جس کی چشمان کرم کی شان مازاغ البصر وما طغیٰ، سبحان اللہ اگر اس محبوب خدا نے سورج کو لوٹانا چاہا تو انگلی پاک کو اٹھا دیا۔ چاند کو چیرنا چاہا تو نو قبیس کی چوٹی پر چڑھ کر انگشت کرم کو حرکت دے دی۔ پتھروں سے چاہا تو اپنی رسالت کا اقرار کروا لیا درختوں کو چاہا تو اپنی بارگاہ میں بلوا لیا۔ چودہ سو صحابہ کرام کو کھانا کھلوانا چاہا تو حضرت جابر کے کھانے میں لعاب دہن ڈال دیا۔ پانی کی ضرورت ہوئی تو انگلیوں کی گھائیوں سے دریا جاری کر دیا۔ بدر میں چاہا تو فرشتوں کو اپنا سپاہی بنا لیا۔ لکڑی سے چاہا تو تلوار کا کام لے لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوئی ڈھونڈنی چاہی تو اندھیرے میں مسکرا دیا۔ دھوپ سے بچنا چاہا تو ابر کرم کا ٹکڑا ساتھ میں رکھ لیا۔ امامت کرنی چاہی تو نبیوں اور رسولوں کو اپنی اقتدا کا شرف بخش دیا۔ وہ محبوب خدا کہ جس کے گھر کو حرم کہا جائے، جس کی سواری براق کہلائے، جن کے در کے دربان سیدنا جبرئیل علیہ السلام ہوں، جن کے امامت کی مسجد بیت المقدس کہلائے سدرہ جن کی رفعت مقام کی پہلی منزل ہو اور جن کے پامال قدم کا نام عرش اعظم ہو۔ ایسے عظمت و جلالت والے رسول نے سرزمین طائف میں [illegible] ضرب بھی برداشت کی۔ احد میں تیروں کے وار بھی سہے۔

حنین میں تلواروں کی اور جھار کا سامنا کیا مگر اپنی شان رحمت کے پیش نظر امت کی ہلاکت و بربادی کے لئے غضبناک کلمات زبان مبارک سے ادا نہ فرمائے۔ رسولوں کے سردار، نبیوں کے خاتم رحمت عالم کی شان میں انبیائے سابقین کی طرح قوم والوں نے کلمات گستاخانہ ہی ادا نہ کئے بلکہ جسم رسول پاک کو پتھروں اور تیروں کا نشانہ بنایا مگر رسول برحق کی زبان مبارک سے غیض وغضب کے کلمات ادا نہ ہوئے اور پتھروں کا جواب پتھروں سے اور تیروں کا جواب تیروں سے اور تلواروں کا جواب تلواروں سے نہ دیا بلکہ اس کے بدلے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں پر رحم وکرم کی بارش کی۔ ایسا ہی اولوالعزم جو خلیفۃ اللہ حبیب اللہ عالم پناہ جس کے سر پر تاج سبحان الذی اسریٰ کا اور جس کی آنکھوں میں سرمہ مازاغ البصر وما طغیٰ کا۔ جس کے گلے پر نور میں ہار ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کا۔ جس کے بازو پر بمنت پر تمغہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا کا۔ جس کے قلب مبارک میں مژدہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ کا ہے۔ ہزاروں دل وجان سے قربان اس پیارے نبی پر، یہ حقیقت الحقائق اور عین عیون الانسان اور سر مکنون خدائے رحمن ہے۔ آسمان وزمین پر جس کی حکومت ہے۔ ملائکہ مقربین اس کی بارگاہ کے خدام ہیں۔ انبیاء ورسل اس سلطان کے نقیب ہیں۔ ماکان ومایکون پر اس کا حکم جاری ہے۔ وہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ میرے دوستو! اتنی تمہید کے بعد یہ حقیقت ہم ذہن نشیں کرانا چاہتے ہیں کہ جس رخ سے جب بھی سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی بے پناہ طاقت وقدرت کے نہایت ہی حیرت انگیز اور دل ربا مناظر سامنے آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اشارے پر ساری کائنات گردش کر رہی ہے۔ نگاہ اٹھ جاتی ہے تو ساری طاقتوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ کرۂ زمین پر کھڑے ہو کر انگلی کا اشارہ کر دیتے ہیں تو آسمان کا سیارہ دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ لبوں کو جنبش دے دیتے ہیں تو ڈوبا ہوا سورج منزل سے پلٹ آتا ہے راہوں سے گزرتے ہیں تو پتھروں کی بے جان دنیا درود وسلام کا خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔ درختوں کو آواز دے دیتے ہیں تو وہ ایک اطاعت شعار خادم کی طرح دوڑتے ہوئے چلے آتے ہیں

اشارہ کر دیتے ہیں تو واپس ہو جاتے ہیں چٹانوں پر قدم رکھ دیتے ہیں تو کف پا کا نقش اتر جاتا ہے پہاڑوں پر تشریف لے جاتے ہیں تو کہسار کا دل خوشی سے جھومنے لگتا ہے زمین کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں تو وہ حملہ آور کے لئے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ کھارے کنویں میں لعاب دہن شریف ڈال دیتے ہیں تو وہ ہمیشہ کے لئے چشمہ شیریں بن جاتا ہے سنگ ریزوں کو ہاتھ لگا دیتے ہیں تو ہاں پڑھ جاتی ہے اشارہ فرما دیتے ہیں تو کلمہ پڑھنے لگتے ہیں۔ کبھی برہم ہو کر مشت غبار اڑا دیتے ہیں تو ہر طرف طوفان امنڈنے لگتا ہے اور جب کبھی مائل بکرم ہوتے ہیں تو ایک قطرۂ آب چشمہ سیال بن جاتا ہے مسکراتے ہیں تو نور کی کرن پھوٹتی ہے چلتے ہیں تو راستوں میں عطر برستا ہے۔ کسی کو چھو دیتے ہیں تو مہکنے لگتا ہے ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو شفا ہو جاتا ہے۔ نظر پڑتی ہے تو دلوں کے آئینے چمک پڑتے ہیں زبان حرکت میں آتی ہے تو غیب کے اسرار کھل جاتے ہیں رخ پھیر لیتے ہیں تو پیچھے کی خبر رکھتے ہیں۔ جو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے جو سوچتے ہیں وہ ڈھل جاتا ہے جو کہہ دیتے ہیں مہر لگ جاتی ہے جو کہہ دیتے ہیں دستور بن جاتا ہے جن کی ادا ادا اور بات بات سے ایک کائنات گیر اقتدار ایک آسمانی بادشاہت ایک بااختیار نمائندگی اور ایک محبوب دل آویز شخصیت کا جلال وجمال برستا ہے

لباس نور میں بن کر خدا جانے وہ کیا آئے
اب انساں کی سمجھ میں کیا مقام مصطفیٰ آئے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ
ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدۂ
اے ختم رُسل قرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

(نامر سرہندی)

اشفاق علی ۔ ریسرچ اسکالر
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب اور ولادت :۔ امام المحدثین صحاح الستہ کی اولین اور مقبول ترین کتاب الجامع الصحیح کے مؤلف کا نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری اور کنیت ابو عبداللہ تھی، ۱۳ شوال ۱۹۴ھ جمعہ کی رات کو بمقام بخارا پیدا ہوئے۔

طفولیت اور تربیت :۔ امام بخاریؒ کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا ان کی والدہ ماجدہ بڑی دیندار اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں لہٰذا ان کی تربیت ان کی والدہ ماجدہ کی نگرانی میں ہوئی۔ امام بخاری بچپن ہی سے بہت نیک نفس اور پاک طینت تھے روایت کی جاتی ہے کہ آپ ایام طفلی میں نابینا تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے (جو کہ شب زندہ دار زاہدہ تھیں) اپنے بچے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ اے رحمۃ للعالمین میرے بچے کی آنکھوں میں روشنی عطا فرما۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور امام بخاری کی آنکھوں میں بینائی آ گئی۔

تحصیل علم :۔ محلہ کے مکتب سے امام بخاری نے معمولی نوشت و خواند اور ضروری حساب و کتاب سیکھنے کے علاوہ قرآن مجید بھی حفظ کیا نو سال کی عمر میں یہ حافظ قرآن ہو چکے تھے اور اپنی غیر معمولی قوت حافظہ کی وجہ سے بڑے اچھے حافظ تھے۔ اپنی عمر کے دسویں سال سے انہوں نے علم حدیث کی طرف توجہ شروع کی اللہ تعالیٰ کو ان سے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی گراں قدر خدمت لینی مقصود تھی۔ اسی لئے انہیں زبردست قوت حافظہ بھی عطا کی تھی۔ ۲۱۰ھ تک جبکہ ان کی عمر صرف سولہ سال ہوئی تھی انہوں نے اس فن میں خاصی بصیرت حاصل کر لی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ علم حدیث کی طلب سے دنیا بھی ملتی تھی اور دین بھی۔ اسی زمانہ میں علم، صرف فن حدیث ہی کو کہا جاتا تھا۔ جن لوگوں کو حکام اور خلفاء کے سامنے غیر معمولی اعزاز و اکرام حاصل تھا وہ اکثر علمائے حدیث تھے اور جن کو عوام اپنی عقیدت اور محبت کا مرکز بنائے تھے وہ سب کے سب علم حدیث کے خادم ہی ہوا کرتے تھے۔ اس لئے ہر حوصلہ مند نوجوان طالب علم کے دل میں یہ ذوق پیدا ہوتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اساتذہ سے علم حدیث کو حاصل کرے اور اس فن میں کامل سے کامل تر مقام اسے مل سکے۔ امام بخاری کے دل میں اگر ابتداءً یہی خیال پیدا ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن جیسا کہ

لہ دہقان بخارا کی لغت میں کاشتکار یا کارندہ کو کہتے ہیں۔ ؎ موجودہ روسی مقبوضات ایشیا میں جمہوریہ تاجکستان کے صدر مقام شہر سمرقند سے بجانب مغرب تقریباً ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر وہ تاریخی شہر جو ابتدائے فتوحات اسلامی سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں بالشویک روس تسلیم تھا ہوں تک ہمیشہ اسلامی علوم کا ایک بڑا ادبی مرکز رہا [illegible]

ان کی آئندہ زندگی میں ہم دیکھتے ہیں۔ شاید بعد کو انہوں نے امراء کے وقت حکام اور خلفاء سے دور رہنے کا اور خالص حصولِ رضاء الٰہی کے لئے علم حدیث کی خدمت کرنے کا اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا۔ اور اسی ذوقِ حصول علم کا نتیجہ تھا کہ امام بخاریؒ کو ۱۶ سال ہی کی عمر میں وکیع کے نسخے ازبر ہو گئے تھے اور (عبد اللہ) ابن مبارک کی تمام کتابیں انہوں نے یاد کر لی تھیں۔

سفر حج :۔ ۲۱۰ھ میں وہ اپنی والدہ ماجدہ اور بھائیوں کے ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہو گئے۔ والدہ ماجدہ اور بھائی تو حج و زیارت کے بعد واپس چلے آئے لیکن امام بخاریؒ وہیں رہ گئے۔

اکتساب علم اور سیاحت

امام بخاری نے حجاز، یمن، شام، عراق اور دیگر مراکز اسلامی میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ نے بلخ میں مکی بن ابراہیم سے، بغداد میں عفان سے، مکہ میں مقری سے، بصرہ میں ابو عاصم اور الانصاری سے، کوفہ میں عبد اللہ اور موسیٰ سے، شام میں ابو المغیرہ اور فریابی سے، عسقلان میں آدم سے، حمص میں ابو الیمان سے، اور دمشق میں ابو مسہر سے حدیثیں سنیں۔

الخطیب نے امام بخاری کے علمی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے
"رحل فی طلب العلم الی سائر محدثی الامصار"
حاشد بن اسمٰعیل (جو بخاری کے زمانہ کے محدث تھے) کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ طلب حدیث کے لئے ہمارے ہمراہ شیوخ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان اوقات میں ان کے پاس قلم دوات کچھ نہ ہوتا تھا۔ وہ حدیثیں زبانی یاد کر لیا کرتے تھے ان کا حافظہ اور بصیرت بہت غیر معمولی تھی۔

امام بخاری نے حصولِ علم دین کے راستے میں کافی دقتیں اور تکالیف بھی برداشت کیں۔ چنانچہ ان کے ایک رفیق درس عمر بن حفص الاشقر کے حوالے سے خطیب نے لکھا ہے کہ "ہم بصرہ میں امام بخاری کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے (یعنی استادوں سے سن کر روایت کیا کرتے تھے) چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ بخاری کئی دن سے درس میں نہیں آئے ہیں۔ تلاش ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا جہاں وہ مقیم تھے ڈھونڈتے ہوئے ہم لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں پڑے ہیں اور بدن پر لباس نہیں ہے (یعنی جس لباس کو پہن کر لوگ باہر نکلا کرتے تھے۔) دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب ختم ہو چکا۔ کچھ باقی نہیں رہا جس سے لباس تیار کرتے۔ آخر ہم لوگوں نے مل کر رقم جمع کی اور کپڑا خرید کر لائے۔ تب اسے پہن کر امام بخاریؒ پھر ہم لوگوں کے ساتھ درس گاہ آنے جانے لگے۔

زہد و تقویٰ اور اسلامیت و للہیت

امام بخاریؒ اپنی زندگی میں سخت پابند سنت، عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی غیر معمولی حد تک مخلص انسان تھے انہوں نے دنیاوی جاہ و منصب، تقرب دربار کی کبھی کوشش نہیں کی۔ بلکہ انتہائی سعی کے ساتھ اپنے آپ کو ان جھمیلوں سے دور رکھ کر صرف خدمت حدیث کے لئے وقف کر دیا۔

امام بخاریؒ کی سیرت و کردار میں یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے کسی کی غیبت کا سوال نہ کرے گا کیونکہ میں نے بفضلہٖ تعالیٰ کسی کی غیبت نہیں کی۔

امام بخاری کے متعلق ان کے معاصرین کی رائے

امام مسلم صاحب الصحیح انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے امام بخاری سے بڑا کوئی عالم حدیث نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ خراساں نے امام بخاریؒ کے پایہ کا کوئی عالم ہی پیدا نہیں کیا۔ ابو عمر الخفاف کی رائے ہے کہ وہ امام اسحٰق اور امام احمد سے بیس گنا زیادہ عالم ہیں۔

طریقہ امر المحین کے مطابق امام بخاری کو بھی محنت و ابتلاء پیش آئے۔ خالد بن احمد ذہلی امیر بخارا نے موصوف سے اپنے بچوں کو پڑھانے کی درخواست کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا پھر دوبارہ امیر بخارا نے انہیں حکم دیا کہ تم سب

اپنی جامع اور تاریخ میرے پاس لاؤ امام بخاریؒ نے جواب دیا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرتا اور اس کو لے کر بادشاہوں کے دروازوں پر نہیں پہونچتا چنانچہ والیٔ بخارا نے کلام ازلی ہونے کا فتویٰ دینے کے جرم میں انہیں بخارا سے نکال دیا

امام بخاری کے اساتذہ :۔

امام بخاری کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے

ہم اختصار کے پیشِ نظر اہم اور خاص اساتذہ کے اسمائے گرامی درج کر رہے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنے زمانے کے تمام قابلِ ذکر شیوخ سے علم حاصل کیا جن میں مکی بن ابراہیم بلخی۔ عبد اللہ بن موسیٰ عبسی۔ ابو عاصم شیبانی۔ علی بن المدینی۔ امام احمد بن حنبل۔ یحییٰ بن معین۔ عبد اللہ بن زبیر حمیدی اہم ہیں

شاگردانِ رشید :۔

امام بخاری کے تلامذہ کا بھی دائرہ بہت وسیع ہے ابو عیسیٰ ترمذی۔ ابو عبد اللہ فربری۔ اور الکشمیہنی کی طرح کے ایک لاکھ سے زائد طالب علموں نے ان سے علم حاصل کیا یہ اپنے وقت میں علم حدیث کے بحر ذخار تھے جس سے علم کی تشنگی بجھانے کے لئے ہر طالب علم آتا تھا اور اپنے ظرف و طلب کے بموجب سیراب ہو کر جاتا تھا۔

تصنیفات :۔

امام بخاریؒ نے ۱۸ سال کی عمر ہی سے سلسلہ تصنیف شروع کیا اور فضائلِ صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال کا ذخیرہ جمع کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کو ایک مجموعہ کی شکل دے کر اور مرتب کر کے حضور اکرم کے روضۂ مبارک پر کتاب التاریخ کا مسودہ شروع کر دیا۔ آپ راتوں کو چاند کی روشنی میں پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس تاریخ (کتاب التاریخ) کا کوئی ایسا نام نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے ایک طویل قصہ یاد نہ ہو۔

امام بخاریؒ کی سب سے زیادہ مشہور و مقبول تصنیف "الجامع الصحیح" ہے جس کے متعلق ہم علیحدہ باب میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ یہاں پر ان کی دیگر تصانیف کا ذکر کر رہے ہیں۔

کتاب البخاری جس میں حاملین فن حدیث کا تذکرہ ہے۔ دوسری کتاب ادب المفرد جو اخلاقی حدیثوں کا مجموعہ ہے اور عام طور پر قابلِ حصول ہے تاریخ البخاری کے متعلق مشہور ہے کہ امام بخاری نے تین کتابیں کبیر وسیط اور صغیر اس سلسلہ میں تصنیف کیں مگر اس وقت ایک ہی ملتی ہے غالباً وہ وسیط ہے۔

الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلعم و ایامہ صحیح بخاری کا پورا نام یہی ہے جو کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہے کہ حدیث کا سب سے بہترین مجموعہ اسی کو قرار دیا گیا ہے امام بخاری نے یہ کتاب ۱۶ سال کی مسلسل محنت و تحقیق کے بعد تالیف کی ہے۔

صحیح بخاری کی تالیف کا سبب :۔

امام بخاری ایک دن اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھے اسحاق بن راہویہ کے احباب نے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے کہ سنن میں کوئی ایسا مختصر تیار کرے جس میں صرف وہ حدیثیں ہوں جو صحت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہوں۔ تاکہ عمل کرنے والے بلا خوف و تردد مجتہدین کی طرف مراجعت کئے بغیر اس پر عمل پیرا ہوں۔ بخاری کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو گئی اور اسی وقت سے اس جامع کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ ۶ لاکھ حدیثوں کے اس ذخیرہ میں سے جو ان کے پاس جمع تھا انتخاب شروع کر دیا اور جو ان میں صحیح ترین تھیں ان پر اکتفا کیا۔ بعض وہ حدیثیں جو دوسرے درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے خوف سے چھوڑ دیا۔

صحیح بخاری کی تالیف میں اہتمام

امام بخاری جب کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے۔ اور جب اس بات کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کو مضمون کے مطابق ترتیب دیا جائے تو مدینہ منورہ میں قبرِ مبارک اور منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا اور ہر ترجمہ پر دو رکعت نماز نفل ادا کی الغرض یہ امام بخاری کی حسنِ نیت کا ہی نتیجہ تھا کہ یہ جامع اس قدر مقبول ہوئی کہ آپ کی زندگی ہی میں نوے ہزار آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا۔ صحیح بخاری میں ۳۴۵۰ ابواب ہیں جن میں ۲۹۸ حدیثیں صحیح اسناد کے ساتھ موجود ہیں۔ اگر تواتر ختم کر دیا جائے تو

حدیثوں کی تعداد ۲۷۶۲ رہ جاتی ہے۔
صحیح بخاری ابواب میں تقسیم کی گئی ہے ہر ایک علیحدہ موضوع کا علیحدہ باب ہے کبھی کبھی ایک ہی موضوع کا مختلف ابواب میں تذکرہ ملتا ہے اور ہر موضوع بہ اعتبار فقہ مرتب کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس میں روز ازل (آفرینش) جنت، دوزخ اور مختلف پیغمبروں کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔
شیخ التاج الدین سبکی امام بخاری کو شافعی فقیہ گردانتے ہیں لیکن ان کا یہ کہنا زیادہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنی کتاب جامع الصحیح میں کسی مخصوص مکتب فکر کے متعلق نہیں تحریر کیا ہے اور نہ ان کی کتاب میں کسی ایک مخصوص مکتب فکر یا مسلک کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس لئے امام بخاری کو کسی ایک مخصوص مسلک کے ماننے والوں سے منسلک کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

صحیح بخاری کی شرحیں اور ترجمے

اب تک صحیح بخاری کے سو سے زیادہ شروح اور حاشیے مختلف زبانوں میں لکھے جا چکے ہیں اس کی سب سے پہلی شرح غالباً امام ابو سلیمان، احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھی اور بعض مشہور شرحیں درج ذیل ہیں۔

① فتح الباری، مصنفہ امام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
② عمدۃ القاری، مصنفہ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ
③ التلویح، مصنفہ حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج الترکی المتوفی ۷۶۲ھ
④ ارشاد الساری، مصنفہ الفاضل شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ
⑤ الکوکب الدری، مصنفہ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ
⑥ مصابیح الجامع، مصنفہ علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی المتوفی ۸۲۸ھ
⑦ فیض الباری، مصنفہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے علاوہ بہت سے لوگوں نے صحیح البخاری کا مختصر لکھا اور بہت سے لوگوں نے رجال بخاری پر مستقل کتابیں لکھیں۔ مثلاً احمد بن محمد بن الحسین الکلاباذی المتوفی ۳۹۸ھ و القاضی ابو الولید سلیمان المتوفی ۴۷۴ھ وغیرہما۔
صحیح بخاری کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے اس کتاب کو محمد الیونینی (متوفی ۷۰۱ھ) نے ابن مالک (متوفی ۶۷۲ھ) کی مدد سے ایڈٹ کیا۔

صحیح بخاری پر تنقید و تبصرہ:۔

صحیح بخاری کے متعلق علماء مستشرقین نے خصوصی اور علماء عصر نے عمومی طور پر کچھ تنقیدیں کی ہیں جن کا ذکر حسب ذیل ہے
① پہلی بات یہ ہے کہ صحیح بخاری کی بعض بعض احادیث کی ماہیت اور ان کا مواد اپنے باب سے مختلف ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس باب کے تحت جو حدیثیں درج کی گئی ہیں ان میں اپنے باب کے مطابق تفصیلات اور مواد ہو۔ [1]
② صحیح بخاری میں کچھ ابواب تو درج ہیں لیکن ان کے تحت حدیثیں ہی نہیں ہیں۔ اس اعتراض کی روشنی میں جو حقیقت نمایاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کتاب کو زیادہ وسعت دینے کے لئے اور اس میں زیادہ سے زیادہ احادیث جمع کرنے کی اسکیم بنائی تھی جس کے تحت انہوں نے ابواب بھی درج کر لئے تھے لیکن جب ان کو ان مخصوص ابواب کے تحت مستند حدیثیں نہ مل سکیں۔ تو انہوں نے ابواب کو خالی بغیر اندراج رہنے دیا اور اس میں کوئی احادیث درج نہیں

[1] لیکن اس کا اطلاق صحیح بخاری کی جملہ حدیثوں پر نہیں ہوتا کسی کسی حدیث کے متعلق البتہ یہ کہا جا سکتا ہے

کیں۔ اسی طرح صحیح بخاری کی جزوی حیثیت اور کلی حیثیت کے اعتبار سے بھی تنقید یں کی گئی ہیں۔ ایسے نقادوں میں عینی بن حجر ابن العسقلانی وغیرہ شامل ہیں۔ نقادوں کی معمولی تنقیدوں اور حاسدین کی سعی ناکام کے باوجود صحیح بخاری نے جو مقام پیدا کیا دنیا کی شاید ہی کسی دوسری کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ بڑے بڑے علماء کا خیال ہے کہ عظمت و اہمیت کے اعتبار سے قرآن مجید کے بعد سب سے بڑا درجہ صحیح بخاری کو حاصل ہے بعض لوگوں کا یہ قول ہے "کہ اگر اسلام کے لیے قرآن مجید دل کی حیثیت رکھتا ہے تو صحیح بخاری شہ رگِ اسلامی ہے جو جسم اسلامی میں عقائد و مسائل کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہونچا کر ہر آن اُن کے لیے تازہ زندگی کا سامان بہم پہونچاتی ہے"

:- امام بخاری کا سفر آخرت :-

امام بخاری جب بخارا سے نکلے تو نیشاپور آئے اور وہاں سے خرتنگ[1] چلے آئے، یہیں ان کا شب شنبہ (جو لیلۃ الفطر تھی) بوقت نماز عشاء انتقال ہو گیا (قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون) بوقت انتقال آپ کی عمر ۶۲ سال کی تھی اور ۲۵۶ھ تھا چنانچہ لوگوں نے تاریخ وفات حسب ذیل کہی

"ولد فی صدق وعاش حمید ومات فی نور"

کسی شخص نے امام بخاریؒ کے متعلق حسب ذیل اشعار نظم کیے

کان البخاری حافظاً ومحدثا
جمع الصحیح مکمل التحریر
میلادہ صدق مدۃ عمرہ
فیہا حمید وانقضی فی نور

اشعار بخاریؒ :-

بخاری کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی کبھی شعر و شاعری سے بھی ذوق کرتے تھے۔ چنانچہ طبقات (شافیہ) کبریٰ میں شیخ تاج الدین سبکی نے حسب ذیل قطعے امام بخاری کی طرف منسوب کیا ہے۔

اغتنم فی الفراغ فضل رکوع
فعسی ان یکون موتک بغتۃ
کم صحیح رأیت من غیر سقم
ذہبت نفسہ الصحیحۃ فلتۃ

امام بخاری کی سوانح عمری پر تصنیفات

بخاریؒ کی سوانح عمری پر عربی، اردو، انگریزی میں متعدد چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن سے ان کا مکمل تذکرہ ملتا ہے مولانا عبد السلام مبارکپوری (مرحوم) کی کتاب سیرت بخاری میں تفصیلی حالات مل جاتے ہیں۔ امام ابن حجر العسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں بھی تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ ان ماخذوں کے علاوہ شاید اسلام کا کوئی تذکرہ ان کے حالات سے خالی نہیں ہے

بے حیلہ ایں قرآں بہ [illegible] سخن خواہ
کہ گفتار مختصر است از آں [illegible]

---

[1] سمرقند اور بخارا کے بعد

[2] جو جانب مغرب سمرقند سے تقریباً ۱۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے

لندن کی اسلامی نمائش

تحریر فاطمہ ذکریا :۔

ترجمہ از محمد :۔

اطلبوا العلم من المهد الی اللحد :۔

مغرب صدیوں تک دین اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے میں لگا رہا اور مسلمانوں کے کارناموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا رہا۔ اب مختلف ممالک کے مسلم دانشوروں سائنس دانوں، شاعروں، فن تعمیر کے ماہروں، صناعوں، اور دست کاروں کا بیش بہا ذخیرہ جو انھوں نے ازمنۂ ماضیہ میں دنیا کو دیا اس کی نمائش پہلی بار لندن میں کی جارہی ہے۔ جنابہ فاطمہ ذکریا نے اپنے اس مقالہ میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر ان تمام اشیاء کی تفصیل پیش کی ہے۔ جو اس نمائش میں دکھائی گئی ہیں اور جو علم ہیئت سے لے کر علم جراحت اور فن آب رسانی سے باغبانی تک سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کے لئے دنیا مسلمانوں کی احسان مند رہے گی۔ . . . .
موصوفہ لکھتی ہیں :۔

لندن میں اس اسلامی جشن پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک انگریزی اخبار نے [لکھا] "اسلام نے ہم پر دھاوا بول دیا" ہم جب بین الاقوامی اسلامی کانفرنس [میں] جو اس جشن کے ساتھ ہی منعقد ہوئی شرکت کے لئے گئے تو لندن کا [شا]ہی البرٹ ہال اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ آراستہ پیراستہ نشست گاہ جس میں سات ہزار افراد کے بیٹھنے کا انتظام تھا [کھچا]کھچ بھری ہوئی تھی سینکڑوں انسان باہر سے اندر آنے کی کوشش کر [ر]ہے تھے۔ ڈائس پر مشکن مذہبی رہنماؤں کا ایک شاندار اجتماع اسلام کے [مختل]ف پہلوؤں پر تقریر کرنے کے لیے اپنی اپنی باری کا منتظر تھا۔

اس کانفرنس کا افتتاح سعودی عرب کے شاہزادہ محمد فیصل [نے] کیا اس کانفرنس میں دنیا کے مختلف ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے [گو]رے، کالے، سرخ و سفید، زرد رنگ غرض ہر رنگ و نسل کے مسلمان [سر] پر لٹکتے ہوئے عقال، بدن پر جھولتے ہوئے مشلہ، چہرہ پر داڑھیاں [سع]ودی عرب۔ ریش و بروت سے آزاد یورپی لباس میں ملبوس [ت]رکی۔ امارت عربیہ کے راسخ العقیدہ مسلمان، آزاد خیال ترکی و ایرانی۔ افریقہ کے ہر علاقہ کے اپنی روایاتی لباس میں سیاہ فام مسلمان اور ایشیا کا ایک بہت بڑا دستہ جن میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ یہ سب مختلف قوموں کی نمائندگی کر رہے تھے مختلف زبانیں بول رہے تھے اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ مگر ایک بات سب میں مشترک تھی ان سب کے چہرے فخر و مسرت سے چمک رہے تھے۔

یہ لندن کی سرزمین تھی جس کی فضا میں اسلامی جوش چھایا ہوا تھا۔ اس قسم کا اجتماع کسی اسلامی ملک کے صدر مقام مثل طہران، اسلام آباد، ڈھاکہ، کوالالمپور، جکارتہ یا دہلی میں ہوتا تو کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ مگر لندن میں جو مغرب کا سب سے بڑا مسیح المشرب بین الاقوامی مرکز ہے اس کو دیکھ کر ایک عجیب سنسنی خیز احساس ہوتا تھا

چند دن کے بعد یہ منظر البرٹ ہال سے ہیوارڈ گیلری میں منتقل ہو گیا اس اجتماع میں برطانیہ کے وزراء کا بینہ، ممبران ایوان حکومت سفراء، سرکاری عمال، ممالک اسلامیہ کے وفود کے سربراہ، مسلم علماء

اور مغربی فضلا شریک ہوئے۔ ملکہ معظمہ الزبتھ دوم نے جشن دنیا اسلام کا
افتتاح کر کے دنیائے اسلام کے اس میلہ کا آغاز کردیا اور پانچ ماہ چلنے
والی تقریب شروع ہوگئی۔ دوسرے ہفتہ میں ایک حیرت انگیز اور حیات
آفریں تہذیب کے مختلف شعبوں سے متعلق ایک درجن سے زیادہ نمائشوں
کا آغاز کیا گیا۔ ان نمائشوں میں قرآن شریف کے مختلف خطوں میں لکھے
ہوئے قلمی نسخے، فلزاتی مصنوعات، گلاس، کوزے، چوبی کارگری کے
نمونے، زیورات، سبز و سفید نیلے قیمتی پتھر، وسط ایشیا کے قالین، افریقی
صنعت اور دستکاری کے نمونے، ہند اسلامی قلمی تصاویر، آلات
موسیقی، اسلامی شہروں کے مخصوص بالتصویر رسائل کا شاندار مظاہرہ کیا گیا ہے
ان تمام نمائشوں میں اسلامی صنعت و حرفت کے شعبہ کو جس کا افتتاح ایران
کی حسین شہزادی فرح نے کیا ممتاز مقام حاصل تھا۔

اس کے بعد انگلستان کی مشہور زمانہ یونیورسٹیوں میں دانشو
روں کے اجتماعات (Seminar) کا سلسلہ شروع کیا گیا مختلف
اسلامی موضوعات پر فلمیں، فلم اور ریکارڈ تیار کئے گئے۔ اسلامی تحقیقات
پر قیمتی کتابیں شائع کی گئیں۔ ان نمائشوں کی تفصیلات پر مبنی متعدد اخبارات
اور رسائل کے خاص نمبر نکالے گئے۔ یہ "جشن اسلام" ان تمام مظاہروں
میں جو کبھی کئے گئے سب سے زیادہ جامع اور دلچسپ ہے۔ شاندار
اسلامی فن تعمیر کی نمائش میں اصل عمارات کو منتقل کرنے کے سوا کوئی
کسر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ چودہ سو برسوں میں اسپین سے لے کر انڈونیشیا
تک تمام اسلامی ممالک میں بنے ہوئے دو ہزار سے زائد بیش بہا فنی نوادر
ایک مقام پر جمع کئے گئے ہیں۔ حکومت برطانیہ نے ان نوادر کی حفاظت
کا پچاس سے اسی کروڑ تک کی ضمانت دی ہے۔ اس جشن کے اخراجات
کا تخمینہ اس کے بانیوں نے جو چند برطانوی علماء پر مشتمل ہے اٹھارہ
کروڑ روپیہ کیا ہے۔ یہ تمام سرمایہ اسلامی ممالک بالخصوص سعودی
عرب، کویت اور ایران نے فراہم کیا ہے

اس جشن کا بنیادی مقصد اسلامی تہذیب اور فنی کارگزاریوں
کو جاذب نظر انداز سے پیش کر کے اسلامی نظریات کی ترویج کرنا ہے
یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مغرب نے ایک عرصہ دراز تک اسلامی تہذیب
کو مسخ و غلط انداز سے پیش کر کے جو ناانصافی کی ہے اس کی اس نمائش
کے اہتمام سے تلافی کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہا ہے

اسلام کی طرف سے بدگمانیاں اس کی عسکری فتوحات سے
شروع ہوئیں جبکہ مسلمانوں نے ایشیا کے بیشتر حصوں، شمالی افریقہ
اور دنیائے عیسائیت کے قلب میں ہلالی پرچم لہرا دیا۔ پھر جب مسلمانوں
نے صلیبی مجاہدوں کو مغربی ایشیا سے باہر نکالا تو نصرانیت اور اسلام
کا براہ راست سامنا ہوا۔ سترہویں صدی میں جب عثمانی حکومت
کے اضمحلال کے ساتھ اسلامی دنیا پر بھی زوال آیا تو اسلام سے یورپ کی
ناراضگی نفرت میں بدل گئی اور مسلمانوں کے کارناموں کو بھی حقارت کی نظر سے
دیکھا جانے لگا۔ سیکڑوں برس تک مغرب کے شعراء اور مصنفین مثل دانتے
گبن، والٹیر اور بہت سے اہل قلم پیغمبر اسلام کو غلط رنگ میں پیش کرنے میں
اپنی توانائی صرف کرتے رہے۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور
مسلمانوں کو جاہل وحشی کا خطاب دیا۔ ان کے خیال میں مسلمان ایسے غیر متمدن حملہ
آور تھے جنہوں نے غارت گروں کی طرح جہاں بھی گئے تیر و تلوار سے کام لیا۔
محلات، گرجا گھر اور مندر گرا دیئے اور کتب خانوں میں آگ لگادی۔ یہ کوئی
تعجب کی بات نہ تھی۔ جب کئی پشتوں تک اس قسم کے گمراہ کن افسانے دماغوں
میں مرتسم کئے جاتے رہے ہوں تو پھر یورپ کے باشندوں کو کیسے یقین
آتا کہ علم و فن میں مسلمانوں کا بھی کوئی حصہ ہے یا انہوں نے بھی عالیشان
عمارتیں تعمیر کی ہیں اور نفیس اشعار کہے ہیں اور یہ کہ اسلام صحیح معنی میں امن و آشتی
کا علمبردار ہے لہٰذا اس نمائش کو دیکھ کر مسرت ہوتی تھی کہ بالآخر عیسائیت
اسلام کی توصیف کر کے دیرینہ واجب الادا خراج تحسین ادا کر رہا تھا۔

مختلف نمائشوں میں جو نوادر دکھائے گئے ان میں عربی خطاطی کے نمونوں
کی کثرت ہے۔ ان میں رسم تحریر کے مختلف خطوں سے جو کمال پیدا ہوا
اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فن کو اللہ کے کلام یعنی قرآن کے لکھنے میں استعمال
کرنا تھا۔ برطانوی عجائب خانہ میں قرآن شریف کی نمائش میں دنیا کے
ہر حصے سے اس کے قلمی نسخے فراہم کئے گئے ہیں۔ آٹھویں اور نویں صدی
کے قلمی نسخے ہرن کی جھلی پر لکھے ہوئے ہیں۔ سب سے پرانا عربی قلمی نسخہ جو
خط مائل میں لکھا ہوا ہے وہ بھی لایا گیا ہے اسی طرح سلجوق، مملوک، منگول
اور تیموری عہد کے قیمتی قلمی نسخے کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ عثمانی اور صفوی
زمانہ کی ... خطاطی اور طلائی نقش نگاری کے خوبصورت نمونے

ہی رکھے ہیں۔ تیرہویں صدی سے انیسویں صدی تک کے قرآن کے قلمی نسخے جن کو طلائی نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے ایک خاص فرقہ کے بھی مجموعہ اور عجائب خانوں سے مہیا کئے گئے ہیں

قرآن کریم پر مذہب اسلام کی صرف اساس ہی نہیں قائم ہے بلکہ اس میں سیاسی، سماجی، اور روزمرہ زندگی کے بنیادی اصول بھی بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب اسلامی نظام حیات اور علوم پر محیط ہے اسی لئے اسلامی فنون بھی اس کے دائرہ اثر میں شامل ہیں

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً

مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق قرآن ایک آسمانی کتاب ہے جو حضرت جبرئیل کے ذریعہ اللہ کے رسول محمدؐ پر بتدریج نازل ہوتی رہی۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کو کس طرح یاد کریں تو آپ نے فرمایا "قرآن پڑھ کر" لفظ قرآن کے معنی پڑھنا، بیان کرنا ہیں اور یہ لفظ عربی مصدر قرا یعنی پڑھنا سے مشتق ہے دنیا بھر کے مسلمان اسے عربی زبان میں پڑھتے ہیں ہر مسلمان بچہ کو اس کا پڑھنا اور کچھ حصہ یاد کرنا بتایا جاتا ہے مسلمان کی روزانہ زندگی قرآنی تعلیمات سے ہدایات حاصل کرتی ہے ان کے گھروں میں کارگاہوں میں اور عبادت خانوں میں قرآنی کتبوں سے آرائش کی جاتی ہے کسی دوسری زبان میں قرآن شریف کے ترجمہ کو عظمت حاصل نہیں ہوتی۔ جس شخص نے اس کتاب الہٰی کو اصل عربی زبان میں سمجھ کر پڑھا ہے وہ اقرار کرے گا کہ ترجمہ میں خواہ وہ کتنا ہی مطابق اصل کیوں نہ ہو عربی میں قرآن کا ساز و رس اور خوبصورتی نہیں پیدا ہو سکتی ایک مغربی عالم نے قرآن کی زبان کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے وہ کہتا ہے "کہ یہ کہیں بحد موثر اور بلند ہے کہیں موثر کہیں ہیبت آفریں، کہیں نرم اور کہیں مبہوت کرنے والے انداز بیان کا حامل ہے۔

قرآن کو لفظ بہ لفظ کامل صحت کے ساتھ لکھنے کی ضرورت کے پیش نظر عربوں نے لکھنا سیکھا اس سے پہلے عرب مثل دیگر خانہ بدوش قبائل کے تحریر پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ تحریر کی طرف سے ان کی بے توجہی بمقابلہ ... ایک یہی وجہ تھی کہ ان کو بہ نسبت کتابت کے خطابت سے زیادہ ذوق تھا۔ یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ انہوں نے ایک ایسی زبان کو جس کا وجود محض زبانوں پر تھا تحریر کی امداد کے بغیر اتنے بلند درجہ پر پہونچا دیا۔ چونکہ ان کے مسلک میں تصویر کشی ناجائز تھی لہٰذا کتابت میں ان کو اپنی غیر معمولی فنی صلاحیت کے اظہار کا ایک اچھا موقع ہاتھ آیا۔ کلام خداوندی کا ظاہری روپ ہونے کی وجہ سے عربی خطاطی کی شان ان عیسائی دیبیوں کی تصاویر سے دیکھی جا سکتی ہے جو مشرقی کلیساؤں کی دیواروں پر بنائی گئی ہیں۔ قرآن کا لکھنے والا اور لکھانے والا دونوں عظیم روحانی برکات کے مستحق سمجھے جاتے ہیں لہٰذا بہت سے مسلمان قرآن کی نقلیں تیار کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے سب سے قدیم طرز تحریر اسلامی تہذیب کے مرکزی شہر کوفہ کے نام پر خط کوفی کہلاتا ہے اس کی متعدد شکلیں ہیں۔ کچھ ادق اور مکمل نمونے جو اسلامی آرٹ کی نمائش میں دکھائے گئے نہایت خوبصورت ہیں مگر ان کا پڑھنا آسان نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے خطاطی کے نمونے ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک ایرانی خوشنویس ... سے زیادہ مختلف خطوں میں لکھ سکتا تھا۔ بہرحال تین قسم کے خط جن کو بعد میں اور خوبصورت بنایا گیا نسخ، نستعلیق اور ثلث کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں خط کوفی کے خوبصورت نمونے قدیم اسلامی عمارتوں مثل قطب مینار اور التمش کے مزار پر پائے جاتے ہیں بعد میں خط ثلث و خط نسخ کلام پاک لکھنے میں استعمال ہونے لگا۔ لندن کی اس نمائش میں مصری، ترکی، ایرانی خصوصاً عثمانی عہد کے نمونوں کو بہترین خطاطی میں شمار کیا جاتا ہے خوشنویسی کو اسلامی آرٹ میں سب سے زیادہ معزز مقام حاصل ہے عربی خطاطی کے شاندار طرز تحریر پر غور کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان میں اسلامی آرٹ کا دل دھڑک رہا ہو۔

رسم الخط کے ساتھ ساتھ کتابوں کو طلائی کام سے مرصع کرنے کا فن بھی ترقی کرتا گیا۔ اس کی ایک اہم شاخ جلد سازی ہے ان پر پھول پتیوں کی متناسب رنگ برنگ نقاشی سے یورپی فن جلد سازی مستقل طور سے متاثر ہوا ہے ہیوارڈ گیلری میں خوبصورت جلد بندی کے نایاب قلمی نسخے رکھے

رکھے گئے ہیں۔

ہندوستانی نوادر

خوشنویسی کے بعد مسلمانوں کے فنی کارناموں میں فن تعمیر کو کلیدی مقام حاصل ہے درحقیقت فن تعمیر میں ندرت پیدا کرنے کے لئے امدادی فنون پر زیادہ زور دیا گیا اور اس لحاظ سے ان کی حیثیت ضمنی ہے اس سلسلے میں مسلمانوں کے فن تعمیر پر بولتی ہوئی فلمیں دکھائی گئیں اور اس صنف میں ہندوستان کی کاریگروں کے شاہ کار تمام دیگر فنون پر سبقت لے گئے اسلامی فن تعمیر تین طرح کی عمارتوں میں گردش کرتا ہے اول مساجد دوم محلات اور سوم مقبرے۔ مسجد میں مسلمان سجدہ کرتے ہیں اس کی حیثیت ایک عام عبادت خانہ کی ہے مسجدیں اس اعتبار سے متبرک نہیں ہیں گویا وہ اللہ کے گھر ہیں پیغمبر نے فرمایا "تمام دنیا مسجد ہے جب نماز کا وقت آتا ہے تو تم نماز پڑھتے ہو اور وہ مقام تمہاری مسجد ہو جاتا ہے" مسجد کو صرف عبادت ہی کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ اس کو مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ یہ عدالت بھی بنی اور جلسہ گاہ بھی۔ سب سے زیادہ مساجد کا استعمال مدارس کے طور پر کیا گیا ہے۔ کچھ مسجدیں دارالعلوم کی حیثیت سے بہت مشہور ہوئیں جن میں جامعۃ الازہر قاہرہ جو ایک ہزار سال سے درس و تدریس کا مرکز ہے تمام دنیا میں مشہور ہے

فن تعمیر

غالباً مسلمانوں کے بنائے ہوئے محلات میں سب سے مکمل مثال قصر الحمرا کی ہے اس کو دو ہسپانوی مسلمان بادشاہوں یوسف اول اور محمد پنجم نے چودہویں صدی عیسوی میں تعمیر کرایا تھا مغلوں کے بنوائے ہوئے محلات کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے دہلی اور آگرہ۔ ہمایوں اور اکبر کے شہر فتحپور سیکری کی عمارتوں میں ایرانی اور ہندوستانی ملا جلا طرز تعمیر استعمال کیا گیا ہے۔ پیغمبر نے فرمایا "سب سے زیادہ خوبصورت مقبرہ وہ ہے جو زمین کی سطح پر سے نابود ہو جائے"۔ باوجود اس کے کہ مذہب اسلام میں مقبروں کی تعمیر کو ناپسند کیا گیا ہے پھر بھی مقبروں کو اسلام کے فنی تذکرہ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

ایک پائدار مقبرہ بنوانے میں یہ مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ مقبرہ کو دیکھنے کے لئے آنے والوں کی فاتحہ خوانی سے مدفون کو اجر حاصل کرنے کا موقع ملتا رہے۔ عام طور سے دو طرح کے مقبرہ بنوائے گئے ایک وہ مقبرے ہیں جو بادشاہوں نے اپنی زندگی ہی میں بنوائے تاکہ مرنے کے بعد دنیا انہیں یاد رکھے۔ دوسری قسم ان مقبروں کی ہے جو کسی بزرگ کی قبر پر ان کے مریدوں نے یا بادشاہوں نے بنوائے جیسے کہ مقبرہ حضرت سلیم چشتیؒ واقع فتحپور سیکری جس کو اکبر نے بنوایا۔ بہترین مقبروں میں سے ایک دسویں صدی میں سمرقند میں بنا ہوا مقبرہ تیمور اور ہندوستان میں تاج ہے جو بلاشبہ اسلام کا سب سے عظیم کارنامہ ہے اور فن تعمیر کا ایسا نمونہ ہے جس کا جواب کسی زمانہ میں نہیں ہو سکتا۔

اسلام اور تصویر سازی

چونکہ مذہبی کتابوں اور عمارتوں میں متشکل تصاویر سے پرہیز کیا گیا لہذا اسلامی فن کاروں نے رسم و مثلاً خطاطی پر زیادہ توجہ دی۔ اسلام میں متشکل تصاویر کی کیا حیثیت ہے اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس بارے میں رایوں میں بڑا اختلاف ہے جانداروں کی تصاویر بنانا اس اندیشہ سے ممنوع قرار دیا گیا کہ ایسا نہ ہو پیغمبر یا کسی بزرگ کی تصویر کی عبادت کی جانے لگے پیغمبرؐ نے ان لوگوں کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جنہوں نے خداوند کریم کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی نقل اتارنے کا ارادہ کیا اسی لئے انسان اور حیوان دونوں کی شکلوں کی تصاویر بنانا ممنوع قرار دیا گیا اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جانداروں کی تصاویر بنانے کی ممانعت نہ ہوتی بلکہ قابل درگزر ہوتا بشرطیکہ یہ عمل ایک مقررہ حد سے تجاوز نہ کرتا۔ بہرحال راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اس کی موافقت کبھی نہیں

لی اور نہ اسے مذہبی جواز حاصل ہو سکا اس لیے یہ ہمیشہ مذہب کے دائرہ سے خارج رہا۔ مذہبی آرٹ کی حیثیت سے اس میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی عربوں نے اس ممانعت سے کوئی کمی محسوس نہیں کی کیونکہ ان کے یہاں تشکیل تصویر سازی کا رواج ہی نہ تھا لیکن دوسری قومیں جنہوں نے اسلام قبول کیا خصوصاً ایرانی، ترک اور منگول جن کے [illegible] تصویر سازی رہی تھی اس سے باز نہ رہ سکے حالانکہ ان تصاویر کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا پھر بھی اس نوع کی بہترین تصاویر اسلامی فنکاروں کی بنائی ہوئی ہیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت تصاویر ہندوستان نے اسلام کو پیش کیں، نمائش میں ہمارے ملک کی اس قسم کی نہایت خوبصورت تصاویر کا مظاہرہ لیا گیا مسلمان اور ہندو فنکاروں نے اسلامی تاریخ اور ادبی تصانیف اور ہندی زبان کے اعلیٰ ادب کے فارسی تراجم کو تشریحی تصاویر سے مزین کیا ہے

ہندو مسلم آرٹ:-

مغلوں کے عہد کی تصاویر کے علاوہ بیجاپور، احمدآباد اور گولکنڈہ حکومتوں کے فنی کارنامے بھی لندن کی نمائش میں پیش کئے گئے یہ تصاویر صرف ہندوستان ہی سے نہیں لائی گئیں بلکہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کے بھی ذخیرہ سے فراہم کی گئی ہیں مختصر تصویر چہ بنانے کا فن مغلوں نے ہندوستان میں رائج کیا۔ مغل شہنشاہوں نے ایران سے مصوروں کو بلایا جنہوں نے مقامی فنکاروں کی معیت میں کام کیا یہ مقامی مصور ایک علیحدہ اسلوب اور منفرد روایات کے مالک تھے ان اسالیب کے سے ایک ایسا طرز وجود میں آیا جس کو بیک وقت اسلامی، ایرانی، ہندی طرز کہا جا سکتا ہے مغلوں کی تصاویر کی بنیاد ایرانی طرز ہی پر رہی مگر اس میں انفرادیت ہندی [illegible] سے پیدا ہوئی۔ ہندو اور مسلمانوں کا فنکاری میں اشتراک اکبر کے زمانہ میں نقطۂ عروج پر پہونچ گیا یہ عمل جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں بھی کارفرما رہا [illegible] چونکہ [illegible] راسخ العقیدہ مسلمان تھا اس کار مشارکت میں اختلاط پیدا ہو گیا۔ حالانکہ یہ مخالف رجحان اسلامی دنیا کے بہت سے حصوں میں قائم رہا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ لندن کی نمائش میں متعدد قدیم قلمی نسخوں میں ایسی تشریحی تصاویر بکثرت موجود ہیں کی نمائش میں شاہنامہ فردوسی کے کئی نسخے ہیں یہ کتاب ۶۰،۰۰۰ ابیات

پر مشتمل ہے اس کو اسلامی ادب میں لاثانی شہرت حاصل ہے۔ شاہنامہ میں ایران کے فرضی اور واقعی بادشاہوں کے رزمیہ کارناموں کو پرجوش نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے شاہنامہ کے ان نسخوں میں ایک ایسا نسخہ بھی ہے جس میں ۱۳ ایسی تصاویر ہیں جن پر بابر سے لیکر اورنگ زیب تک تمام مغل شہنشاہوں کی مہریں ثبت ہیں۔ اس میں شاہجہاں کا لکھا ہوا ایک نوٹ بھی ہے اس میں ایک دلچسپ تصویر اس منظر کی ہے جس میں سوتے ہوئے رستم کو ایک شیر سے بچاتے ہوئے اس کے گھوڑے کو دکھایا گیا ہے مشہور ایرانی شاعر جامی کی تخلیقات میں سے ایک ایسا نسخہ بھی ہے جس کو متعدد تصاویر سے مزین کیا گیا ہے ایک تصویر میں حضرت یوسف کو محبت میں مدہوش زلیخا کے محل کے سب سے اندرونی کمرہ سے جن کے سات دروازوں کو زلیخا نے مقفل کر دیا تھا بھاگتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی مضطربانہ دعا سے بحکم خدا یہ دروازے کھلتے چلے گئے اس تصویر کو مشہور زمانہ مصور بہزاد نے بنایا ہے ایک قلمی نسخہ ایسا بھی ہے جس پر کوئی تاریخ نہیں پڑی ہے اس میں پیغمبروں کے قصوں کی تمثیلیں بنائی گئی ہیں یہ تاریخی نسخہ [illegible] میں نپولین مصر سے لایا تھا

ایرانی ذخیرہ:-

بقیہ ایرانی تمثیلی مخطوطات سولہویں صدی کے صفوی دور میں جب اس فن کو عروج حاصل تھا۔ شیراز، ہرات یا تبریز میں تیار کئے گئے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس تمام ذخیرہ میں الف لیلہ کا صرف ایک نسخہ ہے اسی طرح عظیم صوفی شاعر حافظ کے دیوان میں صرف دو چھوٹی تصویریں ہیں جس میں ایک مسجد میں وعظ بیان کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور مولانا روم جن کی مثنوی کو ہست قرآن در زبان پہلوی کہا گیا ہے ان کی تصانیف کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

بقیہ اسلامی فنون کی نمائندگی بے شمار بہترین قالینوں، شیشہ، چینی، فلزات لکڑی، ہاتھی دانت اور سنگ مرمر سے بنی ہوئی مصنوعات سے کی گئی ہے ان میں ایران، شام، مصر میں بنے ہوئے شیشہ اور چینی کے بنے ہوئے برتن نہایت نفیس ہیں۔ ادبی قلمی نسخوں کے علاوہ سائنس پر تمام رسالے نقشوں اور تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان رسالوں، مشینوں اور اور چھوٹے چھوٹے پرزوں اور مجسم نمونوں کو دیکھنے کے لیے نمائش گاہ "سائنس و حرفت" میں کثرت سے لوگ آتے۔ میلہ میں یہ شعبہ دلچسپی

مرکز بن گیا کیونکہ اس شعبہ میں اسلامی دنیا کی اختراعات سب سے زیادہ اہم مگر سب سے کم مشہور ہیں۔

یہ نمائش مسلمانوں کے کارناموں کو نمایاں کرنے کے علاوہ یورپ میں پھیلی ہوئی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتی ہے کہ اسلامی سائنس ایک طرف یونانی اور دیگر قدیم تہذیبوں اور دوسری طرف یورپ کے قرون وسطیٰ کے درمیان محض واسطہ کا کام دیتی ہے

درحقیقت یونانیوں سے پہلے قدیم مصری اور ارض روم کے رہنے والوں نے علم الادویہ اور علم ریاضی پر نہایت اہم تصنیفات کی تھیں یونانیوں نے ان کو اور ترقی دی اور دنیا کو ارسطو، افلاطون اور فیثاغورس جیسے فلسفی دیئے۔ تین صدی بعد یہ علمی سرگرمیاں اسکندریہ منتقل ہو گئیں جہاں یونانی مصری اور یونانی علوم کا ایک مرکب وجود میں آیا۔ یہاں گیلن ٹالمی اور یوکلڈ پیدا ہوئے اور اس طرح اسکندریہ سے یونانی ورثہ اسلام کو ملا۔ اسلامی سائنس میں ایرانی کارگزاریاں دیسی بھی ہیں اور یونانی اور ہندوستانی بھی۔ ہندوستان سے حاصل شدہ علوم میں علم الحساب، علم الادویہ، علم ہیئت اور نیچرل ہسٹری شامل ہیں۔ اسلامی تاریخ طبیعات جس نے عربی ادب میں شاہ کار کی حیثیت اختیار کرلی۔ اپنے ماخذ سنسکرت سے پہلے پہلوی میں منتقل ہوئی اور اس کے بعد عربی میں اس کا ترجمہ کیا گیا

ہندوستان کے کارنامے:۔

اسلامی سائنس بہت کچھ علم ریاضی اور فلکیات پر ہندوستانی تصنیفات مثل برہمسپتا سدھانت مصنفہ برہم گپت اور ہمیات و عرقیات پر دوسری ہندوستانی کتابوں کی ممنون ہے۔ ان سے مسلمان حکماء کو اسلامی علم الادویہ کے بنیادی اصولوں کو مرتب کرنے میں بڑی مدد ملی۔ ہندوستان کا علم سائنس صرف ایران کے ذریعہ ہی سے نہیں آیا بلکہ ہندوستانی دانشور اور سائنس داں بغداد اور دوسرے اسلامی مراکز میں بلوائے گئے۔ البیرونی کی گیارہویں صدی میں تاریخ ہند لکھی اس کے علاوہ اور کئی مبسوط ہندوستانی تصنیفات اسلام کو دیں اس کے بعد امیر خسرو کی متعدد تصنیفات نے ہندوستانی دانشوروں کی کتابوں کو ممالک اسلامیہ میں روشناس کرایا۔

اسلام کی سائنسی سرگرمیاں:۔

یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اسلام نے قدیم تہذیبوں کے خیالات کو مغرب میں محض منتقل کرنے کا کام انجام دیا اسلام کو جو مواد یونان، ہندوستان اور ایران سے ملا اس کو مسلمان علماء نے اپنی تخلیقات کے لئے بنیاد کے طور پر استعمال کیا اور اسے ترقی دے کر نئی شکل میں اسلامی انداز سے پیش کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس میں باقاعدگی اور توازن پیدا ہوا اور پھر اس نے نئی شاخیں اور نئے اشکال وجود میں آئے۔

یونانی، شامی، سریانی اور پہلوی زبانوں سے علوم کا عربی میں منتقل کیا جانا بجائے خود ایک عظیم کارنامہ تھا یہ کام آٹھویں صدی کے وسط سے دسویں صدی تک دو سو برسوں میں انجام پایا۔ حنا ابن اسحٰق جیسے مترجم اور خلفاء، وزراء اور شاہزادوں کی سعی سے ٹالمی، ارسطو، یوکلڈ اور گیلن کی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں اور اس طرح پہلی بار سائنس نے ایک بین الاقوامی علم کی صورت اختیار کی اور عربی زبان بحیثیت ذریعہ معلومات دنیا کی اہم ترین سائنسی زبان بن گئی۔

اوزار، آلات، نقشے، قلمی نسخے، فلکی جدول، جو نمائش میں مختلف عجائب خانوں سے مستعار منگائے گئے وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں بالخصوص عرب اور ایرانیوں نے سائنس میں فلکیات سے لیکر معدنیات میں کس قدر کامیابی حاصل کی انہوں نے بہت سے آلات سائنس ایجاد کئے یا انہیں مکمل کیا تعلیمی شفا خانے اور رصدگاہیں اسلام کے تحفے ہیں جو اس نے دنیا کو دیئے دھوپ گھڑی اسلامی ایجاد ہے۔ سب سے قدیم دستی دھوپ گھڑی نمائش میں موجود ہے۔ ریت گھڑی اور اصطرلاب کو مسلم حکماء نے آلات اور فنی اعتبار سے پایۂ تکمیل تک پہونچایا

نویں صدی کے ایرانی عالم خوارزمی نے جو بغداد میں پیدا ہوا یورپ کو عربی ہندسے دیئے عرب میں یہ ہند سے ہندوستان سے آئے وہ ہندوستان سے صفر بھی لایا اور الجبرہ اور فلکیات میں باقاعدگی پیدا کی۔ الجبرا عربی کے مصدر الجبر سے مشتق ہے۔ الخوارزمی ہی نے سب سے پہلے اٹلس بنایا۔ ایک دوسرے عظیم مسلم ہیئت داں عمر خیام نے گیارہویں صدی میں ایک کیلنڈر ایجاد کیا جو اتنا ہی صحیح کہا جاتا ہے

بورپین کیلنڈر جو آج کل مروج ہے عمر خیام نے خوارزمی ہی کی طرح الجبرہ میں بہت سے اضافے کئے اور درحقیقت اسلامی دنیا میں وہ ایک شاعر کے بہ نسبت سائنس داں کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ الجبرہ پر عمر خیام کی متعدد تصانیف نمائش میں نظر آئیں جبکہ اس کی رباعیات کا ایک بھی قلمی نسخہ نہ دکھائی دیا۔

تقی الدین نے ۱۵۷۵ء میں استنبول میں ایک رصد گاہ قائم کی جس میں پانچسو حکماء کام کرتے تھے اس کے نجومیوں کی بعض پیشین گوئیوں سے خفا ہو کر خلیفہ نے اس کو منہدم کرا دیا مغرب میں سب سے پہلے بڑی رصد گاہیں سمرقند، مراغہ اور استنبول کی رصد گاہوں کے نمونہ پر بنائی گئیں۔

بیشتر مشہور مسلم ماہر فلکیات اور ریاضی دانوں نے علم نجوم پر بھی تجربات کئے حالانکہ اسلام میں پیشین گوئیوں پر ممانعت ہے لیکن شاہی سرپرستی نے اس علم کو اسلامی زندگی میں ایک اہم مقام عطا کیا اس کو زیر عمل لانے سے علم ہیئت اور ریاضی میں نہایت اہم نتائج مرتب ہوئے۔ البیرونی کا علم نجوم پر ایک قدیم نسخہ نمائش میں دکھایا گیا ہے مسلمانوں کا سب سے بڑا نجومی ابو معشر تھا جس سے مغرب کو چاند اور مد و جزر کے تعلق کا علم ہوا۔ علم جغرافیہ سے متعلق نقشہ جات، چارٹ اور سمندری راستے سب سے پہلے عربوں ہی نے تیرہویں صدی میں بنائے۔ کوپر نیکس کی دریافت کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور ستارے سورج کے گرد اپنے مدار پر چکر لگاتے ہیں مسلمانوں کی قدیم تر دریافت پر مبنی ہے

یاقوت نے جو نسلاً غلام تھا جسے الرومی بھی کہتے ہیں ۱۲۲۴ء میں چھ جلدوں میں علم جغرافیہ پر اپنی کتاب معجم البلدان لکھی جس میں دنیا کے متعدد علاقوں کے طبیعاتی خصوصیات، آب و ہوا، نباتات اور حیوانات پر بہت سی معلومات فراہم کیں۔ دنیا کا سب سے زیادہ قابل ذکر نقشہ الادریسی مراکشی نے بارہویں صدی میں تیار کیا اس میں زمین مدور شکل میں دکھائی گئی ہے اور دریائے نیل کا محل وقوع بالکل صحیح دکھایا گیا ہے مغرب میں نقشہ کشی کو انیسویں صدی کے یورپی سائنس کی ایجادات میں شمار کیا گیا ہے۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ یہ بات زیادہ لوگوں کو معلوم ہوگی کہ واسکوڈی گاما کا جہاز راں ابن مجید نامی ایک عرب تھا۔ بہرحال مغربی حکماء نے مسلمانوں کی جغرافیائی کارناموں پر توجہ نہیں کی اور یورپ زمانہ قریب تک ان سے لاعلم رہا۔

علم الادویہ مسلمانوں کی کارگزاریوں میں ایک عظیم کارنامہ ہے سائنسی نمائش ایرانی اطباء الرازی، ابن سینا (جو یورپ میں اوی سینا کے نام سے مشہور ہے) کے مقالات، تصاویر اور علم الادویہ اور علم تشریح الاجسام پر اہم تصنیفات سے بھری پڑی ہے۔ ابن سینا نے دسویں صدی میں ادویات پر سو کتابیں لکھیں۔ اس نے تندرستی کے لئے مناسب آب و ہوا اور اچھی غذا پر زور دیا ہے اور جذباتی تناؤ کے خطرناک اثرات اور گندے پانی کو بیماری پھیلنے کا سبب بتایا ہے اور راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے باوجود مریض کو بیہوش کرنے کے لئے شراب کے استعمال کی سفارش کی ہے

رازی کی طبی قاموس العلوم وینس میں سولہویں صدی تک زیر استعمال رہی اس نے سب سے پہلے چیچک کو خسرہ سے ممیز کرنے کے لئے عینی تجربات کو قلمبند کیا ہے اس کتاب میں ایک بہت دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ رازی نے ایک اسپتال کی صحت مند جگہ کا انتخاب اس طرح کیا کہ کچا گوشت مختلف مقامات پر یہ دیکھنے کے لئے لٹکا دیا کہ گوشت سب سے زیادہ دیر میں کہاں خراب ہوتا ہے

:- ماہرین علم الجراحت :-

حالانکہ مسلمان اطباء آپریشن اسی وقت کرتے تھے جب علاج کی کوئی اور صورت باقی نہیں رہتی تھی پھر بھی انہوں نے بہت سے آپریشن میں کافی ترقی حاصل کی۔ مثال کے طور پر الزہراوی گیارہویں صدی میں ولادت بذریعہ آپریشن بھی کراتا تھا اس کی یہ اہم تصنیف سولہویں صدی تک یورپ میں ایک معیاری کتاب کی حیثیت سے استعمال میں رہی۔ نمائش میں انسانی اور حیوانی جسم کی تفصیلات کی تصاویر بھی دکھائی گئیں۔ دوربین خوردبین اور کیمرہ کا بھی موجد ایک مسلمان ہے جس کا نام الہیثم ہے اس نے اپنی تصنیف صحیفۂ بصریات میں امراض چشم کے علم کی بنیاد رکھی ہے مسلمان اطباء امراض چشم کے علاج میں مہارت رکھتے تھے۔

صنعت و حرفت کے شعبہ میں بھی اسلام کا خاص

ـسب ہے نمائش میں مسلمان انجینئروں کے بنائے ہوئے ایسے نقشے موجود ہیں جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح پانی جمع کیا جاسکتا ہے کس طرح نہروں میں رواں کیا جاسکتا ہے اور کس طرح فواروں سے اچھالا جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے حوضوں میں پانی جمع کرکے انہوں نے ایک پیچیدہ نظام رسانی سے ریگستانوں میں تمام شہر آباد کر دیئے

عرب جن کو ریگستان کا باپ کہا جاتا ہے موجودہ فن باغبانی کے بھی موجد تھے انہوں نے اسپین میں نارنگی اور شکر کو روشناس کرایا یورپ نے عربوں ہی سے روئی، کافی، لونگ، سیاہ مرچ، ادرک، کھجور، تربوز، دھان اور تل اگانے کی ترکیبیں سیکھیں۔

اس نمائش کی جتنی بھی تعریف کی جائے اس میں مبالغہ نہ ہوگا اس کے ساتھ تقریباً مسلم فرقوں کی جن میں اسلامی کانفرنس کے سیخ العقیدہ مسلمان بھی شامل ہیں نیک خواہشات شریک ہیں۔ نمائش کے ناقد جناب صالح اعظم نے کہا "ہم اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ لمحے جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تہذیبی تفصیلات کو جلوہ گر کرنے میں پیش رفت کی ہے یہ نمائش ایک خوبصورت تقریب ہوگی

پھر بھی یہ جشن شبہات کی زد سے نہ بچ سکا کیا ڈالر کے استحکام کے مقصد اسلام ہی لیکا یک اتنی دلچسپی پیدا کردی؟ مسٹر پال کیلر ڈائرکٹر نمائش نے کہا "کلیسا کے بعض حلقوں میں یہ تشویش ہے کہ یہ جشن لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے منعقد ہوا ہے۔ اکثر مسلمانوں کو یہ فکر لاحق ہے کہ اس سے اسلام کو نقصان پہونچے گا۔ بہت سے اسرائیلی اسے عربوں کا پروپگنڈا سمجھتے ہیں۔ گارجین اخبار میں کچھ پریشان خاطر ناظرین کے خطوط شائع ہوئے کہ اس نمائش کی ساری غایت وسط ایشیا سے متعلق سیاسی پروپگنڈے کا ایک میدان کی صورت میں تبدیل ہوکر رہ جائے گی۔ کسی نے لکھا "عوام صنعت اور کاریگری کے بوقلموں مظاہروں میں دلچسپی رکھتے ہیں سیاست سے جی بھر چکا ہے۔ جماعت میمونی کے ناظم نے لکھا "یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی اگر دنیائے اسلام کی اس نمائش کو دوسرے مذاہب کی رواداری اور موانست پیدا کرنے کے بجائے نفرت اور مغائرت کے جذبات کو ابھارنے کے لئے استعمال کیا گیا"

افتتاح سے کچھ دن قبل یہ افواہ گرم تھی کہ یہودیوں کی تسکین خاطر کے خیال سے ملکہ معظمہ نمائش کا افتتاح نہ کریں گی

مسٹر کیلر ان لوگوں کو جو نمائش کے مقاصد پر اعتراض کر رہے تھے نہایت پرزور الفاظ میں یقین دلاتے رہے انہوں نے کہا "یہ سراسر افترا پردازی ہے تمام اعتراضات مہمل ہیں" اور جب کہ نمائش پیش نظر ہے اس نے تمام من گھڑت خیالات کو دور کر دیا ہوگا ہمارا مقصد خالص علمی اور ثقافتی ہے"

ممتاز شخصیت کے مالک مسٹر کیلر کے علاوہ اس عظیم الشان جشن میں سر ہیرلڈ بیلے جرمین اور مسٹر السٹیر ڈنکن نے خصوصیت سے اور مسٹر انتھالی ہٹ اور دیگر مشہور اسلامی فضلا نے بیش از بیش حصہ لیا۔ بقول مسٹر کیلر یہ لوگ پانچ برس متواتر ایک ایسے "فکری اور عالمانہ پروگرام کی ترتیب میں لگے رہے جو اسلام اور اسلامی تہذیب کے ساتھ پذیرائی کا مظہر ہوگا ان شاء اللہ" ان کا یہ کام آسان نہ تھا" ہر کتاب، ہر واقعہ اور ہر نمائش اس جشن کے لیے نہایت کاوش کے ساتھ تیار کی گئی"

دار الامن :— معلومات اسلامیہ اس بے نظیر نمائش اور اسلام کے عظیم ورثہ کو اس سلیقہ سے کروڑوں انسانوں کے سامنے پیش کرنے پر جتنی بھی ان کی تعریف کی جائے وہ حقیقت ہوگی انہوں نے جیسا کہ ان کا اعلان تھا اسلامی کارناموں کو سیر بین کے سے مسلسل نظارہ کی صورت ہی میں نہیں پیش کر دیا بلکہ تمام جشن کی فضا کو قرآن کریم کے ان الفاظ کی تعبیر بنا دیا۔

"اور اللہ تعالیٰ تم کو دار الامن کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے"

بہ حیثیت ایک مسلمان جشن میں شریک ہونا ایک زبردست تجربہ تھا اور بہ حیثیت ایک ہندوستانی یہ اور بھی مکمل تھا کیونکہ اسلامی نوادر کا اتنا بڑا ذخیرہ دیکھ کر عالم اسلام کی شوکت کو بلند کرنے میں اپنی شرکت پر مجھے بڑا فخر محسوس ہوا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش ہم اس جشن کو ہندوستان میں دکھا سکتے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

از جناب سید ابوالحسن صاحب ندوی

سماج کی خبر لیجئے

قوموں کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور دنیا کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ قومی اور سیاسی زندگی میں سوسائٹی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے صحیح اخلاقی اور پختہ سیاسی سمجھ اور ایک اچھی سوسائٹی حکومت کو پیدا کرتی ہے اس کی تنظیم کرتی ہے۔ اس کو ترقی دیتی ہے۔ مزاج سے اسکی حفاظت کرتی ہے جب اس کی رگیں خشک ہونے لگتی ہیں تو اس کی رگوں میں تازہ اور گرم خون پہونچاتی ہے۔ اس کو وقت پر ذمہ دار پرجوش اور کام کے آدمی دیتی ہے۔

دنیا کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ روم کی سلطنت کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا۔ کم کسی قوم نے ایسے اچھے منظم۔ قانونی دماغ اور اعلیٰ فوجی افسر پیدا کئے ہونگے، جیسے رومی قوم نے۔ لیکن جب رومی سوسائٹی کو بداخلاقی اور عیش پرستی کا روگ لگ گیا اور اسکے جسم میں ظلم ناانصافی اور ناجائز طرفداری کا زہر دوڑ گیا۔ تو اسکی قسمت کا ستارا گردش میں آیا۔ اور اس کو اندر اور باہر کے دشمنوں نے دبوچ لیا۔ وہ روم جس کی تمام دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی یورپ کی نیم وحشی قوموں کے حملوں اپنی زندگی سے تنگ تھا، نہ راتوں کو میٹھی نیند نصیب تھی نہ دن کو چین۔ پھر چھٹی صدی عیسوی میں ایرانیوں نے اس کے مشرقی حصہ پر حملہ کرکے اسکی عزت خاک میں ملا دی۔ نوے ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اس کی تمام نوآبادیوں اور ملکوں پر قبضہ کرلیا۔ اور اس کے پایہ تخت قسطنطنیہ کو گھیر لیا پھر اس کے چند برس بعد ہی جب رومیوں کو بمشکل سنبھلنا نصیب ہوا تھا۔ عرب کی بے حقیقت مٹھی بھر فوجوں نے دھاوا بول دیا، روم کی سوسائٹی اخلاقی حیثیت سے اتنی کمزور اور کھوکھلی تھی کہ ہرقل جیسا لائق جنرل اور دلیر بادشاہ جس نے اپنی تنظیمی قابلیت اور فوجی لیاقت سے ایرانی فوجوں کو اپنے ملک سے باہر نکال کر ایران کے قلب میں اپنا رومی جھنڈا گاڑ دیا تھا اور ایرانی حکومت کو الٹ پلٹ کرکے رکھدیا تھا، اس گرتی ہوئی رومی سوسائٹی کو تھام نہ سکا اور عربوں کو جن میں دین کا جوش ، شہادت کا شوق اور اخلاق کی طاقت تھی اپنا ملک حوالہ کردینا پڑا۔

یہی ایران میں ہوا جہاں دن رات من برستا تھا۔ جہاں کی دولت اور فوجی طاقت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ لیکن برسوں سے بداخلاقی اور بے اصولی کا کیڑا لگ چکا تھا جو اندر سے اس برگد کو کھا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یزدگرد جیسا مستقل مزاج بادشاہ اور رستم جیسا تجربہ کار فوجی جنرل بھی اس ملک کو بچا نہ سکا۔ اور عربوں نے دونوں مشرقی اور مغربی شہنشاہیوں کو اپنے انتظام میں لے لیا۔

بغداد کی عباسی خلافت کا دنیا میں طوطی بولتا تھا۔ خوارزم شاہ کی سلطنت اپنے زمانہ میں روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ لیکن مسلمانوں کی سوسائٹی روح سے خالی اور اخلاقی کمزوریوں سے داغدار ہوچکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں کا سیلاب کسی کے روکے نہ رکا۔ سینکڑوں برس کا تمدن اور علم وتہذیب کا ذخیرہ ان نیم وحشی حملہ آوروں کے ہاتھوں خاک میں مل گیا۔ اسوقت اگر اسلام نے تاتاریوں پر اخلاقی فتح حاصل نہ کرلی

۔ اور انکے دل کو نہ بدلدیا ہوتا تو مسلمان سوسائٹی اپنی عمر
ی کر چکی ہوتی۔

دُور کیوں جائیے، پہلی اور دوسری لڑائی میں فرانس
پنی اخلاقی کمزوریوں۔ تعیش پسندی کیوجہ سے سخت زک
انی پڑی۔ اگر اتحادی اسکو سہارا نہ دیتے تو یہ قوم جس نے
ذہانت اور بہادری کا کبھی سکہ بٹھادیا تھا اور نپولین
جزل اور انقلاب کے زمانہ کے دلیر اور نڈر لیڈر پیدا کئے
چل ہی بسی تھی۔ اسی طرح مسولینی کی قابلیت اور نازیوں
امداد اٹلی کی کھوکھلی سوسائٹی اور ہوا سے پھولے ہوئے جسم کو
بلہ میں نہ جا سکی۔

ہماری ہندوستانی سوسائٹی پرانے زمانہ میں اپنے فلسفہ
ت اور ادب وشاعری میں نیز اخلاقی جرأت اور سچائی ایمانداری
رب لاگ بن میں کہاوت کی طرح مشہور رہی، یہاں کی اخلاقی
انیاں اور اخلاق کے اعلیٰ اصول سوغات کی طرح دیس دیس
اتے تھے۔ پانچویں صدی میں ایران نے جو علم وتہذیب کا مرکز تھا
یک بہت بڑا عالم بھیجا تاکہ وہ یہاں کی اخلاقی تعلیم اور اخلاقی
ہانیوں کا پہلوی زبان میں ترجمہ کرے۔ عربوں نے بھی اپنے دور
میں ان کہانیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آج بھی اس کا ترجمہ کلیلہ و
دمنہ ایک سدا بہار کتاب ہے۔ چینیوں نے اپنی دانائی اور پرانے
ہوئے علم کے باوجود اس ملک کے علم وحکمت کے خزانوں سے
برابر فائدہ اٹھایا اور اپنے بڑے بڑے فلسفیوں اور ذہنی عالموں کو
بھیج بھیج کر اس ملک کی استادی اور بڑائی کا اقرار کیا۔ آج بھی
اسکی پراچین کہانیوں اور گیتا اور رامائن میں بڑی بڑی سچی اور
گہری باتیں ہیں۔

دسویں صدی میں یہ ہندوستانی سوسائٹی بہت گر چکی
تھی۔ خود غرضی اور ذاتی عداوتوں کا سارے ملک میں جال پھیلا
ہوا تھا۔ روحانیت اور خدا پرستی بہت کم رہ گئی تھی۔ دولت
(لکشمی) نے معبود کی صورت اختیار کرلی تھی۔ لٹریچر، مذہب،
صنعت، مصوری، نقاشی، اور عبادتگاہوں تک میں شہوانیت اور
عریانی سرایت کرگئی تھی۔ سوسائٹی میں بلا کی اونچ نیچ تھی۔ شریف
اور ذلیل میں انسان اور جانور سے زیادہ فرق تھا۔ اخلاقی طاقت
بہت کمزور ہوچکی تھی۔ ایسی حالت میں وسط ایشیا سے ایک
تازہ دم قوم آئی جس میں اخلاقی طاقت زیادہ تھی، یہ مسلمان
تھے، جنھوں نے اس ملک کا انتظام سنبھال لیا انھوں نے
ہندوستانی سوسائٹی کو ترقی دی اور صدر کانگریس ڈاکٹر پٹابھی
کے الفاظ میں یہاں کے کلچر کی دولت میں اضافہ کیا۔ اور اس ملک
کی سماجی زندگی اور ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ انھوں نے
اسکی رگوں میں تازہ خون پہونچایا۔ مساوات انسانی دوستی
روحانی ومادی توازن واعتدال کا پیغام دیا۔ خالص توحید
ونبوت ورسالت کے مفہوم سے آشنا کیا۔ انھوں نے یہاں کی تاریخ
اور ادب میں سچائی اور دیانتداری۔ اخلاقی بہادری اور زہد
وپاکیزگی کے بعض بڑے دلکش نمونے شامل کئے اور بعض ایسے خدا
سے ڈرنے والے پاک وصاف زندگی گذارنے والے بادشاہ حق
کہنے والے اور نیک مشورہ دینے والے دنیا کی لالچ سے آزاد درویش
اور عالم پیدا کئے جن کی زندگی اس ملک کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

دوسرے ملک کی تاریخیں آسانی سے ایسے بلند اخلاقی
نمونے پیش نہیں کرسکتیں۔ انھوں نے کئی مرتبہ اس ملک کی گرتی
ہوئی اخلاقی طاقت کو ابھارا اور سماج کے بیمار جسم میں طاقت
وصحت پہنچائی اور ملک کو عام اخلاقی زوال سے بچا لیا۔

لیکن رفتہ رفتہ ہندوستانی سماج مختلف قسم کی
اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ بے اصولی
عیش پسندی۔ خود غرضی، جعل سازی پیدا ہوگئی۔ مسلمان جو
کبھی ہندوستانی سماج کے سنبھالنے والے تھے اب اخلاقی اور
سماجی خرابیوں کے شکار بلکہ اصلی ذمہ دار تھے۔ خانہ جنگی ناجائز
طرفداری بیجا پاسداری۔ بیوفائی وعدہ خلافی کا دور دورہ
تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا انتظام درہم برہم ہوگیا۔ شہروں
میں اطمینان اور راستوں میں امن نہیں رہا۔ ملک میں ایک
سرے سے دوسرے سرے تک افراتفری مچی تھی۔ اللہ کا کسی سے

نہیں وہ اپنی زمین کی تباہی اور اپنے بندوں کی بربادی نہیں سکتا۔ یہاں اس ملک میں کسی میں حکومت کی لیاقت تھی۔ اس نے سات سمندر پار کی ایک قوم کو بھیج دیا جسمیں انتظام کی قابلیت تھی اور زندگی کا سلیقہ تھا۔ حقیقی اخلاق اسمیں پتہ نہ تھا۔ مگر زندگی کے کچھ ایسے اصول رکھتی تھی جس بنیاد پر وہ کچھ مدت تک کسی ملک کا انتظام کرسکتی تھی اور ئی حکومت چلا سکتی تھی۔ اس نے سڑکیں بنائیں۔ ڈاکخانے اور شفاخانے جگہ جگہ قائم کئے۔ ریلیں دوڑائیں پولیس کا انتظام کیا۔ دفتری نظم و نسق قائم کیا۔ لیکن ہندوستانی سائٹی کو سخت نقصان پہونچایا۔ اسکے رہے سہے اچھے اوصاف ہندوستانی و مشرقی کیرکٹر کی خوبیاں مٹائیں اور نئی خرابیاں کردیں جو ایک ایسی حکومت کا لازمی نتیجہ ہیں جسکو رومی لنت سے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کا زریں اصول ہیں ملا تھا۔ قومی رقابت، دفتری کاٹ پھانس اپنے ذرا سے رے کیلئے دوسروں کو بڑے سے بڑا نقصان پہونچا دینا۔ ونی سازشیں، مذہب اور اخلاق سے بے پروا ہوکر اپنے یا اپنے فرقہ کے لئے یا اپنی برادری اور دوستوں اور زوں کیلئے ناجائز کو جائز کرلینا یہ وہ سبق تھا جو ہندوستانی ناروں اور ملازمت پیشہ لوگوں نے انگریزی حکومت کے میں خاص طور پر سیکھا۔ انگریزوں کی سو برس کی حکومت ہندوستانیوں نے جس فن کی سب سے زیادہ مشق کی وہ یسی ند یا فائدے کے لئے دفتری و قانونی ذہانت کو استعمال کرنا ہینوں اور برسوں میں آہستہ آہستہ قوانین و اصطلاحات ریعہ اپنے مقصد کو پورا کرنا تھا۔ رقابت اور دشمنی کی یہ ذہی جو دفتروں اور تعلیم گاہوں میں کام کرتی رہی۔ اس نے وسلمان افسر و ماتحت کے دلوں میں نفرت و عداوت کا وہ بو دیا جس نے بالآخر ایک کا دوسرے کے ساتھ رہنا مشکل یا۔ یہی تربیت و ذہنیت ان واقعات کی تنہا ذمہ دار ہے۔ ں بدقسمت ملک میں پچھلے دنوں پیش آئے اسمیں نہ کلچر کے کسی

اختلاف کو دخل تھا، نہ زبان کی دوئی کو، نہ رسم و رواج کے فرق کو۔ جو لوگ کلچر یا تہذیب کے اختلاف کو اس عداوت اور خانہ جنگی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں وہ واقعات سے چشم پوشی کرتے ہیں اور صریحی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ زبان و ادب، تہذیب و معاشرت کا فرق اس ملک میں ہمیشہ رہا۔ لیکن انگریزی حکومت اور اس کی تعلیم گاہوں اور دفاتر سے پہلے وہ عداوت و رقابت کبھی نہیں پیدا ہوئی جو ناسور بنکر ۱۹۴۷ء میں پھوٹ پڑی۔

بیسویں صدی کے شروع میں بدیشی راج کے نقصانات اور تکلیفیں پوری طرح لوگوں پر کھل گئیں مگر جسمانی تکالیف کا احساس زیادہ تھا اور اخلاقی نقصانات کا احساس کم۔ ہندو مسلمانوں کے میل سے آزادی کی تحریک شروع ہوئی اس وقت اس ملک کی اخلاقی اور سماجی حالت بہت گرچکی تھی اصول اور اخلاقی معیار بھول چکے تھے۔ ذاتی اغراض و فوائد دماغوں اور دلوں پر چھائے ہوئے تھے۔ انگریزی سیاست اور تعلیم کا کیڑا اس ہرے بھرے درخت کو اندر سے چاٹ چکا تھا۔ انسانیت اور شہریت کا احساس جس پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ بہت کمزور پڑ چکا تھا۔ چاہیئے یہ تھا کہ اس ملک کی اخلاقی حالت کو اونچا کرتے اور عوام میں آدمیت اور شہریت کا احساس پیدا کرنے کی جان توڑ کوشش کی جاتی۔ محلہ محلہ گاؤں گاؤں شہر شہر اس کیلئے کمیٹیاں پنچائتیں مدرسے اور حلقے قائم کئے جاتے، گھر گھر اس کے وعظ اور اپدیش دیے جاتے لاکھوں کتابیں اور رسالے شائع ہوتے اور پڑھ کر سنائے جاتے۔ غرض آزادی کا احساس پیدا کرنے کیلئے جو کوشش کی گئی اس کی دس گنا کوشش اخلاقی احساس اور آدمیت پیدا کرنے کے لئے کرنی چاہیئے۔

لیکن انگریزوں کی موجودگی اور انکی سازشوں کے علم نے نیز اس مغربی سیاست نے جو سیاسی جنگ میں اخلاقی اور آدمیت بنیادوں کو ہمیشہ نظر انداز کرتی رہی ہے، ہمارے سیاسی رہنماؤں کو اسکی فرصت ہی نہیں دی کہ وہ اخلاقی اور سماجی سدھار کے بنیادی مسئلہ کی طرف پوری توجہ کرسکیں۔ اسمیں شک نہیں کہ ہمارے سیاسی

رہنما خود ادنچے اخلاق کے لوگ تھے۔ لیکن مہاتما جی کے سوا کم لوگوں کو اخلاقی مسئلہ کی اہمیت کا احساس تھا۔ سیاسی مصروفیتوں اور فوری مسائل نے گاندھی جی کو بھی اس بات کا پورا موقعہ نہیں دیا کہ وہ ملک کی آزادی سے پہلے سوسائٹی کی تعمیر کریں۔

سچی بات یہ ہے کہ سوسائٹی کی تعمیر تو پیغمبروں ہی کے اصولوں پر ہوتی ہے وہ اپنی ساری توجہ اور خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو اس کام پر لگا دیتے ہیں اور ان کی نظر کبھی اس مقصد سے نہیں چوکتی۔ وہ مسائل کو گڈمڈ نہیں کرتے وہ سوسائٹی سے ان ہونی امیدیں قائم نہیں کرتے وہ اسپر وہ بوجھ نہیں ڈالتے جو اس سے اٹھایا نہ جائے۔ وہ پہلے ایمان اور عقیدہ پیدا کرتے ہیں۔ اسکے اخلاق اور عمل کو سدھارتے ہیں۔ اسمیں کیرکٹر پیدا کرتے ہیں پھر جس طرح پھل دار بے روگ درخت سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح آگ کے ساتھ گرمی اور سورج کے ساتھ روشنی ضروری ہے اسی طرح صحیح کیرکٹر اور صحیح تربیت سے آزادی حکومت کی صلاحیت اور قربانی وخدمت کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے۔ انسانی فطرت کا ہمیشہ سے یہی راستہ ہے اور ہمیشہ یہی راستہ رہے گا۔

۱۹۴۷ء میں جب اس ملک کو آزادی ملی تو تربیت کی کمی ذاتی یا قومی خود غرضی اور جہالت اور آدمیت کے احترام کے فقدان نے اس ملک کے لوگوں میں وہ دیوانگی پیدا کر دی کہ انسان انسانوں کے حق میں درندے اور سانپ اور بچھو بن گئے اور انھوں نے ایسے وحشیانہ کام کئے کہ آدم خور وحشی سر جھکا لیں اور کانوں پر ہاتھ رکھ سکیں۔ عورتوں کی بے آبروئی کی گئی۔ شیر خوار بچوں کو سنگینوں اور بھالوں سے قتل کیا گیا۔ چلتی ہوئی ریل سے مسافروں کو پھینکا گیا۔ کنوؤں میں زہر ملایا گیا۔ جلتی ہوئی آگ میں جیتے جاگتے آدمیوں کو جلایا گیا۔ ایک ایسا ملک جسکی اخلاقی سطح کشمیر کی اونچائی سے راسکماری تک اتنی پست اور اس دیس کے بہت سے رہنے والے آدمیت اور تہذیب سے اتنے کورے ہوں کیا اس ملک میں اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار سے بڑھ کر کوئی مسئلہ اہمیت رکھتا ہے؟

پھر جب اس ملک کے دونوں حصوں کو حکومت مل گئی، تو کچی سیرت، ناقص تربیت اور انگریزوں کے ڈھالے ہوئے اخلاق نے یہاں بھی گل کھلایا۔ رشوت ستانی اور معاشی لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہوئی۔ کنٹرول نہیں تھا تو قیمتیں اتنی چڑھ گئیں کہ غریب کی زندگی مشکل ہو گئی۔ کنٹرول قایم ہوا تو چور بازاری اور ناجائز نفع خوری نے سر نکالا۔ ایک طرف افراط زر نے ملک کے مالی توازن کو درہم برہم کر رکھا ہے دوسری طرف بڑھی ہوئی غربت نے لوگوں میں عام بےچینی پیدا کر رکھی ہے ان غریبوں کو ملک کی آزادی اور عوامی حکومت کا احساس بھی نہیں۔

ایسی صورت میں ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر تمام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہیے تھی اس ملک کی اخلاقی اصلاح سماجی سدھار اور ذمہ داری کا احساس تھا درحقیقت ملک کی موجودہ صورت حال میں اس مسئلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے یا تیسرے درجے کے مسئلہ کو اپنا موضوع بنا لینا اور کسی فرضی سبب کو اس ملک کی موجودہ بدحالی کا حقیقی سبب قرار دے لینا ایک ایسا اخلاقی جرم ہے جسکو اس ملک کا ہوشمند مورخ معاف نہیں کریگا۔ جس ملک میں انسانی زندگی کی ابتدائی باتوں کی تبلیغ کی ضرورت ہو۔ جس ملک میں شہری زندگی کا احساس اور آدمیت کے احترام کے تلقین کی ضرورت ہو۔ جس ملک میں عام انسانی اخلاق کی کمی ہو۔ جہاں لوگ بڑھی ہوئی رشوت پھیلی ہوئی چور بازاری اور حد سے بڑھی ہوئی نفع خوری کیوجہ سے اپنی جان سے عاجز ہوں۔ جہاں اخلاقی اور قانونی جرائم میں ترقی ہو وہاں ان تمام چونکا دینے والے واقعات سے آنکھ بند کر کے صرف ایک کلچر، ایک زبان ہی پر ساری توجہ لگا دی ہو۔ اس کو ہر مرض کی دوا سمجھنا اور اس پر زبان اور پریس کی تمام طاقتوں کا صرف کر دینا۔ اس ملک کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے۔

اسوقت ہمارا سماج سخت خطرے میں ہے اس کو وہ کیڑا

تک گیا ہے جو اندر اندر سے اسکو کھوکھلا کرکے رکھدیگا۔ اسی کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ جمہوریت بھی خطرہ میں ہے جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالیہ اور معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہوجائے تو اس کو نہ حکومت بچا سکتی ہے نہ جمہوری نظام نہ ایک زبان اور ایک کلچر۔ روم امپائر کا جسوقت خاتمہ ہوا ہے اسوقت تمام رومی قلمرو میں ایک قوم اور ایک کلچر تھا۔ ایران اور عباسیہ خلافت اور خوارزم شاہی حکومت کے زمانہ میں بھی یہی حال تھا۔ لیکن اسمیں سے کوئی چیز بھی اسکی حفاظت نہ کرسکی۔

دستور ساز اسمبلی کے صدر مسٹر ماونلنکر نے اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے سورت کے ایک جلسہ عام میں یہ کہا کہ ہم کو سیرت کی تشکیل کرنی چاہیئے اور ہمارے افعال کو سچائی پر مبنی ہونا چاہیئے۔ اگر ہم اس نکتہ کو بھول گئے تو ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی دیر یا سویر ختم ہوجائیگی اور ہم بھی اس کے ساتھ تباہ ہوجائیں گے۔ ہمیں صداقت کو ہر چیز کی بنیاد بنانا چاہیئے، اور حکومت ہند کے مشیر تعلیم ڈاکٹر تاراچند نے بھی آگرہ یونیورسٹی کے سالانہ اجلاس تقسیم اسناد میں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ "جمہوریت اسی وقت پنپ سکتی ہے جب سماج کا ہر شخص اچھے صفات کا مالک ہو۔"

ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۶ ستمبر ۴۸ء کو جے پور میں سجکٹ کمیٹی کے اجلاس میں اپنی فطری صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ اسی خطرہ کو محسوس کیا اور فرمایا "یہ نہایت قابل افسوس بات ہے کہ بہت سے لوگ بنیادی اور حقیقی مسائل کو چھوڑ کر معمولی باتوں میں الجھ گئے ہیں جن کا کوئی خاص اثر ہمارے ملک کی زندگی پر نہیں پڑتا۔ مجھے کسی بیرونی دشمن کا بالکل خطرہ نہیں ہے مجھے خطرہ اس عنصر سے ہے جو اپنی تنگ نظری سے ملک کی کمزوری کا باعث ہورہا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے تنزل کی سب سے بڑی وجہ تنگ نظری تھی۔"

ہندوستان کی اس عظیم الشان سوسائٹی کی حفاظت اس کی نئی حکومت کے بقا اور آزادی کی قربانیوں نیز ملک کے ساتھ سچی خیر خواہی اور محبت کا تقاضہ ہے کہ ہم یہاں کی اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار کے مسئلہ پر بالکل غیر جانبدار ہوکر تمام قومی اور مذہبی تعصبات سے آزاد ہوکر ایک حقیقت پسند آدمی کی طرح غور کریں۔ اتنی بڑی سوسائٹی اور اتنی بڑی سلطنت پر اسوقت دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں جو ایشیا کی قیادت کی حقدار ہے جو قوموں کے توازن میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے ملکوں کا پیٹ بھر کر اپنا پیٹ بھر سکتی ہے، جو آدمیوں، قابلیتوں اور جواہرات کا خزانہ ہے۔ وہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں ادنیٰ درجے کے تعصبات سے تباہ ہوگئی تو اس سے بڑھ کر دنیا کے لئے حادثہ کیا ہوگا۔

موجودہ اخلاقی کمزوریاں اور سماجی خرابیاں اس وقت تک دور نہیں ہوسکتیں جبتک کہ قوم میں اندرونی تبدیلیاں نہ پیدا ہوں جب تک اندرونی تبدیلی نہ پیدا ہوگی۔ زندگی اور اخلاق اور ملک کے عام حالات میں کوئی سدھار نہیں ہوگا۔ اور اسوقت تک لوگوں کو ان مصیبتوں سے نجات نہیں مل سکتی جو بد اخلاقیوں اور سماجی کمزوریوں کی پیداوار ہیں۔ محض قانون ضوابط پولیس، عدالت، نئے نئے کمیشنوں اور اصلاحی کمیٹیوں سے ان خرابیوں کا سدباب نہیں ہوسکتا اور ایک بھی ایسے انسان کو بے آئینی اور بد دیانتی سے نہیں روکا جا سکتا جسمیں بے اصولی اور بے ایمانی کا قلبی رجحان پیدا ہوچکا ہے اور جو سرکاری قوانین اور انسانوں سے کسی مخفی اور بالاتر طاقت پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ اعلیٰ تعلیم جو عقیدہ نہیں رکھتا۔ اعلیٰ تعلیم جو عقیدہ اور اخلاقی ضمیر سے خالی ہے اس بارے میں ویسے ہی بے اثر اور غیر متعلق ہے، جیسے دوسرے پیشے اور صنعتیں یہ تمام افراد جو رشوت ستانی چور بازاری۔ نفع خوری۔ بے اصولی ناجائز بار سداری اور فریب کے مرتکب ہوتے ہیں تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یورپ میں چونکہ زندگی کی بہتر تنظیم اور شہریت کا احساس زیادہ ہے اسلئے یوروپین سوسائٹی کے افراد گھٹیا قسم کی بداخلاقیوں سے احتیاط کرتے ہیں اور صرف اعلیٰ قسم کی بداخلاقیاں اور بلند

بے اصولیاں جائز سمجھتے ہیں۔ وہ افراد کی بجائے قوموں کو اخلاقی رشوتیں دیتے ہیں، قوموں کو لڑا کر اور ملکوں کو تباہ کرکے اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں۔ اگر موقع ہوتا ہے تو ایٹم بم کے استعمال کرنے اور ہرے بھرے شہروں کو خاک سیاہ کرنے سے احتراز نہیں کرتے ان کو اشخاص کے معاملہ میں ادنیٰ سی وعدہ خلافی سے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر قوموں اور ملکوں کے معاملہ میں بڑی سے بڑی عہد شکنی میں تکلف نہیں ہوتا اگر دل سے خالی اور ضمیر سے عاری نظام تعلیم کسی قوم اور ملک کی اخلاقی سطح کو اونچا کر سکتا۔ تو اسوقت یورپ اور امریکہ شخصی اور اجتماعی اخلاق میں دنیا کے لئے نمونہ ہوتے۔

اندرونی تبدیلی کے لئے دنیا کی پوری تاریخ میں ایمان سے بڑھ کر کسی طاقت اور تربیت کا تجربہ نہیں ہوا ہے جبتک عوام میں خدا کا یقین اور اس کا خوف اور خدائی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا نہ ہو گا۔ اور آخرت وحساب کا ڈر نہ ہو گا۔

اخلاق اور آدمیت کا سرا ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس یقین اور تربیت نے ذہنی اور اخلاقی تبدیلی اور زندگی کے انقلاب کے لیے حیرت انگیز نمونے پیش کئے ہیں۔ جنکی مثال پوری انسانیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہی وہ طاقت تھی جس نے چھٹی صدی مسیحی میں عربوں جیسی کڑ اور ضدی قوم کی دیکھتے دیکھتے کایا پلٹ کر دی، صدیوں کی بُری عادتیں چھڑا دیں۔ حیوانیت کی اس نیچی سطح سے جس پر وہ اپنے ہاتھوں اپنی معصوم بچیوں کو مٹی میں توپ دیا کرتے تھے۔ انسانیت اور شرافت کی اس اونچی سطح پر پہونچا دیا کہ یتیم بچیوں کو پالنے کے لئے ایکدوسرے سے بازی لیجانا چاہتے تھے یہی وہ اخلاقی احساس تھا کہ گنہگار عورت پیغمبر کی عدالت میں آکر خود اپنے گناہ کا اقرار کرتی ہے پھر جب اسکو کسی ضمانت مچلکے کے بغیر واپس کر دیا جاتا ہے تو بچہ کو گود میں لیکر آتی ہے اور سزا کی اس طرح خواہش کرتی ہے جیسے کوئی رہائی کی۔ پھر اس کو واپس کیا جاتا کہ بچہ دودھ چھوڑ دے اور روٹی کھانے لگے۔ دل کی پھانس پھر اسکو عدالت میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے اور اس سے کہلواتی ہے کہ یا رسول اللہ مجھے سزا دیکر گناہوں سے پاک کر دیجئے کہ میں خدا کے عذاب کی ہمت نہیں رکھتی۔ یہی وہ طاقت تھی کہ ایران کی جنگ میں غریب مسلمان سپاہی لاکھوں روپیہ کی مالیت کے ہیرے جواہرات کا جڑاؤ سامان کرتے کے دامن میں چھپا کر لاتا ہے اور افسر کے حوالہ کر دیتا ہے کہ یہ اللہ کا مال ہے اس سے اس کا نام پوچھا جاتا ہے تو اپنا نام نہیں بتاتا کہ مجھے شکریہ اور تعریف کی ضرورت نہیں جسکی خوشی کیلئے میں نے یہ کیا ہے وہ میرا نام جانتا ہے۔ یہی وہ طاقت تھی کہ مدینہ کے مسلمان شراب کا پیالہ ہونٹ سے لگائے ہوئے ہیں۔ کہ کان میں آواز آتی ہے کہ "شراب حرام ہو گئی" پیالہ فوراً منہ سے ہٹ جاتا ہے، منہ کی شراب اگل دیجاتی ہے۔ مٹکے اور برتن چھوڑ دیے جاتے ہیں اور مدینہ کی نالیوں میں شراب بہتی نظر آتی ہے۔

اسکے مقابلہ میں امریکہ جیسا متمدن و ترقی یافتہ ملک کئی کروڑ ڈالر صرف کرکے اور کئی ارب صفحے کا لٹریچر شائع کرکے بھی امریکن سوسائٹی کو شراب چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکا۔ بلکہ اس نے اسکی جسقدر تبلیغ کی لوگوں میں شراب نوشی کا جنون اور بڑھا یہانتک کہ اس کو یہ قانون منسوخ کرنا پڑا۔ ہمارا ملک بھی اپنے پورے وسائل اور اثرات کو کام میں لانے کے بعد بھی رشوت ستانی اور چور بازاری کے خلاف اپنی مہم میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ایک ناکام طریقہ کا مزید تجربہ کرکے اور سوسائٹی کو زیادہ موقع دینے کے بجائے اسکے کامیاب راستہ کو اختیار کریں اور مذہب کی اس طاقت سے مدد لینے میں شرم محسوس نہ کریں۔ ہمارے سیاسی رہنما اور جنکے ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے اسکو ملک کی تعمیر کا سنگ بنیاد سمجھیں اور اپنے تمام وسائل اور اثرات کو اس تبلیغ اور تعلیم میں استعمال کریں جو لوگوں میں خدا کا یقین اور خوف اور اسکے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہونے کا خیال پیدا کرے اور اس ملک کی تعمیر و ترقی اور اسکی سوسائٹی کی حفاظت اور نیک نامی کے لئے یہ کام فنون لطیفہ کی سرپرستی

کسی قدیم زبان و ادب یا ہندوستانی فن رقاصی یا علم موسیقی کے زندہ کرنے، نئے نئے شعبوں کے افتتاح اور مغربی ممالک کے قدم بقدم چلنے کی کوشش سے ہزار درجہ زیادہ اہم ہے۔ غیر ملکی حکومت اور سیاسی مسائل کیوجہ سے ہمارا پریس اور قومی کارکن اخلاقی اور سماجی مسائل کی طرف توجہ نہیں کر سکے۔ اسلئے ہماری زندگی میں بہت سے جھول رہ گئے لیکن اب جبکہ ہم پر ہندوستان سوسائٹی کی تعمیر اور ملک کی حفاظت کا بوجھ آ پڑا ہے اور اس راستہ میں کوئی سیاسی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہمارے پریس ادب اور ریڈیو اور قومی کارکنوں کو اسکی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ہر پروگرام سے زیادہ اسکو اہمیت دینی چاہیئے اگر ہم نے ملک کی مادی ترقی و تنظیم کے ساتھ سوسائٹی کی اخلاقی اور روحانی ترقی و تعمیر کا کام ملا دیا۔ اور اسکو نئی زندگی کی بنیا د بنا یا۔ تو یہ دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا شاندار تجربہ ہوگا کہ نہ صرف ایشیا کے آزاد ممالک بلکہ یورپ و امریکہ بھی اسکی تقلید کریں گے۔ اور ہم نے یورپ و امریکہ کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی نقالی کرنے پر اکتفا کی تو ہماری حیثیت ایک کند ذہن شاگرد سے زیادہ نہیں ہوگی جو اپنے دماغ سے سوچنے اور اپنا راستہ نکالنے سے معذور ہے اور ہمارے عظیم الشان ملک کے لئے کوئی قابلِ فخر حیثیت نہیں ہوگی۔

◎

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے
(اقبال)

◎

صدائے دل

رئیس نعمانی

بشوق قصۂ زلف و رخ و نگاہ کہو
حدیثِ دار و سلاسل بھی گاہ گاہ کہو
جو بات کہہ نہ سکو، جو سماں نہ دیکھ سکو
اسی کو حاصلِ اندیشۂ نگاہ کہو
سیاہ خانۂ تاریخ میں جو پنہاں ہے
وہ داستانِ گذشتہ بھی گاہ گاہ کہو
نگاہ رکھتا ہو جو آپ اپنے عیبوں پر
روا ہے اس کو اگر صاحبِ نگاہ کہو
حدیثِ خالقِ ارض و سما بھی دہراؤ
اگر فسانۂ گلزار و مہر و ماہ کہو
ہوا کے رُخ پہ ہیں تہذیبِ نو کی بنیادیں
چمکتے دن کو رفیقو! شبِ سیاہ کہو
یہ فکر و فن، یہ سیاست، یہ مذہبِ امروز
یقیں کی موت کا ساماں ہیں لا اِلٰہ کہو
رئیس اگر دلِ عبرت پذیر رکھتے ہو
گدائے راہ کو سلطانِ کجکلاہ کہو

مستقبل

از ڈاکٹر احمد حسین سیفی

جنوں نصیب ہے وارفتگی کا مستقبل
ہے بے خودی سے حسیں بے خودی کا مستقبل

امانتِ غمِ جاناں کی خیر ہو یا رب
خرد نہ ہو مری دیوانگی کا مستقبل

یہی نچوڑ تو صدیوں کے تجربات کا ہے
خوشی ہے غم کا تو غم ہے خوشی کا مستقبل

فروغِ صبح بھی مانگا ہوا اُجالا ہے
سیاہ رات ہے اس روشنی کا مستقبل

کشاکشِ غمِ ہستی عذاب بن جائے
کہیں جو موت نہ ہو زندگی کا مستقبل

سیاہ رات میں تاریکیوں کا غم نہ کرو
ہے تابناک اسی تیرگی کا مستقبل

تری نگاہ نے محفل میں دفعتاً اُٹھ کر
کسی کا حال بگاڑا کسی کا مستقبل

ملے حیات تو ذوقِ نمو بھی پیدا کر
چمن میں خندۂ گل ہے کلی کا مستقبل

عذابِ کرب سے شاید نجات مل نہ سکے
نہ ہو جو بے خبری آگہی کا مستقبل

زمانہ لاکھ تراشے صنم خداؤں کے
خلیلیت ہے ہر اک آذری کا مستقبل

نکل کے خلد کی تنہائیوں سے اے سیفی
بہت بلند ہوا آدمی کا مستقبل

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

افسانۂ لکھنؤ

میر سیادت حسین خان عرف آغا حجو تخلص شرف آتش کے شاگرد اور واجد علی بادشاہ کے سمدھی یعنی ولیعہد مرزا حامد علی کو کب کے خسر تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد یہ بھی کلکتہ چلے گئے تھے اور مٹیا برج میں ولیعہد کے ہمراہ رہتے تھے ۔ لیکن ولیعہد کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اس حادثہ کا ان کو سخت صدمہ ہوا ۔ ان کا طرز کلام وہی ہے جو لکھنؤ اسکول کے شعرا کا ہے یعنی زبان نہایت صاف و سلیس بندشیں اور ترکیبیں دلچسپ ۔ البتہ مضمون آفرینی کی کمی ہے ۔ فارسی اور عربی الفاظ ان کے کلام میں بہت کم ہیں۔[1]

اردو شعرا کے تذکروں میں آغا حجو شرف کا ذکر عموماً اسی قدر مختصر ملتا ہے ۔ یہ کسی نے بھی نہیں لکھا کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کے حالات پر ایک مثنوی بھی نظم کی تھی جس کا نام "افسانۂ لکھنؤ" ہے ۔ یہ مثنوی قلمی صورت میں پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے یہ مثنوی مٹیا برج ہی میں ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں ہوئی کل ایک سو اکیاون صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں عموماً پندرہ سطریں ہیں ۔ آخر میں ہجری تاریخ مصرع سے

وقایات شاہنشہ لکھنؤ ، اور عیسوی تاریخ مصرع سے

" برکوہ دخدام خاقان ہند " سے نکالی ہے سب کے آخر میں یہ عبارت درج ہے ۔

" برائے ملاحظۂ بندگان والا در بار ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ عادل خاقان ابن الخاقان ابن الخاقان سلطان ابن السلطان خلد اللہ ملکہ گذرانیدہ جاں نثار موروثی تربیت یافتہ دامن دولت ، سیادت حسن سید جلال الدین حیدر خاں عرف آغا حجو شرف عفا عنہ امیدوار قدم بوسی ۔ فقط المرقوم یازدہم ذی الحجہ ۱۲۹۰ھ "

بعد حمد و نعت کے منقبت میں حضرت علی سے یہ دعا مانگی ہے جس سے ان کی لکھنؤ اور واجد علی شاہ سے محبت ظاہر ہے

مدد کیجئے لکھنؤ لٹ گیا　　خبر لیجئے لکھنؤ لٹ گیا
تباہی کو آبادی ہے ناپسند　　غلاموں کا حسرت سے ہے رنگ فق
یہ (تقدیر ؟) بھوسے ہیں اللہ کو　　نکالا ہے واجد علی شاہ کو
عطا کیجئے ان کو پھر تخت و تاج　　ملے راج پھر ان کو راجیں یہ راج
پریشان ہیں سب صغیر و کبیر　　یہ اللہ ہو جلد ہو دستگیر
لے آؤ واجد علی شاہ کو　　بٹھا جاؤ واجد علی شاہ کو
حمایت میں لے لو ولیعہد کو　　ولیعہدی پھر دو ولیعہد کو
خداوند بہر خدائے قدیر　　عنایت ہو پھر ان کو تاج و سریر

اس کے بعد اپنا حال اس عنوان سے لکھا ہے ۔

بیان بندۂ عاجز اضعف العباد مصنف دفتر ہذا سیادت حسن سید جلال الدین حیدر خاں عرف آغا حجو شرف متوطن لکھنؤ بالفعل وارد شہر کلکتہ ۔

بہ بارگاہ ابوالنصرت ہمایوں جاہ قیصر حشم صاحب عالم ولیعہد مرزا حامد علی بہادر دام اقبالہ و حشمتہ

سنو صاحبو ہے مرا تو یہ حال　　کہ میں تو گنہگار ہوں [illegible]
اک ادنیٰ سا بندہ ہوں اس شاہ کا　　ہوا خواہ واجد علی شاہ کا
زمانے میں مشہور شاعر ہوں میں　　وطن میں نہیں ہوں مسافر ہوں میں
سدا سے تخلص ہے میرا شرف　　وہ مشہور و معروف [illegible]
مزہ دل کو ہے ذوق پر طبع ہوں میں　　ہمیشہ سے شاگرد آتش ہوں میں

---

[1] تاریخ ادب اردو ۔ از رام بابو سکسینہ ص ۲۵۱

وہ اُستاد جو تھے خواجہ حیدر علی　　خدا بخشے ان کو وہ تھے نیک دلی
وہ فردوسی وقت تھے لاجواب　　خدا نے کیا تھا انھیں انتخاب

- - - - - - - - - - - - - - - -

عجب بات دل میں یہ آئی مرے　　یکایک دل میں سمائی مرے
حقیقت اودھ کی جو تھی نظم کی　　یہ کلکتہ میں مثنوی نظم کی
ہزار اور دو صد پہ نوّے تھے سال　　کیا نظم کل حال ماضی و حال
جو کی وجہ تسمیہ کی جستجو　　کہا دل نے "افسانۂ لکھنؤ"

مثنوی کا آغاز واجد علی شاہ کی تعریف سے ہوا ہے وہ بتاتے ہیں کہ بادشاہ پابند صوم صلوٰۃ تھے نیز خمس و زکوٰۃ برابر ادا کرتے تھے ۱۲۶۳ھ میں تخت نشین ہوئے۔ ممالک مقبوضہ سے تین کرور سالانہ کی آمدنی تھی۔ رعایا راضی اور خوش تھی۔ دولتمندی اور خوشحالی کی حد نہ تھی۔ توپ خانے اور اسلحہ کثیر تعداد میں تھے۔ رسالے اور پلٹنیں۔ ہاتھی گھوڑے بے شمار تھے۔ فوج کی پریڈ بادشاہ خود اپنے سامنے کرواتے تھے۔ اور ہر مہینہ ہر سپاہی کو تنخواہ دیدی جاتی تھی مزاج میں فیاضی اس قدر تھی کہ بہت سے کنگلے، ان کی بخشش سے لکھ پتی بن گئے۔ عدل و انصاف کا اس قدر خیال تھا کہ جب سواری پر نکلتے تو چاندی کا صندوقچہ ساتھ ہوتا۔ جس کسی کو کوئی شکایت کرنا ہوتی اپنی عرضی اس صندوقچے میں ڈال دیتا تھا بادشاہ بہ نفس نفیس خود اس کے معاملہ کی تحقیق کرتے اور اس طرح دادخواہوں کو داد ملا کرتی تھی۔ صورت شکل میں بادشاہ خود بھی حسین تھے اور حسن پسند بھی تھے۔ جب اپنے تخت جواہر نگار پر بیٹھتے تو ان کا جمال اور جاہ و جلال قابل دید ہوتا تھا۔ بادشاہ کے علاوہ ان کے وزیر نواب علی نقی خاں نیز دوسرے اعیان دولت سب بڑی ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ شہر میں جگہ جگہ عیش و طرب کی محفلیں گرم رہتی تھی۔ شاہان انگلستان سے ارتباط دوستانہ تھا۔ آپس میں تحفے تحائف آتے جاتے رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کو تیار رہتے تھے۔ جب کوئی گورنر جنرل لکھنؤ آتا تو مع فوج وہ بادشاہ کا مہمان ہوتا تھا۔ ذی رتبہ انگریزی خواتین کو بھی تحفے دیئے جاتے تھے۔ آپس میں عہد نامے ایسے تھے جنکی رو سے اندرونی ملکی معاملات میں ایک دوسرے کو دخل دینے کا کوئی اختیار نہ تھا۔

انتزاع سلطنت اودھ کا باعث کیا ہوا۔ اس کے متعلق شرق کا خیال ہے کہ اس کا باعث اجودھیا گڑھی کی مسجد کا ہنگامہ ہوا۔

اس بد انتظامی سے انگریزوں کو ایک موقع ہاتھ آیا اور ریذیڈنٹ مسٹر سلیمن نے بعد اجازت بادشاہ تمام ملک اودھ میں دورہ کرنا شروع کیا تاکہ بد انتظامی کا پورا جائزہ لے سکیں۔ سلیمن صاحب نے رپورٹ خراب دی۔ (کیونکہ کمپنی کے ڈائرکٹروں کا عرصہ سے یہ خیال ہو رہا تھا کہ حکومت اودھ ضبط کر لی جائے اور پھر ڈلہوزی جیسا اس زمانے میں گورنر جنرل تھا) اور بادشاہ سے آکر کہا کہ آپ کے محاصل آپ کو پورے وصول نہیں ہوتے حالانکہ رعایا پر کچھ باقی نہیں رہنے پاتا ہے پرگنوں سے جو قسط آتی ہے وہ نہیں معلوم کہاں جاتی ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اپنے عمال بدل دیں اور ذرا کڑی نگہداشت رکھیں۔ بادشاہ نے کہا کہ ہم سب سے حساب لیں گے ویسے ہم کو خود سب کی خبر ہے۔ ہم صرف جبر کرنا نہیں چاہتے ویسے رعایا ساری ہم سے خورسند ہے۔ لیکن ریزیڈنٹ خلاف ہو گیا اور اس نے گورنر جنرل ڈلہوزی کو یہ رپورٹ تمام و کمال بھیج دی اور شہر میں مشہور کر دیا کہ اب یہاں انگریزی عمل ہو گا چند ماہ کے بعد سلیمن چلا گیا اور اس کے بجائے اوٹرم ریذیڈنٹ ہو کر آیا یہاں یہ سمجھا جانے لگا کہ اب یہ معاملہ ٹل گیا لیکن ادھر انگریز بالکل غافل نہ تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد اوٹرم یہاں سے کلکتہ بلائے گئے۔ وہاں ڈلہوزی نے ان سے کہا کہ فوج لے کر جاؤ لیکن تدبیریں ایسی اختیار کرو کہ بغیر جنگ کئے ملک اودھ ہاتھ آجائے۔ ایک خط بھی بادشاہ کے نام لکھ کر اوٹرم کی معرفت بھیجا کہ آپ بادشاہت سے دستبردار ہو جائیں۔ چنانچہ جب اوٹرم مع فوج کے وارد لکھنؤ ہوا تو ناکے کے قریب وزیر نواب علی نقی خاں اور ولیعہد ان کی پیشوائی کو گئے دوران ملاقات میں اس نے ظاہر کر دیا کہ اس ملک کو نواب ... نے لے لیا ہے۔ بہتر ہے کہ بادشاہ اس معاملے کو آسانی سے طے کر دیں تو ان کے شایان شان پنشن مقرر ہو جائے گی۔ دوسرے روز بادشاہ کو یہ خبر پہونچائی گئی جس کا تمام رعایا اور اعیان مملکت و وابستگان دربار کو سخت رنج ہوا۔ اور تعجب ہوا کہ انگریزوں نے

ـزعہدناموں کے خلاف کیوں کر کیا۔ بادشاہ کے لشکریوں سے آسانی
ـوں ملک وغیرہ بنا خلاف حمیت جاتا لیکن بادشاہ نے فوج کو فرمان
ـکہ او قسم دلائی کہ ہرگز کوئی آمادۂ جنگ نہ ہو اور سب ہتھیار کھول ڈالیں
ـیاں بھی برجوں پر سے اتروا دی گئیں۔ ہر زمیندار کو نوشتہ بھیجا گیا کہ کوئی
ـرہ جنگ نہ ہو۔ بادشاہ کا خیال یہ تھا کہ اگر جنگ نہ کی جائے گی تو
ـریوں کو قائل معقول کر کے ملک واپس مل سکے گا۔ چنانچہ بادشاہ
ـرف سے جب کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تو اوٹرم نے تمام سرکاری
ـزات پر قبضہ کر لیا اور فوج شاہی برطرف کی گئی۔ توپ خانے غصب
ـلئے اور ہر طرف اشتہار چسپاں کر دیئے گئے کہ اب انگریزی عمل دخل
ـیا ہے۔ یہ واقعہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ کو پیش آیا۔
ـس کے بعد بادشاہ نے ریذیڈنٹ سے کہا کہ میں کلکتہ جا کر خود گورنر
ـل سے اس معاملے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ریذیڈنٹ نے کہا آپ
ـہ سے تامل کریں اور بہ اعزاز کے ساتھ روانہ ہوں۔ اس عرصہ میں اوٹرم
ـلارڈ ڈلہوزی کو اطلاع دی کہ بادشاہ آپ سے ملنے کے لیے
ـانا چاہتے ہیں جب اس نے اجازت دیدی تو ریذیڈنٹ نے بادشاہ
ـسے آ کر کہا کہ آپ اب تشریف لے جائیں اور جس چیز کی ضرورت ہو آگاہ
ـکر دیں تاکہ اسے مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کے سفر
ـتیاریاں شروع ہو گئیں اور مختلف لوگوں کے سپرد مختلف کام ہونے
ـمثلاً حسام الدولہ کو مختار عام بنایا کہ وہ بادشاہ کی غیر حاضری میں تمام
ـری و دفتری کام انجام دیں۔ مفتاح الدولہ کو محلات شاہی کا انتظام
ـد ہوا۔ منور الدولہ کو اور مسٹر برڈ کو مشیر سفر بنایا گیا۔ جب سفر کے تمام
ـامات مکمل ہو گئے تو بادشاہ نے سب سے پہلے اپنی ماں کو سوار کیا
ـں نے دعائیں دیں اور سوار ہو گئیں۔ بادشاہ، بیگم خاص محل اور
ـولیعہد بہادر پر ایک تیز رفتار بگھی پر سوار ہوئے پیچھے کی گاڑیوں
ـلواور بیگمات بیٹھیں۔

ـشہر میں جب سواری چلی — گلستاں سے بادِ بہاری چلی
ـانوہ تھے سب ان کو رب — ہزاروں کی آنکھوں سے آنسو بہے
ـانجوں کو رجب کی سفر — رقم بارہ سو سن بہتر کو کر
ـے زمانے کا دم گھٹ گیا — خداوند سے جب وطن چھٹ گیا

نمک خوار جتنے سرافراز تھے — چلے ساتھ یہ سب کہ مختار تھے
وزیر الممالک ہیں خانہ نشیں — ہوا ہے ابھی ان کا جانا نہیں

پھر اس کے بعد مصنف نے ان اعزہ اور عمائدینِ سلطنت کی طویل اور مفصل فہرست کوئی پندرہ صفحوں میں دی ہے جو بادشاہ کے ساتھ کلکتہ روانہ ہوئے ہیں۔ ان تمام اہل حرفہ اور علم و فن کے ماہرین کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے بادشاہ کی جدائی گوارہ نہیں کی اور بادشاہ کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔ شاعروں میں رفیع الدولہ محمد رضا خاں برقؔ اور سید مظفر علی اسیرؔ مہتاب الدولہ درخشاںؔ کا خصوصیت سے ذکر ہے۔

دوسرے دن یہ قافلہ کانپور پہونچا۔ چودہ دن قیام کر کے آگے روانہ ہوئے اور الٰہ آباد میں چند روز قیام کر کے بنارس میں منزل کی۔ یہاں کا راجہ خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بادشاہ کو بڑے اہتمام اور بڑی خاطرداری سے مہمان کیا۔ پندرہ دن وہاں رہنے کے بعد ذریعہ جہاز کلکتہ روانہ ہوئے۔ وہاں موچی کھولے پہونچ کر راجہ بردوان کے سب مکان کرایہ پر لیے گئے۔ اور پہلے وہیں سب قافلے نے طرح اقامت ڈالی۔

کچھ عرصہ بعد بادشاہ کی ماں ملکہ کشور صاحبہ اور مرزا اسکندر حشمت جرنیل صاحب بہادر بادشاہ کے بھائی اور بادشاہ کے ولی عہد بادشاہ کے بجائے عازمِ لندن ہوئے تاکہ وہاں جا کے ملک واپس دلانے کی تدبیریں کی جائیں۔ بادشاہ سے ماں بیٹے اور بھائی کی رخصتی کا موقع یوں پیش کیا گیا ہے۔

نہیں ملکہ کشور نے تاخیر کی — سفر کی بہت جلد تدبیر کی
غرض اک دخانی منگایا جہاز — سواری کی خاطر جب آیا جہاز
تڑپتے ہیں سب بادشہ رو رہے ہیں — کہ ماں بھائی بیٹے جدا ہوتے ہیں
مسافر جو آپس میں ملنے لگے — جگر سب کے صدمے سے ہلنے لگے
چلیں تو کیا یاد اللہ کو — دعائیں دیں واجد علی شاہ کو
مسافر یہ جس وقت رخصت ہوئے — نہایت ہی بے تاب حضرت ہوئے
دخانی پہ ہونے لگے جب سوار — کیا خوب حضرت کو دل بھر کے پیار
وہ جرنیل صاحب جو رخصت ہوئے — تو آثار حشر و قیامت ہوئے
ولیعہد رخصت جو ہونے لگے — کلیجے سے لپٹا کے رونے لگے
رضا باپ سے نے دی بھائی کے چلے — ولی عہد ملنے کو ماں سے چلے

جو رخصت کو مال کے گئے سامنے | لگیں دونوں ہاتھوں سے دل تھامنے
محبت سے [illegible] پیار | کہا مادرِ ما میں تم پر نثار
جدائی تمہاری [illegible] | خدا کی مشیت سے چارا نہیں
یہ کہتی رہیں الفراق الفراق | وہ رخصت ہوئے رہ گیا اشتیاق

اس سفر میں کوئی سوا آدمی تو خدمتی تھے۔ رفقاء علیحدہ تھے مسٹر بریڈلی ساتھ گئے حالانکہ یہ وہاں لندن پہونچ کر کچھ کام نہ کر سکے۔ اس کے بعد اس سفر میں جو خاص خاص لوگ ہم سفر تھے ان کا ذکر تفصیل سے دیا گیا ہے۔

ادھر تو یہ قافلہ لندن روانہ ہوا۔ واجد علی شاہ موچی کھولے میں بدستور اقامت پذیر رہے۔ اس عرصہ میں لکھنؤ سے بہت سے لوگ جو پہلے نہ آسکے تھے اب آنا شروع ہوئے۔ ان کا سب کا تذکرہ تفصیل سے دیا گیا ہے

لندن جانے والا قافلہ مختلف قسم کی صعوبتیں اٹھاتا ہوا آخر جبرالٹر اور مالٹا سے گزر کر لندن پہونچ گیا اور ایک اعلیٰ درجے کا مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگا۔ ان لوگوں کی آمد کا چرچا وہاں پہلے ہی سے ہو گیا تھا۔ خلقت انہیں جوق در جوق دیکھنے کو آتی تھی۔ بادشاہ کی ماں یعنی ملکہ کشور نے ملکہ وکٹوریہ سے ملنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ دنوں تک ایسٹ انڈیا کمپنی والوں نے یہ ملاقات نہ ہونے دی۔ اس کے بعد شرف نے ہاؤس آف کامنس اور ہاؤس آف لارڈس کا ذکر کیا ہے اور وہاں کے طریقۂ کار کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ ہاؤس آف لارڈس میں ملکہ کشور نے ایک وکیل کے ذریعہ دہائی مچائی کہ آخر ہم لوگوں کا ملک کس جرم کی پاداش میں لے لیا گیا ہے جبکہ رعایا ہم سے خورسند ہے ہم نے کسی پر مظالم نہیں کئے۔ انگریزوں سے کبھی جنگ نہیں کی ہمیشہ ان کے طرفدار رہے بلکہ یہ حرکت خود انگریزوں نے اپنے تمام عہد و میثاق گزشتہ کے خلاف کی ہے اس لئے اس کا تدارک کیا جائے اور ہمارا ملک ہمیں واپس دیا جائے۔ انگریز پبلک بھی ان کی طرفدار ہوگئی اور متعدد عرضیاں اس بات کی ہاؤس آف لارڈس میں گزریں کہ اودھ کو واپس کر دیا جائے۔ اس اثنا میں ملکہ کشور کی ملاقات ملکہ وکٹوریہ سے بھی ہوگئی۔ اگرچہ وہاں کے مذہبی رسوم و آداب کی ناواقفیت کے باعث یہ ملاقات جلد ختم ہوگئی۔ اس طرح پر کہ پہلے دونوں میں میل و محبت کی باتیں ہوئیں۔ بادشاہ کے بیٹے اور بھائی بھی اس ملاقات میں شریک تھے لیکن قبل اس کے کہ حرف مطلب زبان پر آئے ملکہ وکٹوریہ نے کہا کہ اگر آپ پردہ کریں تو میں اپنے بیٹے کو آپ سے ملاؤں جس کی عمر تیرہ برس کی ہے۔ اجازت ملنے پر وہاں کا شہزادہ بلایا گیا۔ ملکہ کشور نے حسب دستور ہندوستان ان کو کچھ تحفے تحائف دیئے۔ لیکن انگلستان میں دستور یہ تھا کہ وقت رخصت تحفے تحائف دیتے ہیں۔ چنانچہ ملکہ وکٹوریہ یہ سمجھیں کہ ملکہ کشور اب رخصت ہونا چاہتی ہیں لہٰذا انہیں رخصت کر دیا اور اس طرح حرف مطلب زبان پر ابھی نہ آسکا۔

پھر بھی عام پبلک کی ہمدردی اور بعض عمائدین سلطنت انگریزی کے تعاون سے یہ امید تھی کہ ملک واپس مل جائے گا لیکن عین اسی زمانے میں ہندوستان میں جنگ آزادی کے شعلے بلند ہونے لگے اور ہمارے اودھ میں میدان کارزار گرم ہو گیا جس کی خبریں انگلستان پہونچیں چنانچہ وہاں کے لوگوں اور عمائدین ملک کی توجہ اس آگ کو بجھانے کی طرف ہوگئی اور اس قضیہ کو سب نے بھلا دیا۔ غم کے مارے ملکہ کشور فرانس ہوتی ہوئی عازم ہندوستان ہوئیں لیکن یہ عزم جانکاہ ثابت ہوا اور وہ پیرس پہونچ کر رگھزا سے ملک بقا ہوئیں (۲ جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ) محمد ماں کی وفات کا یہ صدمہ جانکاہ واجد علی شاہ کے بھائی یعنی جرنیل صاحب سے نہ اٹھ سکا اور چند دنوں بعد انہوں نے بھی وہیں وفات پائی (۱۰ رجب ۱۲۷۴ھ) یہ دونوں پیرس میں وفات پا گئے۔ ولیعہد بہادر لندن ہی میں تھے اور چونکہ وہ بھی کم سن تھے اس لئے ملازمین نے طرح طرح کے حیلوں سے خوب ہی لوٹا۔

اس کے بعد شرف نے ہنگامۂ غدر کا حال شروع کیا ہے اور بتایا ہے کہ لارنس صاحب کے زمانے میں کیسے پہلے میرٹھ پھر کانپور دہلی اور لکھنؤ میں یہ ہنگامہ شروع ہوا۔ کلکتہ جب یہ خبر پہونچی تو انگریزوں نے بادشاہ کو موچی کھولے سے لے جا کر قلعہ میں رکھا۔ وہاں جو خدام اور مصاحبین بادشاہ کے ہمراہ تھے ان کا مختصراً ذکر کیا ہے یہاں جب لکھنؤ میں یہ خبر پہونچی کہ بادشاہ کو کلکتہ کے قلعہ میں رکھا گیا ہے تو لوگوں

بہت غم ہوا خصوصاً یہاں کے محلات شاہی میں بڑا افسوس کیا گیا وہیں اُس وقت جو ریذیڈنٹ تھا اس نے یہ خبر سنتے ہی کہ اپنی فوج کو شکست ہو گئی ہے مدافعت اور اپنی حفاظت کی تدبیریں کرنے لگا۔ تاج الدولہ کو ساتھ لے کر چھتر منزل سے بادشاہ کا تمام خزانہ بھی لے آیا اور یہ کہا کہ ہمارے پاس محفوظ رہے گا۔ اتنے عرصے میں معلوم ہوا کہ باغیوں نے منڈیاؤں کی چھاؤنی پھونک دی ہے اور لکھنؤ کی طرف بڑھ رہے ہیں چنانچہ انگریزوں نے لارنس صاحب کی موجودگی میں چنہٹ کے مقام پر ان کا مقابلہ کیا اور بڑے معرکے کی لڑائی ہوئی۔ لڑتے لڑتے انگریز لوگ لوہے کا پل پر ہوتے ہوئے بیلی گارد میں محصور ہو گئے اور باغیوں نے باہر ڈیرا ڈال دیئے۔ اب ہزاروں باغی اطراف و جوانب سے آنے لگے اور اس جہاد میں شریک ہونے لگے۔ بہت سے زمیندار آئے احمد اللہ شاہ ڈنکا بجاتے آئے۔ نسیم خاں اور احمد خاں کثیر تعداد میں پٹھانوں کو ...پور سے لائے۔ اور تب سب نے مل کر اس انگریزی فوج کی طرف رخ کیا جو مچھی بھون میں تھی۔ لیکن وہاں کے انگریزوں نے جو میگزین وہاں تھا اس کو اڑا دیا اور لڑتے مرتے جو کچھ بچے بیلی گارد میں پہونچ گئے۔ باغیوں نے بڑی خوشی منائی کہ مچھی بھون فتح ہو گیا

یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ آغا حجو شرف کا نقطۂ نظر اس جنگ کے متعلق وہی تھا جو انگریزوں کے طرفداروں کا ہونا چاہئے یعنی وہ جنگ آزادی کو بعض خودسر اور خود غرض لوگوں کا فساد تصور کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ انھیں لوگوں کی جنگ آرائی کے باعث ملک اودھ واپس نہ ہو سکا ورنہ لندن میں جو ملکہ کشور گئی تھیں اور وہاں بہتوں کو انھوں نے اپنا ہمدرد بنا لیا تھا تو ملک ضرور واپس مل جاتا اور وہ وہاں سے بامراد لوٹتیں۔ اسی لیے اس مثنوی میں شرف نے تمام مجاہدین آزادی کو برے الفاظ سے یاد نہیں کیا ہے۔

مچھی بھون پر قبضہ ہونے کے بعد ایک جمعہ کو تمام باغی افسران جمع ہوئے اور طے کیا کہ کسی کو اپنا بادشاہ بنا لینا چاہئے تاکہ کارکردگی میں یک جہتی ہو سکے ...ل شرف، احمد اللہ شاہ کہتے تھے کہ ہم کو بادشاہ بنا دو لیکن دوسرے افسران نے کہا کہ سہ فقیروں کا حق سلطنت میں نہیں۔ اس کے بعد افسران یکے بعد دیگرے دیگر عمائدین شہر سے کہتے پھرے لیکن کوئی تیار نہیں ہوا۔ آخر کار نظر انتخاب واجد علی شاہ کے بیٹے برجیس قدر پر پڑی جو اس وقت گیارہ سال کے تھے۔ ان کی ماں پہلے اس تجویز سے خوش نہ تھیں۔ لیکن باغی تلنگوں نے اُن کو اور ان کے داروغہ ممو خاں کو کسی نہ کسی طرح سے راضی کر لیا۔ اور بالآخر برجیس قدر کی مسند نشینی کا جشن بہت دھوم دھام سے منایا گیا۔ لوگوں کو خلعتیں ملیں اور نمک خواران قدیم کو اعلیٰ عہدے دئے گئے جن کی فہرست تفصیل سے اس مثنوی میں دی گئی ہے۔ برجیس قدر کی خود اپنے ہم عمر لڑکوں کی بھی فوج تھی جو باقاعدہ روز پریڈ کرتی تھی اس کا نام برجیسی پلٹن تھا۔ مسند نشینی کے بعد پھر باغیوں نے یکسو ہو کر بیلی گارد کے محاصرہ میں سختی کر دی اور کوئی دس مہینے تک اس کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ اس دس مہینے کے عرصے میں لکھنؤ کے حالات کو اپنے نقطۂ نظر سے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس زمانے میں لکھنؤ میں بادشاہ کے جتنے ممتاز اعزا اور منصب دار تھے جتنے بڑے رؤسا اور امرا تھے جتنے شعرا و ادیب اور مختلف فنون کے فنکار تھے سب کا ذکر نام بنام تفصیل سے کیا ہے اور اس باب میں کوئی ساٹھ پینسٹھ صفحے بھر دیئے ہیں حقیقت میں تذکرہ نگاری کے نقطۂ نظر سے مثنوی کا یہی حصہ سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔

اس کے بعد شروع سنہ ۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے کانپور سے آکر پہلے عالم باغ اور پھر دلکشا اور سکندر باغ اور موتی محل اور تارے والی کوٹھی کے جو معرکے سر کئے ہیں سب کا ذکر کیا ہے حالانکہ ترتیب درست نہیں ہے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا ہے۔ البتہ جن باغیوں نے ان معرکوں میں داد شجاعت دی سب کا نام بنام ذکر کیا ہے اور بہتوں کی تعریف کی ہے بعض بعض جگہ ایسی چیزیں بھی درج کر دی ہیں جو غالباً تاریخ کی کسی کتاب میں نہ ملیں گی۔ مثلاً جب قیصر باغ میں معرکہ ہوا تو باغی اپنی توپیں بھی چھوڑ کر بھاگ گئے ایک توپ بھری ہوئی تھی اس کے چلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ توپچی بھاگ کھڑا ہوا۔ گورے بڑھ رہے تھے کہ ایک گیارہ سال کی لڑکی نے اس توپ میں ایک جلتی ہوئی لکڑی ڈال دی۔ توپ سر ہو گئی کئی گورے مر گئے باقی اس وقت بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد شہر میں جو انگریزوں اور ان کے سپاہیوں نے لوٹ مار کی ہے اس

کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں بڑے اندوہناک واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر سلطنت ختم ہو گئی اور اب انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور جو ستم نازل ہوئے ہیں ان کا بھی بیان کیا ہے۔

کلکتہ میں ہنگامۂ آزادی فرو ہو جانے کے بعد بادشاہ قلعہ سے آزاد کر دیے گئے۔ انگریزوں نے خوب جشن منایا اور بادشاہ اپنے محلات میں بڑے جاہ و حشم سے واپس ہوئے اور بڑی خوشیاں منائی گئیں اور مٹیا برج پھر سے بسنے اور گل و گلزار بننے لگا۔ اس موقع پر بادشاہ کے ساتھ جو شہزادے، جو محلات اور جو امرا، رؤسا، شعرا، ادیب، فنکار تھے، سب کا نام بہ نام تفصیل سے ذکر ہے اور جو لوگ اب کلکتہ سے لکھنؤ واپس آ گئے تھے ان کا حال بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مثنوی ان اشعار کے ساتھ ختم کر دی گئی ہے۔

بس اب یہ بھی سب داستاں ہو چکی — کہانی مفصل بیاں ہو چکی
حقیقت جو منظور تھی کہہ چکے — ہوا خاتمہ مثنوی کہہ چکے
یہ تھا ذکر شاہانِ لکھنؤ — ہوا ختم افسانۂ لکھنؤ

اگرچہ شرق نے اس طویل نظم کو "مثنوی" کہا ہے لیکن مثنوی کی جو تعریف کی جاتی ہے اس تعریف پر یہ کسی طرح پوری نہیں اترتی۔ نہ اس نظم میں کوئی شاعرانہ خوبیاں ہیں۔ اگر شرق ان دیکھے اور سنے ہوئے واقعات کو نثر ہی میں لکھ دیتے تو وہ کہیں بہتر ہوتا لیکن وہ اپنے کو شاعر سمجھتے تھے اور شاعر اگر کچھ لکھے اور نظم میں نہ لکھے تو کیا وہ شاعر ہیں۔

کئی موقعے اس طویل نظم میں ایسے آئے جہاں اگر یہ شعریت دکھانے پہ آتے تو بہت خوبیاں انداز بیان کی دکھا سکتے تھے، جیسے کہ کلکتہ میں واجد علی شاہ کا اپنی ماں، اپنے بھائی اور بیٹے کو لندن رخصت کرنا۔ مثال اوپر درج ہو چکی ہے لیکن انہوں نے ایسے مواقع سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے عروج میں شعریت بالکل تھی ہی نہیں۔ ان کی غزلوں کے یہ چند اشعار اس شاعری کا ازالہ کر سکتے ہیں۔

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو — نکل کے گھر سے نکلتے ہیں خوب رو کیا کیا
چٹک چٹک کے کہیں گل بنا کہیں لالہ — چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا

پھڑک پھڑک کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا — قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا
شاخ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی — پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

لیکن ان میں وہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ جذبات نگاری، منظر نگاری یا واقعہ نگاری کے مناظر پیش کر سکتے۔ مثنوی میں قصہ کا پلاٹ ہوتا ہے۔ واقعات کی ایک ترتیب ہوتی ہے۔ ہیرو، ہیروئن کے علاوہ جتنے کردار ہوتے ہیں سب جاندار ہوتے ہیں لیکن شرق یہ سمجھے کہ واقعات صرف نظم کر دیے جاتے ہیں تو یہ طویل نظم مثنوی کہی جائے گی۔ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ یہ طویل نظم کسی عنوان سے مثنوی کہے جانے کے لائق نہیں۔ پرانے زمانے میں شاعری دکھانے کے جوش اور شوق میں لوگ اکثر فقہ کے مسائل یا قواعد صرف و نحو تک نظم کر ڈالتے تھے۔ کچھ اسی طرح کے شوق نے شرق سے یہ واقعات نظم کرائے۔ نظم کے لحاظ سے بھی یہ منظومہ بہت معمولی ہے۔ نہ کہیں کوئی خاص ترکیب کی چستی ہے نہ بندش کی درستی۔ تاریخی اعتبار سے بھی اس طویل نظم کا کوئی پایہ نہیں۔ اگرچہ شرق نے تمام واقعات اپنی آنکھوں دیکھے اور اپنے کانوں سنے تھے لیکن علمی نظر اور شے ہے اور بصیرت دوسری چیز ہے۔ شرق میں کوئی مورخانہ بصیرت نہ تھی۔ بازاروں میں جس طرح کی لوگ باتیں کرتے تھے جو قیاس آرائیاں کی جاتی تھیں جو رائیں عام طور سے قائم کی جاتی تھیں، شرق کی اس نظم میں اسی قسم کی رائیں اور نقطۂ نظر ملتا ہے یا پھر جو نقطۂ نظر حکام، بادشاہ اور ان کے متوسلین کو سمجھاتے تھے وہی بات ان لوگوں کو صحیح معلوم ہوتی تھی۔

شرق کا یہ یقین کر لینا کہ لندن میں ملکہ کشور صرف اسی وجہ سے پروانہ دینے سے باز رہیں کہ یہاں ہندوستان میں جنگ شروع ہو گئی تھی صحیح نہیں۔ یہ انگریزوں کی سکھائی بات ہے۔ حقیقت یوں تھی کہ وہاں جب یہ مقدمہ جیتنے کے قریب پہنچا تو مٹیا برج میں واجد علی شاہ کے مصاحبین گھبرائے کہ ملک واپس مل گیا تو مسیح الدولہ وغیرہ جو وکیل بن کر لندن گئے تھے ان سب کا بادشاہ کی نظر میں وقار بڑھ جائے گا اور انھیں سب کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی ہمیں کوئی نہ پوچھے گا اور ہم کو جو فائدے اب حاصل ہیں سب ختم ہو جائیں گے چنانچہ ان لوگوں نے بادشاہ کو پہلے تو یہ سمجھایا کہ لندن میں جو حکومت ملنے میں دیر ہو رہی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں آپ کے بیٹے اور بھائی دونوں اس کوشش میں ہیں

کر دا جد علی شاہ کے بجائے حکومت ہم کو واپس کیجائے ۔ جنگ آزادی ختم ہو جانے کے بعد یہ سمجھا یا کہ بیکار مصارف ہو رہے ہیں گئی ہوئی چیز بھلا کب ملی ہے ۔ بادشاہ کو اس امر کا یقین کامل ہو گیا اور چنانچہ اپنے مشیروں کی رائے کے مطابق انہوں نے گورنر جنرل کو لکھ بھیجا کہ مجھ کو حکومت نہیں چاہئے میں مقدمہ واپس لیتا ہوں چنانچہ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے ۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب جنگ آزادی ختم ہو چکی تھی ۔ اس مقدمہ کی تفصیل کو عبدالحلیم شرر نے گزشتہ لکھنؤ میں درج کیا ہے اور وہ ان نجی حالات سے بخوبی واقف تھے کیونکہ وہ خود اس وقت مٹیا برج میں رہ چکے تھے واجد علی شاہ کے ان خطوط میں بھی اس کا ذکر ہے جو انھوں نے شیدا بیگم کے نام لکھے تھے ۔

غرض کہ تاریخی اعتبار سے بھی اس "مثنوی" کی کوئی وقعت نہیں ہے ۔ البتہ اس میں جگہ جگہ جو اس زمانے کے مشاہیر شعراء ادباء اور تاریخی کرداروں ، مختلف فنکاروں ، نوکروں ، مصاحبوں ، امیروں اور منصب داروں کے نام آئے ہیں اُن سے اس مثنوی کی حیثیت ایک اچھے تذکرہ کی ہو جاتی ہے اگر یہ مثنوی شائع کیجائے اور جہاں جہاں ان میں مختلف قسم کے لوگوں کے نام آئے ہیں ان پر حواشی اور فوائد اضافہ کر دیئے جائیں تو یہ مثنوی ایک اچھے تذکرہ کا کام ضرور دے سکتی ہے ۔

لکھنؤ

لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

کیا مجال آسماں ہم سے چھڑائے لکھنؤ

بحضورِ سرورِ کائنات

از حسن

منوّر ہو گیا عالم بہ شمع نورِ یزدانی
تعالیٰ اللہ آمد عاصیاں را ظلِّ رحمانی
اُنھیں کے فیض سے افکارِ انساں میں ہے تابانی
چمک اُٹھی تھی جن کے نور سے آدم کی پیشانی
میسّر آ گیا جس کو بھی اُن کا فیضِ روحانی
ہوا وہ بھی اُس کا نورانی ہوئی بھی اُس کی نورانی
تہی مایہ اگر چاہیں تو اپنی جھولیاں بھر لیں
یہ ہے امر دگر حائل اگر ہو تنگ دامانی
ملوکیت سراپا لرزہ براندام ہے اب تک
فقیری کو دیا ایسا شکوہِ اوجِ سلطانی
وہ کفر و شرک کی یلغاریں معاذ اللہ معاذ اللہ
وہ عفوِ خیر کے بارانِ رحمت کی فراوانی
پرِ جبریل تھے سایہ فگن فرقِ مقدس پر
فرشتوں کو ہوئی تفویض اُنکے در کی دربانی
صدائے اُمّتی یا اُمّتی کے سوزِ پنہاں سے
بھرے مجمع میں حق نے آپ کی آواز پہچانی
حسنؔ بھی دست بستہ تحفۂ صلوٰت لایا ہے
کرم ہو گا جو مل جائے اُسے اِذنِ ثنا خوانی

وقف اور قانون خاتمہ زمینداری ۱۹۵۰ء

(گذشتہ سے پیوستہ)

صدیاں گذر گئیں۔ اوقاف خواہ انھیں باعتبار مقاصد علی الاولاد کہئے خواہ برائے امور خیر سمجھے اور خواہ مذہبی مانیے ان سب کو وقف ہی سمجھا گیا اور اسے مسلمانوں کا ایسا ادارہ تسلیم کیا گیا جس پر فقہ اسلامی کی مکمل حکمرانی تھی اور جس میں کسی دیگر قانون نے کبھی دست اندازی نہیں کی۔ ہمارے صوبہ میں اور غالباً تمام ملک میں سب سے پہلا قانون جس نے اوقاف کی دنیا میں ہلچل مچا دی وہ قانون اتر پردیش خاتمۂ زمینداری و اصلاحات مزارعین ۱۹۵۰ء تھا اس کا نفاذ ۲۶ جنوری ۱۹۵۱ء کو کیا گیا اور اعلان انتقال ملکیت بحق سرکار یکم جولائی ۱۹۵۲ء کے غیر معمولی گزٹ میں شائع ہوا۔ اس کی رُو سے تمام صحرائی جائیداد بحق سرکار منتقل ہو گئی۔

تفصیل میں جانے سے قبل چند متعلقہ اصلاحات کی تعریفات مندرجہ ایکٹ مذکور سے واقفیت ضروری ہے تاکہ وقف پر اس قانون کے اثرات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

امور مذہبی: ان میں وہ مقاصد شامل ہیں جن کا تعلق مذہبی عبادت و تبلیغ و خدمت یا مذہبی رسوم کی ادائیگی سے ہو۔ دفعہ ۳ (۲۳)

امور خیراتی: ان میں امداد محتاجین۔ تعلیم۔ طبی امداد اور دیگر امور برائے رفاہ عامہ داخل ہیں لیکن کوئی ایسا مقصد جو مذہب۔ تبلیغ یا عبادت سے متعلق ہو خیراتی نہ سمجھا جائے گا۔ دفعہ ۳ (۳)

ادارۂ تعلیمی: اس سے ایسے تعلیمی ادارہ یا ادارے مراد ہیں جن کا اس حیثیت سے سرکاری گزٹ میں اعلان کر دیا گیا ہو۔ ۳ (22 1)

مستفیدین: ان سے وہ اشخاص مراد ہیں جنکے استفادہ کے لئے وقف، ٹرسٹ یا عطیہ معرض وجود میں آیا

دفعہ ۳ (۱)

شخص درمیانی: Intermediary اودھ میں کسی جائیداد میں حق اعلیٰ کے مالک، ماتحت دار، ٹھیکہ دار، دوامی پٹہ دار یا جائیداد یا اُس کے کسی حصہ کے ...... (دوامی پٹہ دار) مراد ہیں۔

دفعہ ۳ (۱۲)

ان تعریفات سے یہ اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ یہ ایکٹ مذہبی اور خیراتی مقاصد میں تفریق کرتا ہے۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ تفریق درست نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر قبرستان کو لیجئے۔ دیگر اقوام اس کو زیادہ سے زیادہ خیراتی کہیں گے۔ مگر مسلمان اس کو مذہبی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ادارۂ تعلیم کی دی ہوئی تعریف میں بیشتر دینی مدارس کا شمار نہ ہو سکے گا۔

ں لئے ان کا اعلان سرکاری گزٹ میں نہیں ہوتا شخص
بیانی میں اوقاف کے مالک اللہ جل شانہ کا ذکر نہیں
یا گیا۔ اس فروگذاشت سے بڑے دوررس نتائج مرتب
ہوئے۔ اس میں متولی کا بھی ذکر نہیں ہے۔ وقف علی الاولاد
کے سلسلہ میں متولی کو شخص درمیانی قرار دے کر قانون کا عملدرآمد
یا گیا۔

اس ایکٹ کا مقصد حکومت اور کاشتکار کے درمیانی
شخص معروف بہ "زمیندار" کو ہٹا کر دیہی ترقی، بہتر
پیداوار اور رعایا میں بلند معیار زندگی کے امکانات کو
بروئے کار لانا تھا۔ زمینداری نظام انگریزوں کے سیاسی
مصالح اور انتظامی آسانی کی غرض سے قائم ہوا تھا۔ یہ
نظام قدیم جاگیرداری نظام کا قائم مقام تھا۔ ۱۹۴۷ء
میں جب ملک کو غلامی کی لعنت سے نجات ملی تو یہ مناسب
سمجھا گیا کہ سیاسی آزادی حاصل ہونے کے بعد ایسا نظام
قائم کیا جائے جس سے کاشتکار کو بھی آزادی حاصل ہو۔
اور اس کو اپنی زیر کاشت زمین میں جائز حقوق ملکیت مل
جائیں اور گاؤں سماج کا وہ اقتدار بحال ہو جائے۔ جو
انگریزی دور میں اس سے چھین گیا تھا اور جس کا اسے دیہاتی
معاشرہ کے ہر شعبہ میں پانے کا حق ہے ظاہر ہے یہ اسی صورت
میں ممکن تھا جب زمین کا جوتنے والا اپنی محنت کا پورا صلہ
پانے کا حقدار ہوا اور جس کو اس کا احساس ہو کہ وہ اپنی زمین
کا مالک ہے اور کسی دوسرے شخص کو اپنی مرضی سے اسے
بیدخل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

یہ کام اہمیت و وسعت کے اعتبار سے ایک
کار عظیم تھا۔ تمام صوبہ میں پھیلی ہوئی آراضیات کے
تفصیلی نقشہ تیار کئے گئے۔ اس ایکٹ کے تحت شخص درمیانی
کو خالص آمدنی کا آٹھ گنا معاوضہ دے کر اس کے جملہ
حقوق ملکیت آراضی ختم کر دیئے گئے۔ چھوٹے زمینداروں کو
عطیہ بحالی کے نام سے مرحلہ وار خالص آمدنی کی دوگنی تا

بیس گنی رقم بھی دی گئی۔ عام استعمال کی زمینیں مثلاً
آبادی، راستہ، پرتی جنگل ماہی۔ عوامی جایابات،
تالاب۔ پانی کی نالیاں۔ گاؤں سماج کی ملکیت قرار
دی گئیں۔ حتیٰ کہ قبرستانوں کو جو اسلامی نقطہ نظر سے
مذہبی حیثیت رکھتے ہیں گاؤں سماج کی ملکیت میں دیدیا
گیا۔ خدا بخش بنام گاؤں سبھا بروھٹا 565, 1972 AWR
(AC) اوقاف کو بھی اُن کی صحرائی جائداد کا معاوضہ
بشکل عطیہ بحالی جسے اینوٹی کہتے ہیں و معاوضہ بشکل
اسٹاک سرٹیفکٹ میعادی. ۴۰ سال دیا گیا۔ اسٹاک
سرٹیفکٹ پر ½ 2 فیصدی سود مقرر ہوا۔ یہ رقوم تاریخ
منتقلی جائیداد سے واجب الادا کی گئیں۔ معاوضہ کے لئے
زیر دفعہ ۹، ایکٹ مذکور درخواستیں طلب کی گئیں۔
اندراجات متعلق وقف کی جانچ کرنے کے بعد جو اوقاف
بدیہی طور پر خالصتاً امور خیراتی کے متعلق سمجھے گئے۔ ان کا
اجمالی نقشہ افسر معاوضہ نے تیار کر کے کلکٹر کے پاس بھیجا
اور کلکٹر نے اپنی مختصر رپورٹ کے ساتھ معاوضہ کمشنر کے
توسط سے گورنمنٹ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ طے
کرے کہ کن اوقاف کو خیراتی نہ تسلیم کیا جائے گا۔

(دفعہ ۱۵)

اوقاف کے معاوضہ اور عطیہ بحالی کی رقوم طے
کرنے کے لئے اُن کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا :—

۱۔ ایسے اوقاف جو کلیتاً مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لئے
قائم کئے گئے۔

۲۔ ایسے اوقاف جو جزو اعلی الخیر و مذہب اور جزو امقاصد
غیر از خیر کے لئے قائم ہوئے۔

۳۔ ایسے اوقاف جو مذہبی یا خیراتی ہونے کے بجائے کلیتاً
دیگر مقاصد کے لئے قائم ہوئے۔

اس کے ذیل میں یہ صراحت کر دی گئی کہ اگر اوقاف
کی کل یا جزو آمدنی واقف یا اُس کے خاندان یا جانشینان

کے [illegible] کے لئے ہو تو کسی دیگر قانون میں اس کے خلاف ہونے کے باوجود ایسے منافع جائیداد کو مذہبی یا خیراتی مقاصد میں شامل نہ کیا جائے گا۔ (دفعہ ۷) ایک دوسرے مقام پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ امور خیر و مذہب کے انتظامی اخراجات جن کا تعین کیا گیا ہو گا اُن کا بھی شمار آمدنی برائے امور خیر میں نہ کیا جائے گا۔

دفعات متعلقہ وقف کے مطالعہ کے بعد قاری پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ قانون کی یہ کوشش ہے کہ تعریفات مندرجہ بالا کی روشنی میں مقاصد برائے امور مذہبی و برائے خیراتی کا تعین ہو جائے۔ ان کے تعین ہونے کے بعد بقیہ امور مقاصد دیگر میں آجاتے ہیں۔

اوقاف کی اینوٹی مندرجہ ذیل صراحت کے ساتھ دی گئی :-

i - ایسے اوقاف جن کا اندراج بحیثیت "شخص درمیانی" کھیوٹ ۱۳۵۹ف میں موجود تھا ان میں سے جو ۸ راگست ۱۹۴۶ء سے قبل خواہ امور مذہبی کیلئے اور خواہ امور خیراتی کے لئے یا جزواً امور مذہبی اور جزواً امور خیراتی کے لئے قائم کئے گئے ان کو اینوٹی دی گئی اور ۸ راگست ۱۹۴۶ء کے بعد قائم ہونے والے اوقاف میں سے صرف امور خیراتی کے لئے قائم ہونے والے اوقاف کو اینوٹی دی گئی۔

ii - ایسے اوقاف جن کا اندراج کھیوٹ میں بحیثیت شخص درمیانی نہ تھا۔ لیکن وہ کسی دستاویز کے تحت کل یا جزو آمدنی وقف کے مستفید بن تھے تو ۸ راگست ۱۹۴۶ء سے پہلے قائم ہونے والے اوقاف مذہبی اور خیراتی دونوں کو اور ۸ راگست ۱۹۴۶ء کے بعد قائم ہونے والے صرف اوقاف برائے امور خیراتی کو اینوٹی دی گئی۔

iii - ایسے اوقاف کو جن کا اندراج کھیوٹ ۱۳۵۹ف میں بحیثیت "شخص درمیانی" موجود تھا اور جو ۸ راگست ۱۹۴۶ء سے پہلے جزواً علی الخیر و مذہب کے لئے اور جزواً امور دیگر کے لئے قائم ہوئے اُن کو بقدر حصہ مخصوصہ برائے خیر و مذہب اینوٹی دی گئی۔

iv - ایسے اوقاف کو جن کا اندراج کھیوٹ ۱۳۵۹ف میں بحیثیت "شخص درمیانی" نہ تھا لیکن کسی دستاویز کے تحت کل یا جزو آمدنی وقف برائے امور خیر و مذہب و جزواً برائے امور دیگر معنون تھی تو بقدر حصہ مخصوصہ برائے امور خیر و مذہب اینوٹی دی گئی۔ (قاعدہ ۹۱)

مندرجہ ذیل اوقاف کو اینوٹی نہیں دی گئی :-

۱ - ۸ راگست ۱۹۴۶ء یا اُس کے بعد قائم ہونے والے اوقاف صرف مذہبی مقاصد کے لئے۔

۲ - ۸ راگست ۱۹۴۶ء یا اُس کے بعد قائم ہونے والے اوقاف جزواً مذہبی جزواً خیراتی امور کے لئے۔

۳ - ۸ راگست ۱۹۴۶ء کے بعد قائم ہونے والے اوقاف برائے امور خیراتی جن کو گورنمنٹ نے تسلیم نہیں کیا۔

۴ - ایسے اوقاف جو خیراتی اور مذہبی مقاصد کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے قائم ہوئے۔

حصہ مخصوصہ برائے امور خیر و مذہب کے تعین کیلئے افسر معاوضہ کو ہدایت کی گئی کہ دستاویز متعلقہ اگر کوئی ہو اس سے رجوع کرے اور اُس کے مطابق عمل کرے اگر ایسی کوئی دستاویز نہ ہو تو یو۔ پی اگریکلچرل انکم ٹیکس ۱۹۴۸ء کی دفعہ ۸ سے مدد لے۔ اسی کے ساتھ یو۔ پی وقف ایکٹ ۱۹۳۶ء کی دفعہ ۵ کے تحت کئے گئے اندراجات گزٹ سے حسب ضرورت تصدیق کرے۔

افسر معاوضہ کو امور مذہبی و خیراتی اور امور دیگر کے معاوضوں کو حسب صراحت وقف نامہ تقسیم کرنے کی ہدایت دی گئی۔ اگر وقف نامہ نہ ہو تو واقف کی خواہشات کے مطابق یا پھر حسب صواب دید خود علیحدہ کرا دینے کا اختیار دیا گیا۔ حصہ معاوضہ وقف متولی یا منیجر یا شخص دیگر ذمہ دار انتظام وقف کو سپرد کر دیا گیا۔ بہتر ہوتا اگر رقم معاوضہ سپرد

کرتے وقت محدود حق رکھنے والے مستفیدین کے حصص کی بھی وضاحت کردی جاتی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا زیادہ تر برحقدار اپنے حصہ سے محروم ہوگئے اور سارا معاوضہ متولی موجودہ کے زیر تصرف چلا گیا۔

معاوضہ اوقاف کی ادائیگی حسب ذیل طریقوں سے کی گئی :۔

۱۔ ایسے اوقاف کو جو برائے امور دیگر از مذہب و خیر تھے یا جو جزواً علی الخیر و مذہب تھے ان کے حصہ بقدر برائے علی الخیر و مذہب کو علیحدہ کرکے معاوضہ بہ شکل بانڈ دے کر ختم کر دیا گیا۔ اس میں جملہ وقف علی الاولاد آگئے۔

۲۔ اوقاف علی الخیر و مذہب و اوقاف علی الاولاد میں سے حصہ آمدنی مخصوصہ برائے امور خیر و مذہب کے معاوضہ کو بہ شکل اینوئٹی و اسٹاک سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ اینوئٹی کی ادائی بلا میعاد بظاہر دوامی ہوتی رہے گی اور اسٹاک سرٹیفکیٹ میعادی ۴۰ سال دیے گئے جن پر شرح سود سالانہ بحساب ۲ ½ فیصدی مل رہا ہے بعد گزرنے ۴۰ سال اصل رقم کی واپسی عمل میں لائی جائے گی۔ زیر قاعدہ ۶۶ (۲) ۴۰ سال سے پیشتر بھی یہ رقم بہ منظوری سرکار مل سکتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تمام اسٹاک سرٹیفکیٹ کی رقوم کو کیش کرا کر کسی منافع بخش بینک میں جمع کر دیا جائے جن کی شرح سود کہیں زیادہ ہے۔

اینوئٹی رول اور اسٹاک سرٹیفکیٹ متولیوں کے لیے مرتب کرکے ان کے حوالہ کر دیئے گئے جن کو وہ ہر سال اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اگر اینوئٹی کسی سال نہ لی جائے ایک سال سے چھ سال تک کی بقایا اینوئٹی حاصل کرنے کے لئے کلکٹر کو درخواست دینا پڑتی ہے اور چھ سال سے زائد کے بعد گورنمنٹ سے رجوع کرنا ہوتا ہے۔

اینوئٹی رول کے منتقلی یا متولی کے نام کی تبدیلی کے لئے بورڈ آف ریونیو ...

بنایا گیا۔

ایسے مبسوط و واضح قانون کے باوجود یہ دیکھنے میں آیا کہ متولیوں کی ایک معتدبہ تعداد زیر دفعہ ۹۷ مذکورہ تشخیص اینوئٹی کے لئے اندر میعاد مقررہ درخواستیں دینے سے قاصر رہی۔ اس نقصان عظیم کو سرکار کے علم میں لایا گیا تو گورنمنٹ نے بطور مراعات خاص ایکٹ میں دفعہ A-۱۰۰ و B-۱۰۰ اور قواعد میں CC-۲ و دفعات کا اضافہ کرکے اوقاف کو موقع دیا کہ وہ اپنی نااہلی یا لاپرواہی کی وجہ سے پہونچنے والے نقصان کی تلافی کریں۔ اس دفعہ میں اس کا اہتمام کیا گیا کہ :۔

اگر کوئی متولی یا منتظم اوقاف علی الخیر و مذہب یا جزواً علی الخیر و مذہب کی درخواست تشخیص اینوئٹی زیر دفعہ ۹۹ اندر میعاد دینے سے قاصر رہا۔ یا غلط مطالبہ کے لئے درخواست دی یا افسر عطیہ بحالی نے اینوئٹی کی تشخیص میں غلطی کی اور اس طرح قاصر رہنے یا غلط مطالبہ کرنے یا غلطی کی وجہ سے واجب رقم سے کم اینوئٹی کا تشخیص ہوئی یا معاوضہ بہ شکل اینوئٹی نہیں ملا، تو ہر ایسا شخص جس کو اوقاف کی طرف سے کارروائی کا حق حاصل ہے افسر عطیہ بحالی کے سامنے ایکٹ کی رو سے صحیح رقم اینوئٹی مقرر کئے جانے کی درخواست دے سکتا ہے۔

اس کی ذیلی عبارت میں یہ بھی صراحت کر دی گئی کہ اگر دوبارہ تشخیص اینوئٹی کے وقت یہ پایا گیا کہ کوئی رقم معاوضہ بصورت نقد یا بہ شکل بانڈ و نقد دونوں طرح ادا کی جا چکی ہے یا اینوئٹی کا تشخیص کی جا چکی ہے تو دوبارہ صحیح تشخیص شدہ اینوئٹی میں سے وہ رقم مجرا و محسوب کر دی جائے گی۔ اس امور کی پیروی میں کسی عدالت کا فیصلہ یا ڈگری یا کوئی اور قانون حارج و مانع نہ ہوگا۔

ان دفعات کے اضافہ سے پیشتر تشخیص اینوئٹی کی درخواستیں، زیر دفعہ ۹۷ ایکٹ مذکور اندر میعاد مقررہ

دی گئی ہیں اور ان درخواستوں کی تکمیل کے لئے قاعدہ B - 85 میں ہدایات دی گئی تھیں۔ قاعدہ مذکور کے تحت درخواستوں کے ساتھ آر۔ جی۔ فارم ۲۷ نیز دیگر فارم ۱۷-۱۸-۱۹ و ۲۰ منسلک کرنا ضروری تھا۔ یہ فارم گورنمنٹ بلا قیمت فراہم کرتی تھی۔ مگر جب یہ نئی دفعات بڑھائی گئیں تو ان فارموں کی فراہمی دشوار ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس جدید دفعہ A - 100 کے تحت دی جانے والی درخواستوں کے لئے قاعدہ تکمیل cc - 92 کا بھی اضافہ کیا گیا۔

زیر قاعدہ cc - 92 یہ ہدایت کی گئی کہ دوبارہ تشخیص اینوٹی کی درخواستوں کو آر۔ جی۔ فارم A 24 کی خانہ پُری کر کے پیش کیا جائے اور اُن کے ہمراہ فارم ۱۷-۱۸-۱۹ اور ۲۰ جو گورنمنٹ کو زیر قاعدہ c 91 فراہم کرنا تھا منسلک کئے جائیں۔ مگر ساتھ ہی اس خیال کے تحت کہ اُن فارموں کا اب فراہم ہونا دشوار ہے۔ یہ ہدایت بھی دی گئی کہ زیر دفعہ A - 100 کے تحت ایسی درخواستیں بغیر متذکرہ بالا فارموں کو بھی قبول کی جائیں گی مگر صورتِ حال یہ ہے کہ اس نئی دفعہ A - 100 کے تحت پیش کردہ درخواستوں پر بجائے قاعدہ cc - 92 کے مطابق عمل پیرا ہونے کے B 85 کے لوازمات کی پابندی پر اصرار کیا جا رہا ہے جس کا تعلق دفعہ ۹۷ سے تھا اور اب بھی تمام فارم ۱۷-۱۸-۱۹-۲۰ طلب کئے جا رہے ہیں کوئی یہ بتانے والا نہیں کہ اب یہ فارم کہاں سے لائے جائیں۔

اس کے علاوہ ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ بورڈ نے اوقاف زیر انتظام خود اینوٹی مقرر کئے جانے کی درخواستیں جن کا تعلق مختلف اضلاع کی تحصیلوں سے ہے حسب اجازت تحصیل لکھنؤ میں داخل کیں۔ ایسی صورت میں اگر فارم مطلوبہ ممکن الحصول بھی ہوں تو صوبہ بھر کی تحصیلوں میں اصالتاً جا کر ان کے لئے کوشش کرنا خلاف عقل ہے جبکہ یہ معلوم ہے کہ ان فارموں کی فراہمی تحصیلوں میں بھی دشوار ہے۔ نیز اگر فارم مطلوبہ تحصیلات [illegible] سے مل سکتے ہیں تو پھر درخواستوں کا تحصیل لکھنؤ میں داخل کرنا ہی کیا ضروری تھا۔ اگر فارموں کی جستجو میں ہر تحصیل میں جایا جا سکتا ہے تو پھر درخواستیں بھی ان تحصیلوں میں دی جا سکتی تھیں۔ مختصر یہ کہ اگر ان درخواستوں کے فیصلہ کے لئے ان ناممکن الحصول فارموں کی شرط پر یوں ہی اصرار ہوتا رہا تو دفعہ A - 100 کے اضافہ کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کرم بے پایاں سے فائدہ اٹھانے کے لئے گورنمنٹ نے مختلف وقفے سے تین بار ۱۹۶۸، ۱۹۷۰، ۱۹۷۲ میں توسیعات کا اعلان کیا بورڈ نے پہلی توسیع میں 182 دوسری میں 70 اور تیسری میں 185 کل 437 درخواستیں برائے تشخیص اینوٹی زیر دفعہ A - 100 تحصیل لکھنؤ میں پیش کیں عملہ اور وقت کی کمی کے باعث پھر بھی سینکڑوں اوقاف سے متعلق درخواستیں پیش نہ کی جا سکیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ کیا پھر گورنمنٹ ازراہ کرم اور موقع دے گی کہ بقیہ درخواستیں بھی پیش کی جا سکیں۔ مگر اس کی آرزو کس لئے کی جائے جبکہ ۴۳۷ درخواستوں کو قابل غور نہیں تسلیم کیا جا رہا ہے۔

بورڈ کی پیش کی ہوئی درخواستوں کے علاوہ صوبہ اکثر متولیوں نے بھی توسیعات میں درخواستیں مختلف تحصیلوں میں دی ہیں مگر ابھی تک کسی وقف کی جدید دفعہ کے تحت کامیابی کی اطلاع نہیں ملی ہے۔ پریشان کن بات یہ کہ ہمارے جائز مطالبہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے وقف بورڈ کو انتباہ دیا گیا ہے کہ اگر بورڈ نے جلد فارم سات دن داخل نہیں کئے تو تشخیص اینوٹی کے لئے بورڈ کی تمام درخواستیں داخل دفتر کر دی جائیں گی۔ دوسرے معنی وہ مراعات جو ہماری سرکار نے اوقاف علی الخیر و مذہبی کو دی ہیں وہ عمال محکمہ مال بیک گردش قلم کالعدم کر دیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا بورڈ نے معاملہ کی ر اور مذہبی نوعیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس تباہ کن

ے باز رہنے کی درخواست کی ہے۔ پھر بھی اگر ایسا کوئی غیر معقول فیصلہ کیا گیا تو بورڈ کو مجبوراً عدالت بالا میں جانا ہوگی کرنا ہوگی۔ ابھی تک اس سلسلہ میں کسی جارحانہ اقدام کی اطلاع بورڈ کو نہیں ملی ہے۔

ادارۂ وقف کے لئے قانون خاتمۂ زمینداری کی ضرورت یا مناسبت میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے مگر قانون کی جامعیت پر اعتراض مشکل ہے مگر وہ جو کہتے ہیں منصوبہ بہترین مگر تعمیل ناقص۔ جہاں تک اوقاف کا تعلق ہے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ قانون نے اوقاف کو جو خصوصی مراعات دی تھیں وہ عملاً اوقاف کو حاصل نہ ہوسکیں۔

وقف بورڈ کے ایک مراسلہ مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۶۶ء بنام وزارت پٹرولیم دہلی میں حالات کا جائزہ حسب ذیل لیا گیا ہے۔

۱- ۳۱۵۶ اوقاف علی الخیر میں سے جو بورڈ میں درج تھے ان میں سے صرف 658 اوقاف کی اینوئٹی اسوقت تک تشخیص ہوسکی۔ یہ تعداد ان اوقاف کی ہے جن کی تشخیص اینوئٹی کی درخواستیں زیر دفعہ ۹۷ ایکٹ خاتمۂ زمینداری ۱۹۵۲ء کے تحت متولیان نے اندر میعاد مقررہ پیش کیں۔

۲- 465 ایسے اوقاف تھے جو بہ حیثیت اوقاف علی الخیر کاغذات محکمہ مال میں درج تھے لیکن اُن اوقاف کو نہ اینوئٹی ملی اور نہ عطیہ بحالی۔ کیونکہ ان اوقاف کے متولیوں نے اندر میعاد درخواستیں نہیں داخل کیں۔

۳- 79 اوقاف ایسے تھے جن کا اندراج کاغذات میں بہ حیثیت علی الخیر موجود تھا۔ مگر چونکہ بے ضمیر متولیوں نے اینوئٹی یا اسٹاک سرٹیفکٹ کے لئے درخواست کرنے کے بجائے سادہ معاوضہ کی درخواستیں دیں۔ لہٰذا ان اوقاف کو عطیہ بحالی یا اینوئٹی نہیں ملی بلکہ ان کے متولیوں کو معاوضہ بہ شکل بانڈ دے دیا گیا۔

۵- ۹۸۷ اوقاف ایسے پائے گئے جو دفتر وقف بورڈ میں بہ حیثیت اوقاف علی الخیر درج ہیں مگر چونکہ کاغذات سرکاری میں یہ اوقاف یا تو وقف علی الاولاد یا جائیداد ذاتی کی حیثیت سے درج تھے۔ لہٰذا اس کا معاوضہ متولیوں نے بانڈ کی صورت میں وصول کرلیا اور اس کا انکشاف حالانکہ متولیوں کے فرائض میں داخل تھا۔ مگر انھوں نے نجی مفاد کے ماتحت چشم پوشی کی۔

مدات ۳ و ۴ میں مذکورہ اوقاف کی محرومی کا الزام صرف متولیوں ہی پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس غلط کارروائی کی ذمہ داری عمال متعلقہ پر بھی عائد ہوتی ہے کہ انھوں نے اس پر گرفت نہیں کی۔

زیر دفعہ ۹۳ ایکٹ مذکور اس بات کی مزید کوشش کی گئی کہ اوقاف جزواً علی الخیر کے اُس حصہ یا آمدنی کی تفصیل علٰحدہ کرلی جائے جو امور خیر و مذہب کے لئے مخصوص ہو نیز اس حصہ یا آمدنی وقف کی علٰحدہ صراحت کی گئی جو کلیتاً مذہبی و خیراتی سے مختلف مقاصد کے لئے مخصوص ہو۔ اسی کے ساتھ حصہ یا آمدنی مخصوصہ برائے امور خیر و امور دیگر کی خالص آمدنی کا تناسب بھی نکالا گیا۔

جہاں ایک طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس بات کی کوشش کی گئی کہ جائیداد یا آمدنی وقف برائے امور خیر کو تشخیص اینوئٹی کے لئے علٰحدہ کرلیا جائے۔ دوسری طرف یہ بھی عیاں ہوجاتا ہے کہ وقف علی الاولاد کے حصہ برائے مقاصد دیگر از امور خیر کا بھی تعین مقصود تھا؟ تاکہ اُس کا معاوضہ قابل فروخت بانڈ کی شکل میں دیکر ایسے اوقاف کو ختم کردیا جائے۔ مختصر الفاظ میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ قدیم کشمکش کہ وقف علی الاولاد کو وقف مانا جائے یا نہ مانا جائے۔ بالمنشا فیصلے ہوگئی کہ وقف علی الاولاد وقف کے زمرہ میں نہیں آتے اور ان کو وقف کی خصوصی صفت وجود دائمی سے نوازا نہیں جا سکتا۔

اوقاف علی الاولاد برائے استفادہ خاندان و نسل واقف کا کل معاوضہ معمولی زمینداری کی طرح زیر قاعدہ ۴۳ (۱) متولی یا منیجر وقف کے سپرد کر دیا گیا۔ اور از روئے وقف نامہ دیگر مستفیدین کے حصص کا تعین بھی نہیں کیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ مستفیدین اپنے حق کے لئے متولی سے دعویدار ہوتے۔ مگر مقدمہ بازی میں دشواریوں کے پیش نظر شائد ہی کسی استفادہ رکھنے والے شخص نے قانونی چارہ جوئی کی جرأت کی ہو۔ مستفیدین متولی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے جن کی حق شناسی پر اطمینان کر لینا بڑی خوش فہمی کی بات ہے۔

وقف علی الاولاد کی وقفی حیثیت سے انکار بھی کر دیا جائے لیکن اس کے شرعی جواز اور ایکٹ ۱۹۱۳ء کی رو سے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ وقف کی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ علی الاولاد ہو یا وقف علی الخیر۔ وقف کرنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ محض متولی یا منیجر رہ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کھیوٹ میں بھی واقف کا اندراج بہ حیثیت متولی یا منیجر کر دیا جاتا ہے۔ وہ از روئے وقف نامہ یکے از مستفیدین بھی ہو سکتا ہے اور تنخواہ دار منیجر بھی ہو سکتا ہے مگر اُس کی حیثیت مالک کل کی نہیں ہو سکتی، نہ اُس کا حق، حق اعلیٰ بھی شمار ہو سکتا ہے۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ ان اوقاف کے جملہ مستفیدین کا حصہ از روئے شرائط وقف نامہ متعین کر دیا جاتا۔ اور ہر مستفید کو یہ حق ملتا کہ وہ اپنے حصّہ کا معاوضہ براہ راست حاصل کر سکتا۔ علاوہ بریں اگر وقف علی الاولاد کو وقف نہ تسلیم کیا جائے پھر بھی ان دستاویزات کی تملیکی نوعیت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا اور تحت تملیک نامہ حقداروں کے حق کو نظر انداز کر دینا مناسب نہیں سمجھا جا سکتا۔

اوقاف علی الخیر و مذہب اینوئٹی کی شکل میں باقی رہے مگر صحرائی جائیداد پر مشتمل وقف علی الاولاد کو مثل معمولی زمینداریوں کے ایک بار معاوضہ دے کر ختم کر دیا گیا۔ اوقاف علی الخیر کے متولی اب بجائے حاصلات جائیداد موقوفہ کے اُس کے عوض میں مقرر شدہ اینوئٹی سے جیسے تیسے اوقاف کے مقاصد کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اوقاف علی الاولاد جو صحرائی جائیداد پر مشتمل تھے ان کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ مستفیدین نابود ہو گئے۔ وقف ناموں کی منشا کے خلاف آئندہ آنیوالی نسل واقف استفادہ سے محروم ہو گئی اور واقف کی نسل کے اختتام پر ان اوقاف علی الخیر میں تبدیل ہو جانے کے امکانات ختم ہو گئے۔ ایسے اوقاف کی جائیداد متولی بہ متولی منتقل ہوتی رہی۔ اگر وقف کی پابندی نہ ہوتی تو یہ جائیداد ورثاء واقف میں کب کی تقسیم ہو چکی ہوتی۔

اوقاف علی الاولاد کا تذکرہ بطور جملہ معترضہ درمیان میں آ گیا۔ اس کی تفصیل کے لئے جولائی کا شمارہ ملاحظہ کیا جائے۔ یہ معاملہ ماضی کی تاریکیوں میں گم ہو چکا۔ اس کی بازگشت کی نہ کوئی صورت ہے اور نہ ضرورت۔ مفاد ملک و قوم کو انفرادی مفاد پر ہمیشہ مقدم سمجھا جاتا رہا ہے۔ جو کچھ عمل میں آیا وہ وسیع تر نظریہ مفاد عامہ کے تحت کیا گیا۔ اس خیال سے اس پر اعتراض کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ہو سکتا تھا کہ ایک فرد اپنی صحرائی جائیدادوں کے تحفظ کے لئے اس طریقہ پر عمل کر کے ایکٹ کے مقصد ہی کو فنا کر دیتا۔

مگر اوقاف علی الخیر و مذہب کو اس ایکٹ کے تحت جو خصوصی مراعات دی گئیں اور جو قانونی حقوق انہیں حاصل ہوئے اُن سے محرومی تو درکنار تاخیر بھی قابل صد احتجاج ہے۔ ان اوقاف کے موعودہ ممتع کے حصول کو کسی دشواری یا خامی کا سہارا لے کر تعویق میں ڈال دینے کی ذمہ داری سے ارباب حل و عقد بھی اپنا دامن نہیں بچا سکتے اس ادعا کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اوقاف علی الخیر و

مذہب۔ کا جو بھی معاوضہ بہ شکل اینوئٹی یا بصورت بانڈ یا سرٹیفکٹ بنتا ہے اُس کے حصول کی ذمہ داری سراسر ارکان اوقاف ہی پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس نقطۂ نظر سے کہ یہ امانت رفاہ عامہ اور ایک اقلیتی فرقہ کے مذہبی مفاد سے تعلق رکھتی ہے اس کی ادائیگی اور مکمل عمل درآمد کی نگرانی عمّال پر بھی لازم آتی ہے۔ اگر کسی وقف کی اینوئٹی متولیان کی غفلت سے نہیں بن سکی تو یہ نقصان وقف کا ہے متولی کا نہیں، اس غفلت کی وجہ سے مستفیدین جن کا تعلق یا تو سماج کے کمزور طبقہ سے ہے یا کسی مذہبی ادارہ سے۔ بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اس نظر سے اس مسئلہ کو دیکھا جائے تو حاکمان با اختیار سے یہ اُمید کرنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ اس کی تکمیل میں ہمدردانہ امداد سے پہلوتہی نہ کریں گے۔

اوقاف علی الخیر کے معاوضہ اور چندہ وقف بورڈ کے تعین کے سلسلہ میں وقف بورڈ متعدد مراسلے بورڈ آف ریونیو کو برابر بھیجتا رہا ہے اور وقتاً فوقتاً جو بے قاعدگیاں یا فروگذاشتیں اس بارے میں وقف بورڈ کے علم میں آتی گئیں ان کی طرف بورڈ آف ریونیو کو توجہ دلاتا رہا ہے ۱۹۶۱ء میں وقف بورڈ نے بورڈ آف ریونیو کے مجوزہ فارم پر واجب الادا چندہ بورڈ کے اعداد وشمار کی تفصیلات روانہ کیں۔ بورڈ آف ریونیو نے ان فہرستوں کو ضلع مجسٹریٹوں کے پاس برائے تصدیق روانہ کیا۔ اس طرح اضلاع سے معلومات فراہم کرنے کے بعد بورڈ آف ریونیو نے ایک نقشہ وقف بورڈ کو بھیجا۔ جس میں حسب ذیل تفصیلات درج تھیں :۔

۱۔ ان درخواستوں کی تعداد جو اینوئٹی کی تشخیص کے لئے زیر دفعہ ۹۷ پیش کی گئیں۔

۲۔ مشخصہ رقوم اینوئٹی۔

۳۔ زیر غور اوقاف کی اینوئٹی کی تخمینی رقمیں۔

۴۔ ان اوقاف کی تعداد جن کی درخواستیں برائے تشخیص اینوئٹی ۳۱ جولائی ۱۹۶۲ء تک پیش نہیں ہوئیں۔ تخمینی رقم اینوئٹی۔

یہ نقشے تین قسطوں میں دفتر ہذا میں موصول ہوئے ان نقشوں کا وقف بورڈ کے ریکارڈ سے مقابلہ کیا گیا تو دونوں کے درمیان بڑا اختلاف پایا گیا۔ اس کی صحت و تصدیق کے لئے وقف بورڈ نے بصرف کثیر اپنے اہلکاروں کو تحصیلات میں خاتمہ زمینداری کے ریکارڈ کا معائنہ کرکے صحیح معلومات فراہم کرنے کے لئے مامور کیا۔ یہاں اس کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ وقف بورڈ فنڈ کی کمی کی وجہ سے اپنے اہلکاروں کو صرف ۳۳ تحصیلوں میں برائے معائنہ بھیج سکا۔ باقی تحصیلوں کے اوقاف کی کیفیت پھر بھی نامعلوم رہی۔ اس ناقص معلومات کی بنا پر وقف بورڈ نے تمام اضلاع کے اوقاف کی وقف وار پانچ فہرستیں مرتب کیں۔ جس میں حسب ذیل تفصیلات درج کی گئیں۔

(۱) تحصیل کا نام (۲) وقف کا نمبر (۳) وقف یا واقف کا نام (۴) متولی کا نام اور رقم اینوئٹی۔

ایک فہرست میں ان اوقاف کو درج کیا گیا جن کی اینوئٹی مقرر ہو چکی تھی۔ دوسری فہرست میں ان اوقاف کو درج کیا گیا جن کی اینوئٹی کی تشخیص زیر غور تھی۔ بقیہ چار فہرستیں ان اوقاف کی تفصیلات پر مشتمل تھیں جن کی اینوئٹی مختلف وجوہ کی بنا پر تشخیص نہ ہوسکی تھیں۔ ان فہرستوں کی کیفیت حسب ذیل تھی :

۱۔ ایسے اوقاف جن کا اندراج بہ حیثیت شخص درمیانی کھیوٹ میں موجود ہے لیکن کسی نے نہ تو معاوضہ کے لئے درخواست دی اور نہ عطیہ بحالی کے لئے۔

۲۔ اوقاف جن کا اندراج کھیوٹ میں موجود ہے اور جن کو خاتمۂ زمینداری بانڈس دیدیے گئے مگر عطیہ بحالی نہیں دیا گیا کیونکہ اس کے لئے اندر میعاد کسی نے درخواست پیش نہیں کی۔

۲- اوقاف جن کا اندراج بہ حیثیت شخص درمیانی کھیوٹ میں موجود ہے مگر خاتمہ زمینداری کے بانڈ اور عطیہ بحالی کے بانڈ دونوں دیدیے گئے۔

۳- اوقاف جن کا اندراج بہ حیثیت وقف علی الاولاد یا بحق ملکیت کھیوٹ میں درج ہے لیکن ان کا قیام رجسٹرڈ وقف ناموں کے تحت عمل میں آیا یا زیر دفعہ 5 مسلم وقف ایکٹ ۱۹۳۶ء کے تحت گزٹ میں شائع ہوئے۔

اسی کے ساتھ ایک مجموعی نقشہ بھی روانہ کیا گیا ۳۴ ضلاع کے اعداد و شمار جو وقف بورڈ کے اہلکار تحصیلات سے لکھ کر لائے۔ ان کے ساتھ بقیہ اضلاع کے اُن اعداد و شمار کو شامل کر لیا گیا جو بورڈ آف ریونیو سے حاصل ہوئے۔ مراسلہ میں وقف بورڈ اور بورڈ آف ریونیو کے درمیان تفصیلات میں اختلاف کو بھی واضح کر دیا گیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو مزید اطلاعات متعلق اینوئٹی وقف بورڈ کے علم میں آتی رہیں ان سب سے بورڈ آف ریونیو کو مطلع کیا جاتا رہا۔ کئی بار افسران وقف بورڈ نے بورڈ آف ریونیو کے دفتر میں ذمہ دار افسران سے مل کر زبانی تمام حالات سے باخبر کیا۔ ہر بار یہ امید ہوئی کہ اب مسئلہ آخری فیصلہ کی منزل پر پہونچ گیا۔ اور ہر بار مزید خط و کتابت سے آگے بات نہ گئی۔ مسئلہ جیوں کا تیوں اب بھی ہے۔

بہرحال اس قانون کے عواقب کو مختصراً مندرجہ ذیل نکات میں لکھا جا سکتا ہے:

۱- جائیداد موقوفہ کا ہیولیٰ ([illegible]) جو جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا بہ شکل اینوئٹی جائیداد منقولہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

۲- آمدنی جائیداد موقوفہ بہ شکل اینوئٹی جامد ہو گئی۔

۳- آمدنی جائیداد موقوفہ کے جمود اور اشیا تصرف کی قیمتوں میں روزافزوں اضافہ کی وجہ سے اوقاف مقاصد وقف کی کما حقہٗ انجام دہی سے معذور ہو گئے۔

۴- اکثر چھوٹے اوقاف کے متولیوں نے رقم اینوئٹی قلیل ہونے کی وجہ سے اس کی وصولیابی کے لئے پریشانی اخراجات کے پیش نظر خزانہ تک جانا ترک کر دیا

۵- بہت سے متولی اندر میعاد تشخیص اینوئٹی کی درخواستیں نہ دے سکے۔

۶- اکثر متولیوں نے بہ سازش عملہ بجائے اینوئٹی کے معاوضہ لیکر وقف کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا۔ اسکی مثال کے طور پر وقف ناصر حسن سہارنپور کو پیش کیا جاسکتا

۷- وصولی رقم اینوئٹی کے لئے تحصیل و خزانہ جانے کا صرف اور دیگر اخراجات کا بار آمدنی وقف پر پڑا۔

۸- بیشتر اوقاف علی الاولاد کے حصہ مخصوصہ برائے امور خیر کی اینوئٹی نہیں بنی۔

۹- وقف علی الاولاد کا کل معاوضہ بہ شکل قابل فروخت بانڈ متولی موجودہ کو دے دیا گیا۔ حالانکہ بحیثیت متولی وہ صرف اسی قدر رقم کا حقدار تھا جو وقف نامہ کی رُو سے اُسے ملنا چاہیئے۔

۱۰- اکثر اینوئٹی تشخیص ہوگئی۔ مگر حساب میں شامل نہیں ہوئی مثلاً وقف شجاعت احمد نمبر ۳۵ غازی پور۔

۱۱- اکثر اوقاف برائے امور خیر کو مہمل بنیاد پر غیر خیراتی قرار دے دیا گیا۔ جیسے وقف شاہ مدار مکن پور۔

۱۲- آراضی کا لگان موقوفہ سے آمدنی ختم ہوگئی۔ کیونکہ آراضی شکمی کاشتکاروں کے پاس چلی گئی۔

اوقاف کے علاوہ تمام "اشخاص درمیانی" اپنے نصیب کا معاوضہ لے کر مطمئن ہو گئے۔ مگر ایک معتدبہ تعداد اوقاف اپنی واجب اینوئٹی اور وقف بورڈ اپنے چندہ سے اب بھی محروم ہے۔

وقف بورڈ کا چندہ اوقاف کی اینوئٹی سے ہوتا ہے اور یہی وقف بورڈ کے اخراجات کا تنہا ذریعہ ہے۔ زیر قواعد ایکٹ خاتمہ زمینداری یہ رقم اوقاف کی واجب الادا

اینوئٹی میں سے منہا کرکے ہر ششماہی میں بورڈ کو دیجاتی ہے سنہ ۶۲-۱۹۶۱ء تک چندہ وقف بورڈ ۵ فیصد کے حساب سے وضع کیا جاتا تھا۔ سنہ ۶۳-۱۹۶۲ء سے اب یہ چھ فیصد کردیا گیا ہے جب سنہ ۱۹۵۲ء میں اوقاف کی صحرائی جائیداد بحق سرکار منتقل ہوگئی اور اوقاف کی اینوئٹی کی تشخیص نہیں ہوئی تو وقف بورڈ کی وہ آمدنی جو ان اوقاف سے ہوتی تھی اور جس کا اندازہ تقریباً 50,000 روپیہ سالانہ کیا جاتا ہے۔ یکایک بند ہوگئی۔ بورڈ کے اپنے اخراجات پورے کرنا دشوار ہوگئے۔ بہرحال یہ معاملہ ریاستی سرکار سے رجوع کیا گیا اور کاغذات سے اُس آمدنی کا اندازہ پیش کیا گیا جو اوقاف کی صحرائی جائیداد سے حاصل ہوتی تھی۔ وقف بورڈ کے مطالبہ کی معقولیت کے پیش نظر سنہ ۱۹۵۳ء میں ریاستی سرکار نے 42,000/- روپیہ سالانہ بطور عارضی رقم چندہ بورڈ دیا جانا منظور کیا۔ یہ رقم بورڈ کو سنہ ۶۲-۱۹۶۱ء تک ملتی رہی لہٰذا حسب سابق کام چلتا رہا۔ مگر یکایک سنہ ۱۹۶۳ء میں بورڈ آف ریونیو نے یہ اطلاع دیکر وقف بورڈ پر بجلی گرادی کہ وقف بورڈ کو اس عرصہ میں رقم چندہ واجب الادا رقم سے 2,10850/- روپیہ زیادہ مل چکی ہے لہٰذا جب تک یہ زائد رقم مجرا نہ ہوجائے گی مزید اینوئٹی بورڈ کو نہ دی جاسکے گی۔ خیر ایسا نہ ہوا کہ اینوئٹی بورڈ قطعاً بند ہوجاتی مگر بہت کم کردی گئی یعنی 42000/- سے 3664/- روپیہ سالانہ ملنے لگا۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم کسی طور سے بھی معقول نہیں کہی جاسکتی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس مراسلہ میں جو رقوم لکھی گئیں وہ بدیہی طور سے غلط ہیں اسے محررانہ غلطی کا نام دے لیجئے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وقف بورڈ نے اس غلطی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے درستی کے لئے جو خط لکھا اس کا جواب بورڈ کی فائل میں نہیں ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بورڈ نے اپنے ریکارڈ سے جو اینوئٹی کے حسابات پیش کئے ان کو بورڈ آف ریونیو نے قابل اعتنا نہ سمجھا اور جو معلومات وہاں سے وقف بورڈ کو اس بارے میں حاصل ہوئیں سو اُن کی غلطیوں کو بھی نہ اُس نے تسلیم کیا اور نہ اُن کی اصلاح کی طرف توجہ کی۔ بہرحال سنہ ۶۱ء سے لے کر سنہ ۶۳ء تک اس مسئلہ پر وقف بورڈ نے متعدد مراسلے لکھے جو قطعی لاحاصل رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زائد رقم کی ادائی کی اطلاع دے کر اطمینان سا ہوگیا ہے۔ کوئی یہ نہیں بتلاتا کہ زائد رقم کی منہائی کب تک ہوتی رہے گی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ بورڈ آف ریونیو کے حساب میں وقف بورڈ کی اینوئٹی کی صحیح رقم کی مقدار کیا ہے۔

ایک بات غور طلب ہے۔ جب یہ طے ہے کہ وقف بورڈ کو اوقاف کی واجب الادا اینوئٹی پر تاریخ انتقال جائیداد صحرائی سے ۵ تا ۶ فیصد رقم ازروئے قانون واجب الادا ہے تو یہ مطالبہ غلط نہ ہوگا کہ خواہ متولیان اوقاف نے لاپروائی سے اینوئٹی تشخیص نہیں کرائی یا فریب سے بجائے اینوئٹی معاوضہ وصول کرلیا اس کی ذمہ داری وقف بورڈ پر نہ ہونا چاہیئے۔ وقف بورڈ کو تحت قانون ۵ یا ۶ فیصد رقم ہر وقف کی انتقال شدہ جائیداد موقوفہ کی آمدنی پر ملنا چاہیئے۔ قانون میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ جب تک زیر دفعہ ۹۹ اینوئٹی تشخیص نہ ہوجاوے گی۔ بورڈ بھی اپنے حق سے محروم رہے گا۔ گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام اوقاف کی اینوئٹی کا حساب تیار کرائے اور اگر کل اینوئٹی جس کے لئے کوئی خواستگار نہ ہو وہ بورڈ کو دے دی جائے اور اگر یہ قابل قبول نہ ہو اور اس رقم لادعویٰ کو گورنمنٹ ہی لینا درست سمجھے تو کم از کم چندہ بورڈ اس اینوئٹی پر حساب لگا کر بورڈ کو دے دی جائے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا وقف بورڈ وقتاً فوقتاً حسب امکان تفصیلات پر اینوئٹی اوقاف اور وقف بورڈ کے واجب الادا چندہ کا حساب بورڈ آف ریونیو کو بھیجتا رہا ہے۔ اس موضوع پر سب سے آخری مراسلہ وقف بورڈ ZA 2 (1) 5764 - N

کو بورڈ آف ریونیو کو بھیجا گیا۔ اسمیں یہ تحریر تھا کہ دفتر میں موصولہ آڈٹ رپورٹ اوقاف کی بنا پر اوقاف کی تشخیص شدہ اینوئی کی رقم 471295.00 ہوتی ہے جبتک اس کی صحت سے انکار نہ کیا جائے اسوقت تک چندہ وقف بورڈ کی رقم حسب ذیل واجب الادا قرار پائے گی۔

چندہ وقف بورڈ کی شرح سالانہ ۶۱ء تک بحساب 5% = $\frac{471293 \times 5}{100}$ = Rs 23565.00

چندہ وقف بورڈ بحساب 5% از جولائی ۵۲ء تا ۶۲ء $9\frac{1}{2}$ سال = $9\frac{1}{2} \times 23563.00$ = Rs 223867.00

چندہ وقف بورڈ سالانہ بشرح 6% مروجہ رحال = $\frac{471295 \cdot 6}{100}$ = Rs 28278.00

چندہ وقف بورڈ ۶۲-۶۱ء تا ۶۶-۶۵ء تعین ۱۴ سال = 14×28278 = Rs 395892.00

کل رقم چندہ بورڈ واجب الادا = 395892.00 + 223867.00 = Rs 619759.00

کل رقم چندہ جو تا ایندم بورڈ کو ملی = 590296.00

بقایا واجب الادا ... 29463.00

اس حساب کو اس وقت تک ... نہ تو صحیح کہا جا سکتا ہے نہ مکمل جبتک کل اوقاف علی الخیر کی اینوئی تشخیص نہ ہو جائے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ابھی ایک بہت بڑی تعداد اوقاف کی ایسی ہے جنکی اینوئی تشخیص نہیں ہوئی ہے۔ منجملہ ان غیر تشخیص شدہ اوقاف میں سے ۳۰۰-۴۰۰ اوقاف تو بورڈ کے علم میں ہیں جنکی درخواستیں بورڈ نے تحصیل لکھنؤ میں دوران توسیعات زیر دفعہ A ۱۰۰ داخل کی ہیں ان پر ہی فیصلہ کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تو اور دوسرے اوقاف کی بابت کیا کہا جائے۔ ان اوقاف کے متعلق دفتری رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف انھیں اوقاف کی اینوئی پر وقف بورڈ کو اندازہً Rs 1000 چندہ بورڈ حاصل ہونے کی امید ہے۔ اس کو بھی اگر مندرجہ بالا حساب میں شامل کر لیا جائے تو بقایا میں تقریباً ایک لاکھ کا اضافہ ہو جائے گا۔ مگر جبتک اینوئی کا حساب مصدق و مسلم نہیں ہوتا۔ ان سب کی حیثیت محض خوش فہمیوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ آخر میں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جن متولیوں نے بجائے اینوئی کے فریب دے کر معاوضہ لے لیا۔ خدا ان کو ہدایت کرے اور جن متولیوں نے زیر دفعہ ۹۷ تشخیص اینوئی کی درخواست دینے میں غفلت کی خدا انھیں بھی معاف فرمائے۔ اب معاملہ صرف گورنمنٹ اور اوقاف کا رہ گیا۔ فریق ثانی کی حیثیت سے وقف بورڈ کا نام لیا جا سکتا ہے مگر وہ بھی محض برائے بیت ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ادارہ بھی گورنمنٹ ہی کا قائم کردہ ہے اور گورنمنٹ کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ اگر جملہ اوقاف کو اینوئی نہ ملی اور نتیجتاً وقف بورڈ واجب الادا چندہ نہ پا سکا تو نقصان اقلیتی فرقہ کے ایک اہم ادارہ کا ہے جس کو گورنمنٹ سے داد خواہی کا حق حاصل ہے اور جس کے ساتھ انصاف کرنا گورنمنٹ کے عادلانہ فرائض میں داخل ہے۔ لہٰذا یہ بیحد ضروری ہے کہ گورنمنٹ اس دیرینہ مسئلہ پر توجہ کرے اور موثر اقدام سے اس سلسلہ میں بہتر یہ ہوگا کہ اس مسئلہ کے کماحقہٗ فیصلہ کے لئے ایک دورکنی کمیشن کسی ذمہ دار افسر محکمہ مال کی صدارت میں مقرر کیا جائے جو اس دشوار مسئلہ کی چھان بین کر کے صحیح رقوم اینوئی تشخیص شدہ و غیر تشخیص شدہ کا تعین کرے۔ اس کمیشن میں وقف بورڈ کے نمائندہ کی حیثیت سے ایک ممبر کی شمولیت ضروری ہوگی۔

(جاری ہے)

ایک وقف کی کہانی، وقف بورڈ کی زبانی

درگاہ شمس العارفین شاہ جمال علی گڑھ

زشیخ شہر جاں بُردم بہ تزویر مسلمانی ٭ مدارا گر بہ ایں کافر نمی کردم چہ می کردم

السّلام علیکم! یہ سرِ شام ہی آپ حضرات کا اس طرف آنا کیسے ہوا، نا صاحب معاف فرمائیے۔ اگر کہانیوں کا ایسا ہی شوق ہے تو گھر کی یا پاس پڑوس کی بڑی بوڑھیوں سے "ایک تھا راجہ ایک تھی رانی" قسم کی کہانیاں سنیے یا کسی "گلفام اور سبز پری" کے معاشقہ کی داستان گوش زاز فرمائیے۔ خادم کو جھوٹ بولنا نہیں آتا ورنہ اُس نے ہوائی قلعہ بنانے کا فن ہی سیکھا ہے۔ ع

کہتا ہے سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں اُسے

شکریہ! شکریہ! قدردانی کا شکریہ۔ اس عالم بے بنیاد میں اللہ رکھے آپ ہی جیسے چند اصحاب حق پرست رہ گئے ہیں ورنہ یہاں تو میاں سچ پوچھو دروغ کو فروغ ہے، حق سراسر ناحق ہے۔ کوئی آپ کے روغن قاز ملے آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور اگر بہ شامت اعمال آپ کی مونچھ کے کسی سفید بال کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو بس آپ کی بھوئیں تن جائیں گی۔

ہاں کہنا یہ تھا کہ داستان گو کے قصوں کو فرضی من گڑھت افسانہ سمجھے گا۔ اس کے پاس کوئی آرام کرسی بھی نہیں جس پہ بر لیٹ کر دماغ سے کہے "آ کوئی افسانہ بُنیں" اِن قصوں میں ایک بٹہ سو حصہ بھی جھوٹ نہیں ہوتا نہ اُن میں کسی امیر حمزہ صاحبقران یا لندھور گراں گرز کی کارگذاریوں کا بیان ہوتا ہے بلکہ جعفر و صادق کی کارستانیوں کی یاد دہانیاں ہوتی ہیں۔ مگر وہ جو کہا ہے "الحق مُرٌّ" اور وہ بھی ایسا کہ لاکھ شکر چڑھاؤ تلخی نہیں جاتی۔ بات دراصل یہ ہے حلق میں اگر کڑواہٹ ہو تو چلئے غرارہ کر لیجئے، تسکین ہو جائے گی۔ لیکن روح اگر بدمزہ ہو جائے تو پھر بغیر تزکیہ نفس کے آرام کی کوئی صورت نہیں۔

ایک بات اور بھی ہے داستان گو انشاء اللہ جانتا ہے کسی کا بدخواہ نہیں ہے وہ اکثر اللہ کی جائدادوں یعنی اوقاف علی الخیر کی بہبود و ترقی کے مدعیان بلند بانگ یعنی متولیان رقیق القلب کی خدمات کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ اور وہ جو شدّت خیر خواہی اور فکر احتساب آخرت میں گھل گھل کے ہو گئے ہاتھی۔ ہزار گز کی قبا جسم پر نہیں آتی اور جن کے کارہائے بصیرت خراش کا ایک روزنامچہ جسے عرف عام میں مسل کہتے ہیں وقف بورڈ میں مرتب ہوتا رہتا ہے۔ اُسی کو انشاء اللہ ترتیب کے ساتھ اپنی سیدھی سادھی زبان میں بیان کر دیتا ہے اور دروغ بر گردن راوی رکھ کر

اینا دامن پھاڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ ایسی شکل میں اگر کوئی داستان گو کے سر ہو جائے تو بریں عقل و دانش بباید گریست ان پر وہ دیہاتی مثل ہی صادق آتی ہے کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

یہ تو رہیں سمجھنے اور سمجھانے کی باتیں اب ذرا ٹھوس حقیقت کی طرف آجائیے تو حضرت چاند کا بھی کا منہ پر آتا ہے۔ کچھ آپ سمجھے بھی کیا ہے معاملہ، داستان گو کی پتلی گردن ناپی جا رہی ہے۔ خیر چھوڑیئے اس قصہ کو۔ آپ نہیں مانتے تو آئیے اپنی اور داستان گو کی خیر مناتے ہوئے کسی دوسرے شہر کی سیر کریں۔ دیکھئے یہ علیگڈھ ہے۔ یہاں وہ جامعۃ العلوم ہے جسے ایک فنا فی القوم بزرگ نے نہایت ناساعد حالات میں قائم کیا تھا۔ یہاں بھی ایک تاج ہے، جسے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کہتے ہیں۔ یہ کسی فرد سے محبت کی یادگار نہیں بلکہ ایک سیہ بخت قوم سے الفت کی علم بردار ہے۔ آگرہ کا تاج ایک شہنشاہ کا کارنامہ ہے۔ علیگڈھ کا تاج ایک بے نوا کا شاہ کار ہے۔ وہاں موت ہے یہاں حیات ہے۔ وہ بے ثباتیِ عالم کی تصویر ہے یہ بقائے دوام کی تحریر ہے۔ وہاں سیاح سنگِ مرمر میں صنعت کاری کے نمونے دیکھنے آتا ہے، یہاں زائر نونہالانِ قوم کی اُمنگوں کی زیارت کرتا ہے، وہاں دولت و امارت کی کارفرمائی ہے۔ یہاں عزمِ محکم اور سعیٔ پیہم کی جلوہ نمائی ہے، وہاں رعنائی جمال موت کی گود میں سوتی ہے یہاں محبوبۂ علم و دانش زندگی کے گہوارہ میں جھولتی ہے، وہاں تاریکی ہے۔ یہاں نور ہے۔ وہاں غم ہے یہاں سرور ہے۔ اس کے لئے اپنا نذرانۂ عقیدت فی الحال جمع رکھئے پھر کبھی پیش کریں گے آیئے پہلے وہاں چلیں جہاں کا ارادہ کرکے آئے ہیں۔

علیگڈھ کی جامع مسجد کے جانب مغرب ڈھال پر چلئے تھوڑی دور چل کر یہ سڑک کھیر روڈ سے مل جاتی ہے اسی کھیر روڈ پر کچھ فاصلہ پر ایک وسیع میدان نظر آتا ہے اس کے ایک طرف کھیر روڈ کے متوازی تقریباً چار فرلانگ لمبی چہار دیواری بنی ہوئی ہے۔ شمال جانب بھی کچھ حصہ چہار دیواری سے محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ اس شہر کا سب سے بڑا قبرستان ہے اس میں ایک طرف ایک کھلا ہوا مقبرہ بھی ہے جس میں حضرت شمس العارفین شاہ جمال آسودۂ خواب ہیں۔ یہ قبرستان بھی انھیں کے نام پر موسوم ہے۔ سر اٹھا کر دیکھئے تو تمام میدان میں جا بجا بے ترتیب قبروں کے ڈھیر کچھ خام کچھ پختہ بکھرے نظر آتے ہیں۔ اللہ اللہ قبور کا یہ اژدہام

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

سنبھل کر قدم رکھئے۔ کہیں آپ کو بھی نہ سننا پڑے

میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

ان میں عالم بھی ہونگے جاہل بھی۔ ایسے نازک بدن بھی ہوں گے جن کے نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا۔ ایسے رویئں تن بھی ہوں گے جن کی چال سے ہمچو من دیگرے نیست کی آواز آتی تھی۔ وہ بھی ہوں گے جنکو صاحب مزار سے عقیدت تھی اور جنھوں نے مرنے کے بعد اُن کی قربت کو باعث برکت و سعادت سمجھا۔ وہ بھی ہوں گے جن کو اُن کے طفیل میں معافی درگاہ سے اکلِ حلال نصیب ہوا مگر جنھوں نے یہ تک کہدیا کہ مقبرہ کی دیکھ ریکھ۔ عرس و فاتحہ وغیرہ کی اُن پر ذمہ داری نہیں۔

ان میں ایسے غریب بھی ہوں گے جن کی خام قبروں نے زمین کے برابر ہوکر رسول اکرمؐ کی پسندیدگی کا شرف حاصل کیا، سب سے اچھی قبر وہ ہے جو زمین کے برابر ہو جائے۔ پختہ قبریں ہر آیندو روند سے یہ التجا کرتی معلوم ہوتی ہیں ؎

ارے او جانیوالے التجا میری بھی سنتا جا
سرِ مرقد ذرا رک کر دعائے خیر کرتا جا

فاعتبروا یا اولی الابصار

کہتے ہیں کوئی سات سو برس ہوئے جب دہلی میں پٹھان خاندان سریر آرائے حکومت تھا۔ ایک بزرگ شاہ جمال نامی علیگڑھ تشریف لائے اور اس غیر آباد و پُر سکون میدان میں قیام پذیر ہوگئے اور بعد وصال یہیں مدفون ہوئے۔ درگاہ کو درگاہ شمس العارفین شاہ جمال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں پانچ مسجدیں بھی ہیں جنھیں غالباً عقیدتمند زائرین نے تعمیر کرایا ہوگا۔ مسجدوں کی تعداد اس بات کی مظہر ہے کہ یہاں آنے والوں کی تعداد کثیر رہی ہے مسلمان اس درگاہ و قبرستان کو بہت متبرک سمجھتے ہیں اور اس میں دفن ہونا باعث برکت و سعادت جانتے ہیں۔

درگاہ اور اس کی معافی پر اولاد صاحب مزار عرصہ سے قابض و متصرف چلی آرہی تھی۔ آغاز میں درگاہ پر بھی آمدنی صرف ہوتی ہوگی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افزائش نسل کے ساتھ ساتھ جب کھانے والے منہ بھی بڑھ گئے تو شکم پروری شعار بن گیا اور درگاہ سے لاپروائی ہوتی گئی۔

ان کی لاپروائی اتنی بڑھی کہ درگاہ گرنے لگی۔ قبرستان چوپایوں کی جولاں گاہ بن گیا۔ بدنصیب انسانوں نے حوائج ضروریہ سے فراغت کے لئے اسے استعمال کرنا شروع کیا۔ غرضیکہ قبرستان کی بے حرمتی کی حد نہ رہی۔ آمدنی جب افراد خاندان کے لئے ناکافی ہونے لگی تو اسلاف کی ہڈیاں بکنے لگیں قبرستان کی زمین نذرانہ لے کر فروخت ہونے لگی۔ ان پر وقف کمشنر کے اعلان وقف علی الخیر نے بھی کچھ اثر نہ کیا۔ حالات جب اس حد تک ابتر ہوگئے تو بالآخر سنی وقف بورڈ نے ۱۹۶۲ء میں متولیان کے خلاف عدالت اڈیشنل جج علی گڑھ میں مقدمہ دائر کردیا جس کا نمبر ۳ ۱۹۶۲ء سنی وقف بورڈ بنام قیوم ہے۔ یہ مقدمہ ۳۰ نومبر ۱۹۶۵ء کو فیصل ہوا۔

اس مقدمہ کے فیصلہ میں قبرستان کے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس درگاہ سے متعلق سب سے قدیم پروانہ مجریہ ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ مورخہ ۹ دسمبر ۱۸۴۲ء عدالت میں پیش ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو مواضعات جمال پور اور دھور ہرہ تحصیل کول ضلع علیگڑھ جو شہر سے قریب ہی واقع ہیں۔ نواب نجف خاں بہادر نے ایک سند کے ذریعہ برائے "نیاز درگاہ" عطا کئے بعد میں مرہٹہ سردار مادھو راؤ سندھیا بہادر نے انھیں مواضعات کی معافی کی ایک اور سند عطا کی۔ یہ واقعہ شاہانِ سلف کی وسیع النظری، فقرا دوستی اور درگاہ کی اس عظمت کا ثبوت ہے جو اس کو اس زمانہ میں حاصل تھی۔ اُسی زمانہ میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ ان مواضعات کو معافی سمجھا جائے یا مستوجب ادائے مالگذاری قرار دیا جائے ڈپٹی کلکٹر نے اس کی وضاحت کے لئے کمشنر کو رپورٹ بھیجی جواب ملا کہ مواضعات درگاہ کی معافی ہیں پروانہ میں مدات صرف کے بارے میں "نیاز درگاہ" "مصارف درگاہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ واجب العرض ۱۸۶۳ء میں بھی یہ مواضعات معافی درج ہیں ان تصریحات سے یہ امر مصدق ہوجاتا ہے کہ یہ مواضعات مصارف درگاہ کے لئے عطا کئے گئے تھے۔ زمانہ جیوں جیوں گذرتا گیا حضرت شاہ جمال کی نسل روز افزوں ہوتی گئی۔ کہتے ہیں کہ اب چشم بددور کوئی آٹھ سو افراد شمس العارفین کی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں۔ ان لوگوں کا درگاہ اور مواضعات پر قبضہ تو تھا ہی۔ مگر انھوں نے زیادتی یہ کی کہ غلط طریقوں سے کھیوٹ میں خانۂ ملکیت میں بھی اپنا اپنا نام درج کرالیا۔ اور اس طرح ساری جائیداد کے برمبنائے اندراج مالک بن کر کل آمدنی اپنے ذاتی تصرف میں لانے لگے۔

درگاہ میں ایک زمانہ تک مختلف مذہبات پر

خدمتی مامور تھے۔ نقارچی۔ توشکی۔ جاروب کش۔ چراغچی وغیرہ۔ مگر جب ساری آمدنی افراد خاندان ہی کے کام آنے لگی تو ان خادموں کو معاوضہ خدمات کہاں سے ملتا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ سب شاگردان پیشہ علیحدہ کر دیے گئے صرف برائے بیت ایک چراغچی رہ گیا۔ معلوم نہیں بیچارہ کو چراغ جلانے کو تیل کون دیتا تھا یا یہ جگہ بھی آنریری ہوگئی۔ کبھی مزار پر عرس و ہر جمعرات کو فاتحہ کے مراسم ادا ہوتے تھے۔ سجادہ نشین اولاد نے انھیں بھی ختم کیا۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ کچھ معتقدین ان تقریبات اور مرمت درگاہ کا انتظام کرتے رہے ہیں۔ متولیان نے ان میں حصہ لینا ترک کر دیا۔

مقدمہ مذکورہ سے اس درگاہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس مقدمہ میں کسٹوڈین سمیت ۳۲ افراد مدعا علیہ بنائے گئے۔ ان میں سے سب نے اپنے اپنے گروہ کی طرف سے جوابات پیش کئے۔ مگر ایک کلمہ ناحق سب کے جوابوں میں مشترک تھا کہ یہ وقف علی الخیر نہیں ہے بلکہ پرائیویٹ وقف ہے جو سات سو برس ہوئے شاہان دہلی نے شاہ جمال یا اُن کی درگاہ کے لئے نہیں بلکہ اُن کی اولاد کی پرورش کے لئے وقف کیا تھا اس جائیداد کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے۔ ایک حصہ کو "ملک" کا نام دیا گیا۔ یہ خالصتاً اولاد شاہ جمال کے تصرف میں آیا۔ دوسرے حصہ کو خالصہ کہا گیا۔ وہ بھی انھیں کے صرف میں آیا۔ اللہ جانے یہ 'نام رکھائی' کی رسم کب ہوئی۔ کاغذات میں کچھ نام بطور گزارہ دار بھی درج پائے گئے۔

اوقاف کے سروے کے سلسلے میں وقف کمشنر نے درگاہ اور اُس کی آراضی متعلقہ کو تحت یو۔ پی مسلم وقف ایکٹ ۱۹۳۶ء وقف علی الخیر و مذہب قرار دیا، اور اُمر ۲/۱ اشاعت گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۴۲ء میں کی گئی اندر میعاد ایک سال کوئی عذرداری نہ ہونے کے باعث وقف کمشنر کا فیصلہ مختتم ہوگیا۔ اور مقاصد وقف مرمت و حفاظت درگاہ، انعقاد عرس و فاتحہ۔ روشنی۔ تقسیم لنگر قرار پائے۔ یہ درگاہ دفتر وقف بورڈ میں زیر ۴۳ علی الخیر پر درج ہے۔ مگر متولیان ہی ہمیشہ کی طرح درگاہ پر قابض رہے۔ انھوں نے اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت نہ ہونے دی۔ ۱۹۳۰ء میں مزار پر فاتحہ و عرس و مرمت درگاہ کے لئے ایک کمیٹی کے قیام کا پتہ چلتا ہے مگر غالباً متولیوں ہی کی مخالفت سے کمیٹی کو شکست ہوگئی اور متولیان بلا شرکت غیرے درگاہ پر قابض ہیں۔ عدالت نے اس واقعہ سے نہایت صحیح نتیجہ اخذ کیا کہ اگر متولیان درگاہ کی ضروریات کی طرف توجہ رکھتے تو کسی خارجی کمیٹی کے قیام کی نوبت ہی نہ آتی۔ اُس نے اپنے فیصلہ میں لکھا "درگاہ سے متولیوں نے سخت لاپروائی برتی ہے وہ اس خیال پر قائم ہوگئے کہ مواضعات انکی اپنی پرورش اور گزر اوقات کے لئے عطا کئے گئے تھے۔ نہ کہ درگاہ کے اخراجات کے لئے۔ انھوں نے تمام آمدنی جائیداد کو باہم تقسیم کر لیا۔ چونکہ متولیوں کے خاندانوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ لہٰذا کل آمدنی انھیں کے تصرف میں چلی گئی اور درگاہ کے لئے کچھ نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ درگاہ کے ملازمین کی تعداد گھٹتی گئی اور سالانہ عرس اور جمعرات کا فاتحہ بھی ختم ہوگیا۔ انتہا یہ ہے کہ متولیوں نے یہ تک کہہ دیا کہ مقبرہ کی صفائی اور جمعراتی فاتحہ چراغی اُن کے فرائض میں نہیں ہے۔ متولیوں نے یہ بھی کہا "اگر درگاہ گر کر ختم ہو جائے تو اُس کی ذمہ داری اُن پر نہیں آتی"۔ چلئے بات ہی ختم ہوگئی جن کی اولاد میں ہونے کے دعوے کی بنیاد پر جائیداد سے متمتع ہونے کو اپنا حق سمجھے اُن کی نشانیوں کو باقی رکھنے اور ان کی حفاظت کو قانونی ہی نہیں بلکہ اخلاقی فرائض سے بھی نکال دیا۔

عدالت نے لکھا کہ جب درگاہ کے لئے معافی موجود ہے اور اس معافی سے متولیان مستفید ہوتے ہیں تو پھر درگاہ کی صفائی۔ فاتحہ و عرس وغیرہ یہ نہ کریں گے تو اور کون کرے گا۔

عدالت نے آمدنی معافی کے مدات صرف حسب ذیل تجویز کئے (۱) قیام و مرمت درگاہ (۲) انعقاد عرس و فاتحہ (۳) روشنی (۴) ادائیگی وظائف۔ عدالت نے یہ بھی تسلیم کیا کہ درگاہ شمس العارفین شاہ جمال پر وقف ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہے۔ عدالت نے متولیوں کی بدعنوانیوں کے پیش نظر اُن کو ہٹا دینے کی رائے دی۔ البتہ صاحب درگاہ سے نسبت ہونے کے خیال سے ان کو کمیٹی انتظامیہ میں شریک ہونے کا موقع دینے کی سفارش کی۔ آمدنی وقف کو تین مدات صرف میں تقسیم کر دیا۔

(۱) مرمت و اخراجات درگاہ (۲) امداد افراد خاندان۔ (۳) ادائیگی وظائف۔ حساب فہمی کے مطالبہ کو ناممکن العمل قرار دے کر مسترد کر دیا۔

اس فیصلے سے کوئی فریق مطمئن نہیں ہوا۔ بورڈ نے عدالت العالیہ الہ آباد میں اپیل داخل کی جس کا نمبر ۱۰۱ ۱۹۵۱ء ہے اور متولیوں کی اپیل کا نمبر ۱۶۵ ۱۹۵۱ء تھا۔ مقدمہ بازی کے پیش نظر بورڈ نے معاملات درگاہ میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ مگر متولیوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اپنی کارروائیوں کو تیز تر کر دیا۔ جناب رفیق احمد صاحب انسپکٹر نے ۱۹۵۷ء میں رپورٹ کی کہ درگاہ کی حالت بہت ابتر ہے۔ عرس وغیرہ بند ہیں۔ بورڈ سے مقدمہ بازی کے بعد متولیان کا رویّہ اور بھی سخت ہو گیا ہے اگر کوئی شخص مثل شفقت علی وغیرہ عرس کرانا چاہتے ہیں تو متولیان مزاحم ہوتے ہیں۔ کچھ متولی اپنا رول ادا کر کے پاکستان چلے گئے، کچھ مر گئے۔ اب متولیان میں محمد الیاس۔ محمد عامر اور چند اور ہندوستان میں موجود ہیں۔ لہٰذا بورڈ کو درگاہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ بورڈ نے بہ نظر احتیاط اپنے وکیل مسٹر کاظمی کو لکھا کہ وہ مسل کا معائنہ کر کے بتائیں کہ بورڈ کے خلاف کوئی حکم امتناعی تو نہیں ہے۔ کاظمی صاحب نے جواب دیا کہ فاضل جج نے فیصلے سے ۶۰ دن کے اندر کمیٹی مجوزہ بنانے کی ہدایت کی تھی فیصلہ ۳ر نومبر ۱۹۵۰ء کو ہوا اور اپیل متولیان ۱۸ر اپریل ۱۹۵۱ء داخل ہوئی۔ انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ بورڈ نے اس دوران میں کمیٹی کیوں نہیں بنائی۔ انھوں نے اجراء ڈگری دخلیابی درگاہ اور تشکیل کمیٹی کے لئے فوراً کارروائی کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا کہ ایسا نہ ہو اندراجات کھیوٹ کی بنا پر متولیان معاوضہ وغیرہ حاصل کر لیں۔ مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

بورڈ قانونی دشواریوں کی وجہ سے وکیل کے مشورے کو بروئے کار نہ لا سکا اور متولیان معاوضہ وغیرہ وصول کر لے گئے۔ کوئی کمیٹی بھی نہ بن سکی۔ تشکیل کمیٹی دوران سماعت اپیل کی صدر بورڈ نے بھی مخالفت کی جو ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو صاف کر لینے کی نیت سے معاملہ کو ڈسٹرکٹ جج سے رجوع کیا گیا۔ فائل میں جج کا ایک نوٹ مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۵۳ء موجود ہے کہ چونکہ اپیل ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے لہٰذا فیصلہ سے قبل کمیٹی کی تشکیل غیر مناسب ہے اور بورڈ کی درخواست برائے اجازت خارج کر دی۔ چلئے رسّی اور دراز ہو گئی۔ ۱۹۵۸ء میں رفیق احمد صاحب نے پھر تحقیقات کر کے رپورٹ کی کہ مواضعات جمال پور و دھورہرہ معافیات، کا معاوضہ بنوا لیا گیا اور جن حصہ داروں کے کھیوٹ میں نام درج تھے ان کو دے دیا گیا جو متولیان پاکستان چلے گئے ان کا معاوضہ کسٹوڈین کے سپرد کر دیا گیا۔ عطیہ بحالی بھی جاری ہو چکا۔ اینوٹی کسی نے نہیں بنوائی ظاہر ہے جب معاوضہ مل گیا تو اینوٹی کی درخواست کا سوال ہی

نہیں پیدا ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے وکیل بورڈ کی درخواست بر ۱۷ مارچ ۱۹۵۹ء کو مسٹر ٹنگر و جج ہائی کورٹ نے حکم دیا کہ حاکم معاوضہ علی گڑھ درگاہ کے مواضعات کے بانڈس عدالت مذکور میں جمع کریں۔ افسر معاوضہ نے جواب دیا کہ محمد عامر و محمد عارف کو حکم مذکور کے پہونچنے سے پہلے ہی معاوضہ دے دیا گیا۔ باقی قرق کرلئے گئے ہیں۔

۲۸ اپریل ۱۹۶۳ء کو پبلک کی طرف سے ایک کمیٹی تعمیرات برائے درگاہ بنائی گئی جس کے صدر حاجی نظیر احمد صاحب منتخب ہوئے۔ یہ انجمن درگاہ کی چہار دیواری کی تعمیر میں مصروف تھی کہ نگر پالیکا نے چہار دیواری زیر تعمیر کو منہدم کرنے کا نوٹس دے دیا۔ انجمن نے عدالت ایڈیشنل سول جج سے نگر مہا پالیکا کے خلاف حکم امتناعی دوام حاصل کرلیا۔ اور اس طرح مخالف گروہ کی سازش کامیاب نہ ہوسکی اور چہار دیواری قائم رہی۔ بورڈ فیصلہ اپیل کے انتظار میں مجبور رہا مگر پبلک کی دلچسپی جاری رہی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۶۴ء کو حاجی نظیر احمد صاحب صدر انجمن تعمیرات درگاہ کا ایک مراسلہ دفتر میں موصول ہوا جس میں نگر پالیکا کے خلاف مقدمہ میں کامیابی کی اطلاع دیتے ہوئے عیدگاہ درگاہ کی توسیع کے لئے اجازت چاہی انھوں نے یہ بھی لکھا کہ عیدگاہ کی جانب شمال کی زمین چونکہ ایک غیر مسلم مسمی کیدارناتھ کی تھی۔ لہٰذا انجمن نے اس زمین کو ڈیڑھ ہزار روپیہ میں خرید لیا ہے۔

خدا خدا کر کے ۳۰ جولائی ۱۹۶۵ء کو ہر دو اپیل کا فیصلہ ہوگیا بورڈ کی اپیل نمبر ۱۰۰ ۱۹۵۱ء بورڈ کے حق میں فیصل ہوئی۔ اور مدعا علیہم سے نصف خرچہ دلایا گیا۔ اپیل متولیان نمبر ۹۶ ۱۹۵۱ء خارج ہوگئی۔ عدالت نے متولیان کی ملکیت معافی کو تسلیم نہیں کیا۔ عدالت ابتدائی کی مجوزہ اسکیم منتظمہ میں حسب ذیل ترمیمات کردیں۔

۱۔ درگاہ کے انتظام کے لئے ۳ رکنی کمیٹی کی تشکیل کی جائے جن کو بورڈ نامزد کرے گا۔

۲۔ کمیٹی میں خالی جگہ کو بھی بذریعہ نامزدگی بورڈ ہی پُر کرے گا۔

۳۔ کمیٹی کا ایک ممبر صدر اور ایک ممبر سکریٹری۔ خزانچی اور منیجر کے فرائض انجام دے گا۔

۴۔ جلسہ کے انعقاد کے لئے کسی ایک ممبر کی تحریک کافی ہوگی۔

۵۔ تحصیل وصول کے اخراجات کی منہائی کے بعد بقیہ کل رقم مرمت درگاہ اور اخراجات متعلق درگاہ پر صرف ہوگی۔ ایک مناسب رقم غرباء اور ضرورتمندوں پر بھی صرف کی جائے گی۔ اس مد میں افراد خاندان صاحب درگاہ بھی شامل ہوسکتے ہیں۔

خدا جانے بورڈ نے پھر بھی کمیٹی کی تشکیل کیطرف توجہ کیوں نہ کی۔ بہرحال ۱۹۷۱ء سے اس درگاہ پر بورڈ نے اپنی توجہ مبذول کی اور بہت سے مؤثر اقدام کئے۔

اشفاق علی صاحب انسپکٹر کی رپورٹ مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۷۵ء پر سکریٹری صاحب نے مقامی تحقیقات کرکے کمیٹی کی تشکیل کے لئے تین ممبران کی نامزدگی کا حکم دیا۔ اسسٹنٹ سکریٹری جناب رفیق احمد صاحب نے اپنی رپورٹ مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۷۵ء میں لکھا "یہ قبرستان شہر علی گڑھ کے پچھم جانب دہلی دروازہ نگلہ مسانی سے شروع ہوتا ہے اسکے شمال میں کھیر روڈ جنوب میں کربلا روڈ۔ مشرق میں دہلی دروازہ نگلہ مسانی مغرب میں اینٹوں کے بھٹے، عیدگاہ کے پچھم میں ایک وسیع خشک گہرے گڈھے کے مغرب و جنوب میں پانچسو سے زائد مکانات کی دیہات نما آبادی ہے۔ یہ مکانات اعجاز علی ساکن ٹن ٹن پارہ، محمد شعیب ساکن اپر کوٹ و محمد زبیر ساکن اپر کوٹ وغیرہ نے آراضی قبرستان کو قطعات کی صورت میں بیچ کر تعمیر کرا دیے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۷۵ء کو ایک تین رکنی کمیٹی مشتمل بہ حاجی عبیدالرحمٰن خاں شیروانی

صدر۔ (۲) حاجی نظیر احمد سکریٹری۔ (۳) عبدالغفار صاحب ایڈوکیٹ ممبر بحکم سکریٹری مقرر ہو گئی۔ اسی حکم میں اعجاز احمد و محمد عامر وغیرہ کو جو مقدمہ ہار جانے کے باوجود آراضیات قبرستان کو فروخت کرتے رہے۔ نوٹس دینے کا بھی حکم ہوا پروانہ تقرری کمیٹی یکم اگست ۱۹۷۵ء جاری ہوا۔

یہ سب انتظامات ابھی ہوئے نہ تھے کہ برادرانِ وطن نے یہ سازش نگر پالیکا عیدگاہ کی توسیع کی ممانعت، اور اپنے مرگھٹ تک آراضی قبرستان میں ہو کر راستہ کا جھگڑا اکھڑا کر دیا نگر پالیکا نے ایک سڑک بھی نکال دی۔ لہٰذا ایک مقدمہ حاجی نظیر احمد بنام رام لال جین صدر مقدمہ نمبر 66 ۱۹۶۶ء ججی علی گڈھ میں دائر کرنا پڑا۔ مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔ مدعا علیہم کو ہدایت کی گئی کہ آراضی قبرستان۔ عیدگاہ۔ مساجد اور دیگر عمارات کے استعمال میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے اور نو تعمیر سڑک کو بھی ۴۵ دن کے اندر ہٹانے کا حکم صادر کیا۔ ¾ خرچہ مقدمہ مدعا علیہم سے دلایا گیا۔ اس کی اپیل ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج علیگڈھ کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔

ان جھگڑوں سے ذرا دم ملا تو حاجی نظیر احمد نے سرکاری کاغذات کا معائنہ کیا۔ اور اپنے مراسلہ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء سے بورڈ کو مطلع کیا کہ باوجود مقدمات ہار جانے کے متولیان خود ساختہ نے نذرانہ لے کر کم و بیش پانچسو مکانات آراضی قبرستان پر بنوا دیے۔ ان میں دو قسم کے قبضہ داران ہیں۔ اول وہ جنھوں نے قبرستان کو کھود کر مکانات بنا لئے۔ ایسے ناخدا ترس اشخاص کی تعداد تقریباً ایک سو ہے باقی ساڑھے تین سو اشخاص ایسے ہیں جن کا قبضہ تو ناجائز ہے مگر ان کے مکانات قبروں پر نہیں ہیں ان میں سے تقریباً نصف کمیٹی سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہیں ان کے لئے بحکم کنٹرولر صاحب 50 پیسہ فی مربع گز کے حساب سے کرایہ کی تجویز کی گئی۔

اسسٹنٹ سکریٹری صاحب نے اپنی رپورٹ میں یہ مشورہ دیا کہ معاملات کی پیچیدگی اور وسعت کا رکے پیشِ نظر کچھ ممبران کی کمیٹی بطور امدادی کمیٹی اور بھی بنا دیجائے تو انتظام میں سہولیت ہو جائے گی۔ اس کے لئے انھوں نے نام بھی تجویز کر دیے۔ مگر

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق

ایسا معلوم ہوتا ہے ان لوگوں نے اس جھمیلے سے الگ ہی رہنا مناسب سمجھا اور ان سے کچھ مدد نہ مل سکی۔ مواضعات معافی تو قانون خاتمہ زمینداری کی نذر ہو چکے معلوم ہوا ہے کہ اب بھی دونوں مواضعات میں ایکسو بائیس بیگھہ پختہ آراضی ایسی پڑی ہے جس پر ابھی تک کسی کا دست تطاول نہیں پہونچا۔ انھیں مواضعات کی ۳۔ ۱۳۔ ۲۸۲ بیگھہ آراضی پر مسلم یونیورسٹی کا میڈیکل کالج بنا ہوا ہے جس کا معاوضہ ایک لاکھ پچھتر ہزار روپیہ اسٹیٹ بینک میں جمع ہے۔ اس روپیہ کے متعلق یہ طے کر دیا گیا ہے کہ یہ رقم اس کو دی جائے گی جو اس کا اصل مالک قرار پائے گا ظاہر ہے اس کی حقدار درگاہ ہے اور درگاہ کی باضابطہ مقرر شدہ کمیٹی اس کو برائے درگاہ حاصل کرنے کی مجاز ہے۔

اس طرح درگاہ باوجود لوٹ کے اب بھی اچھی خاصی بڑی املاک کی مالک ہے۔ حاجی نظیر احمد صاحب تن تنہا سیز بیہ معاملات کے سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف متولیان شکست خوردہ کی دست اندازیاں اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں رکاوٹیں پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ متولیان نے کہا جاتا ہے کہ قبرستان کی شمالی چہار دیواری کے پاس کچھ آراضی نذرانہ لے کر کسی کو دیدیا جس پر فرقہ وارانہ فساد کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ مگر عدالت نے زیر دفعہ ۱۴۵ آراضی کو قرق کر لیا اور دونوں پارٹیوں کے خلاف دفعہ $\frac{107}{117}$ مقدمہ قائم کر دیا۔ مقدمہ میں خود ساختہ متولیان بھی ماخوذ ہیں۔ اس کی تاریخی پیشی ۱۵ جون ۱۹۷۶ء مقرر تھی معلوم نہیں اب یہ مقدمہ کس مرحلہ پر ہے۔ اسی کے ساتھ زوال پذیر قوموں کا افراد کا جو طریقہ ہوتا ہے وہ بھی زور شور

سے شروع ہوگیا ہے۔ کمیٹی کے صدر حاجی عبیدالرحمٰن خاں شیروانی کی ذات والاصفات تو اتنی ارفع و بلند ہے کہ اُن کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ مگر حاجی نظیر احمد صاحب و عبدالغفار صاحب ممبران کمیٹی کو نہایت شرمناک بہتان طرازی کا ہدف بنایا جارہا ہے۔ اس کارخیر میں کوئی راشد علی صاحب اور ایک بزرگ بقول خود " ہمدرد دور اندیش محمد اقبال احمد سجادہ نشین " نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔

بقول اسسٹنٹ سکریٹری کا اور بیش بہت وسیع اور پیچیدہ ہے۔ وسعت کی بات تو باعث مسرت ہے۔ رہ گئی پیچیدگی تو یہ ہر اُس معاملہ میں ہوتی ہے جس میں غیر بجا زمفاد پرست حلب منفعت کی نت نئی اسکیمیں وضع کرنے میں سرگرم ہوں۔ اور یہاں تو بقول شخصے بساط ہی اُلٹی جارہی ہے۔ مگر اب بظاہر معاملات نے رخ سیدھا کرلیا ہے اور فی الحال مندرجہ ذیل امور پر توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

نوٹ :- حسب الطلب حاجی نظیر احمد صاحب دکان نامبر و خادم وغیرہ ان کے حوالہ کردیے گئے بیش رقت کا کوئی ابھی تک علم نہیں ہے۔

۱۔ اجراء ڈگری
۲۔ رقم مجتمع اسٹیٹ بینک کی درگاہ کمیٹی کے نام منتقلی۔
۳۔ آراضی بنجر کا مناسب انتظام
۴۔ اینونٹی کی تشخیص۔
۵۔ متولیان شکست خوردہ کی مداخلت بیجا کا سدِباب۔

ابھی سننے میں آیا ہے کہ متولیان نے تالاب کے قریب کی کچھ زمین کسی کے ہاتھ فروخت کردی ہے اگر ایسا ہے تو ان کی ہمت قابل داد ہے کہ باوجود ہائی کورٹ سے ہار جانے کے اب بھی میدان نہیں چھوڑتے۔ ضرورت اور شدید ضرورت ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے درخواست کی جائے کہ وہ فیصلہ عدالت کے احترام اور حق و صداقت کی پشت پناہی میں موثر اقدام لیں۔

آئیے اب ہم ان ناجائز آباد کاروں کو مبارکباد دیں جنھوں نے اپنی غلطی کے احساس کے ساتھ مصالحت پر آمادگی ظاہر کی۔ اور ان ناعاقبت اندیشوں کے لئے جو راہِ راست سے گریزاں ہیں دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ انھیں سیدھی راہ کے اختیار کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور وہ بھی مصالحانہ رویّہ اختیار کرکے مواخذہ آخرت سے بریت کی راہ نکالیں۔ وا حسرتا جنھوں نے قبریں کھود کر مکانات بنائے ہیں کاش وہ بالآخر قبر میں جانے سے پہلے کی کوئی سبیل پیدا کرسکتے۔ اُن کے لئے بھی دنیا میں مصالحت کا طریقہ ہی کارآمد ہوسکتا ہے جو کر گزرے اُس کے لئے توبہ و استغفار کے ساتھ ربّ العزت سے عفو کی التجا کریں۔ دل جلے ہی خواہان وقف سے التماس ہے کہ وہ کردار کُشی کے فعلِ قبیح سے اپنے قلم کو آلودہ نہ کریں۔ کارکردگی پر بے لاگ تنقید کا انھیں حق ہے۔ انتظامیہ سے دبی زبان یہ عرض ہے کہ بموجب ہدایت جہاں عالی مقام متولیان کے غیر معقول اور افسوسناک رویّہ سے درگزر کرتے ہوئے اگر ان کی حمیت گوارا کرے تو اُن کو بھی آمدنی درگاہ میں مثلِ دیگر محتاجین کے شریک کرلیں ۔

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بتخانہ ہم

اس دل شکستگی پہ عنایت ہوا ہے جو
اک عالم ہوس غم دنیا کہیں جسے
باقی ہے آنکھ میں ابھی اس پرتو خیال
وہ بیر نگاہ دیدہ عنقا کہیں جسے

وقف علی الخیر میرٹھ

(گذشتہ سے پیوستہ)

نوٹ
یہ سند نہیں ہے۔

[illegible]	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۲۶	وقف موتی مسجد	۱۵ قطعہ دوکانات پختہ ملحقہ موتی مسجد۔ ۳ قطعہ مکانات پختہ متصل مسجد مذکور۔ ایک کھڑکی ملحقہ مسجد مذکور ۱ قطعہ کمرہ بالائے دوکانات۔ 7 قطعہ دوکانات جو مسجد کی زمین پر کرایہ داران نے خود تعمیر کر لی ہیں واقع محلہ میرٹھ دروازہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔	حاجی شفقت الٰہی صاحب پتھر والا کنواں ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔ و دیگر چار ممبران کمیٹی انتظامیہ
۲۶		کھیوٹ نمبر ۳ موضع محی الدین پور و بیالے پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد تعدادی 222 بیگھہ ۳ بسوہ حصہ موقوفہ یک حصہ منجملہ ۵ حصہ	سید صابر حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ صابر یہ درگاہ گنج۔ دہلی۔
۲۶	وقف برائے امور خیر ۱۹ $\frac{5}{15}$ ء	حقیت آراضی واقع مواضعات گڑھ مکتیشر الٰہی بخش پور بختاور پور پرگنہ گڑھ مکتیشر تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ وچھ قطعہ مکانات مسکونہ پختہ و خام قصبہ گڑھ مکتیشر محلہ سرائے کلاں و محلہ زمینداران مسلمانان ضلع میرٹھ	حافظ شبیر حسن صاحب گڑھ مکتیشر محلہ زمینداران ضلع میرٹھ
۲۶	وقف برائے دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور و مسجد معروف تکیہ امام شاہ میرٹھ $\frac{6}{25}$ ۲۰ء	حقیت آراضی بقدر $\frac{5}{9}$ حصہ از کھیوٹ نمبر ۹ تعدادی ۱۹ بیگھہ ۲ بسوہ پختہ واقع موضع ٹانڈہ محال ہانگر ضمیر محمد خاں پرگنہ چھپرہ۔ حقیت آراضی $\frac{1}{16}$ حصہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۹ تعدادی ۸ بیگھہ ۱۹ بسوہ واقع موضع و پرگنہ مذکور محال مدعا علیہم ہانگر حقیت مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۱ ۱ بیگھہ ۱۱ بسوہ رسدی۔ حقیت مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۲ ۵ بیگھہ ۱۱ بسوہ ۴ بسوانسی رسدی۔ حقیت مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱ بقدر $\frac{1}{16}$ حصہ تعدادی ۸۷ بیگھہ ۱۶ بسوہ واقع مواضعات پرگنہ و محال مذکورہ بالا ضلع میرٹھ	مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور

نمبر شمار	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
۲۶۶	وقف برائے مسجد و سبیل ۱۵ ۱/۱۲ ۶	۱ بیگھہ ۷ بسوہ پختہ آراضی مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۹۳ مع ایک دہن چاہ پختہ و ایک منزل مکان واقع قصبہ میرٹھ محال لاجراج مصنط پرگنہ و تحصیل میرٹھ و ایک سہ دری ایک کوٹھہ و ایک دو کڑیہ	عبدالرشید صاحب محلہ بنی سرائے مکان نمبر ۵۲ میرٹھ
۲۶۷	وقف مسجد موسومہ کرامت خاں ۲۳ ۲/۲۴	نمبر ۱۲۴۹ رقبئی ۱۰ بسوہ کھیوٹ نمبر ۸ واقع محال اشرف خاں موضع سنسلہ پرگنہ مہتنا پور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ حقیت ۱۳ الف رقبئی ۱ بیگھہ ۱ بسوہ از کھیوٹ نمبر ۷ واقع محال در پرگنہ موضع مذکور	حکیم محمد سمیع اللہ خاں صاحب پرگنہ مہتنا پور موضع سنسلہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۶۸	وقف مسجد تاروالی و مسجد تکیہ دہلی دروازہ غازی آباد ۶ ۱/۲۸ ۶	دو قطعہ مکانات واقع آبادی غازی آباد ضلع میرٹھ	اکبر علی ملازم ریلوے غازی آباد ضلع میرٹھ
۲۶۹		ایک قطعہ آراضی کہ جسکے نصف سے زائد پر مسجد تعمیر ہے اور بقیہ حصہ میں دو گھر تعمیر ہیں واقع جدید آبادی قصبہ غازی آباد ضلع میرٹھ	منیا دعلی ۔ محلہ گندہ نالہ قصبہ غازی آباد ضلع میرٹھ
۲۷۰	وقف مسجد رنگریزاں	ایک مکان مسکونہ مسجد کے اندر واقع ہے واقع موانہ کلاں ضلع میرٹھ ۔ دو قطعہ مکانات کلاں و خورد متصل مسجد واقع محلہ منا لال ۔ قصبہ موانہ ضلع میرٹھ	چھوٹے ولد محمد ۔ قصبہ موانہ ضلع میرٹھ
۲۷۱	وقف مسجد رنگریزان ۲۴ ۸/۲۸ ۶	۲ حصہ منجملہ ۱۷ حصہ از یکمنزل حویلی خام واقع آبادی قصبہ موانہ کلاں محلہ سید ذات علی ضلع میرٹھ	" " " "
۲۷۲	وقف مسجد رنگریزاں ۳ ۹/۲۷ ۶	۳ حصہ منجملہ ۱۷ حصہ از یکمنزل حویلی خام منہدمہ واقع قصبہ موانہ کلاں سید ذات علی ضلع میرٹھ	حسین خاں و چھوٹے خاں ۔ ساکنان قصبہ موانہ ضلع میرٹھ
۲۷۳	وقف مسجد رنگریزاں ۳ ۹/۲۷ ۶	دو حصہ منجملہ ۱۴ حصہ از یکمنزل حویلی خام منہدمہ واقع قصبہ موانہ محلہ رنگریزاں ۔ ضلع میرٹھ	" " " "
۲۷۴		حقیت آراضی رقبئی ۷ بیگھہ ۱۲ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر 5 و حقیت حصہ رسدی از ۲۸ بیگھہ مندرجہ کھیوٹ نمبر 38 واقع انوپ پور ڈبائی ۔ پرگنہ گڈھ مکتیسر تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	الطاف احمد خاں صاحب قصبہ شاہجہانپور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ

[illegible]	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲	وقف مسجد موضع رادھنہ	موازی ۱۸ ۵ بیگھہ پختہ آراضی از کھاتہ کھیوٹ 117 رقبئی ۱۹ بیگھہ ۶ بسوہ واقع موضع رادھنہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	
۲	وقف مدرسہ دارالعلوم جامع مسجد بیعنامہ مورخہ ۲۲ ۱/۲۶ ء	عمارت مدرسہ و بورڈنگ ہاؤس واقع محلہ مشائیخان ضلع میرٹھ	بشیر احمد صاحب ناظم مدرسہ دارالعلوم میرٹھ
۲	وقف مسجد کلاں ۲ 11/19 ء	1/9 حصہ از کھاتہ کھیوٹ 8 تعدادی ۱۲ بیگھہ ۱۷ بسوہ پختہ آراضی 2/15 حصہ " 27 " ۳۵ بیگھہ ۱۷ بسوہ " 11/73 " " 38 " ۷ بیگھہ ۱۹ بسوہ " حصہ سدس از کھیوٹ 9 تعدادی ۶۶ بیگھہ ۸ بسوہ ۱۸ بسوانسی " " 10 " ۱ بیگھہ ۱۵ بسوہ ۵ بسوانسی " " 11 " ۱ بیگھہ ۴ بسوہ ۱۸ بسوانسی پختہ آراضی " " 15 " ۱ بیگھہ ۱ بسوہ ۱۳ بسوانسی " " 42 " ۱۲۱ بیگھہ ۱۷ بسوہ " " 43 " ۳۹ بیگھہ ۷ بسوہ ۱۰ بسوانسی " " 55 " ۸ بیگھہ ۱۸ بسوہ ۴ بسوانسی " " 62 " ۷ بیگھہ ۱۳ بسوہ ۷ بسوانسی پختہ آراضی " " 63 " ۶ بیگھہ ۸ بسوہ ۲ بسوانسی واقع موضع کانسی محال مدعا علیہم پرگنہ و تحصیل و ضلع میرٹھ	شریف احمد موضع کانسی رڈاکخانہ خاص ضلع میرٹھ
۲	وقف مدرسہ عالیہ رونق الاسلام دروازہ ۲۰ 11/1896 ء بیعنامہ جمیل الدین وغیرہ مورخہ ۱۱ 11/43 ء بیعنامہ حبیب الدین مورخہ ۲۰ 12/42 ء	دوکانات 185 تا 195 واقع بازار خیر نگر متصل کمبوہ دروازہ دکان 40 واقع بازار خیر نگر۔ دوکانات 365 و 365/1 تا 365/2 والماری 365/3 واقع خیر نگر کوٹھہ 249 و 249/1 واقع موضع چھاؤنی علاقہ خیر نگر ایکمنزل دوکان 38 واقع بازار خیر نگر میرٹھ کوٹھہ شرقرویہ 249	حاجی محمد شفیع کمبوہ دروازہ۔ میرٹھ
۲	وقف مسجد دھوبی والی ۳۰ 1/2 ء	ایک منزل مکان مشتمل بر دو کوٹھہ واقع پورہ باغپت دروازہ شہر میرٹھ	چودھری کلو، حاجی ساجد علی، و عبدالباری صاحبان محلہ انگلشیان باغپت دروازہ میرٹھ

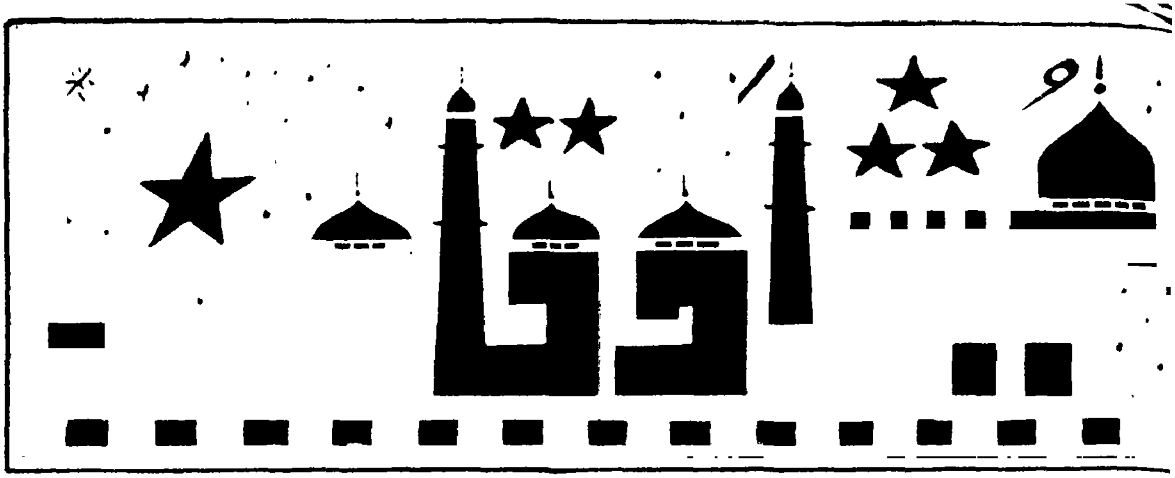
نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۸۰	وقف مسجد ملائی جوڑی	دو قطعہ دوکانات واقع سرائے بہلم میرٹھ	عبداللطیف صاحب صدر بنبد سکریٹری ودیگر ۳ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان سرائے بہلم میرٹھ
۲۸۱	وقف جامع مسجد	۱۱ قطعہ دوکانات ۵ قطعہ مکانات ایک سہ دری پختہ ایک کمرہ واقع پشت جامع مسجد و سرائے بہلم سرائے زینہ محلہ نوری باڑہ محلہ نوگزہ میرٹھ	قاضی زین العابدین صاحب قاضی منزل قاضی اسٹریٹ متصل مسجد چھپر والی میرٹھ
۲۸۲	وقف درگاہ شاہ نقن	وقف ہذا کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا سے 57 روپیہ 12 آنہ ذریعہ پنشن رول 419/ سی پی ایل مورخہ ۲۰ جنوری ۳۳ء مقرر ہوئی ہے	سید وجیہ الحسن صاحب 162/ شہزاد مرزا محلہ کرم علی میرٹھ
۲۸۳	وقف برائے امور خیر	ایکمنزل مکان خام واقع قصبہ سوانہ کلاں۔ ضلع میرٹھ	چھوٹے ولد محمد قصبہ سوانہ کلاں۔ میرٹھ
۲۸۴	وقف برائے فاتحہ خوانی	آراضی افتادہ متصل مسجد شاہ پیر دروازہ تکیہ دلاری میرٹھ۔ میں ½ حصہ وقف کیا گیا ہے۔	سید عبداللطیف صاحب شاہ پیر دروازہ "
۲۸۵	وقف قبرستان	ایک قطعہ قبرستان رقبہ تخمیناً ۳ بیگھہ پختہ واقع محلہ گھوسی لال کرتی میرٹھ کینٹ	حبیا شیخ غیاث الدین صاحب کوٹھی خان بہا صاحب لال کرتی میرٹھ صدر شفیع الدین صاحب سکریٹری ودیگر، ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان محلہ گھوسی۔ لال کرتی میرٹھ
۲۸۶	وقف مسجد دھرم شالہ ۲۲ جون ۶	حقیت آراضی واقع موضع بٹالہ پرگنہ ہاپوڑ بحال مسلمانان رقبہ ۲ بیگھہ ۲ بسوہ 5/9 ۵ بسوانسی، حقیت آراضی رقبہ حصہ رسدی از ۱ بیگھہ ۱۱ بسوہ۔ حصہ رسدی از ۹ بیگھہ ۱ بسوہ، حصہ رسدی از ۲۷ بیگھہ ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی حصہ رسدی از ۱۴ بسوہ مندرجہ کھیوٹ 46/ تا 50 ضلع میرٹھ	ظہیر احمد صاحب موضع بٹالہ پرگنہ سراد تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۲۸۷			
۲۸۸			
۲۸۹			
۲۹۰	وقف مسجد و قبرستان مفتیان ۱۳ 11/22 ۶	آراضی قبرستان ۱ بیگھہ ۱۳ بسوہ مندرجہ کھیوٹ 487/577 " " ۱۰ بسوہ " " 485/575	رفیق احمد و وارث علی۔ محلہ اندرکوٹ مفتی واڑہ۔ میرٹھ

	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۹۱	وقف زین المساجد ۵ ۱/۲۸ ء	جائیداد سکنی ملحقہ مسجد بیگم باغ سہ منزل ۷ منزل دوکانات پختہ ۶ منزل مکانات پختہ، ۱ منزل بالاخانہ پختہ و ایک قطعہ آراضی تال واقع محلہ بیگم گنج۔ شہر میرٹھ	منظور محی الدین لال کرتی بازار میرٹھ صدر و دیگر ۴ ممبران کمیٹی انتظامیہ
۲۹۲	وقف مسجد بازار والی	ایک منزل مکان خام واقع قصبہ بروٹ پٹی میرا پور ضلع میرٹھ	حافظ ریاض الدین صاحب صدر پٹی چودھریان میرٹھ۔ غیاث الدین صاحب سکریٹری و دیگر ۴ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان مذکورہ بالا۔
۲۹۳	وقف مسجد موضع کاٹھہ	۳ قطعہ دوکانات واقع موضع کاٹھہ پرگنہ و تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	محمد الیاس صاحب۔ موضع کاٹھہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ
۲۹۴	وقف جامع مسجد کوٹ و مدرسہ اسلامیہ ۱۵ ۱۱/۳۵ ء	۴ بیگہ پختہ آراضی منجملہ حقیت ۱ بیگہ ۴ بسوہ ۱ بسوانسی ازکھاتہ ۱۶ بیگہ ۶ بسوہ ۱۰ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ 106 واقع قصبہ کٹھور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	ارشاد حسین صاحب موضع گودا تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۲۹۵	وقف مسجد رنگریزان ۱۶ ۸/۱۹ ء	۲ حصہ منجملہ ۳ حصہ ازیکمنزل مکان خام واقع قصبہ موانہ محلہ رنگریزان ضلع میرٹھ	چھوٹے ولد محمد وغیرہ موضع موانہ کلاں ضلع میرٹھ
۲۹۶	وقف مسجد غربی	۱۶ بسوہ پختہ آراضی واقع موضع جبّی پرگنہ کٹھور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ مکان سکنی واقع موضع و پرگنہ و تحصیل و ضلع مذکور	عبدالرحمن موضع جبّی پرگنہ کٹھور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۲۹۷	وقف جامع مسجد موضع دوتائی یکم جولائی [illegible]	حقیت آراضی موضع دوتائی پرگنہ گڈھ مکتیشر رقبی ۱ بیگہ ۶ بسوہ ۱۵ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ 63، ۱۳ بسوہ ۵ بسوانسی کھیوٹ 66، ۱۲ بسوہ ۱۰ بسوانسی کھیوٹ 67 حصہ رسد مندرجہ کھیوٹ 69، 68 ۱ بیگہ ۲ بسوہ کھیوٹ 147۔ و حقیت آراضی واقع موضع پٹی ہندو رقبی حصہ رسدی کھیوٹ 148 ۱ بیگہ ۱۰ بسوہ ۴ بسوانسی کھیوٹ 157 حصہ رسدی مندرجہ کھیوٹ 164، 165 و حقیت آراضی واقع موضع کوٹھلہ بانگر رقبی ۱ بیگہ ۱/۲ ۱۳ بسوہ، حصہ رسدی، مندرجہ کھیوٹ 104، ۲ بیگہ ۱ بسوہ کھیوٹ 70 و حصہ رسدی کھیوٹ 132	بشیر احمد موضع دوتائی۔ ڈاکخانہ گڈھ مکتیشر تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۲۹۸	وقف مسجد فتحپوری ۱۵ ۶/۱۸۷۲ء	جگہ مکان افتادہ 884/ رقبئی ۱۱ بسوانسی و دوکان 729/ رقبئی ۸ بسوانسی و دوکان 730/ رقبی ۱۰ بسوانسی واقع آبادی موضع دوتائی پرگنہ گڑھ مکتیشر ضلع میرٹھ مسجد فتحپوری کی آراضی افتادہ پر چار دوکانات چوبی متولی وقف نے بنائی تھیں۔ چار قطعہ دوکانات واقع قصبہ گڑھ مکتیشر ضلع میرٹھ	عبدالرحمن قصبہ گڑھ مکتیشر ضلع میرٹھ
۲۹۹	وقف مسجد جامع موسوم بہ حضرت شاہ شمس الدین صاحب والی ۵ ۸/۲۸ ء	آراضی نمبری 3914 رقبئی ۵ بسوا ۱۰ بسوانسی از کھاتہ کھیوٹ 7/ تعدادی 16 بیگھہ ۹ بسوانسی واقع موضع اجرارہ محال امیر حسن پرگنہ سرادہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	سخاوت علی۔ قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۳۰۰	وقف برائے امور خیر	حقیت آراضی واقع موضع اجرارہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ رقبئی ۵ بیگھہ ۱۱ بسوہ (قبرستان بزمانہ شاہی قدیم الایام سے ہے جس کا رقبہ اوپر درج کیا گیا ہے)	عاشق شاہ۔ موضع اجرارہ۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۰۱	وقف شاہی برائے امور خیر	کھاتہ 312/ کھیوٹ 33/ خسرہ نمبران 2161، 2162 رقبئی ۱۶ بسوہ آراضی قبرستان واقع موضع اجرارہ پرگنہ سرادہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	اللہ دیا۔ موضع اجرارہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۰۱/A	وقف قبرستان قدیم الایام	حقیت آراضی رقبئی ۵ بیگھہ ۱۱ بسوہ واقع موضع اجرارہ تحصیل ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ (قبرستان قدیم الایام سے ہے)	جیندہ شاہ پسر سکندر شاہ۔ موضع اجرارہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۰۲	وقف مسجد کوٹلہ سادات	صرف عمارت مسجد ہے۔ کوئی جائیداد وقف نہیں ہے۔	حافظ رفیع الدین۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۰۳	وقف مسجد بڑ والی	حقیت آراضی رقبئی ۱ بیگھہ ۴ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبران 119 و 135 واقع موضع اولدھن پرگنہ سرادہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	فیاض احمد صاحب موضع اولدھن پرگنہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۳۰۴	وقف برائے مساجد تحصیل والی گڑھی دال ۹ ۱/۳۳ء	ایک قطعہ مکان پختہ و خام واقع قصبہ پلکھوہ پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	عبدالحفیظ قصبہ پلکھوہ۔ بازار خورد غازی آباد ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۳۰۵	وقف مسجد موضع تیوڑی	حقیت آراضی واقع موضع تیوڑی محال غیر والیان پرگنہ جلال آباد تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ رقبہ ۱۵ بسوہ	حافظ عبداللہ۔ موضع تیوڑی غازی آباد ضلع میرٹھ
۳۰۶	وقف مسجد سرائے ننھے مل	عمارت مسجد ہے اور چندہ سے ایک دوکان بنوائی گئی ہے واقع محلہ سرائے ننھے مل۔ غازی آباد ضلع میرٹھ	حافظ مہربان علی۔ سرائے ننھے مل قصبہ غازی آباد ضلع میرٹھ
۳۰۷	وقف مسجد موضع کھیڑی کلاں ۸ ۱۲/۳۹ ع	حقیت آراضی ۲ بیگھہ ۱۰ بسوہ ۴ بسوانسی مندرجہ کھیوٹ ۴/۷ در سری حصہ از کھاتہ کھیوٹ ۹/۷ واقع موضع کھیڑی کلاں پرگنہ و تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ	علی بخش موضع کھیڑی کلاں۔ قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۳۰۸	وقف عیدگاہ موضع نرپوڑہ	حقیت آراضی رقبہ ۱۵ بسوہ ۱۳ بسوانسی واقع موضع نرپوڑہ پرگنہ برناوہ محال مدعا علیہم قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ ۱۶/۷	سید معین الدین شاہ۔ قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۳۰۹	وقف مسجد کچہری تمہ وقف نامہ ۲ ۵/۴۳ ع	ایک منزل مکان ۲۱۵ معہ بالاخانہ و ایک منزل دوکان غربرویہ پیوستہ مکان واقع محلہ کرم علی شہر میرٹھ	سکریٹری سنی وقف بورڈ بذریعہ سب کمیٹی اوقاف میرٹھ
۳۱۰	وقف مسجد تکیہ چشتی پہلوان	۲ قطعہ مکانات پختہ و ۳ قطعہ دوکانات خام واقع محلہ چشتی پہلوان۔ باغپت گیٹ میرٹھ	نور محمد خاں محلہ انگلشیان و محمد صدیق محلہ انگلشیان۔ باغپت دروازہ میرٹھ
۳۱۱	وقف مسجد سقہ والی ہبہ نامہ مورخہ ۵ ۱۲/۱۷ ع بحق محمد عظیم شاہ	حقیت آراضی ا بیگھہ ۵ بسوہ خام واقع موضع بنیگہ پرگنہ جلال آباد تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	عبدالمجید قصبہ بنیگہ پرگنہ جلال آباد ضلع میرٹھ
۳۱۲	وقف مسجد بہاؤ پہلوان ۱۵ ۱۱/۵۴ ع	ایک منزل مکان ۱۵۶ واقع ہنڈیا محلہ لال کرتی بازار میرٹھ	افسر دیا حسنا صدر۔ شیخ صدر الدین صدر سکریٹری و دیگر ۳ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان لال کرتی بازار میرٹھ
۳۱۳	وقف مسجد پرروہ انگلشیان ۴ ۱/۳۹ ع	ایک منزل مکان واقع پرروہ انگلشیان بیرون باغپت دروازہ ضلع میرٹھ	
۳۱۴			
۳۱۵	وقف برائے مسجد و مدرسہ اسلامیہ ۱ ۳/۲۱ ع	۲ بسوہ پختہ از کھاتہ ۹ بیگھہ ۱۱ بسوہ ۱۰ بسوانسی پختہ آراضی کھیوٹ ۵/۷ و حقیت آراضی ۴ بسوہ پختہ	مساۃ سکینہ زوجہ بندو موصن گورا قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
		از کھاتہ ۲۹ بیگھہ ۵ بسوہ پختہ اراضی کھیوٹ 17 واقع موضع حیدرہ پرگنہ سرادہ محال کشن سہائے تحصیل ہاپڑ ضلع میرٹھ۔	
۳۱۶	وقف مسجد	حقیت اراضی خسرہ نمبری 2479 رقبی ۹ بسوہ ۱۰ بسوانسی از تعدادی ۲۵ بیگھہ ۷ بسوہ مندرجہ کھیوٹ 15 واقع موضع للیانہ پرگنہ کٹھور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	امیر حسن صاحب موضع للیانہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۳۱۷			
۳۱۸			
۳۱۹			
۳۲۰	وقف مسجد حجامان وصیت نامہ ۲ ۵/۱۱ ۶ء	حقیت اراضی ۲ بیگھہ ۲ بسوہ نمبر خسرہ 892 مندرجہ کھیوٹ 9 واقع موضع پوپائی محال بارہ بسوہ پرگنہ گڑھ مکتیشر ضلع میرٹھ	عیوض خاں قصبہ گڑھ مکتیشر ضلع میرٹھ۔
۳۲۱	وقف مسجد مچھلی بازار ۷ ۵/۳۴ ء	ایک قطعہ مکان و ایک قطعہ دوکان پختہ واقع محلہ کوٹلہ میرٹھ	حکیم خیراتی محلہ مچھلی بازار۔ میرٹھ
۳۲۲	وقف مسجد توپخانہ رجبن بازار	مکان 48 واقع بازار توپخانہ میرٹھ۔ دوکان 68 واقع محلہ توپخانہ بازار کیمپ میرٹھ۔ مسجد کی ایک قطعہ دوکان اندرون مسجد واقع ہے۔	محمد اکبر و عبدالغفور ساکنان توپخانہ بازار میرٹھ
۳۲۳	وقف مسجد موضع تیوڑی ۱۳ ۴/۳۷ ۶ء	۱۳ بسوہ اراضی پختہ از 22 مندرجہ کھاتہ کھیوٹ 35 تعدادی ۱۸ بیگھہ ۶ بسوہ ۵ واقع موضع تیوری تیرہ بسوہ پرگنہ جلال آباد محال غیر داعیان تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	محمد اسماعیل صاحب موضع تیوری پرگنہ جلال آباد ضلع میرٹھ
۳۲۴	وقف مسجد نباطیان	۱۰ قطعہ دوکانات معہ ایک بالاخانہ نیز ایک قطعہ بالاخانہ جسمیں مدرسہ قائم ہے واقع محلہ درود گران سرائے بہلم میرٹھ	محمد احمد صاحب سرائے بہلم۔ بازار شاہ گھاسہ میرٹھ
۳۲۵	وقف مسجد رجبن بازار	ایک منزل مکان 90/A واقع محلہ [illegible] رجبن بازار کیمپ میرٹھ	محمد یوسف رجبن بازار محلہ [illegible] میرٹھ



شعبۂ نشر و اشاعت یو، پی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ لکھنؤ

R.N 26535/74

یو پی سُنّی سنٹرل وقف بورڈ کا
ترجمان

مشیر اوقاف لکھنؤ

سہ ماہی

جلد ۳	نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۶ء و جنوری ۱۹۷۷ء	شمارہ ۴

ایڈیٹر
سید آل حسن (ایم اے۔ ایل ایل بی)

زر سالانہ اعزازی پندرہ روپے
عام دس روپے

پتہ
۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ۔ لکھنؤ

عنوانات

نوٹ۔ اگر اس دائرے میں سرخ نشان لگا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ خریداری ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا آیندہ خریداری کے لئے چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیے۔ خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیں۔

سید آل حسن ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے منجانب یو۔پی سنی سنٹرل وقف بورڈ، نامی پریس خواجہ قطب الدین روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر
۹۱۔ ڈاکٹر موتی لال بوس روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شذرات

اس شمارہ کی اشاعت کسی عبوری دور کے غیر یقینی پس منظر اور کچھ ایسے ہیجانی حالات میں ہو رہی ہے کہ اس میں فروگذاشتوں اور خامیوں کا وارد ہونا ناگزیر ہے۔ وقف بورڈ اور اوقاف پر سرکاری توجہات نے جہاں ایک طرف اصلاح و بہبود کی توقعات پیدا کر دی ہیں۔ وہاں دوسری طرف دفتری مشغولیات میں المضاعف اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی کے ساتھ تمام گھریلو بیماریوں اور افکار کی یورش نے دماغی سکون کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ ہم ان جواں ہمت اور مستقل مزاج صحافیوں کو بڑی حسرت اور حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو طوفانِ حوادث میں بھی اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے قارئین سے مستدعی ہیں کہ ہماری اس پُرخلوص کوشش کی خامیوں کو ہماری دشواریوں پر محمول کرتے ہوئے درگذر سے کام لیں گے پھر بھی اگر کچھ خوبیاں پسندِ خاطر ہوں تو انھیں محض انعامِ خداوندی سے تعبیر فرمائیں کہ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست ⁂ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس شمارہ میں ہمارے مہربان بزرگ جناب پنڈت بشیر الدین نیشنل اوارڈ یافتہ نے اپنا ایک جدید مقالہ برائے اشاعت ارسال فرمایا ہے "آ کے نہ جانے والا" آپ اسے ملاحظہ فرمائیں اور مولانا کے والہانہ اندازِ بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کے انداز سے اپنے قلوب میں حبِ رسولؐ کی شمعیں روشن کریں۔ اس داستانِ عشق و محبت میں مولانا نے واقعات کی جو توجیہات اور تاویلات پیش کی ہیں وہ اپنی ایمان افروز ندرت کی بنا پر روح میں وجدانی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضلِ عمیم سے مولانا کی ذات بابرکات سے دین و ملت کو تا دیر استفادہ حاصل کرتے رہنے کے مواقع ودیعت فرمائیں۔

اس شمارہ میں ایک اور نہایت پُرمغز مقالہ جناب محمد سمیع صدیقی ریٹائرڈ پرنسپل کا بھی پیش کیا جاتا ہے ہم پر پرنسپل صاحب کی یہ پہلی نوازش ہے جس کے لئے ہم بے حد ممنون ہیں۔ اس مضمون کی نسبت ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کا مضمون ایسے ہی صاحبِ علم و بصیرت کے قلم سے نکل سکتا ہے۔ جس نے مسائل کے تمام گوشوں پر گہری نظر ڈالنے اور صحیح نتائج اخذ کرنے کے ساتھ ساتھ ایک منفرد طرزِ تحریر پر کامل قدرت حاصل کر لی ہو۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پرنسپل صاحب آئندہ بھی شکرگذاری کے مواقع عنایت فرمائیں گے۔

ان دنوں اُردو زبان کی قدر و قیمت کے اعتراف کے ساتھ ہی خواہانہ جذبات کا ایک سیلاب سا اُمڈ آیا ہے اور کچھ عملی اقدامات بھی لئے جا رہے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ حامیانِ اُردو کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ اُسے جمہوری نظامِ حکومت میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال سرکار کی مہربانی سے مرکز میں اُردو ترقی بورڈ قائم ہے اور بیشتر ریاستوں میں اُردو اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا ہے ان کے ذریعہ مصنفین کو گرانقدر انعامات عطا ہو رہے ہیں۔ لائبریریوں کو امداد دی جا رہی ہے اور کچھ اُردو پڑھنے والے طلباء کے لئے وظائف کا بھی انتظام ہے۔ باوجود ان مہتم بالشان کارگذاریوں کے مطلع اب بھی ابر آلود ہے۔ تاوقتیکہ ان مشرف بہ انعامات تصانیف کے پڑھنے والوں میں وہ ذوق اور شعور پیدا نہ ہو جو آج سے ۳۰ سال پہلے تھا یہ ساری ہماہمی زیب داستان ہی رہے گی۔ اگر مشاعروں کا انعقاد سخن سنجی اور سخن فہمی کے معیار سے گر کر کسی تفریحی پروگرام میں محض تفنن طبع کے لئے ہوتا ہے اور رسائل کی کثرت پڑھنے والوں کے ادبی تقاضوں کے بجائے سرکاری یا نیم سرکاری امداد کی رہین منت ہے تو یہ اُردو زبان کی نہ تو قدر دانی کا ثبوت ہے اور نہ ترویج و ترقی کی علامت۔ اس کے لئے عاجلانہ اور مؤثر ترغیبات کی ضرورت ہے وہ صرف ایک ہے کہ اس زبان کو ثانوی درجہ دیا جائے اور تمام مقابلہ کے امتحانوں میں کم از کم ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے اسے شامل کیا جائے اگر ایسا نہ ہوا تو مجبوراً کہنا پڑے گا ؎

دل شکستہ در اس کوچہ می کنند درست
چنانکہ خود شناسی کراز کجا بشکست

ابھی ۴ر دسمبر ۱۹۷۶ء کے نیشنل ہیرالڈ کے ایک مکتوب کو پڑھ کر ہم حیران رہ گئے کہ آچاریہ ونوبا بھاوے جیسی بزرگ شخصیت نے دکن کے دو ملیالم زبان میں شائع ہونے والے اخباروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اخبار کا ایک کالم دیوناگری رسم الخط میں ہونا چاہئے نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر دیوناگری رسم الخط کو اختیار کیا جائے تو اس سے قومی یکجہتی میں مدد ملے گی۔ اس مسئلہ پر مہاتما گاندھی کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے انھوں نے فرمایا :-

" احساسِ قومیت ایک حقیر جذبہ ہو کر رہ جاتا ہے اگر دونوں رسم الخط کے سیکھنے سے گریز برتا جائے ۔" Delhi Diary Page 970

ظاہر ہے آچاریہ جی قومی یکجہتی کے معنی اتحاد نہیں سمجھتے بلکہ یکسانیت قرار دیتے ہیں شائد انھیں خیال نہ رہا کہ کسی زبان کی بقا اُس کے مخصوص رسم الخط کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے ۔ اور یہ زبردستی لائی ہوئی یکسانیت ہماری تہذیب کی بوقلمونیت اور ہماری ثقافتی ہم آہنگی کے لئے جن پر پنڈت جی کو فخر تھا اور جس کے متعلق ہماری وزیر اعظم جناب اندرا گاندھی شاندار الفاظ میں ذکر کرتی رہتی ہیں سم قاتل ثابت ہوگی۔

ہم اس رسالہ کے تہذیب اور تزئین کے لئے ناظرین کے مشوروں کے ہمیشہ منتظر رہے ہیں مگر ہمیں اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ابھی ہمارے ایک قدردان نے اس رسالہ کی افادیت کو سراہتے ہوئے لکھا کہ ہم اس میں متولیوں کے خلاف آنے والی شکایات اور کارروائی کو بھی شائع کریں بات تو دلچسپ ہے مگر ان شکایات اور ان کے جوابات اور جواب الجواب میں جو غلاظت اچھلتی ہے۔ شاید وہ مذاقِ سلیم پر بار گراں گزرے اور پھر اس طرح ہم عیب پوشی کی سعادت سے بھی ہم محروم ہو جائیں گے ۔

ہم اپنے نئے سکریٹری جناب وہاج الحق صاحب کی مربیانہ دلچسپی کے لئے مشکور ہیں جس نے اس رسالہ کی بقا اور ترقی کے امکانات بحالات موجودہ روشن کر دیئے ہیں ۔

(مدیر)

زائرِ حرم سے

حج سے واپس آنے پر — **الحاج دلشاد قریشی**

رایک جانب سے ابرِ رحمت فضائے عالم پہ چھا رہا ہے
خوشی سے کلیاں چٹک رہی ہیں، جہانِ گل مسکرا رہا ہے
مدائے تکبیر گونجتی ہے، زمانہ کھنچ کھنچ کے آ رہا ہے
ہر آدمی یہ دعا خوشی میں بصورتِ نغمہ گا رہا ہے

ُدا کی رحمت ہو تجھ پہ ہر دم حرم سے تشریف لانے والے
عطا ہو تجھ کو سکونِ عالم حرم سے تشریف لانے والے
تاطِ ایماں کبھی نہ ہو کم حرم سے تشریف لانے والے
نہ ہو جہاں میں تجھے کوئی غم حرم سے تشریف لانے والے

ے ہوئے ہیں تری نگاہوں میں خانۂ کبریا کے جلوے
تری نگاہوں کو دیکھتے ہیں بصد محبت نگاہ والے
ُرم سے اپنے نصیب کی ہے سعادت ایسی تجھے خدا نے
ہر ایک مشتاق ہے کہ بڑھ کر وہ دستِ دامن کو تیرے چومے

بیؐ برحق کے آستاں پر نصیب جب تجھ کو لے گیا تھا
بتا دے اتنا مجھے خدارا کہ حالِ اُمت بھی کچھ کہا تھا
بیام ہم بیکسوں کا تو نے کچھ ان کے دربار میں دیا تھا
جو راہِ حق سے بھٹک رہے ہیں کچھ ان کی بابت، کہا سنا تھا؟

خدا نے تجھ کو شعور بخشا ہے، جان حق پر نثار کر دے
جو خوابِ غفلت میں سو رہے ہیں اٹھ، اور انھیں ہوشیار کر دے
وفورِ حبِ نبیؐ سے ہر اُمتی کا دل بے قرار کر دے
رموزِ ذوقِ خدا پرستی کو انجمن آشکار کر دے

اُٹھ اے مجاہد! خدا کے بندوں کو پھر خدا کا پتہ بتا دے
طریقہ پیرویٔ سنت، ہر اک مسلماں کو پھر سکھا دے
دلوں سے نفرت مٹا دے سب کے، سبق اخوت کا پھر پڑھا دے
خدا ہی کی بارگہ میں لا کر سر اس کے بندوں کا پھر جھکا دے

ہمارے دل میں بھی ہے تمنا کہ کاش وہ روز جلد آئے
کہ اپنی رحمت سے حق تعالیٰ ہمیں بھی بیت الحرم دکھائے
وہ سبز گنبد کے جلوہ ہائے لطیف! قلب ان سے جگمگائے
یہ نغمۂ خاص دلشاد ہم کو بھی پڑھ کے اک دن کوئی سنائے

خدا کی رحمت ہو تجھ پہ ہر دم حرم سے تشریف لانے والے
عطا ہو تجھ کو سکونِ عالم حرم سے تشریف لانے والے
نشاطِ ایماں کبھی نہ ہو کم حرم سے تشریف لانے والے
نہ ہو جہاں میں تجھے کوئی غم حرم سے تشریف لانے والے

حقوق العباد

"ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے
یا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے کہا پھر کون ؟ تو آپ نے فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر
؟ پھر تو آپ نے فرمایا پھر تیرا باپ، پھر درجہ بدرجہ جو تیرے قریبی لوگ ہوں۔"
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ باپ سے بڑھا ہوا ہے۔ یہی بات قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتی ہے۔
ہ لقمان میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ "ہم نے انسان کو والدین کی شکر گزاری کا تاکیدی حکم دیا" اور اس کے فوراً بعد
ا یا کہ اُس کی ماں نے اس کو تکلیف پر تکلیف جھیل کر نو مہینے تک اپنے شکم میں اٹھایا پھر دو سال تک اپنے خون سے
علما نے لکھا ہے کہ جہاں تک ادب و تعظیم کا سوال ہے باپ زیادہ مستحق ہے اور خدمت کے لحاظ سے ماں کا درجہ بڑھا
ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ ابوہریرہ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ہو) یہ بات آپ نے تین دفعہ
ی۔ لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ کون ذلیل ہو؟ اور یہ جملہ کن لوگوں کے حق میں آپ فرما رہے ہیں۔ آپؐ نے
کہ وہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ ان دونوں میں سے ایک کو یا دونوں کو پھر اُنکی خدمت
جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم، ابوہریرہؓ)
ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے بنو سلمہ کا ایک آدمی آپؐ کے
یا اُس نے کہا کہ اللہ کے رسولؐ ماں باپ کے وفات پا جانے کے بعد اُن کا کوئی حق باقی رہتا ہے جسے میں ادا کروں۔ آپؐ
یا ہاں اُنکے لئے دعا و استغفار کرو اور جو جائز وصیت وہ کر گئے ہوں اُسے پورا کرو۔ اور والدین سے جن لوگوں کا رشتہ داری
ی ہے اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ماں باپ کے دوست اور سہیلیوں کی عزت اور خاطر داری کرو۔ (ابوداؤد)
ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام جعرانہ میں دیکھا کہ آپؐ گوشت تقسیم فرما رہے تھے
میں ایک عورت آئی اور حضورؐ کے قریب گئی تو آپؐ نے اپنی چادر بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئی تو میں نے پوچھا یہ کون
وں نے مجھے بتایا کہ یہ آپؐ کی ماں ہیں جنھوں نے آپؐ کو دودھ پلایا ہے۔" (ابوداؤد)

سرِ مادر مکش کہ تاجِ شرف — گردے از راہِ مادراں باشد
خاک شو زیرِ پائے او کہ بہشت — در قدم گاہِ مادراں باشد

الجنۃ تحت اقدام الامہات

الحاج قاری محمد بشیر الدین قادری والقدیری
ایم اے منیتل ایوارڈ (بنڈٹ)

آگر نہ جانے والا

ہم نے مانا یہ سائنس کا دور ہے، بات یہ بھی مگر قابل غور ہے
آج بھی سب کو امن و سکوں کے لئے سایۂ دامنِ مصطفےٰ چاہیئے

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

اما بعد یوں آنے کو تو سب ہی آئے سب میں آئے سب جگہ آئے۔ اور بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے۔ سلام ہو ان سب پر، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا وہ جانے ہی کے لئے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک آیا جو آنے ہی کے لئے آیا ہاں وہی جو ابھرنے کے بعد پھر نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور سمجھوں کو جاننا ہی چاہیئے کہ جنھیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے جو پچھلوں میں بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ اسی کا ایک چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔ اسی ایک "آکر نہ جانے والے" کی بشارتوں سے تمام دھارمک پستکیں بھری پڑی ہیں[1]

حضرت نوح علیہ السلام نے بشارت دی "میں اپنی کمان بدلی میں رکھتا ہوں، یہ ایک عہد کا نشان ہوگی، اب طوفان کا پانی پھر نہ ہوگا جو سب کو تباہ کردے[2] یعنی وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رحمۃ للعالمین بن کر آنے والے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھلے الفاظ میں بتایا "وہ عربی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا[3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعائے خیر دیتے ہوئے کہا "خدا وند سینا سے آیا وہ چمکے گا سعیر سے اور بہت شدت سے متجلی ہوگا۔ کوہ فاران سے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آئے گا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی[4]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مطلع کیا "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر چلو گے۔ ..... میں اب تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا

---

[1] ملاحظہ ہو توریت، زبور، انجیل، ژند اوستا، دساتیر، جنگ دمیرا اور پران وغیرہ وغیرہ

[2] توریت کتاب پیدائش باب ۹ [3] کتاب پیدائش آیات ۱۲

[4] توریت استثنا باب ۳۳

سردار (فارقلیط یعنی احمد) آتا ہے اور مجھ میں اس کا
ہ نہیں۔"

.بہرحال جس طرح ان تمام برگزیدہ مغربی مبشرین
،جس فرض سے سبکدوشی حاصل کی کیا مشرقی ممالک کی
زم رشیوں اور منیوں وغیرہ کی جماعت نے اس میں کچھ
نا ہی برتی ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ رگوید میں "اگنے وشوانو"[۵۲]
ی رحمۃ اللعالمین — اتھروید میں " نراشنس "[۵۳]
ن محمد اور " مامح رشی "[۵۴] کہہ کر اس ایک آکر نہ جانے
ے کی نشاندہی کی گئی۔ اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے لیکن
ۂ سے جو چیزیں بچ گئی ہیں ان میں مہاتما گوتم بدھ کا
خری فقرہ اب تک زندہ ہے جس کو خدا کے اس پاک
رے نے دنیا سے دھرم دھام کو سدھارتے وقت
ۂ عزیز شاگرد نندا کے کان میں ڈالا تھا۔ نندا نے
تے ہوئے پوچھا " آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو
تعلیم دیگا "۔ اس کے جواب میں فرمایا " نندا میں پہلا
ا نہیں ہوں اور نہ آخری بودھ ہوں۔ اپنے وقت پر
میں ایک اور بودھ آئے گا جو میری ہی طرح غیر فانی
توں ظاہر کرے گا " نندا نے پھر سوال کیا " ہم اس
ں طرح پہچانیں گے۔ آقا نے اس پر جواب دیا۔
یسترئیہ[۵۵] کے نام سے موسوم ہوگا " یعنی لقب رحمۃ للعالمین
ا۔

اس کے بعد بھی کیا اس میں کچھ شک وشبہ کی گنجائش
، " میترہ " یعنی رحمت بجز اس ایک ذات گرامی

کے کوئی اور بھی ہے جس کی شان میں " وما ارسلنٰک
الا رحمۃ اللعالمین " فرمایا گیا ہے۔ بہرحال مشرق
ومغرب کے تمام برگزیدہ نقیبوں نے اس ایک آکر نہ
جانیوالے کی آمد کا مژدہ اپنے اپنے وقت پر اپنی اپنی قوموں
کو سنایا تھا۔

آنحضور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
سیرت پاک کو سمجھنے کے لئے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ
الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ پر غور کیجئے کہ وہ عربی
ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اسکے
خلاف ہوگا "۔

بلاشبہ آدم کی ساری اولاد کے درمیان شائد
یہی ایک عربی النسل اولاد ایسی تھی کہ جس نے اپنے ہاتھ
کو سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ کو اپنے خلاف رکھ کر
ہمیشہ اپنی زندگی بسر کی جو دنیا کے کسی خطہ کے باشندوں کو
میسر نہ آئی وہ انھیں آزادوں میں اُٹھا اور محسوس قوتوں
میں جن چیزوں کا نام قوت رکھا گیا ہے ان کے پیچھے
سے انسانیت کو نجات دلانے کے دعوے کے ساتھ اٹھا۔
اور پھر دیکھئے وہ جس طرح ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جس
میں کچھ نہیں تھا اسی طرح یہ بات بھی قدرت ہی کی طرف
سے تھی کہ جس قوم میں وہ پیدا ہوا اس کے پاس بھی کچھ
نہیں تھا تو پھر وہ اور اس کا دماغ، اس کا دل،
اس کی طبیعت اپنی قوم سے کیا لیتی جبکہ خود انھیں کے پاس
کچھ نہ تھا۔ اور اگر کچھ تھا بھی تو جو باہر کا حال تھا وہی
ان کے اندر کی بھی کیفیت تھی بلکہ شائد ان کے دل ان کے
پہاڑوں سے زیادہ سخت، ان کے دماغ ان کے میدانوں
سے زیادہ چٹیل تھے ان میں اور ان کی صحبتوں میں رہنے
والوں کے اندر سنوار سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا تھا۔ پھر
جس کو اپنی قوم سے کچھ نہیں ملا نہ علم ملا نہ عمل ملا کہ اس
سے تو وہ خود کورے تھے لیکن اپنی آزادی کی حفاظت کے

انجیل یوحنا باب ۱۴، ۱۶۔
بحوالہ رگوید منڈل ۵ سوکت ۲۷ منترا۔
بحوالہ اتھروید کانڈ ۲۰ سوکت ۱۲۷ منترا ۲۷
بحوالہ گاسپل آف بودھ از کیرس ص ۲۱۷
:۔ مفصل معلومات کے لئے مؤلف کی مطبوعہ
ر و مشہود " جلد اول و دوم ملاحظہ فرمائیں۔

بیٹھا ان میں جو قومی حمیت اور خاندانی غیرت کا جوش تھا دیکھو تو وہ اس سے بھی محروم کیا گیا لیکن کیا اس "دل آ کر نہ جانے والے" نے خود اپنی ہستی کی شہادت سے یہ ثابت کر کے نہیں دکھایا کہ نہ اس کو ملتا ہے جسے قوم چاہتا ہے اور نہ اس کو ملتا ہے جو قوم سے چاہے بلکہ جس کا سب کچھ جا رہا ہوا ہے جسے جو بھی ملتا ہے اس کے چاہنے سے ملتا ہے۔ کون شک کر سکتا ہے کہ اس دعوے کی سب سے بڑی دلیل وہ خود تھا اور اس کی پوری زندگی تھی؟

ذرا غور تو کیجئے کتنے تعجب کی بات ہے کہ قدرت نے اس ذات گرامی کو جس کے قلب و دماغ نے، جسکی عقل نے، جسکی طبیعت نے محسوس قوتوں میں کسی سے بھی قطعاً کچھ نہیں لیا تھا ساری دنیا میں ان سب چیزوں کے بانٹنے پر مامور کیا جو آج تک کسی کو کسی سے نہ ملی تھیں اور نہ آئندہ مل سکتی تھیں جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے کہا تھا "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ فارقلیط (احمدؐ) آئے گا تو سچائی کی ساری راہیں بتا دے گا"۔ (یوحنا باب ۱۶ ر ۱۳) ظاہر ہے کہ فرض (فریضۂ تبلیغ) کے اس منصب پر قیام کے بعد اسکی قوم کا اس کے ساتھ جو سلوک شروع ہوا ایسی صورت میں ان سے اس ذات گرامی کو کیا مل سکتا تھا جبکہ وہ اس سے اس کی ہر چیز بلکہ جان تک چھیننے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

بہرحال جس دعوے کو لیکر غار حرا سے اٹھا تھا اسکی جانچ اس کے ہم وطن بغیر کسی وقفے کے دس گیارہ سال تک برابر کرتے رہے۔ اس نے اپنے اندر کو باہر نکال کر سب کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اس کو ٹٹولتے رہے، تجربات و مشاہدات کی کسوٹی پر کستے اور رگڑتے رہے مگر تجربات کے اس مسلسل و طویل سلسلے کے بعد بھی ان کو اس کے باطن میں کیا ہمیشہ وہی نہیں ملا جو وہ ظاہر کرتا تھا؟ آپ پوچھ سکتے ہیں کہ

پھر انھوں نے اس کی صداقت کو پہلے ہی کیوں نہ مان لیا۔ جنھوں نے بعد کو مانا، لیکن اسی کے ساتھ اس پر شاید آپ نے غور نہیں کیا کہ "جو جانتا ہے وہی مانتا ہے پھر جس نے جانا اگر اس نے نہ مانا تو اس کا انکار کس لئے کیا؟ بلاشبہ ان کے دلوں نے جان لیا تھا پھر اگر انکی زبانوں نے نہ مانا تو یہ کیسے سمجھ لیا کہ دلوں نے بھی نہیں مانا تھا کیا زبان دل ہے یا دل زبان ہے؟ کاش ایسا ہوتا لیکن دنیا میں پھر جھوٹ کا گھونسلا کیسے بنتا؟

بات دراصل یہ ہے کہ جب ظلم کے نشہ میں مخمور اور بڑا بننے کی ہوس سے دل معمور ہو تو اس صورت میں ملنے والے کا دل مانتا ہے اور زبان انکار کرتی ہے۔ بلاشبہ مکہ والوں نے اس کو جانا تھا۔ انھوں نے اور ان کے دلوں نے اس کو قطعاً مانا تھا لیکن وہ ابھی فخر و مباہات اور چھوٹائی بڑائی کے نشہ میں سرشار تھے۔ وہ اس کی بڑائی کا اپنی زبان سے کیسے اقرار کر لیتے اس نشہ پر ابھی ترشی نچوڑنا باقی تھی اور پھر جاننے والوں میں آج بھی بہت سے ہیں۔ کارلائل و آرنلڈ، آرنلڈ و موسیوبان ہیں اور سب کے سب تصدیق کرتے ہیں کہ "وہ زندگی کا ایک چمکتا ہوا نور تھا جسے قدرت نے اپنے سینے سے نکال کر دنیا کو روشن کرنے کے لئے چمکایا تھا"۔ اتنا جاننے کے بعد، اتنا پہچاننے کے بعد خود ہی بتایئے کہ انھوں نے ان کو مانا کیوں نہیں؟ مگر نہیں جسقدر انھوں نے جانا تھا اگر اسی پر قائم رہتے تو اس کو ماننے پر وہ بھی اسی طرح مضطر ہوتے جس طرح کہ ماننے والے مضطر ہوئے۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ وہ علم کے نشان زدہ حدود پر نہیں ٹھہرے بلکہ علم کے ساتھ انھوں نے وہم کو بھی شریک کیا اور وہم نے ان کو علم کے کنارے پر لاکر پھسلا دیا۔

بہر کیف مکہ ہی کے اندر ۱۳ سال کی مسلسل تبلیغ سے بڑی نہ سہی چھوٹی ہی سہی ایک جماعت تیار ہو گئی

جس سے ایک طرف اس انانیت اور بڑائی کے فتنہ کو دُور کیا گیا کہ جس بڑائی میں خدا کی کبریائی کی بھی گنجائش نہ تھی تو دوسری طرف اسمیں ایک اور فتنہ پیدا کیا گیا کہ خدائی کی بڑائی کے سوا اسکے اندر کسی کی بھی بڑائی باقی نہ رہے۔ یہی وہ پاکیزہ گروہ تھا جو سینا کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ و قدسیوں کی شکل میں نظر آیا تھا۔ یہی وہ مسلمان تھے جن کے سامنے مشرکین مکہ اپنی تمام خونخواریوں اور جفا طلبیوں کے ساتھ آکھڑے ہوئے تھے انھیں گھروں سے نکالا گیا اس جرم پر کہ ان کا دل اللہ کے خوف سے کیوں گداز ہے انھیں املاک و اموال سے محروم کیا گیا اس گناہ کے بدلے کہ وہ انسان کی گمراہی و بدقسمتی پر کیوں آنسو بہاتے ہیں۔ ان کے جسموں کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑا گیا اور قیدخانہ کے گوشوں میں ڈالدیا گیا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ انسانیت کی آزادی اور حق و صداقت کی سرفرازی کے طالب تھے۔ لیکن ان تمام پُرالم اور تاسف انگیز سختیوں کے باوجود بھی جب انھوں نے توحید و رسالت اور اخوت و مساوات کی راہ نہ چھوڑی۔ ان کا شفیق اور دردمند دل اپنے ابنائے وطن کی مصیبت پر برابر لوٹتا اور زخمی ہوتا رہا اور انکی مرحمت افروز زبانیں سختی کرنے والوں کے حق میں اللہ تعالےٰ کی رحمت و مغفرت کا دروازہ کھٹکھٹانے سے باز نہ آئیں تو کفار مکہ اور بھی زیادہ برہم ہوئے، ان کو اپنی بڑائی کے برباد ہونے کا اندیشہ ہوا اور بالآخر" دارالندوہ" کا آخری ریزولیوشن پاس ہوگیا۔

کسقدر عجیب بات ہے، وہی ہاں وہی قریش مکہ ابوطالب کی گھاٹی میں جس کے پانی کو روک سکتے تھے، جس کے کھانے کو روک سکتے تھے ایک دو ماہ نہیں پورے تین سال، وہی لوگ آج کھڑے ہیں ایک مختصر سے گھر کے دروازے پر کھڑے ہیں پولئے ہلاکت آمیز ساز و سامان کے ساتھ مکہ کے ہر گھر کے سورما کھینچی ہوئی تلواریں لئے کھڑے ہیں۔ لیکن آج اس "آکر نہ جانے والے" کے روکنے پر قادر نہ ہوسکے۔ وہ جاگ رہے تھے لیکن سوئے ہوئے تھے۔ دیکھ رہے تھے لیکن دکھ نہیں پڑتا تھا، دیکھو وہ جس کو سب کچھ دیا جا چکا تھا۔ اس کی جان تو جان اب اسکے قدم کی خاک بھی اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پر نہیں مل سکتے تھے جبتک کہ وہی نہ مل دے۔ جس کے آگے غیب جھک چکا تھا۔ ملاء اعلیٰ وادنیٰ جھک چکا تھا۔ جن جھک چکے تھے، انسان جھک چکے تھے اور جو نہیں جھک سکے تھے وہ جھکنے والے تھے۔ مختصر یہ کہ قریش کا آخری منصوبہ اسی خاک میں مل گیا جو ان کے سروں پر پڑی ہوئی تھی، مکی زندگی ختم ہوگئی۔ اس زندگی میں جو کچھ دکھانا تھا، جن جن باتوں کا تجربہ کرانا تھا وہ سب کام پورا ہوگیا۔ بڑے صبر، بڑے سکون، انتہائی ثبات اور کامل استقامت سے پورا ہوا۔

مدنی زندگی میں ہم کو وہ باتیں تلاش کرنی چاہئیں جن میں دل سے زیادہ دماغ، اخلاق سے زیادہ عقل کا تجربہ ہو۔ ظاہر ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ مسجد بنائی گئی اور اس کے ساتھ "صفہ" کا مدرسہ بنایا گیا۔ لیکن کیا صرف مسجد بنائی گئی اور مدرسہ بنایا گیا؟ مسجد اور مدرسہ کون نہیں بناتا اور کہاں نہیں بنتے پھر اس میں بڑائی کی بات کیا ہے؟ ظاہر بینوں نے دیکھا پر سوچا نہیں، مسجد عرب میں بنی ہے۔ عرب میں کعبہ موجود تھا جو نہ صرف زمانہ جاہلیت میں بلکہ عہد اسلام میں بھی محترم تھا لیکن بایں ہمہ اس مسجد کا قبلہ عرب سے باہر فلسطین کے سلیمانی ہیکل کو کیوں ٹھہرایا گیا؟ لوگ سمجھے کہ صرف قبلہ مقرر ہوا لیکن یہ کسی نے نہیں دیکھا کہ "وطنیت کا بت" جو عرب میں صدیوں سے پوجا جاتا تھا اور اس زور و شور سے

پوجا جاتا تھا کہ بُت کا پجاری اپنے سوا سب کو "ملیچھ" اور "ننگا" سمجھتا تھا۔ دیکھو کہ صرف اس ایک مخفی ضرب نے اس بُت کو پاش پاش کر دیا۔

سترہ مہینے تک اس وطنیت شکنی کی مشق نے جب ان کے لئے عرب اور غیر عرب سب کو ایک بنا دیا تو اس سے بھی عجیب تر تماشہ دکھایا جاتا ہے یعنی بیت المقدس کو قبلہ بنا کر عرب کے باشندے عرب سے الگ کئے گئے تھے لیکن اب خدا کی ساری زمین سے عرب و غیر عرب کا قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جاتا ہے۔ سترہ مہینے کے بعد قبلہ بدلتا ہے اور بجائے سلیمانؑ کی ہیکل کے سلیمانؑ۔ داؤدؑ۔ اسحاقؑ و اسمٰعیلؑ علیہم السلام کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے کعبہ کو قبلہ ٹھہرا کر حکم دیا جاتا ہے۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔

"یعنی جہاں سے تم نکلو، ہر جگہ سے تم اپنا چہرہ مسجد حرام (کعبۂ معظمہ) کی طرف موڑ دو، اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنے چہروں کو اسکی طرف موڑ دو"

(پارہ   رکوع)

سمجھے آپ اس حکم کا مقصد؟ مقصد یہی ہے کہ جو کعبہ سے باہر کئے گئے ہیں وہ بھی کعبہ کے اندر ہیں اور جو کعبہ سے باہر تھے اپنے کو کعبہ کے اندر سمجھیں پہلے عرب کو غیر عرب بنایا گیا اور جب یہ ہو چکا تو پھر عرب و غیر عرب سب کو مٹا کر نہ عرب ہی رہا نہ غیر عرب رہا بلکہ خدا کی جو ایک دنیا تھی وہ ایک ہی دنیا کی شکل میں واپس آ گئی "کعبہ" دنیا کی مسجد کی دیوار ٹھہرایا گیا اور بسیط زمین اسی دیوار کا صحن قرار پایا یہی ہر مسلمان سمجھتا ہے اور اسکے مطابق عمل کرتا ہے۔ وہ افریقہ کو بھی کعبہ میں سمجھتا ہے۔ اور امریکہ کو بھی اس کے صحن کا ایک حصّہ قرار دیتا ہے۔ ایشیا بھی اس کو کعبہ کی دیواروں کے نیچے نظر آتا ہے یورپ میں بھی جب اس کو نماز کی ضرورت ہوتی ہے تو کعبہ کے آنگن میں کھڑا ہو کر وہ اپنی نماز ادا کرتا ہے۔ ایک مسلمان اپنی زندگی کے پہروں میں پانچ وقت اس نظریہ کو عملی شکل میں پیش کرتا ہے اُس کو یہی بتایا گیا ہے اور اسی لئے وہ سمجھتا ہے سہ

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اور چونکہ وطن سے محبت کرنا جزو ایمان ٹھہرایا گیا ہے اسی لئے اس کو ساری دنیا سے محبت ہے اور وہ ساری دنیا کا بہی خواہ ایک بین الاقوامی انسان ہے۔

بہر صورت وطنیت کے اس صنم اکبر کو توڑنے کے ساتھ اب قومیت و نسلیت کا بت سامنے آتا ہے جس نے مخلوق خدا کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا اور آج مغربی دنیا [illegible] لوگ اس طرح سرسری طور پر گذر جاتے ہیں جب سنتے ہیں یا کہتے ہیں کہ مدینہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان "بھائی چارہ" کرایا گیا تھا۔ ایک طرف قریش اور قریشی نسل کے ساہوکار، دوسری طرف قبیلۂ اوس و خزرج کے کسان و کاشتکار تھے۔ قریش کو اپنے نسب پر اپنے حسب پر بڑا ناز تھا۔ نسبی فخر ایک دیوتا تھا جو صدیوں سے ان میں پوجا جاتا تھا اور اس طرح پوجا جاتا تھا کہ غیر قریشی عربوں کے ساتھ حج کرنے میں بھی وہ اپنی ذلت سمجھتے تھے جس طرح آج بھی گورے کالوں کے ساتھ دعا تک مانگنے میں اپنی ذلت سے ڈرتے ہیں۔ قریشی اس قبرستان میں بھی دفن ہونا ننگ خیال کرتے تھے۔ جس میں کوئی غیر قریشی دفن ہوتا۔ جسطرح آج شودروں کی مسان، برہمنوں، اور چھتریوں کے مرگھٹ سے دُور ہوتی ہے۔ رسول عربی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی "بھائی چارہ والا گرز" تھا جس نے قومیت و نسلیت کے بُت کو بھی ڈھیر

، رکھدیا۔ اب قریشی سردار انصاری کسان کے آگے ہوا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ چومتا تھا اور پیان کے لیتا تھا۔ اس طرح مدینہ والوں نے اور ان کے صدقے تمام دنیا کے مسلمانوں نے خودساختہ مخلوقات کے ں سے آزاد ہوکر اپنے کھوئے ہوئے رب قیوم کو ۔ اس کے بعد منادی کرا دی گئی کہ اب دنیا ایک اس کا معبود ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ کتاب ہے اور اس کا کعبہ ایک ہے۔

متعدد وطنوں کا بُت ٹوٹ گیا۔ متعدد نسلوں ُم چور، چور ہو گیا۔ جو توڑے گئے تھے وہ جُڑ گئے اور یکتائی کا خلاصہ وہ ہے جس کا اعلان اذان کی شکل پانچوں وقت کیا جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ، کی اس بابرکت جماعت کے خلوص ومحبت کے ۃ میں قریش آنکھیں بچھا دیتے اور خیبر کے سود خوار یہود ے استیصال کے لئے نہ دوڑتے[1]۔ ایران روم کی پیشانیاں لے ادب واحترام میں جھک جاتیں اور تمام دنیا کی ، اور عقلیں ان کے عمل وخیال کی بے لوثی دیانتداری ن کے درد آلود دل اور پر نور ضمیر کی بے نفسی اور للہیت ا ہو جاتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا سب کے سب ایک کمان سلامی تحریک اور تحریک والوں کو نشانہ ہی نہیں بلکہ کے لئے نیست ونابود کرنے پر تل گئے۔

قریش مکہ مدینہ کے اردگرد منڈلا رہے ہیں۔ رومیوں ور لے مدینہ کی سرحد پر بھنبھنا رہے ہیں اور کسریٰ کے جراسی ٹ لئے مدینہ پہونچ کر دھمکا رہے ہیں کہ مدینہ کے

کسانوں کے سردار کو دربار شاہی میں گرفتار کرکے حاضر کیا جاوے۔ کیا پھر دنیا نے نہیں دیکھا؟ جیسا کہ کہا گیا تھا "جو اس پر گرتا ہے، چور، چور ہو جاتا ہے"۔ چور چور ہو کر وہ اس طرح بدلے کہ جو دشمن تھے وہ دوست ہو گئے۔ جن پر تلوار اٹھائی گئی وہ نہیں بلکہ جنھوں نے تلوار چلائی انھوں نے مسلمان ہو کر ان جھوٹوں کو جھٹلایا۔ جنھوں نے بازاروں میں پھیلایا تھا کہ جو کچھ پھیلایا گیا ہے تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ ذرا غور تو کرو مکہ میں مکہ والوں نے ان سے کیا کچھ نہیں چھینا تھا۔ آخر میں جینے کا حق بھی چاہا گیا تھا کہ چھینا جائے وہی اب چمکتی ہوئی تلواروں اور تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں لیکن اکڑتے ہوئے نہیں، جھکے ہوئے بدلہ لیتے ہوئے نہیں بلکہ عفو ودرگزر اور امن وامان کے پھول برساتے ہوئے۔

امن وامان قائم کرنے کی اس جدوجہد میں دس سال کے اندر جتنے آدمی کام آئے ان کی تعداد کروڑ دو کروڑ۔ لاکھ دو لاکھ بلکہ دو چار ہزار بھی نہیں۔ اتنی بھی نہیں جتنی نیویارک۔ لندن کی شاہراہوں پر موٹر کے نیچے سے روزانہ اٹھائے جاتے ہیں یا ہندوستان کی معمولی جھڑپوں میں لاشوں کی جو فہرست تیار ہوئی ہے، بلکہ کل لے دے کے سب کی مجموعی تعداد اٹھارہ سو ہے۔ ان میں ۸۰ بے گناہ وہ شہید معلم بھی شامل ہیں جن کو نجد والوں نے اپنے یہاں تبلیغ کے لئے بلایا تھا۔ اسی طرح فریق ثانی کے ان مقتولوں کو بھی اسی تعداد میں شریک کر لیا گیا ہے جو یہ جرم قصاص یا چوری ڈاکے کی وجہ سے مارے گئے۔ اگر خالص لڑائی اور جہاد کے شہیدوں اور مقتولوں کا حساب کیا جائے تو اس دس سال کے عرصہ میں دس لاکھ مربع میل عرب کے وسیع وعریض علاقہ میں کل تعداد پانچ سو سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ الغرض یہ ہیں مدینہ کی زندگی کے دس سال

---

[1] سورہ ص ۳۸/۱۱ اور سورہ قمر ۵۴/۴۵ میں مجملاً لیکن سورۂ احزاب ہایت تفصیل کے ساتھ جنگ احزاب یا خندق کا ذکر ہے۔ جنگ کی پیشنگوئی اتھروید میں درج ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ۂ مشہور جلد ۲

اور وہ سارے جنگ و جدال جن کے خون کا افسانہ ہزارہا رنگوں سے رنگین کرکے دنیا کو سنایا جاتا ہے جس کے شور سے گنبد گرداں بھی تھرا اٹھا ہے، غیر تو غیر اپنے بھی پریشان تھے۔

یہ عرب وہی تو عرب تھا۔ جہاں مسجود ملائک انسان کی جان ایک مچھر اور مکھی سے بھی زیادہ قیمت نہیں رکھتی تھی یا دس سال کے بعد وہی عرب اب ہے جہاں انسان کی جان تو بڑی چیز ہے اس کے کپڑے کا دھاگا بھی رات کی اندھیریوں میں کوئی نکال نہیں سکتا۔ امن و امان کا دور دورہ ہے۔ عالم پر منطبق کرنے کے لئے انسانی زندگی کے جس آئین و دستور کا نقش مدینہ کے پرچم میں کاڑھا گیا تھا۔ اس کے نیچے چلے آرہے ہیں آدم کے بچے ہر چہار اطراف سے بیتابانہ چلے آرہے ہیں وفود کا تانتا بندھ جاتا ہے پھر وہ مدینہ جس کو پایۂ تخت بنایا گیا ہے کیا وہاں بادشاہی لوازمات اور ٹھاٹ باٹ ہیں؟ نہیں یہ کچھ بھی نہیں۔ ایک منبر ہے۔ اور ایک چبوترے کا اکھراگرا۔ نہ وہاں حاجب ہیں نہ درباں، امیر بھی آتے ہیں غریب بھی آتے ہیں دونوں کے ساتھ پیار و محبت کا یکساں معاملہ ہے۔

اس لائق صد احترام "آکر نہ جانے والے" کو مدینہ کا بادشاہ بتا کر حق و صداقت کا خون کرنیوالے ذرا غور سے دیکھیں، دس سال کی مدت میں کس نے اس کے گھر سے ہر روز دھواں اٹھتے دیکھا ہے؟ ایسے بادشاہ کس دنیا سے گزرے ہیں جن کے کام ودہن کو جَو کے اَن چھنے آٹے کی روٹی بھی میسر نہ آئی۔ کیا غریب سے غریب نے بھی کبھی دو دو تین تین مہینوں تک صرف پانی اور خشک چھواروں پر زندگی گذاری ہے؟ کیا کسی فاقہ مست نے کبھی بھوک کی شدت سے پیٹ پر دو دو پتھر باندھے ہیں؟ کن بادشاہوں کی لڑکیوں کے ہاتھ میں چکی پیسنے کے گھٹے اور گردن میں پانی بھرنے کے نشان دیکھے گئے ہیں ایسی شہزادی زمین کے کس خطہ میں پائی گئی جس کو اور جس کے بچوں کو دو دو تین تین دن بھوک کی شدت میں دن کو رات اور رات کو دن کرنا پڑا؟ بادشاہ کا قصر کیا اسی کو کہتے ہیں جس کے کھجوروں کے پتوں کے چھپر سے آدمی کا سر لگتا ہو؟

بہرحال ان تمام عجیب و غریب تجربات کو پیش کرنیوالا وجود جب پھر اپنے دل کے حالات میں مستغرق ہو کر اس بستر پر لیٹ جاتا ہے جس پر لیٹنے کے بعد پھر اٹھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسوقت دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ اس بستر پر لیٹنے کی جو آخری رات تھی اسکے روشن کرنے والے چراغ میں تیل کسی غریب پڑوسی سے قرض کرکے آیا تھا اور جو چادر اسوقت مریض پر پڑی ہوئی تھی جب دیکھا گیا تو صرف پھٹا ہوا ایک سیاہ کمبل تھا جس کے اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے اسکی زرہ تین صاع جو پر ایک یہودی ساہوکار کے یہاں گرو تھی۔

ظاہر بین نگاہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور حیرت سے دیکھا لیکن سوچا نہیں کہ وہ جس کو خلاق دو عالم نے دونوں جہان کی نعمتوں کو تقسیم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ جو صرف دینے ہی کے لئے آیا تھا لینے کے لئے نہیں تو پھر اس پر تعجب کیوں ہے کہ اس نے اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا وہ دیکھو بحرین سے آیا ہوا خراج تقسیم کیا جارہا ہے۔ حنین کا مال غنیمت بانٹا جارہا ہے اور دینے والا ہر ایک کو اتنا دے رہا ہے کہ لینے والا اس کے بوجھ سے دبا جارہا ہے لیکن اس نے اپنے پاس کیا رکھا؟ یہ اس سے کیوں پوچھتے ہو جو صرف دینے ہی کے لئے آیا تھا لینے کے لئے نہیں؟

المختصر بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ یہاں سے جو کوئی بھی آیا جانے ہی کیلئے آیا لیکن ایک اور صرف ایک آیا جو آنے ہی کیلئے آیا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس

کی ضرورت جتنی چھٹی صدی کے باشندوں کو تھی بعینہٖ وہی ضرورت اسوقت تک باقی ہے آخر اسوقت کیا تھا جو اب نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا اس زمانہ میں اپنے خالق سے ٹوٹ کر مخلوقات کے اندر غرق تھی۔ لیکن کیا آج اس سائنسی دَور کا انسان اپنی خود ساختہ سائنس کی ایجادات کے آگے سر ٹیکے نہیں پڑا ہے؟ پہلوں کی عقل کو سورج کی شعاعوں اور آگ کے شعلوں نے خیرہ کیا تھا تو کیا پچھلوں کے سینوں میں برق کی قوتوں، پٹرول کی توانائیوں نے چکا چوندھ نہیں لگائی ہے؟ اگر قلبی احساسات اور ذہنی کیفیات کے ناپنے کا کوئی آلہ ہوتا تو معلوم ہوجاتا کہ پرانوں کے دلوں پر اپنے معبودوں کے متعلق جو کچھ تھا نیوں کے قلوب میں بھی ان نئے معبودوں کے متعلق وہی کچھ بلکہ شائد اس سے بھی کچھ زیادہ ہے دونوں نے انسانیت کو ذلیل کیا کیونکہ جو سب سے اونچا تھا وہی سب سے نیچا کر دیا گیا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کہ خالق ایک ہے اور مخلوقات لامحدود ہیں۔ پس جس نے اس ایک کو چھوڑا اُس کو ہر ایک سے جڑنا پڑے گا جو ایک سے نہیں ڈرے گا اسکو ہر ایک سے ڈرنا پڑے گا جو جھکنے ہی کے لئے ہے اسکو جھکنا ہی پڑیگا لیکن اسکے آگے جھکا تو سب اسکے آگے جھکیں گے اور جس نے ایک کے آگے سر ٹیکنے سے انکار کیا وہ دیکھو ہر ایک کے آگے سر ٹیکے پڑے ہیں، جن کے آگے۔ انس کے آگے، حیوانات کے آگے، نباتات کے آگے، جمادات کے آگے اور میں کیا بتاؤں کس کس کے آگے مگر کیا انسانیت کی یہ توہین صرف پہلوں میں تھی؟ پرانوں نے خالق کے معبود ہونیسے انکار کیا۔ بیشک اسکے صلہ میں انھیں بندر بننا پڑا۔ لیکن جنھوں نے خدا کی مخلوق ہونیسے انکار کرکے بندر کے مولود ہونے پر فخر کیا یعنی ڈارون کی تھیوری پر ایمان لائے، کیا انھوں نے انسانیت کی خواری میں کوئی کسر اٹھا رکھی؟ اور پھر وہ جو ہر چیز کی قیمت لگاتے ہوئے یکایک چیخ اُٹھتے ہیں کہ انسان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ سب انسان کیلئے ہیں لیکن انسان کسی کیلئے نہیں۔ کسی مقصد کیلئے نہیں، تو کیا اُس نے انسانیت کو ان عفونتوں اور غلاظتوں سے بدتر نہیں ٹھہرایا جن سے کسانوں کے بہت سے مفاد وابستہ ہیں؟

انسانیت کیلئے اس رسوائی سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوسکتی ہے جب انھوں نے کہا کہ انسان اپنے خدا و خالق کے لئے نہیں ہے، تو کیا اسکے بعد ثابت کیا جا سکتا ہے کہ انسان کسی کیلئے ہے بھی۔ پانی کا کیا بگڑے گا اگر آدمی نہوں۔ ہوا کیوں رک جائیگی اگر آدمی نہوں، آفتاب میں کیا داغ آ جائیگا اگر آدمی نہوں حتیٰ کہ سڑک کے کسی سنگریزے اور جنگل کے کسی تنکے کا کیا نقصان ہے اگر کوئی نہ ہو؟

بہرحال جو کچھ اسوقت دورِ جاہلیت میں تھا جہانتک کہ جو گے کسی نہ کسی شکل میں وہ آج بھی اس سائنسی دَور میں پایا جائیگا۔ پس آنیوالا کیسے جا سکتا تھا جبتک کہ وہ سب کچھ نہ جاسے جس کیلئے وہ آیا تھا بلکہ اسکی ضرورت تو اسکے بعد بھی رہے گی اور یہی میرا مقصد تھا جب میں نے کہا تھا کہ یہی وہ آنیوالا ہے جو آنے ہی کیلئے آیا۔ پھر جسطرح آج وہ ہم میں موجود ہے اس کی ضرورت موجود ہے، ان کو دیکھ کر کیا اب بھی کوئی شک کرسکتا ہے کہ آنے کے بعد وہ نہیں گیا، تھا، ہے اور رہے گا ابد تک رہے گا اور اسکے لئے یہی مقدر ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

(۱) جسے رفعتیں بھی نہ پا سکیں، وہ نبی کی رفعتِ تام ہے
جو گھٹا کبھی نہ گھٹے کبھی، وہ انھیں کا بدرِ تمام ہے

(۲) بخدا خدا تو نہیں ہیں وہ مگر حق کا ان پہ وہ پیار ہے
جہاں ہم بھی نہ پہونچ سکے وہ بلند ان کا مقام ہے

سلام ہو اس پہ اور اس کے آل اطہار پہ۔

نویدِ مسیحا

از ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی امروہوی

...سان اور نورِ سراپا تمھیں تو ہو
...ٹیرا جواب آپ جو اپنا تمھیں تو ہو

...س کی نظیر کا کوئی امکان ہی نہیں
وہ شاہکار دستِ ازل کا تمھیں تو ہو

...رِ ازل کی چھوٹ، تمھارا ہی نور ہے
حق جس سے جھانکتا ہے وہ پردہ تمھیں تو ہو

...ہ حسن کون سا ہے جو تم کو ملا نہیں
سب خوبیوں کا ایک خلاصہ تمھیں تو ہو

...ہی تو ہو دعائے براہیم کا اثر
آقا مرے! نویدِ مسیحا تمھیں تو ہو

...یا کے ذہن و فکر یقیناً علیل تھے
ان کی شفا کا ایک ذریعہ تمھیں تو ہو

...ہی تو رہ نمائے حقیقی ہو دہر کے
نظمِ جہاں کو جس نے سنوارا تمھیں تو ہو

...جھے ہوئے حیات کے گیسو ہیں آج پھر
سلجھا سکے جو ان کو وہ شانہ تمھیں تو ہو

...ھے جس کا ایک مقدمۃ الجیش سب نبی
وہ فوجِ قاہرہ تنِ تنہا تمھیں تو ہو

...س سے پناہ مانگتی ہے عقلِ فتنہ گر
عقلِ سلیم کا وہ اجالا تمھیں تو ہو

...انیت کو یوں تو ملے سیکڑوں مقام
انسانیت کا آخری درجہ تمھیں تو ہو

...مے ہیں سطوتوں نے قدم جن کے بارہا
اُن خوش نصیب بندوں کے آقا تمھیں تو ہو

سیفی کے دردِ غم کا مداوا بھی ہو شہا
اس کی امید اس کا سہارا تمھیں تو ہو

مصرعۂ طرح یہ تھا "تخلیقِ دو جہاں کا مداوا تمھیں تو ہو"

مرتبہ مدیر :-

قرآن کریم

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ⁂ نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

کُنْ فَیَکُوْن ! اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے لفظ کُنْ سے تمام موجودات عالم کی تخلیق فرمائی۔ چاند سورج ستاروں سے مزین آسمان۔ سبزہ و گل سے لہلہاتی ہوئی زمین، کف در دہاں سمندر، تیز رو دریا، فلک بوس پہاڑ، بلند و بالا اشجار، جھومتے ہوئے درختوں پر خوش رنگ و خوش گلو طیور۔ آسمان سے مینہ برسا کر انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے اُلٹ پھیر میں، کشتیوں اور جہازوں کے دریا میں چلنے میں، آسمان سے بارش میں جس سے زمین مردہ ہونے کے بعد سرسبز و زندہ ہو جاتی ہے اور ہواؤں اور بادلوں کے چلنے میں عقلمندوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر کا تمام پانی سیاہی ہو اور اس میں سات مزید سمندر مل جائیں تب بھی اللہ کی صفات لکھنے سے ختم نہ ہوں گی بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے تمام انسانوں کا پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اُٹھانا اُس کے لئے بس ایسا ہی ہے جیسے ایک متنفس کو پیدا کرنا۔ اور جلا اٹھانا کیا تم دیکھتے نہیں۔ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لاتا ہے اور دن کو رات میں۔ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے سب ایک وقت مقرر تک چلے جا رہے ہیں۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ جب یہ دنیا کا پنڈال آراستہ ہو گیا تو رب العالمین نے اس کے مہمان خصوصی انسان کو من صلصال کالفخار سے بنا کر اپنی خلافت فی الارض کے منصب جلیلہ پر فائز کیا۔ مسجودِ ملائک ہونے کا شرف بخشا اور تمام کائنات کو اُس کے لئے مسخر فرما دیا الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض اور بتا دیا کہ تمہاری پیدائش کا مقصد آزمائش ہے کہ کون بہتر کام کرتا ہے۔

ولکل قوم ہاد۔ خدا کی اس زمین پر انسان کی بنیادی ضرورتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جن کا تعلق اُس کی جسمانی اور مادی زندگی سے ہے۔ اور دوسری وہ اُس کی روحانی اخلاقی اور تمدنی زندگی سے متعلق ہیں۔ خدا کی ربوبیت کاملہ کا تقاضہ تھا کہ انسان کی یہ دونوں ضرورتیں پوری کی جائیں تاکہ وہ زندگی [illegible] حاصل کر سکے اور ان کو صحیح مقاصد کے لئے صحیح طریقے سے استعمال بھی کر سکے۔ اللہ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو بحسن و کمال پورا کیا ہے مادی اور جسمانی [illegible] کی تسکین کے لئے زمین و آسمان میں بے شمار [illegible]

کردی ہیں جن کی دریافت اور مناسب استعمال سے انسان کی تمام ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت نازل فرمائی اور اپنے انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اس ہدایت کو انسانوں تک پہونچایا بلکہ اُن کی زندگیوں میں متشکل کرکے بھی دکھایا اس طرح انسانیت نے اپنا سفر تاریکی میں نہیں بلکہ روشنی میں شروع کیا۔ پہلا انسان پہلا نبی بھی تھا اس کے بعد ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں ہدایت واصلاح کے لئے ہادی اور رسول بھیجے اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ (کوئی ایسی قوم نہیں جس میں ہشیار کرنے والا نہ گذرا ہو)

جتنے نبی، رسول و پیمبر گذرے ہیں اُن کی سب کی زندگیاں صاف ستھری اور بے داغ تھیں ۔ ہم اُن سب کی تصدیق کرتے ہیں اور اُن پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اُن میں سے کسی سے بھی اپنے نفس کی لذت کے لئے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ وہ سب کے سب معصوم تھے اُن کی دیانت اور امانت کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اُن پر اُتارا اور جس بات کی بھی وحی فرمائی اسے انھوں نے جوں کا توں بندوں تک پہونچا دیا۔ اس میں ایک حرف اور ایک شوشے کی بھی کمی بیشی نہیں کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو ہدایتیں نازل ہوئی ہیں اُن کے مجموعہ کا نام توریت ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کو ہدایت کے صحیفے عطا کئے گئے۔ یہ تمام کتابیں انسان کو سچائی کی راہ دکھاتی تھیں یہ انسانیت کے لئے ہدایت نامے تھے۔ مگر جاہل ناخدا ترس اور بدفطرت لوگوں نے ان پاک کتابوں میں اپنی طرف سے گھٹا بڑھا کر سچائی کے ان سرچشموں کو گدلا بنا دیا۔ یہ نفس کے بندے خود تو نہ بدلے مگر اللہ کی کتابوں کو بدل دیا۔ انسانیت کی تاریخ میں یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ وہ ان حرکتوں سے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ان صحفِ قوانین وہدایات کی حفاظت محض کاغذ وقلم کے بس کی بات نہ تھی دنیا خوب جانتی ہے کہ جن صحیفۂ آسمانی کو قید تحریر میں لانے پر اکتفا کیا اُن میں کتنا رد و بدل ہوگیا اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اسلامی مسیحی ڈائیلاگ (تبادلہ خیالات) منعقدہ مراکش میں مصر کے نامور ڈاکٹر مصطفیٰ محمود نے کانفرنس میں بائبل کا ایک ایسا ایڈیشن عیسائی نمائندوں کی خدمت میں پیش کیا جو بیت المقدس میں شائع ہوا ہے کرنل معمر القذافی نے اس بائبل کے بارے میں انکشاف کیا کہ اس میں دو سو ساٹھ مقامات پر یہودیوں نے تحریف کی ہے۔"

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

دنیا گمراہی کی منزلوں میں بھٹک رہی تھی جاہلیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چاروں طرف چھا رہا تھا۔ انسانیت درماندہ و پریشان تھی کہ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ملک عرب کے شہر مکہ میں ایک انسان کو بندوں تک اپنی ہدایت پہونچانے کے لئے منتخب فرمایا۔ یہ مقدس انسان جسے دنیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جانتی ہے تمام دنیا کے لئے داعی الی اللہ وسراج منیر بنا کر بھیجا گیا وہ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا بھی تھا۔ اُس کی تشریف آوری پر کسریٰ کے محل کے کنگورے گرے ہوں یا نہ گرے ہوں مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرمایہ دارانہ نخوت وغرور وشقاوت کے محل ڈھے گئے۔ شیطان پہاڑوں میں منھ چھپاتے بھاگا ہو یا نہ بھاگا ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ کفر وضلالت اور جاہلیت کے چہرے پر مُردنی چھاگئی۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی اس کے مجموعہ کا نام قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا

منذرین (سورۂ دخان۔ ہم نے اس قرآن کو برکت
والی رات میں اُتارا کیونکہ ہم ان کو اعمالِ بد سے ڈراتے
ہیں جمہور مفسرین کا قول ہے کہ برکت والی شب سے مراد ۲۷
یا ۲۳ رمضان المبارک کی شب مراد ہے غرضکہ ان تاریخوں
میں سے کسی تاریخ کو سارا قرآن لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا
پر اُتارا گیا پھر وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
کے اکتالیسویں سال نازل ہونا شروع ہوا وحی کی پہلی آیت
اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ غار حرا میں نازل ہوئی اور
آخری آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آپ
کی عمر کے تریسٹھواں سال ذی الحجہ میں حج کے دن نازل
ہوئی اس بنا پر نزول قرآن کی کل مدت ۲۲ سال دو
مہینہ ۲۲ دن یا ۲۳ سال بتائی جاتی ہے یہ ہدایت
حسب ضرورت وحسب موقع نازل ہوتی رہی سے
اترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے
اُسی طرح قرآن نازل ہوا ہے
حدیث وقصص کا خزانہ ہے قرآں
درِ فضل واحساں شب وروز وا ہے
قول صفیا وصافیا برابر
ہر اک شے کا اس میں بیان آگیا ہے
یا قول بالا قریشی سخن کا
ظہور اس نے غار حرا سے کیا ہے
کلام الملوک ملوک الکلام
دل اقرار کرتا ہے وحی خدا ہے
اس سے فزوں ہے حلاوت طراوت
کے تاب تحدیث حسن دہا ہے
اس کا سیراب شاخوں پہ پھیل ہیں
کلام خدا ہوں یہ خود بولتا ہے
ہیں ہفت گنجینہ ہے ہفت ہیکل
یہ وہ شے ہے جس کو ہمیشہ بقا ہے (عبدالعزیز خالد)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

"یہ وہ کتاب الہٰی ہے جسے انسانیت کے لئے مکمل ضابطۂ
حیات اور ہر زمانہ، ہر ملک ہر حال کے لئے ہدایات کا سرچشمہ
ومخزن بننا تھا۔ لہٰذا اس کی حفاظت کا انتظام بھی
خاص توجہ کا محتاج تھا اللہ تعالےٰ نے اپنا کلام خود اُتارنے
اور اُس کی حفاظت کا ذمہ خود آپ لیا۔ اسی طرح کلام
اللہ کی شرح وتفسیر اور بیان کی ذمہ داری بھی حق تعالےٰ
نے اپنے ہی ذمہ لی ہے کیونکہ اس کے مخفیات واجمالات
ضمائر ومرادات اور مفہوم کے پالینے پر مخلوق بالذات خود
قادر نہ تھی کیونکہ کلام اللہ جیسا اپنے الفاظ کے لحاظ سے معجز
ہے اسی طرح وہ اپنے معانی کے لحاظ سے بھی معجز ہے چنانچہ
نبی کریمؐ نزول وحی کے وقت الفاظ وحی کو یاد رکھنے کی غرض
سے بار بار زبانِ مبارک سے دہراتے تاکہ ذہنِ مبارک میں
الفاظ وحی محفوظ ہو جائیں تو حق تعالےٰ نے تکرار لسان سے
بایں عنوان ممانعت فرمائی۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (اپنی زبان کو قرآن کے ساتھ جلدی جلدی
حرکت مت دیا کرو) اور کلام اللہ کو محض سننے پر اکتفا
فرمانے کا حکم دیا فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ
(جب ہم قرآن پڑھیں تو تم اس کی اتباع کرو) اس طرح
اللہ جل شانہ نے الفاظ وحی کو سینۂ نبوی میں محفوظ کرنے کی
ذمہ داری بھی اپنے ذمہ لی اور یہ ظاہر امر ہے کہ قرأت وسماع
وتکرار کا تعلق الفاظ سے ہے نہ کہ معانی سے کیونکہ یہ الفاظ
کی صفات ہیں نہ کہ معنی کے۔ اتنا جامع اور وسیع العلم کلام
جو ماضی کے حالات اور مستقبل کی خبروں کو اپنے اندر جذب
کئے ہو جس پر عمل کرنا باعث اجر جس کے مطابق حکم کرنا
عدل، جس کی حکم عدولی کفر وفسق، جس کی دعوت ہدایت
اور جس کے علمی وعملی عجائبات کی نہ حد ہو نہ انتہا۔ جس کے
حقائق ومعارف لا متناہی جس کی عبارت اتنی حکیمانہ کہ

ایک ایک لفظ اور ایک ایک اشارے سے جداگانہ علوم و احکامات صادر ہوتے ہوں۔ جس کی دلالۃ النص سے جداگانہ احکام، اشارۃ النص سے جداگانہ احکام۔ عبارۃ النص سے جداگانہ احکام اور اقتضاء النص سے جداگانہ علوم کے سرچشمے پھوٹتے ہوں پھر اس کی آیات بیّنات محکم ظاہر و صحیح و حقیقی ہونے کے علاوہ باطنی علوم کے لئے متشابہ مجمل اور خفی جداگانہ ہوں اور تمام اقسام سے جدا جدا علوم کے سرچشمے پھوٹ رہے ہوں جو کلام اللہ کے تمام انواع کے معجز ہونے پر دال ہیں۔ پھر آیات نفسیات جداگانہ آیات سیاسیات جداگانہ۔ آیات احکام جداگانہ تو ایسے محیر العقول اور معجز کلام سے اخذ مقصود اور فہم مراد بلا متکلم کے بیان کئے طاقت انسانی سے ماورا اور بالاتر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس کے بیان و تشریح کی ذمہ داری بھی اپنے آپ ہی لی۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

" چونکہ نماز ابتدا ہی سے مسلمانوں پر فرض تھی اور تلاوت قرآن کو نماز کا ایک ضروری جز قرار دیا گیا۔ اس لئے نزول قرآن کے ساتھ ہی مسلمانوں میں حفظ قرآن کا سلسلہ جاری ہوگیا اور جیسے جیسے قرآن اترتا گیا مسلمان اس کو یاد بھی کرتے چلے گئے۔ اس طرح قرآن کی حفاظت کا انحصار صرف کھجور کے ان پتوں اور ہڈی اور جھلی کے ان ٹکڑوں ہی پر نہ تھا جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاتبوں سے اس کو قلم بند کرایا کرتے تھے بلکہ وہ اترتے ہی بیسیوں، پھر سیکڑوں، پھر ہزاروں، پھر لاکھوں، دلوں پر نقش ہو جاتا تھا اور کسی شیطان کے لئے اس کا امکان ہی نہ تھا کہ اس میں ایک لفظ کا بھی ردو بدل کرسکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور اس کو فرو کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کو سخت خونریز لڑائیاں لڑنی پڑیں تو ان معرکوں میں ایسے صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد شہید ہوگئی جن کو پورا قرآن حفظ تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ قرآن کی حفاظت کے معاملہ میں صرف ایک ہی ذریعہ پر اعتماد کرلینا مناسب نہیں ہے، بلکہ الواحِ قلب کے ساتھ ساتھ صفحات قرطاس پر بھی اس کو محفوظ کرنے کا انتظام کرلینا چاہئیے۔ چنانچہ اس کام کی ضرورت انھوں نے حضرت ابو بکرؓ پر واضح کی اور انھوں نے کچھ تامل کے بعد اس سے اتفاق کرکے حضرت زید بن انصاریؓ کو جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتب (سکریٹری) رہ چکے تھے۔ اس خدمت پر مامور فرمایا۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایک طرف تو وہ تمام لکھے ہوئے اجزا فراہم کرلئے جائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑے ہیں اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ میں سے بھی جس جس کے پاس قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہوا ہے وہ ان سے لے لیا جائے (معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں متعدد صحابہؓ نے قرآن کو یا اس کے مختلف اجزا کو قلم بند کرکے اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ علیؓ عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ سالم مولیٰ حذیفہ زید بن ثابت و معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے ناموں کی تصریح ملتی ہے) اور پھر حفاظ قرآن سے بھی مدد لی جائے اور ان تینوں ذرائع کی متفقہ شہادت پر کامل صحت کا اطمینان کرنے کے بعد قرآن مجید کا ایک مستند نسخہ تیار کرکے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رکھوا دیا گیا اور لوگوں کو عام اجازت دیدی گئی کہ جو چاہے اس کی نقل کرلے اور جو چاہے اس سے مقابلہ کرکے اپنے نسخہ کی تصحیح کرلے۔ اور چونکہ عرب کے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں بولی اور لہجے کے اختلاف سے قرآن مجید میں اختلاف کا اندیشہ ہوا لہٰذا حضرت عثمانؓ نے

صحابہ کرامؓ کے مشورے سے یہ طے کیا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں صرف اس معیاری نسخہ قرآن کی نقلیں شائع کی جائیں جو حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اور باقی تمام دوسرے لہجوں اور محاوروں پر لکھے ہوئے مصاحف کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی

آج جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ ٹھیک ٹھیک اُسی مصحف صدیقی کے مطابق ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے سرکاری اہتمام سے تمام دیار و امصار میں بھجوائی تھیں اس وقت بھی دنیا میں متعدد مقامات پر قرآن کے وہ مستند نسخے موجود ہیں۔ کسی کو اگر قرآن کی محفوظیت میں ذرہ برابر بھی شک ہو تو وہ اپنا اطمینان اس طرح کر سکتا ہے کہ مغربی افریقہ میں کسی کتاب فروش سے قرآن کا ایک نسخہ خریدے اور جاوا میں کسی حافظ سے زبانی قرآن سن کر اُس کا مقابلہ کرے اور پھر دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں میں حضرت عثمانؓ کے وقت سے لے کر آج تک مختلف صدیوں کے لکھے ہوئے جو مصاحف رکھے ہیں اُن سے اس کا تقابل کرے اگر کسی حرف یا شوشے کا فرق وہ پائے تو اُس کا فرض ہے کہ دنیا کو اس سب سے بڑے تاریخی انکشاف سے ضرور مطلع کرے کوئی شک نواز قرآن کے منزّل من اللہ ہونے میں شک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن یہ بات کہ جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے یہ بلا کسی کمی و بیشی کے ٹھیک وہی قرآن ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہ تو ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے انسانی تاریخ میں کوئی دوسری چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اس قدر قطعی الثبوت ہو۔ اگر کوئی اس کی صحت میں شک کرتا ہے تو وہ پھر اس میں بھی شک کر سکتا ہے کہ رومن امپائر نامی کوئی سلطنت دنیا میں رہ چکی ہے اور کبھی مغل ہندوستان پر حکومت کر چکے ہیں اور نپولین نام کا کوئی شخص بھی دنیا میں ہُوا ہے ایسے ایسے تاریخی حقائق پر شکوک کا اظہار کرنا علم کا نہیں جہالت کا ثبوت ہے"!

"قرآن کے سب سے پہلے مخاطب صحابہ کرامؓ تھے وہ نفوس قدسیہ قرآن کی سچ مچ چلتی پھرتی تصویریں تھیں۔ اُن کی زبان ہی نہیں اُن کی ایک ایک ادا ہر نقل و حرکت قرآن کی صداقت کی گواہی دیتی تھی۔ قرآن سے عقیدت صرف ثواب تلاوت اور برکت تک محدود نہ رہنا چاہیئے اور قرآن کو محض ایک متبرک صحیفہ ہی نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ قرآن کو دستور حیات اور قانون زندگی بنا کر اپنے اعمال اور افعال کو اس کے احکام اور منشا کے مطابق ڈھال لینا چاہیئے ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں"

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ۔ (بلاشبہ یہ قرآن ہدایت کرتا ہے سب سے سیدھی راہ کی اور یہ رہنمائی تمام انسانوں کے لئے ہے)۔

اس کتاب الٰہی کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ بہ لحاظ حقیقت نفس الامری اس کی فلاح اور اُس کا خسران کس چیز میں ہے اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے خدا اور نظام کائنات اور اپنی ہستی اور اپنی دنیا دی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہیں وہ سب حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لئے تباہ کن ہیں حقیقت وہ ہے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتا دی تھی اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کے لئے وہی رویّہ درست اور خوش انجام ہے اس کا مدعا انسان کو اس صحیح رویّہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت

سے گرد اور اپنی شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اُسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع اور اپنے مدعا اور مرکزی مضمون سے بال برابر بھی نہیں ہٹی ہے اول سے لیکر آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط و منسلک ہوتے ہیں وہ زمین و آسمان کی ساخت پر انسان کی خلقت پر آثار کائنات کے مشاہدات اور گزری ہوئی قوموں کے واقعات پر گفتگو کرتا ہے مختلف قوموں کے عقائد و اخلاق اور اعمال پر تنقید کرتا ہے مابعد الطبیعی امور و مسائل کی تشریح کرتا ہے اور بہت سی دوسری چیزوں کا بھی ذکر کرتا ہے مگر اس لئے نہیں کہ اسے طبیعات یا تاریخ یا فلسفہ یا کسی اور فن کی تعلیم دینی ہے بلکہ اس لئے کہ اُسے حقیقت نفس الامری کے متعلق انسان کی غلط فہمیاں دور کرتی ہیں۔ اصل حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرتی ہے۔ خلاف حقیقت رویہ کی غلطی و بدانجامی واضح کرتی ہے اور اُس رویہ کی طرف دعوت دیتی ہے جو مطابق حقیقت اور خوش انجام ہے یہ وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر [illegible] انداز میں کرتا ہے جو اُس کے مدعا کے لئے ضروری ہے۔ ہمیشہ ان چیزوں کا ذکر بقدر ضرورت کرنے کے بعد غیر متعلق تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے مقصد اور مرکزی مضمون کیطرف رجوع کرتا ہے اور اُس کا سارا بیان انتہائی یکسانی کے ساتھ دعوت کے محور پر گھومتا رہتا ہے۔"

قرآن کے سایہ میں زندگی بسر کرنا نعمت عظمیٰ ہے یہ نعمت زندگی کی شان بلند کر دیتی ہے اُسے بابرکت بنا دیتی اور اُسے پاک کر دیتی ہے اُس بلندی کا کیا کہنا جہاں اللہ کا یہ کلام انسانی زندگی کو پہونچا دیتا ہے اور کیا ہے وہ بلند مقام جو خالق دو عالم اپنے بندۂ ناچیز کو اس کے ذریعہ مرحمت فرماتا ہے۔ قرآن کریم کائنات کی غرض و غایت۔ موجودات کے وجود کا مقصد اور وجود انسانی کے بارے میں ایک مکمل جامع اور بلند و پاکیزہ صحیفۂ آسمانی ہے۔

اسلام نے قرآن مجید کو دستور حیات بنا کر دنیا کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ دنیا کو وہ نیا تصور ملا جو قرآن اور اس کی تعلیمات پر مبنی شریعت نے پیش کیا۔ اس کے نتیجہ میں انسانیت کو بالکل ایک نیا جنم ملا۔ جو اس کے طبیعی جنم سے زیادہ عظیم تھا۔ قرآن کریم نے انسانیت کو اس کائنات، حیات انسانی۔ اعلیٰ اقدار اور معاملات زندگی کی تنظیم کے لئے ایک جدا تصور دیا۔ پھر اُس نے اس تصور حیات کے مطابق ایک معاشرہ عملاً قائم کر دیا۔ قرآن مجید کے پیدا کردہ اس معاشرے سے قبل انسانیت کے لئے محض خیالی اور ایسے مجرّد معاشرہ کا تصور تک ممکن نہ تھا۔

قرآن کریم کے گہرے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خدا کی طرف "رجوع" صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ اللہ تک پہونچنے کا راستہ ایک ہے جس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو قرآن کریم کے بتائے ہوئے نظام حیات کے مطابق متبدل کر دیں اور پوری زندگی میں اس کتاب کو حَکَم بنائیں اور اپنی زندگی کے تمام حالات و قضیات میں صرف اس کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر یہ صورت نہیں ہوتی تو پھر روئے زمین پر سراسر فساد ہوگا۔ گندگیوں کے سیلاب میں گذرنا ہوگا اور اس زمین پر جاہلیت کا دور دورہ ہوگا جو اللہ کے بجائے ہوائے نفس کی بندگی کرے گی " اگر وہ تمہارا مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے اللہ ایسے ظالموں

ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔" (۲۸۔ ۲۵۰)

اللہ تعالیٰ نے ہر عقدے کا حل اور ہر بیماری کا علاج
سلامی نظام زندگی میں ودلیعت فرمایا ہے وَنُنَزِّلُ
مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔
اور ہم اس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں
جو ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے)۔ پھر فرمایا۔
اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ
حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی
ہے)۔ ۱۷ : ۱۹

یہ کتنی بڑی غلطی ہے کہ لوگ اس قفل کو اس کاریگر
کے پاس نہیں لے جاتے جس نے اسے بنایا۔ وہ اپنی شخصیت
اپنی انسانیت اور اپنی شقاوت و سعادت جیسے اہم معاملات
میں بھی وہ سادہ اور فطری طریقہ کار اختیار نہیں کرتے جو
اپنے روزمرہ کے چھوٹے موٹے کاموں میں استعمال ہونے
والے معمولی آلات اور مشینوں کے سلسلہ میں اپنی تمام زندگی
میں استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر لوگ کسی مشین کو درست
کرنے کے لئے اس کارخانے کے انجینیر یا ماہر کے پاس جاتے
ہیں جس نے اس مشین کو تیار کیا ہے لیکن تعجب ہے کہ انسانیت
اس سادہ اصول کو خود اپنے نفس کے بارے میں استعمال
نہیں کرتی وہ اپنے معاملات میں اس ذات سے استفسار
نہیں کرتی جس نے اس عجیب و غریب مشین کی تخلیق کی ہے
عظیم انسانی مشین، نہایت قیمتی، باریک اور نازک،
اس کی باریکیوں اور اندرونی پیچیدگیوں کو صرف وہی
جانتا ہے جس نے اس کی تخلیق کی۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ
الْخَبِيْرُ (وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہے
کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین اور
بڑا باخبر ہے) ۶۷ : ۱۴

قرآن کریم نے انسانیت کو ایک صحیح تصور حیات
دیا۔ یہ تصور پیدا کرنے کے لئے قرآن مجید سابقہ کتب سماوی
کے حاملین کی بے راہ روی اور آخر کار اس ضلالت کے
نتائج کا بھی ذکر کرتا ہے "اگر اس سرکشی کے بجائے یہ اہلِ
کتاب ایمان لاتے اور خدا ترسی کی روش اختیار کرتے تو
ہم اُن کی بُرائیاں اُن سے دُور کر دیتے اور اُن کو نعمت بھری
جنتوں میں پہونچا دیتے۔ کاش انھوں نے توراۃ اور
انجیل اور دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا۔ جو اُن کے رب
کی طرف سے اُن کے پاس بھیجی گئی تھیں ایسا کرتے تو اُنکے
لئے اُوپر سے رزق برستا اور نیچے سے اُبلتا (۵ : ۶۶)۔
پھر اس تصور کو پیدا کرنے کے لئے قرآن مجید لوگوں کی
نفسیاتی صورتِ حال اور خارجی اور واقعاتی دنیا کے
درمیان جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے ذریعہ عالم وجود میں
لانا چاہتے ہیں ایک حسین ربط پیدا کر دیتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا
بِاَنْفُسِهِمْ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو
نہیں بدلتا جبتک قوم خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل
دیتی "

فضائل قرآن شریف :-

ترمذی میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ
نے فرمایا جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا تو اس کو ایک
نیکی ملے گی جو دوسرے اعمال کی دس نیکیوں کے برابر
ہوگی۔ ابوداؤد میں ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ
نے فرمایا خدا کی تعظیم میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بوڑھوں
کی تعظیم کی جائے اور ایسے قرآن پڑھنے والوں کی تعظیم کی
جائے جو نہ تو قرآن کے احکام میں زیادتی کرتا ہے اور نہ
بدعمل ہو امام نوویؒ شارح صحیح مسلم آداب حملۃ القرآن
میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے اگر علماء خدا کے
ولی تسلیم نہ کئے جائیں تو روئے زمین پر خدا کا کوئی دوست
(ولی) نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ قرآن کے احکام کی اشاعت

کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے عالموں کا مرتبہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا سا ہے۔ بخاری میں ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ میری طرف سے ہر ایک حکم کو لوگوں تک پہونچاؤ کہ تم نے اگر میرا ایک حکم کسی کے آگے بیان کیا اور اُس نے اُس پر عمل کیا تو وہ زمین کے خزانوں سے مقابلے لئے بہتر ثابت ہوگا تمام صحابہ اور علماء کا اتفاق ہے کہ فرائض کے بعد قرآن کی تلاوت تمام اوراد و وظائف سے بہتر ہے نیز سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہوگا وہ خدا کے آگے گنہگار رہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم قرآن پڑھا کرو کہ قیامت کے روز یہ پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ ترمذی۔ دارمی۔ بیہقی میں ابو سعید رض سے روایت ہے کہ جس کو قرآن کی تلاوت نے میری یاد سے اور مجھ سے اپنی حاجتوں کے مانگنے سے روکا تو میں تمام مانگنے والوں سے زیادہ اسکی حاجتوں اور اُن کی مُرادوں کو خود بخود پورا کروں گا۔ بخاری میں حضرت عثمان رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے مسلم و بخاری میں حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ قرآن کا ماہر فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔

دو ٹھہر ٹھہر کر
یہ قرآن
ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا۔
اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا
اور آپ کو ہم نے بھیجا
اس لئے بھیجا
آپ خوش خبری دے دیں
اُس شخص کو خوشخبری دیدیں جو
اس قرآن پر ایمان لے آئے
اس کی ہدایات کو قبول کرے
اور اُس کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑے
اس لئے بھیجا کہ
آپ متنبہ کردیں بُرے انجام سے ڈرا دیں
اُس شخص کو جو اس قرآن پر ایمان نہ لائے۔
اُس کی ہدایتوں کو ٹھکرا دے اور
اُس کی بتائی ہوئی راہ کو قبول نہ کرے

اور قرآن کریم ہم نے نازل کیا
تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا
تاکہ آپ لوگوں کو سنائیں
ٹھہر ٹھہر کر سنائیں
اسے ہم نے اُتارا
موقع موقع سے بتدریج اتارا

آپ ان سے کہدیجئے
آپ ان سے کہدیجئے
صاف صاف کہدیجئے کہ
چاہے تم اسے مانو یا نہ مانو
لیکن جو لوگ آسمانی کتابوں کو جانتے ہیں
آسمانی کتابوں کا علم رکھتے ہیں
انھیں جب قرآن سنایا جاتا ہے
اللہ کی آیات اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔
تو وہ اُسے فوراً پہچان لیتے ہیں
اور منھ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں
وہ پکار اُٹھتے ہیں
پاک ہے ہمارا رب، ہر عیب سے پاک
اُس کا وعدہ پورا ہونا تھا
اُس کا وعدہ پورا ہوا
جس نبی کے آنے کی خوش خبری دی گئی تھی

وہ بھی آ گیا
جس کتاب کے آنے کی خبر ملی تھی۔ وہ کتاب آ گئی
اور اللہ کے نیک بندے
سجدے میں گر پڑتے ہیں
منھ کے بل روتے ہوئے
اور جب وہ قرآن سنتے ہیں ـــ اپنے رب کا کلام

تو ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے
ان کا دل اپنے آقا کی طرف اور جھک جاتا ہے۔
اُس کی محبت سے لبریز۔ اُس کے خوف سے پُر
(سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹
کی روشنی میں) عرفات

کتابِ دانش و حکمت بیاضِ علم و ہنر — مآلِ جذبِ مسلسل پیامِ حسنِ نظر
نگارِ شاہدِ اول خیالِ شمعِ یقیں — قرارِ دیدۂ بینا وہ جانِ شمعِ سحر
سرور و کیف کا پیکر بہارِ دل کا امیں — نکھارِ حسنِ گلستاں غرورِ شمس و قمر
وہ روح و جاں کی تمنا وہ آدمی کا بھرم — شرابِ عقل کو جس نے دیا یقیں کا گہر
وہ رازِ حسرتِ جبریل و حضرتِ باری — وہ شانِ آئینہ تطہیر کا حسیں پیکر
وہ ریگ زارِ عرب پر نزولِ رحمتِ حق — وہ آیتوں کا خزانہ و حکمتوں کا شہر
بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ کی مستیاں توبہ — ہوئے ہیں مست صدائے قرآں کو سن کر
چھپا ہوا ہے اسی میں نجات کا ساماں — ہر ایک لفظ ہے اس کا حقیقتوں کا شہر

وقار آج بھی اس پر اگر عمل کر لیں
یقیں ہے کہ سنور جائے عظمتوں کا دہر

مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر قرآن

اور اس کے آداب و شرائط

نیت کی پاکیزگی

سب سے پہلی چیز نیت کی پاکیزگی ہے۔ نیت کی پاکیزگی سے مطلب یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید کو صرف ہدایت و معرفت حاصل کرنے کے لئے پڑھے۔ کوئی ذاتی غرض سامنے رکھ کر نہ پڑھے۔ اگر طلب معرفت و ہدایت کے سوا آدمی کے سامنے کوئی اور غرض ہوگی تو نہ صرف یہ کہ وہ قرآن کے فیض سے محروم رہے گا بلکہ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ قرآن سے جتنا دور وہ اب تک رہا ہے اس سے بھی کچھ زیادہ دور ہٹ جائے گا۔ اگر آدمی قرآن کو اس لئے پڑھے کہ لوگ اسے مفسر قرآن سمجھنے لگیں یا اس لئے پڑھے کہ کوئی تفسیر لکھ کر جلد اس سے شہرت اور نفع دنیاوی حاصل کر سکے یا اس لئے پڑھے کہ اس کے کچھ اپنے نظریات ہوں اور وہ اپنے ان نظریات کو قرآن کے ملمع کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا خواہش مند ہو تو ممکن ہے اس کے یہ ارادے کسی حد تک پورے ہو جائیں لیکن جہاں تک فہم قرآن اور اس سے حصول معرفت کا تعلق ہے اس طرح وہ اس کا دروازہ اپنے اوپر بالکل بند کر لے گا۔

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و معرفت کا صحیفہ بنا کر اتارا ہے اور ہر آدمی کے اندر طلب ہدایت و معرفت کا داعیہ ودیعت کر دیا ہے۔ اور اسی داعیہ کے تحت آدمی قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس سے اپنی پوری کوشش اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق فیض پاتا ہے۔ اور اگر اس داعیہ کے علاوہ کسی اور خواہش کے تحت وہ قرآن کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو "لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی" کے اصول کے مطابق وہ وہی چیز پاتا ہے جس کا وہ طلب گار ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ "اس کے ذریعہ سے اللہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے" اور یہ اصول بیان فرمانے کے بعد ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ "گمراہ ان لوگوں کو کرتا ہے جو فاسق ہوتے ہیں" یعنی جو لوگ اپنے اغراض کے ایسے بندے ہوتے ہیں کہ وہ ہدایت سے بھی ضلالت ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ وہی چیز دیتا ہے جس کے وہ بھوکے ہوتے ہیں، اگر ایک شخص کعبہ جا کر بھی بتوں ہی کو یاد کرتا ہے تو وہ ہرگز اس بات کا سزاوار نہیں ہے کہ اس پر توحید کے رموز کھولے جائیں۔ اگر کوئی شخص پھولوں کے اندر سے بھی کانٹے ہی جمع کرنے کا شوق رکھتا ہے تو ہرگز اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو پھولوں کی خوشبو نصیب ہو۔ اگر ایک شخص اپنے فساد طبیعت کے سبب سے علاج کو بھی بیماری ہی بنا لیتا ہے تو وہ اسی بات کے لائق ہے کہ اس کو شفا حاصل ہونے کے بجائے اس کی بیماری

ی میں اضافہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے سورۂ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت میں ارشاد فرمایا ہے:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ "یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو پسند کیا تو ان کی یہ تجارت ان کے لئے نفع بخش نہ ہوئی اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے" (بقرہ ۱۶)

قرآن کو ایک برتر کلام مانا جائے

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن مجید کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اسی حیثیت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر دل میں قرآن مجید کی پوری عظمت و اہمیت نہ ہو تو آدمی اس کے سمجھنے اور اس کے حقائق و معارف کے دریافت کرنے پر وہ محنت صرف نہیں کر سکتا جو اس کے خزانۂ حکمت سے مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کو یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوگی کہ ایک کتاب کے متعلق اس کے جاننے سے پہلے ہی حسن ظن قائم کر لیا جائے کہ وہ بڑی پُر حکمت اور اعلیٰ کتاب ہے لیکن غور کیجئے تو قرآن مجید کے متعلق اس قسم کا پیشگی حسن ظن ذرا بھی تعجب انگیز نہیں ہے۔ قرآن مجید کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بالکل مجہول ہو۔ وہ اپنے پیچھے ایک عظیم الشان تاریخ رکھتا ہے اسکے کارنامے نہایت شاندار ہیں۔ ذہنوں اور دماغوں کی تبدیلی میں اس کتاب نے جو معجزہ دکھایا ہے آجتک کسی کتاب نے بھی یہ معجزہ نہیں دکھایا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ دنیا کی آبادی کا ایک عظیم حصہ اسکو نہ صرف ایک کتاب مانتا ہے بلکہ اسکو خدائی اور آسمانی کتاب مانتا ہے۔ اسکو لوح محفوظ سے اترا ہوا کلام مانتا ہے۔ اس کو ایک ایسا معجز کلام مانتا ہے جس کی نظیر نہ انسان پیش کر سکتے نہ جنات پیش کر سکتے۔ ایک ایسا کلام جسکے ماضی اور جسکے حاضر کے متعلق یہ شہادتیں اور لوگوں کے یہ احساسات موجود ہوں۔ بہرحال ایک اہمیت رکھنے والا کلام ہے اور آدمی اسکو سمجھنے کا حق اسی وقت ادا کر سکتا ہے جب اسکی یہ عظمت و اہمیت اسکے پیش نظر ہو۔ اگر یہ اہمیت اس کے سامنے نہ ہو تو ممکن نہیں ہے کہ آدمی کا ذہن اس کو اس اہتمام کا مستحق سمجھے جو اہتمام اس کے لئے فی الواقع مطلوب ہے اگر کسی رقبۂ زمین کے متعلق یہ علم ہو کہ وہاں سے سونا نکلتا ہے اور کسی زمانہ میں وہاں سے کافی سونا برآمد ہو چکا ہے تو توقع یہی کی جاتی ہے کہ اگر کھدائی کی جائے تو وہاں سے سونا ہی نکلے گا اور پھر اس کی اسی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کا سروسامان کیا جاتا ہے اور اس پر محنت صرف کی جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک معدن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ایک گھورا ہے یا یہ کہ اگر یہاں محنت کیجائے تو زیادہ سے زیادہ یہاں سے کوئلہ یا چونا فراہم ہو سکے گا تو اس پر یا تو کوئی سرے سے اپنا وقت ہی ضائع کرنا پسند نہیں کرے گا یا پسند کرے گا تو صرف اس حد تک جس حد تک اس کو اس سے فائدہ پہونچنے کی توقع ہوگی۔

یہ تنبیہ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے متعلق ایسی غلط فہمیاں لوگوں کے اندر موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں ہے کہ اس کو اس توجہ اور اہتمام کا مستحق سمجھا جائے جو اس سے حقیقی استفادہ کے لئے ضروری ہے۔ یہ غلط فہمیاں قرآن مجید کے ماننے والوں اور اس کے منکروں دونوں کے اندر موجود ہیں۔ جو اس کے منکرین ہیں وہ اس بات کا تو ایک حد تک اعتراف کرتے ہیں کہ ایک خاص دور میں اس کتاب کے ذریعے کچھ اصلاحات واقع ہوئیں۔ لیکن ان کے خیال میں وہ زمانہ اب گذر چکا ہے۔ عرب کے بدوؤں کے لئے، جن کے مسائل سیدھے سادے تھے، ان لوگوں کے خیال میں یہ کتاب مفید ہو سکتی تھی اور ان کے لئے یہ بلاشبہ مفید ثابت ہوئی لیکن موجودہ زمانے کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کے لئے وہ اس کتاب کو بالکل ناکافی سمجھتے ہیں۔

جو اس کے ماننے والے ہیں ان میں بہت سے لوگ اسکو محض حرام و حلال کے بتلانے کا ایک فقہی ضابطہ سمجھتے ہیں اور فقہ کے احکام علیحدہ مرتب ہو جانے کے بعد انکی نگاہوں میں اگر

اس کی کوئی اہمیت باقی رہ گئی ہے تو صرف تبرک کے نقطۂ نظر سے باقی رہ گئی ہے۔ ارباب تصوف اس کو محض علم ظاہر کا صحیفہ سمجھتے ہیں، علم باطن کے اسرار و حقائق انکے نزدیک کشف و مشاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس کو بس اچھی اچھی نصیحتوں کا ایک مجموعہ سمجھتے ہیں، وہ اس کے اندر کسی گہری حکمت یا کسی بلند فلسفہ کی کوئی توقع نہیں رکھتے۔ بہت سے لوگ اسکو نزع کی سختیوں کے دور کرنے اور ایصال ثواب کی کتاب سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس کو دفع آفات و بلیات کا تعویذ سمجھتے ہیں اور جس طرح عیسائی دل کی جانب والے جیب میں انجیل رکھے پھرتے ہیں اسی طرح اس خیال کے مسلمان جب گھر سے نکلتے ہیں تو جیب میں قرآن رکھ کے نکلتے ہیں۔ اس طرح کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے مسلمان ناممکن ہے کہ قرآن حکیم سے وہ فائدہ اٹھا سکیں جس کے لئے فی الحقیقت وہ نازل ہوا ہے وہ اس کو انہی حقیر اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں جن اغراض کے لئے ان کے خیال میں یہ اترا ہے۔ ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی شخص کو ایک توپ دی جائے کہ وہ اسکے ذریعہ سے دشمنوں کے قلعہ کو مسمار کرے لیکن وہ اسکو مچھر مارنے کی ایک مشین سمجھ بیٹھے اور اسی حقیر مقصد کے لئے اس کو استعمال کرنا شروع کردے۔

قرآن کے تقاضوں کے مطابق بدلنے کا عزم

قرآن حکیم سے حقیقی استفادہ کے لئے تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کے اندر قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق اپنے ظاہر و باطن کو بدلنے کا مضبوط ارادہ موجود ہو۔ ایک شخص جب قرآن مجید کو گہری نگاہ سے پڑھتا ہے تو وہ ہر قدم پر یہ محسوس کرتا ہے کہ قرآن کے تقاضے اور مطالبے اس کی اپنی خواہشوں اور چاہتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ اسکے تصورات و نظریات بھی قرآن سے بیشتر الگ ہیں اور اسکے معاملات و تعلقات بھی قرآن کے مقرر کردہ حدود سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے باطن کو بھی قرآن سے دور پاتا ہے اور اپنے ظاہر کو بھی اس سے بالکل منحرف محسوس کرتا ہے۔ اس فرق و اختلاف کو محسوس کرکے ایک صاحب عزم اور ایک حق طلب آدمی تو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خواہ کچھ ہو میں اپنے آپکو قرآن کے تقاضوں کے مطابق بنا کے رہوں گا۔ اور وہ ہر قسم کی قربانیاں کرکے، ہر طرح کے مصائب جھیل کر، ہر قسم کی ناگواریاں برداشت کرکے اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بالآخر اپنے آپ کو قرآن کے سانچہ میں ڈھال ہی لیتا ہے۔ لیکن جو شخص صاحب عزم نہیں ہوتا یا اس کے اندر حق شناسی اور حق طلبی کا سچا جذبہ نہیں ہوتا وہ اس خلیج کو پاٹنے کی ہمت نہیں کرسکتا جو وہ اپنے اور قرآن کے درمیان حائل پاتا ہے وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں اپنے عقائد و تصورات کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کروں تو مجھے ذہنی اور فکری حیثیت سے نیا جنم لینا پڑے گا اسے یہ نظر آتا ہے کہ اگر میں اپنے اعمال و اخلاق کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کروں تو میرا اپنا ماحول میرے لئے بالکل اجنبی بن کے رہ جائیگا اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر میں اپنے آپکو ان مقاصد کی تکمیل میں سرگرم کردوں جن کا مطالبہ مجھ سے قرآن کرتا ہے تو میں جن منافع اور جن لذات سے متمتع ہو رہا ہوں ان سے متمتع ہونا تو الگ رہا عجب نہیں کہ ان کے سبب سے جیل اور پھانسی کی سزاؤں سے دوچار ہونا پڑے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر میں اپنے وسائل معاش کو قرآن کے ضابطۂ حلال و حرام کی کسوٹی پر پرکھوں تو آج جو عیش مجھے حاصل ہے اس سے محروم ہو کر شاید اپنی نان شبینہ کے لئے بھی فکرمند ہونا پڑے ان خطروں کے مقابل میں ڈٹ جانا اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ صرف مردان کار ہی ان گھاٹیوں کو پار کرسکتے ہیں، معمولی ہمت و ارادہ کے لوگ یہیں سے اپنا رخ بدل دیتے ہیں۔ بعض اس قسم کے لوگ جو اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے زیادہ خواہشمند نہیں ہوتے وہ تو یہ کہتے ہوئے اپنے نفس کی خواہشوں کے پیچھے چل

کھڑے ہوتے ہیں کہ قرآن مجید کا راستہ ہے تو بالکل صحیح لیکن ہمارے لئے اس پر چلنا نہایت مشکل ہے اسلئے ہم اسی راہ پر چلیں گے جس راہ پر ہم کو ہمارا نفس لے جا رہا ہے لیکن جو لوگ اپنی کمزوریوں کو عزیمت اور اپنے نفاق کو ایمان کے روپ میں پیش کرنے کا شوق رکھتے ہیں وہ اپنا یہ شوق مختلف تدبیروں سے پورا کرتے ہیں۔ بعض اضطرار اور مجبوری کے بہانوں سے اپنے لئے ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال بتاتے ہیں بعض دور از کار اور لایعنی تاویلات کے ذریعہ سے باطل پر حق کا ملمع چڑھاتے ہیں۔ بعض وقت کے تقاضوں اور مصالح کی آڑ تلاش کرکے ان کے پیچھے چھپتے ہیں۔ بعض قرآن میں اس قسم کی تحریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس قسم کی تحریف یہودنے توریت میں کی تھیں۔ بعض کفر و ایمان کے بیچ سے اپنے لئے ایک الگ راہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی قرآن کے جس حصہ کو اپنی خواہشوں کے مطابق پاتے ہیں اس کی پیروی کرتے ہیں اور جس حصہ کو اپنی خواہشوں کے مطابق نہیں پاتے اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہ ساری راہیں شیطان کی نکالی ہوئی ہیں اور ان میں سے جس راہ کو بھی آدمی اختیار کرے گا وہ اسکو سیدھے ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے جائے گی۔ کامیابی اور فلاح کا راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اپنے آپکو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی ہمت کرے اور اس کے لئے ہر قربانی پر آمادہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ تک اللہ تعالے کی طرف سے اس کے اس ارادہ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر آدمی اس آزمائش میں اپنے آپ کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس کے لئے سعادت کی راہیں کھلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو خلا اس کے لئے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اگر ایک ماحول سے وہ پھینکا جاتا ہے تو دوسرا ماحول اس کے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اگر ایک زمین اس کو پناہ دینے سے انکار کر دیتی ہے تو دوسری سرزمین اس کے لئے اپنی آغوش کھول دیتی ہے

اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (عنکبوت ٦٩)

"اور جو ہماری راہ میں جد و جہد کریں گے ہم ضرور ان پر اپنی راہیں کھولیں گے اور اللہ تعالی خوبی کے طالبوں کے ساتھ ہے"

تدبّر

قرآن سے استفادہ کے لئے چوتھی شرط تدبّر ہے۔ اس شرط کا ذکر خود قرآن مجید نے بار بار کیا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

(کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں)۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جو قرآن کے مخاطب اول تھے وہ قرآن مجید کو برابر تدبّر کے ساتھ پڑھتے تھے اور جو لوگ جتنا ہی تدبّر کرتے تھے وہ اتنا ہی قرآن مجید کے فہم میں ممتاز تھے۔ صحابہؓ نے قرآن مجید کے مطالعہ کے لئے اپنے حلقے بھی قائم کئے تھے جن میں اہل ذوق حضرات اکٹھے ہو کر قرآن کا اجتماعی مطالعہ کرتے تھے۔ اس طرح کے قرآنی حلقوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص دلچسپی تھی اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمرؓ اس قسم کے حلقوں سے اور قرآن کے ماہرین سے برابر نہایت گہری دلچسپی لیتے رہے محض تبرک کے طور پر الفاظ کی تلاوت کر لینا اور قرآن کے معانی کی طرف دھیان نہ کرنا صحابہؓ کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ تو اس وقت سے رائج ہوا ہے جب لوگوں نے قرآن مجید کو ایک صحیفۂ ہدایت و معرفت اور ایک خزانہ علم و حکمت سمجھنے کے بجائے محض حصول برکت کی ایک کتاب سمجھنا شروع کر دیا۔ جب زندگی کے مسائل سے قرآن کا تعلق صرف اس قدر رہ گیا کہ دم نزع اس کے ذریعہ سے جانکنی کی سختیوں کو آسان کیا جائے اور مرنے کے بعد اس کے ذریعہ سے میت کو ایصال ثواب کیا جائے۔ جب زندگی کے نشیب و فراز میں رہنمائی کرنے

بجائے اس کا مصرف صرف یہ رہ گیا کہ ہم جس ضلالت کا بھی ارتکاب یں اس کے ذریعہ سے اس کا افتتاح کریں تاکہ یہ برکت دے کر ضلالت کو ہدایت بنا دیا کرے۔ جب لوگوں نے اس کو تعویذ طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تاکہ جب وہ اپنے شیطانی مقاصد تکمیل کے لئے نکلیں تو قرآن ان کی حفاظت کرے کہ اس راہ میں ان کو کوئی گزند نہ پہونچ جائے۔

دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے قرآن سے زیادہ بات پر زور دیا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ صرف اسی شکل میں حاصل کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کو پورے غور و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں یہی کتاب ہے جو ہمیشہ آنکھ بند کر کے پڑھی جاتی ہے معمولی سے معمولی چیز بھی آدمی پڑھتا ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے وہ اپنے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کو سمجھ سکے لیکن قرآن کے ساتھ لوگوں کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ جب اس کو پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے دماغ پر پٹی باندھ لیتے ہیں کہ مبادا کہیں اس کے کسی لفظ کا مفہوم دماغ کو چھو جائے۔

تفویض الی اللہ

قرآن مجید سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس میں جو مشکلات پیش آئیں آدمی ان سے بددل اور مایوس ہونے یا ان کے سبب سے قرآن مجید سے بدگمان یا اس پر معترض ہونے کے بجائے اپنی الجھن کو خدا کے سامنے پیش کرے۔ اور اس سے مدد اور رہنمائی طلب کرے۔ قرآن میں آدمی کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے "قول ثقیل" کے نیچے دب گیا ہے جس کے بار گراں کو اٹھانا اس کے لئے ناممکن ہے۔ اسی طرح وہ کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی ایسی علمی مشکل آ گئی ہے جس کا حل ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کی عملی اور علمی مشکلوں اور الجھنوں سے نکلنے کا صحیح اور آزمودہ راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے برابر دعا اور قرآن مجید پر برابر غور کرتا رہے اگر قرآن مجید یاد ہو تو شب کی نماز دن میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھے انشاء اللہ اس کی ساری الجھنیں دور اور ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی اور ان مشکلوں کے حل ہونے سے اس پر علم و حکمت کے جو دروازے کھلیں گے وہ دروازے کسی اور طرح اس پر ہرگز نہ کھلتے۔ مندرجہ ذیل دعا بھی اس طرح کے حالات میں پڑھتے رہنا نہایت نافع ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ اِبْنُ عَبْدِكَ اِبْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ اَسْئَلُكَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ۔

"اے اللہ میں تیرا غلام، تیرے غلام کا بیٹا، اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیری مٹھی میں ہے۔ مجھ پر تیرا حکم جاری ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ حق ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے جو تیرا ہے، جس سے تو نے اپنے آپ کو پکارا ہے۔ یا جس کو تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا جس کو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و پریشانی کا علاج بنا دے"۔

★ قرآن محیطِ کائنات ہے دل ہے قرآن
نظر کی آخری منزل ہے قرآن ★

از سید محمد قطب :-

کیا اب اسلام کی ضرورت نہیں رہی

جدید سائنس کی حیرت انگیز کامیابیوں نے اہل مغرب کو کچھ اس طرح مسحور کیا ہے کہ ان میں اب یہ خیال عام ہے کہ سائنس نے مذہب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پسپا کر دیا ہے کیونکہ اس کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ معروف ماہرین نفسیات و عمرانیات میں سے تقریباً سبھی نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر مشہور یورپی ماہر نفسیات فرائڈ نے احیائے دین کی کوششوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا " انسانی زندگی تین واضح ادوار میں سے گذرتی ہے دور وحشت، دور مذہب اور دور سائنس اب سائنس کا دَور ہے۔ لہٰذا مذہب کی باتوں میں اب کوئی معنویت نہیں وہ فرسودہ ہو چکا اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے "

مذہب دشمنی کی اصل وجہ :

مذہب کے متعلق یورپی سائنسدانوں کے مخالفانہ طرز عمل کی اصل وجہ وہ کشمکش تھی جو یورپی کلیسا کے خلاف انھیں پیش آئی تھی۔ اس کشمکش میں اہل کلیسا نے جس کردار کا مظاہرہ کیا۔ اس کو دیکھ کر یہ لوگ بجا طور پر یہ سمجھنے لگے کہ مذہب رجعت پسندی، بربریت، تاریک خیالی اور بے معنی نکار و اعمال کا مجموعہ ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا قصہ تمام کر دیا جائے اور سائنس کو آگے بڑھایا جائے تاکہ اس کی رہنمائی میں انسانیت اور تہذیب کا ارتقا جاری رہ سکے۔

یورپ کے اندھے مقلد یہ تھی مذہب سے سائنس دانوں کی مخاصمت کی اصل وجہ۔ مگر مذہب کے بعض "مسلمان" مخالفین نہ اصل وجہ کو سمجھتے ہیں اور نہ مشرق و مغرب کے حالات کے فرق ہی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور مذہب کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ ان کی مخالفت کسی گہری سوچ بچار کا نتیجہ نہیں، بلکہ یورپ کی اندھی تقلید کی پیداوار ہے۔ ان کے نزدیک ترقی و کمال کی واحد راہ وہی ہے جس پر یورپ کی اقوام غالب گامزن ہیں۔ انھوں نے مذہب سے پیچھا چھڑا لیا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی مذہب کی پیروی ترک کر دینی چاہیئے ورنہ لوگ ہمیں رجعت پسند اور وحشی ہونے کا طعنہ دیں گے۔ بد قسمتی سے یہ حضرات بھول جاتے ہیں کہ یورپ کے علماء میں بھی مذہب دشمنی کے متعلق نہ پہلے کبھی مکمل اتفاق رائے موجود تھا۔ اور نہ اب موجود ہے۔ بلکہ بعض چوٹی کے علمائے یورپ جو الحادی تہذیب سے بیزار ہیں۔ اس حقیقت کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ مذہب انسان کی ناگزیر نفسیاتی اور عقلی ضرورت ہے ان علماء میں ممتاز ترین نام مشہور ماہر فلکیات جیمس جینس کا ہے جیمس نے زندگی کا آغاز ایک ملحد اور تشکیک زدہ نوجوان

کی حیثیت سے کیا۔ مگر یہی سائنسی تحقیقات کے بعد وہ بالآخر اس نتیجہ پر پہونچا کہ مذہب انسانی زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے کیونکہ خدا پر ایمان لائے بغیر سائنس کے بنیادی مسائل حل ہی نہیں کئے جا سکتے۔ مشہور ماہر عمرانیات جینس برج تو مذہب کی حمایت میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے مادیت اور روحانیت کے امتزاج سے عقیدہ وعمل کے ایک متوازن نظام کی تشکیل پر دل کھول کر اسلام کی تعریف کی انگلستان کے مشہور ادیب سمرسٹ ماہم نے مذہب کے بارے میں جدید یورپ کے منفی رویہ کو ان الفاظ میں بیان کیا "یورپ نے اپنے لئے ایک نیا خدا۔ سائنس۔ دریافت کرلیا ہے اور پرانے خدا سے منھ موڑ لیا ہے۔

یورپ کا نیا خدا:۔

مگر یورپ کا نیا خدا انتہائی متلون نکلا ہے یہ ہر لحظہ تغیر کی زد میں ہے اور اس کا موقف مستقلاً تبدیلی کا شکار۔ ایک چیز کو وہ آج حقیقت کہتا ہے اور کل کو اسے جھوٹ فریب اور باطل قرار دیتا ہے۔ تبدیلی کا یہ چکر یونہی چلتا رہتا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتا اور اس کے پجاری بھی دائمی اضطراب اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس طرح کے متلون اور ہر آن بدلتے خدا کے زیر سایہ وہ آخر کس چیز کی توقع کر سکتے ہیں۔ جدید مغربی دنیا پر آج بے چینی اور اضطراب کے بادل چھائے ہیں اور جس طرح وہ گوناگوں نفسیاتی اور اعصابی عوارض میں مبتلا ہے۔ وہ اسکے اصل روحانی مرض کی محض ظاہری علامات ہیں۔

سائنس کی نئی دنیا:۔

سائنس کو خدائی کے منصب پر بٹھا دینے کا ایک اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ دنیا جس میں ہم آپ رہ رہے ہیں، کسی واضح مقصدیت اور معنویت سے یکسر محروم رہ گئی ہے اس کا نہ تو کوئی اعلیٰ مفہوم ہے نہ نظام اور نہ کوئی اعلیٰ ہستی یا طاقت ہی یہاں ایسی موجود ہے جو دنیا کی رہنمائی کر سکے۔ یہاں پر متضاد قوتوں کے درمیان ایک دائمی کشمکش برپا ہے یہاں کی ہر شئے تغیر کی شکار ہے۔ اقتصادی اور سیاسی نظام ہوں یا حکومت اور افراد کے درمیان تعلقات یہاں کی ہر چیز بدل جاتی ہے حتیٰ کہ سائنسی حقائق بھی بدل جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس تاریک اور بھیانک دنیا میں انسان کو سوائے دائمی اضطراب اور پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ اس کی فضائیں کسی بالاتر ہستی کے تصور سے بھی ناآشنا ہوں کہ جب زندگی کے بے رحم کشاکش سے وہ گھبرائے تو اس کے دامن میں پناہ لے کر حوصلہ اور اطمینان پا سکے۔

امن کی واحد راہ:۔

مذہب اور صرف مذہب ہی دنیا کو کھوئے ہوئے امن و سلامتی سے ہمکنار کر سکتا ہے وہ انسان کے دل میں سچائی سے محبت پیدا کرکے اس کو بدی اور استبداد کے سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ اور اس کو بتاتا ہے کہ اگر وہ اپنے رب اور آقائے حقیقی کی خوشنودی کا طالب ہے تو اس کو برائی کے غلبے اور اقتدار کے بت کو پاش پاش کرکے زمین پر صرف اپنے رب کی حکومت قائم کرنی چاہیے اس راہ میں ہر طرح کی مشکلات اور مصائب کو صبر و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے اور صرف آخرت کے اجر پر نگاہ رکھنی چاہیے پھر کیا آج کی دنیا کو امن کی سلامتی اور اطمینان و سکون کی اور دوسرے لفظوں میں مذہب کی ضرورت نہیں۔

مذہب کے امتیاز:۔

مذہب کے بغیر زندگی میں کوئی معنویت سرے سے باقی ہی نہیں رہتی۔ مذہب کی بنیادی خصوصیت آخرت کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کے بعد کرۂ ارض پر انسان کی زندگی نئی وسعتوں کا دامن چھیڑنے لگتی ہے اور انسان کے سامنے

مکانات کے نئے نئے افق ابھرنے لگتے ہیں کہ وہ اگر نہ ہوں
ؤ انسان ہیچ میرزی کے اذیت ناک احساس کا شکار ہو جائے
حیات بعد موت کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو مجموعی
ر میں سے ایک معتد بہ حصہ حذف کر دیا جائے اور اُسے اپنی
ندھی بہری خواہشات اور توہمات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا
ائے۔ اُس کے بعد انسان اپنی خواہشات نفس کی آسودگی
ں گم ہو جاتا ہے اور اس کی کوششوں کا ہدف صرف
بات رہ جاتی ہے کہ جتنی مسرتیں وہ سمیٹ سکتا ہے سمیٹ
، اور کسی کو ان میں شریک نہ کرے یہیں سے رقابتیں اور
حشیانہ جنگیں جنم لیتی ہیں۔ کیونکہ خواہشات کے بندوں
ا اس دنیا میں ہر کوئی اپنے سامنے پھیلے ہوئے خوان یغما
بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنا چاہتا ہے اور زیادہ سے زیادہ
ئدے کم سے کم وقت میں خود سمیٹ لینا چاہتا ہے اس
، دل میں کسی بالاتر ہستی کا خوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس
یا کائنات کوئی خدا ہوتا ہے اور نہ کوئی نظام عدل و انتقام۔

م نگاہی اور دون ہمتی :۔

آخرت سے انکار کے باعث انسان جذبات اور
ادی کی پست سطح پر گر جاتا ہے۔ اس کا تخیل بلند پروازی
محروم اور اُس کے مقاصد اور طریقے دون ہمتی اور کم
ہی کی تفسیر بن جاتے ہیں انسانیت دائمی خانہ جنگی کا
مادّہ بن جاتی ہے اور پھر اس کو اتنی فرصت ہی نہیں
، کہ وہ اعلیٰ مقاصدِ حیات کے لئے تگ و دو کر سکے۔
نئی دنیا میں محبت اور ہمدردی کے لئے کوئی جگہ نہیں
تی۔ مادی لذات کی طلب اور خواہشات کی بالادستی
ان کو اس قابل ہی نہیں رہنے دیتی کہ وہ اعلیٰ اقدارِ
ت اور شریفانہ جذبات کی قدر کر سکے۔

دہ پرستی کا نتیجہ :۔

بلاشبہ مادہ پرست انسان کو کچھ مادی فائدے بھی
حاصل ہوتے ہیں۔ مگر مادّہ پرستی ایک ایسی لعنت ہے کہ
اس کی وجہ سے یہ ظاہری فائدے بھی ضائع ہو جاتے ہیں
انسان ان کی محبت میں اندھا ہو کر اپنے ہی ابنائے نوع سے
مستقل طور پر برسرپیکار رہتا ہے۔ حرص و ہوس، خواہشات
نفس اور نفرت کے تیز و تند جذبات پر اسے کوئی قابو نہیں
رہتا اور وہ کبھی ان کے غلبے سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ جو
قومیں مادّہ پرستی کی روش پر چل نکلتی ہیں ان پر ایک مستقل
آویزش اور خانہ جنگی کی حالت طاری رہتی ہے جس کے
نتیجہ میں زندگی کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور
سائنس اور اس کی ہیبت ناک ہتھیار نسلِ آدم کی خدمت
کے بجائے اس کی تباہی و بربادی میں صرف ہونے لگتے ہیں۔

علاج تنگیٔ داماں :۔

مادّہ پرستی انسان کی تنگ نظری کا شاخسانہ ہے
اس کی خرابیوں سے بچنے کے لئے انسانیت کے ذہنی افق
کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مقصد صرف مذہب ہی
کے ذریعے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ صرف وہی انسانیت
کو نئی وسعتوں اور نئی بلندیوں سے ہمکنار کر سکتا ہے۔
کیونکہ مذہب کی نگاہ میں زندگی صرف اسی دنیا تک
محدود نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی اس کا سلسلہ تا ابد
جاری و قائم رہتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کے دل میں اُمید
کے نئے چراغ روشن کرتا ہے۔ اسے بدی، جبر و استبداد،
اور ظلم کے خلاف پامردی سے نبرد آزمائی کا حوصلہ دیتا ہے
اور اُسے بتاتا ہے کہ سارے انسان اس کے بھائی ہیں۔ محبت
باہمی ہمدردی اور عالمگیر اخوت کی یہ تعلیم ہی انسانیت کو
امن و سکون اور حقیقی خوشحالی اور ترقی سے مالامال
کر سکتی ہے۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب
انسان کی ناگزیر ضرورت نہیں ہے یا انسان آج بھی اسی

طرح اُس کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ صدیوں پہلے تھا۔ کارزارِ حیات کے لئے مذہب جس طرح انسان کو تیار کرتا ہے اس طرح کوئی اور طاقت انسان کو تیار نہیں کرسکتی۔

روشنی کے مینار :۔

مذہب انسان کو اپنے لئے جینے کے بجائے دوسروں کے لئے جینا سکھاتا ہے۔ اُسے ایک اعلیٰ اور پاکیزہ نصب العین دیتا ہے اور اس نصب العین کے لئے مصائب وآلام کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا سکھاتا ہے۔ اگر انسان مذہب کے سمجھتے ہوئے اس ایمان وایقان سے محروم ہوجائے تو پھر وہ اپنی ذات کے سوا کسی اور طرف دیکھ ہی نہیں سکتا اس کی ساری زندگی خودغرضی اور خودپرستی کا مرقع بن جاتی ہے اور اس میں اور وحشی درندوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا تاریخ میں ایسے بے شمار انسان گذرے ہیں جو عمر بھر حق وصداقت کی خاطر سینہ سپر رہے اور اپنی جانِ عزیز تک اس کے لئے قربان کردی اُنھیں اپنی سعی وجہد اور قربانیوں کا ثمرہ اس دنیا میں نہ ملا۔ سوال یہ ہے کہ آخر کس چیز نے ان لوگوں کو ایک ایسی لڑائی مول لینے پر آمادہ کیا جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ انھیں کوئی مادی کامیابی حاصل نہ ہوئی بلکہ جو کچھ ان کے پاس تھا اُس لڑائی کے بعد وہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس کا جواب صرف ایک ہے اور وہ ہے ایمان۔ ان پاکیزہ نفوسِ انسانی کا وجود اسی ایمان کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے، اس کے برعکس حرص وہوس، بغض وکینہ۔ خودغرضی اور نفرت ایسے گھٹیا محرکات ہیں کہ زیرِ اثر انسان فوری طلب منفعت چاہتا ہے جس کے باعث انسان میں کبھی صحت مند کردار نہیں اُبھر سکتا اور نہ اُس میں کسی اعلیٰ نصب العین کی خاطر جہان کو تج کر صبر واستقامت سے ایک طویل عرصہ تک مسلسل جہاد کا جذبہ پروان چڑھ سکتا ہے۔

نفرت کے پجاری :۔

ہمیں معلوم ہے کہ بعض نام نہاد مصلحین محبت کے بجائے نفرت کے ذریعہ دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ نفرت اُن کا اوڑھنا بچھونا ہے اسی سے وہ قوت اور غذا حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی کے سہارے مصائب وآلام کے ہجوم میں جرأت اور استقلال سے اپنی "اصلاحی مہم" جاری رکھتے ہیں ان لوگوں کی نفرت کا ہدف نسلِ انسانی کا کوئی خاص گروہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بحیثیت مجموعی ساری بنی نوع انسان یا وہ مخصوص دورِ تاریخ اس کا نشانہ ہو جس میں یہ نفرت کے پجاری آنکھیں کھولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ممکن ہے کہ انسانیت سے بیزار "مصلحین" کا یہ گروہ بظاہر اپنے بعض مقاصد حاصل کرلے، نفرت کے جوش میں اس کے آتشیں مزاج اور بالطبع ظلم وستم کا خوگر ہونے کے باعث یہ لوگ اپنے مقصد کی خاطر ثابت قدمی بھی دکھا سکتے ہیں۔ اور ہر طرح کی محرومیاں بھی گوارا کرسکتے ہیں۔ مگر جس عقیدے کی اساس محبت کے بجائے نفرت پر ہو۔ اس سے انسانیت کو کبھی خیر اور فلاح حاصل نہیں ہوسکتی اس سے معاشرہ کی بعض رائج برائیوں اور موجودہ بے انصافیوں کا تو بلاشبہ کسی حد تک تدارک ہوجاتا ہے، مگر اس کا دامن انسانیت کے ان عوارض کے کسی ٹھوس علاج سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اصلاحی تدابیر جو معاشرے کی موجودہ خرابیوں کے علاج کے نام پر اختیار کی جاتی ہیں، انھیں گھٹانے اور اُن پر قابو پانے کے بجائے اُلٹا انھیں کئی گنا اور زیادہ بڑھا دیتی ہیں اور وہی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

عقیدۂ آخرت کا ایک اہم پہلو :۔

اس کے برعکس جس عقیدے میں فوری مادی منفعت مطلوب نہیں ہوتی نہ محض بغض وعداوت اس کی پیدائش کا محرک ہوتی ہے اور جو انسانوں میں محبت، اخوت اور ایثار حتیٰ کہ اپنے ابنائے نوع کی خاطر نقدِ جاں تک پیش کرنے

ے جذبات پیدا کرتا ہے، درحقیقت وہی عقیدہ انسانیت
د حقیقی اور پائیدار نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے اور مستقبل
ی خوشحالی اور ارتقاء کا سہارا بن سکتا ہے۔ اس عقیدے کا
جو ہر خدا پر ایمان اور اس کی محبت ہوتی ہے جو انفرادی زندگی
دیا کیزگی بخشتی اور افراد کو اپنے خالق کا قرب ادا کرتی ہے مگر
خرت پر ایمان کے بغیر خدا پر ایمان یا اُس سے محبت کوئی
منی نہیں رکھتی۔ آخرت کا خیال انسان کو ایک طرح کا احساس
فظ بخشتا ہے، اسے حیاتِ دوام کی نوید سناتا ہے اس کے
ہر انسان کو اس یقین کی ضمانت مل جاتی ہے کہ اپنی جسمانی
دت کے ساتھ وہ نیست و نابود نہیں ہو جائے گا نہ کارزارِ
یات میں اس کا جہادِ مسلسل بے ثمر رہے گا بلکہ اگر اس کو
س کا صلہ اس دنیا میں نہ ملا تو آنے والی زندگی میں تو
ر حال مل کے رہے گا۔ یہ ہیں وہ ثمرات جو مجرّد خدا اور
خرت پر ایمان کے درخت سے پیدا ہوتے ہیں مگر اسلام
رف انہی پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے علاوہ اور بھی
ت کچھ عطا کرتا ہے اس کی داستان باقی داستانوں سے
لف اور کہیں زیادہ حسین و دلکش ہے۔

سلام کے بارے میں ایک غلط فہمی:-

جو لوگ اسلام کو قصۂ ماضی سمجھتے ہیں اور موجودہ
نے میں اس کی افادیت اور ضرورت کے منکر ہیں، وہ دراصل
اسلام کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہیں اور نہ زندگی میں
کے اصل مشن سے واقف بچپن میں سامراج کے ایجنٹوں
رسی کتابوں میں انھیں جو کچھ سکھایا تھا وہ اب تک
آموختہ کو دہراتے چلے آرہے ہیں۔ ان کے خیال میں
ر کی آمد کا مقصد انسان کو بُت پرستی سے نجات دلانا
یک دوسرے کے دشمن عرب قبائل کو ملا کر ایک برادری
نا۔ انھیں شراب نوشی، قمار بازی۔ دختر کشی اور
ح کی بہت سی اخلاقی خرابیوں سے پاک کرنا تھا۔

چنانچہ اسلام نے عربوں کی خانہ جنگی کو ختم کر کے ان کی قوت ضائع ہونے سے بچا لیا۔ اور پھر اس قوت کو دنیا میں اپنے پیغام کی اشاعت کی خاطر استعمال کیا۔ مسلمانوں کو اس غرض کے لئے دوسری قوموں سے بہت سی لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں۔ جس کے نتیجہ میں دنیائے اسلام اپنی موجودہ سرحدوں اور حدبندیوں کے ساتھ عالمی نقشہ پر نمودار ہوئی۔ یہ ایک تاریخی مشن تھا، جو اب پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا ہے دنیا سے بُت پرستی کا خاتمہ ہو چکا ہے عرب قبائل بڑی بڑی قوموں کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اس لئے اب اسلام کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ جہاں تک قماربازی اور مے خواری کا تعلق ہے ان پر ترقی و تہذیب کے موجودہ دَور میں کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی۔ الغرض ان لوگوں کے نزدیک، اسلام ایک مخصوص دَور کیلئے نہایت موزوں نظام زندگی تھا۔ مگر دنیا اب اتنی آگے جا چکی ہے کہ اس کی رہنمائی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے رہنمائی اور روشنی کے لئے اب ہمیں اس کی جانب نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ جدید نظریات اور فلسفہ ہائے حیات سے یہ روشنی اور ہدایت مستعار لینی چاہیئے اسی میں ہماری نجات اور فلاح پوشیدہ ہے۔

مغرب کے یہ مشرقی شاگرد اس طرح اپنے استاد کے رٹے رٹائے جملے دہرا کر غیر شعوری طور پر اپنی کم نظری اور بے خبری کا پردہ فاش کرتے ہیں۔ یہ بیچارے نہ اسلام کو جانتے ہیں اور نہ زندگی میں اسکے حقیقی مقصد سے باخبر ہیں۔ اس لئے آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ اسلام کے مفہوم اور اس کی دعوت و پیغام پر گفتگو کی جائے۔

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر محمد ظہور الحق
لکچرر شعبہ عربی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہمارے اسلاف

مذہب اسلام کے اصولوں پر اندر اور باہر سے برابر حملے ہوتے رہے ہیں۔ اسلام کی ابدی صداقتوں کے قلب وجگر کو کبھی داخلی فتنوں کے نشتر سے چیرا گیا۔ کبھی قلم کے ہتھیار سے اسلام کے غیر فانی صداقتوں کو چیلنج کیا کیا گیا۔ منظم فوج کشی سے اس کے اتحاد کو پاش پاش کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا پھر بھی اسلام کے ضمیر نے ایسی ناپاک مساعی سے کبھی صلح نہ کی جن کے ذریعہ اسلام کو محض ایک تاریخی داستان بنانے کی مہم چلائی گئی ہو۔ اسلام پر ہونے والے ان حملوں کا منہ توڑ جواب ہمیشہ اس کے ایسے سرفروش پیرووں نے دیا جو بوریہ نشین تھے دنیاوی مناصب اور جاہ وجلال کی ہوس سے دور تھے استغنا کی صفت سے متصف تھے۔ امر با المعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ حکومت اور زمانے کے غلط رجحانات کا ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔ حکومت کے عمال، سلاطین، اور حاکم وقت کی غلطیوں پر بیباکی سے تنقید کرتے۔ ان کی عادات میں تملق، خوشامد، چاپلوسی کا نام ونشان نہ تھا۔ ان افراد نے استقامت، جرأت، مذہب اور علم کی بے غرض خدمت، تعیش سے دوری اور سادگی سے نظام اسلام کی روحانی، علمی اور اخلاقی برتری کا پڑے معاشرے پر گہرا نقش چھوڑ رکھا تھا۔ یہ لوگ صرف صاحب فن اور صاحب کمال ہی نہ تھے بلکہ صاحب دل اور صاحب حال بھی تھے۔ ایسے نیک بندوں کی ایمانی صداقت اخلاقی پاکیزگی اور برتری خلوص اور عملی مجاہدہ نے پوری دنیا کو ایثار، اخلاص، بے غرضی، اور ہمدردی کا بھولا ہوا فطری سبق یاد دلا دیا تھا۔ ان ہستیوں نے اسلام میں زندگی اور حرکت پیدا کی اور اسلام کے پیرووں میں نیا حوصلہ اور ولولہ پیدا کیا۔ ایسی مثالی شخصیتوں کے کارناموں سے اسلامی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ علماء کی صاف گوئی جرأت منصب حکومت سے دوری اور بیزاری کی کچھ مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

قاضی ایاس (وفات ۱۲۲ھ):۔

اسلام کے نامور قاضیوں میں ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے بصرہ کے عامل عدی ابن ارطاۃ نے انکو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ نامور قاضی، متبحر، فقیہہ، اور جید عالم کی حیثیت سے رجال کی کتابوں میں ان کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام بھی ایاس ہے صحابی ہیں علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں اور علامہ ابن الاثیر نے اسد الغابہ

میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ قاضی ایاس کی جودتِ طبع، رفعت فہم اور ذکاوت کا اموی اور عباسی دور کے ادبا اور شعرا نے برابر تذکرہ کیا ہے۔ ابوالحسن مدائنی نے "زکن ایاس" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان کے حالات اور واقعات درج ہیں۔ (ثمار القلوب، البیان والتبیین، مستطرف، العقد الفرید، زہر الآداب، بہجۃ المجالس وانس المجالس، محاضرات الادبار)۔

قاضی ایاس بوریہ نشین تھے۔ استغنار کی صفت سے متصف تھے۔ حرص و آز سے قطعاً دور، خوشامد و تملق کا تو نام ہی نہ جانتے تھے دنیاوی جاہ و جلال، اور عہدہ و منصب سے بہت گھبراتے تھے۔ ان کو قضا کا عہدہ جوڑ توڑ یا بلوسی، خوشامد و سفارش اور درباداری سے نہیں ملا بلکہ عامل، والی اور حاکم وقت کی طرف سے یہ عہدہ ان کی مرضی کے خلاف ان پر مسلط کیا گیا اور ان کی کسی بھی معذرت کو مملکت کے ذمہ داروں نے قبول نہ کیا۔ بصرہ کے عامل اور قاضی ایاس کے درمیان عہدۂ قضا سپرد کرنے کے موقع پر جو بات چیت ہوئی اس سے ہم اس زمانہ کے عالموں کا انداز فکر معلوم کر سکتے ہیں۔ اور یہ اچھی طرح جان سکتے ہیں، کہ قیامت اور حساب وکتاب، سزا و جزا پر ایمان اور اخروی مواخذے اور محاسبے کے اندیشے سے ایک آدمی کی زندگی میں کتنا اور کیسا سدھار آجاتا ہے اور گفتار و کردار میں وہ کیسی ذمہ داری کا ثبوت دیتا ہے۔ فرائض و ذمہ داریوں کا احساس کتنا بڑھ جاتا ہے۔

عہدۂ قضا پر کیسے پہونچے؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے بصرہ میں عدی بن ارطاۃ حاکم مقرر تھے خلیفہ نے ان کو ایک خط لکھا کہ قاسم بن ربیعہ حارثی اور ایاس بن ربیعہ مزنی کو اپنے پاس بلاؤ اور بات چیت کرو دونوں میں جو اچھی سوجھ بوجھ کا مالک ہو، قوتِ نافذہ رکھتا ہو، مسائل و احکام پر عبور حاصل ہو اسے بصرہ کے عہدہ قضا پر فائز کر دو۔ عدی بن ارطاۃ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں فوراً لگ گئے۔ دونوں کو اپنے پاس ایک ہی وقت پر بلایا اور خلیفہ کا مقصد دونوں پر صاف صاف ظاہر کر دیا۔ اس منصب جلیلہ کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے دونوں میں سے کوئی بھی تیار نہ ہوا اور معذرت کرتے ہوئے دونوں نے یہی کہا کہ اس عہدہ پر میرے دوست کو مقرر کیجئے وہ زیادہ موزوں اور اہل ہیں۔ اس طرح دونوں نے قاضی بننے سے انکار کر دیا۔ عدی بن ارطاۃ کے لئے یہ مسئلہ اب بہت پیچیدہ ہو گیا اور انتخاب کے لئے ترجیح کے اسباب کی تلاش میں لگ گئے۔ ایاس نے عدی بن ارطاۃ کی پریشانی دیکھ کر کہا بصرہ کے دو بزرگ اور جلیل القدر فقیہہ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت محمد بن سیرین سے آپ اس معاملہ میں رجوع کریں۔ اور یہ بزرگ جو مشورہ دیں اس پر عمل کریں۔ قاضی ایاس کا یہ پختہ خیال تھا کہ قاسم بن ربیعہ حارثیؒ ان دونوں بزرگوں کے پاس نسبتاً زیادہ آتے جاتے ہیں اور ان کی علمی مجلسوں میں برابر شریک رہتے ہیں اسلئے یہ دونوں بزرگ حاکم کو یہ مشورہ دیں گے کہ قاسم بن ربیعہ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا جائے۔ اس طرح میں اس عظیم دینی و دنیاوی ذمہ داریوں سے محفوظ ہو جاؤں گا۔ قاسم بن ربیعہ کو بھی یہ یقین تھا کہ یہ دونوں فقیہہ یہ مشورہ دیں گے کہ انھیں قاضی بنا دیا جائے اور ایاس بن ربیعہ کو چھوڑ دیا جائے اس کے ساتھ انھیں یہ بھی یقین تھا کہ دونوں بزرگوں کی رائے معلوم ہونے کے بعد مجھے اس منصب کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا حالت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے قاسم نے دونوں فقیہوں کے معاملے سپرد کرنے سے منع کیا اور شدید مخالفت کی اور کہا کہ میرے بارے میں آپ کسی سے دریافت نہ کریں خدا کے وحدہٗ لاشریک کی میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایاس سوجھ بوجھ، ذکاوت، جودتِ طبع اور مسائل و معاملات قضا کی

واقفیت میں مجھ سے کہیں آگے ہیں۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا ہوتے ہوئے آپ مجھے کیسے قاضی بنا سکتے ہیں اور اگر میں سچا ہوں تو میری بات تسلیم کیجئے اور اس پر عمل کیجئے۔ ایاس کو قضا کے عہدہ پر فائز کر دیجئے۔ قاسم بن ربیعہ کی اس تقریر سے عدی بن ارطاۃ کی کشمکش میں کسی حد تک کمی ہو گئی اور ان کا قلبی میلان کھل کر اس طرف ہو گیا کہ قاضی ایاس کو منصب قضا پر مقرر کر دیں۔ قاضی ایاس نے حاکم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان کے چہرہ کی کتاب میں وہ سب کچھ پڑھ لیا جس کا وہ اعلان کرنے والے تھے۔ منصب قضا پر زبردستی مقرر کئے جانے کے تصور سے وہ کانپ گئے۔ عدی بن ارطاۃ کے ذہن سے قاسم بن ربیعہ کی تقریر کا اثر زائل کرنے کی فکر میں لگ گئے معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یوں مخاطب ہوئے —
جنابِ عالی! آپ نے یہاں ایک عالم (ربیعہ بن قاسم) کو بلایا ہے اور اس کو جہنم کے کنارے لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ اُس نے غلط قسم کھا کر جہنم کی آگ سے خود کو بچا لیا ہے۔ اس کی وہ خدا سے معافی مانگ لے گا۔ قاضی ہونے کی صورت میں جن معاصی میں مبتلا ہونے کا اسے اندیشہ ہے اس سے بچ جائے گا۔

عدی بن ارطاۃ نے دونوں کی باتیں توجہ سے سنیں اور اچھی طرح غور کر کے قاضی ایاس سے کہا کہ آپکی تقریر سے میں نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ آپ قضا کے منصب کے مالہٗ وما علیہ کو اچھی طرح سمجھتے اور جانتے ہیں آپ ہی میرے نزدیک اس عہدۂ جلیلہ کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ یہ کہا اور ان کی ہر معذرت کو ٹھکراتے ہوئے قضا کی ذمہ داریاں ایاس کے اوپر لاد دیں۔

خلیل بن احمد نحوی (وفات ۱۷۵ھ)

علم نحو کے ممتاز عالم ہیں۔ عروض کے موجد ہیں۔ علوم عربیہ میں اپنے دور کے امام اور علماء بصرہ کے سرخیل ہیں۔ علمی سوالات کا ایسا دوٹوک جواب دیتے کہ شک شبہ کے تمام امکانات ختم ہو جاتے۔ دولتمندوں [کو] کبھی نہ منہ لگایا۔ چٹائی پر بیٹھ کر عرب و عجم کے علماء کو [درس] دیتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ فاقہ کی نوبت آئی۔ مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔ ان کے زمانے کے والی اور بڑے سرکاری افسروں نے ان کی مفلوک الحالی اور مالی کمزوری سے غلط فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش [کی] کچھ معاوضہ دے کر ان سے اپنے بچوں کو اپنے گھر بلا کر پڑھوانا چاہتے تھے مگر علم کی متاعِ گرانمایہ کو درہم و دینار کی حقیر قیمتوں سے بیچنا کبھی پسند نہ کیا۔ ایک بار سلیمان بن علی [نے] مقامِ اہواز سے ایک قاصد بھیج کر خلیل بن احمد کو اپنے لڑکے کے پڑھانے کے لئے اپنے گھر بلانا چاہا۔ قاصد گیا [تو] خستہ حالی دیکھ کر پہلے سے اسے بہت اُمید بندھی اور یقین [ہوا] کہ کام بن جائے گا اور وہ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ملاقات کے بعد قاصد نے اپنے سفر کا مقصد انھیں بتایا [وہ] اندر گئے اور سوکھی روٹی لاکر قاصد کے سامنے رکھی [اور] اُس سے یہ کہا " کل فمادمت اجدہ فلا حاجۃ لی الی سلیمان " بسم اللہ کرو جب تک یہاں [یہ] سوکھی روٹی مجھے ملتی رہے گی مجھے تمہارے سلیمان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر دونوں نے کھانا کھایا۔ قاصد بہت کبیدہ خاطر تھا، مایوسی، رنج، اپنی خواہش [کی] شکست، یہاں سے ناکام اور نامراد واپسی کے بعد سلیمان بن علی کے سامنے ہونے والی شرمندگی کے تصور سے گھبرا گیا۔ [وہ] سناٹے میں ہو گیا۔ کھانا ختم کرتے ہوئے خلیل بن احمد سے دریافت کیا کہ میرے آقا سلیمان بن علی کے پیغام [کا] آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ انھوں نے برجستہ یہ اشعار لکھوائے

اَبلغ سلیمان اِنّی عنہ فی سعۃٍ
وفی غنی غیر انی لست ذا مال

سخی بنفسی لانی لا اری احدا
یموت ھزلا ولا یبقی علی حال
الرزاق عن قدر لا العجز ینقصہ
ولا یزیدک فیہ حول محتال
الفقر فی النفس لا فی الحال تعرفہ
کذا یکون الغنیٰ فی النفس لا المال

سلیمان کو میری طرف سے یہ پیغام پہونچا دو کہ میرے پاس مال تو بیشک نہیں ہے مگر میں اس سے بے نیاز ہوں۔ میرا نفس بے نیاز ہے۔ میں کسی کو دبلا ہوکر مرتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں اور نہ یہی دیکھتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی ہمیشہ رہے۔ رزق کا مقدر کرنے والا خدا ہے۔ وسائل کی کمی اس کو کم نہیں کرتی اور نہ ہوشیار کی چالاکی اس میں اضافہ کرتی ہے۔ فقر کا تعلق نفس اور طبیعت سے ہوتا ہے مال سے نہیں۔ اسی طرح تمھیں معلوم ہے کہ مالداری کا تعلق نفس سے ہے مال کی کثرت سے نہیں۔

ابو سعید السیرفی (وفات ۳۶۸ھ)

علوم قرآنی کے زبردست عالم تھے۔ فرائض اور علم کمال میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شعر، عروض و قوافی میں حجت تھے ادب اور لغت کے امام تھے۔ نحو کے ممتاز عالم تھے۔ مشہور نحوی ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر سیبویہ کی الکتاب کی ایسی جامع اور مبسوط شرح لکھی کہ اس کی شرح نے دوسری تمام شرحوں سے بے نیاز کر دیا۔ ان کو معدوم النظیر فی علم النحو کہا جاتا تھا۔ تمام علوم میں کامل اور جامع ہونے کے باوجود ان کی طرز رہائش میں تکلف اور تعیش کا نام و نشان نہ تھا۔ مزاج میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تحفے، نذرانے۔ اور ہدیے سے بہت گھبراتے تھے۔ اپنی محنت کی کمائی سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ روزانہ دس ورق کی کتابت کرتے اور اس کی مزدوری سے گھر کے اخراجات کا انتظام کرتے پھر شاگردوں کے پڑھانے کے لئے درس میں جاتے۔ حاکموں اور والیوں کی انتظامی مجالس میں بھی برابر بلائے جاتے۔ وہاں بھی اسی شانِ استغناء سے جاتے۔ ان دونوں جگہوں سے اپنی محنت اور خدمت کا کوئی معاوضہ لینا پسند نہ کیا۔ پوری زندگی سادگی اور مفلوک الحالی میں گزار دی۔ انکے چاروں طرف نیازمندوں اور عقیدت کیشوں کے ساتھ علماء و مشائخ کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی۔

(الدراسات العربیہ ۱۹۶۴-۶۵ء)

امام زفر بن ہذیل (وفات ۱۵۸ھ)

زفر بن ہذیل امام اعظم کے اصحاب میں سے ہیں۔ جید عالم، نامور فقیہ ہیں۔ اصفہان وطن تھا حاکم وقت نے امام زفر کے سامنے عہدۂ قضا قبول کرنے کی پیش کش کی۔ آپ کے اوپر عوام کے غیر معمولی اعتماد اور آپکے بے پناہ علم اور وسیع فقہی تجربے اور بالغ نظری کی بنا پر اس نے یہ چاہا کہ محکمۂ قضا کی ذمہ داری امام زفر قبول کر لیں آپ نے یہ عذر کرتے ہوئے انکار کر دیا کہ امور قضاء میں خطا کا اندیشہ ہے اور گناہ کا خدشہ۔ یہاں درس حدیث و فقہ جاری ہے جس میں ثواب ہی ثواب ہے۔ میرے نزدیک قرآن و حدیث کے سربستہ علوم کی اشاعت محکمۂ قضاء سے کہیں بہتر ہے حاکم کو جب انکار کا علم ہوا تو بہت پریشان ہوا۔ سخت ناگواری کا اظہار کیا اور سختی کرنا چاہی مگر آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ حاکم نے کسی نہ کسی بہانے آپ کو بے گھر اور بے وطن کرنا چاہا یہاں تک کہ مکان میت کرا دیا۔ اور دوسری بہت سی اذیتیں پہونچائیں۔ مگر آپ نے برابر انکار ہی کیا۔ یہ عہدہ قبول کرنے پر آپ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ عباسی خلیفہ منصور کے زمانے میں آپکی وفات ہوئی۔

ابراہیم بن علیہ: - یہ غیر معمولی انتظامی صلاحیت

کے مالک تھے ۔ دوستوں اور ساتھیوں کو قابو میں رکھنے کی غیر معمولی اہلیت سے خدا نے ان کو نوازا تھا ۔ اتباعِ سُنّت زہد و تقا اور دیانت و امانت میں پورے علاقہ میں انکی شہرت تھی ۔ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے چاہا کہ وہ مصر میں خراج و جزیہ کے انتظام و انصرام کی ذمّہ داری قبول کرلیں ۔ ابراہیم نے خلیفہ کا ارادہ معلوم ہوتے ہوئے معذرت کردی اور یہ ذمّہ داری قبول کرنے سے انکار کردیا ۔ اور یہ کہلا بھجوایا کہ میں اس عہدہ جلیلہ کا اہل نہیں ہوں ۔ ہشام پر ان کے انکار کا ردِ عمل بہت خراب ہوا ۔ سخت ناراض ہوا ۔ اور غصّہ کے لہجہ میں یہ کہا کہ یا تو ذمّہ داری قبول کرو ورنہ سخت سزا کے لئے تیار رہو ۔ ابراہیم نے خلیفہ کے یہ جملے خاموشی سے سنے ۔ فوراً کچھ جواب دینا مناسب نہ سمجھا ۔ جب غصّہ فرو ہوا تو کہا ۔ خدا کا قرآنِ حکیم میں یہ ارشاد ہے :۔ انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰتِ والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا

جب پیش کش کئے انکار پر خدا ناراض نہ ہوا تو آپ مجھ سے کیوں ناراض ہوتے ہیں ان کے جواب کے بعد خلیفہ کی ہمت کچھ کہنے کی نہ ہوئی اور اس عہدہ پر کسی دوسرے کو مقرر کردیا ۔

سفیان ثوری :۔

اکابر علماء و اصفیاء میں سے تھے ۔ حق گوئی میں ممتاز تھے ۔ ان کا درجہ صوفیاء اسلام میں بہت بڑا ہے ۔ اپنے سلسلے کے شیخ ہیں ۔ اولیاء اللہ کے تذکروں میں آپکے تفصیلی حالات موجود ہیں ۔ ایک مجموعہ حدیث تیار کیا تھا ۔ امام مالک جس زمانے میں موطا لکھ رہے تھے اس زمانے میں مسند سفیان ثوری تیار ہو رہی تھی ۔ منصور خلیفہ جب حج کو گیا اور مقام [illegible] پہونچا تو حضرتِ سفیان ثوری کو اپنے پاس بلوایا یہ تشریف لے گئے اور کہا کہ اے منصور خدا سے ڈرتا رہ ۔ منصور نے کہا اے سفیان اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کرو سفیان نے فرمایا جن لوگوں کی تلواروں کی بدولت آج تو اس مرتبہ پر پہونچا ہے ان کی اولاد بھوک سے مر رہی ہے ۔ منصور نے کہا اپنے لئے کچھ مانگو ۔ فرمایا جب حضرت عمر نے حج کیا تھا تو دس درہم سے کچھ زیادہ خرچ ہوئے تھے تو اس قدر مال ساتھ لئے پھرتا ہے کہ سواریاں اس کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو رہی ہیں ۔ یہ کہا اور اپنی قیامگاہ کی طرف لوٹ گئے اور معمولات میں لگ گئے ۔

فضیل بن عیاض رح :۔

عباسی خلیفہ ہارون رشید حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر گیا ان کا دروازہ کھٹکھٹایا ۔ دریافت کیا کون ہے ۔ خلیفہ کے ساتھ اس کا وزیر فضل برمکی بھی تھا اس نے جواب دیا امیرالمومنین حاضر ہوئے ہیں کہا یہاں امیر کا کیا کام ہے ان سے کہدو واپس جائیں اور میرے مشاغل میں مخل نہوں وہ دونوں کھڑے رہے ۔ پھر کسی طرح اندر گھس آئے ۔ خلیفہ نے کہا کچھ نصیحت فرمادیں ۔ حضرت فضیل بولے جب حضرت عمر تخت پر بٹھائے گئے تو انھوں نے خود کو بہت سی مصیبتوں میں گھرا ہوا محسوس کیا ۔ یہ سن کر ہارون رشید متاثر ہوا اور کہا کہ کچھ اور بھی ارشاد فرمائیں ۔ حضرت فضیل نے فرمایا ۔ اللہ سے ڈرتا رہ ۔ اس کے حضور میں جواب کے لئے تیار رہ ۔ قیامت کے دن ایک ایک آدمی کا حساب تجھ سے لیا جائے گا ۔ یہاں تک کہ کوئی بڑھیا کسی رات بھوکی سوگئی ہے تو قیامت کے دن تیری دامنگیر ہوگی ۔ ہارون رشید نے یہ سنا ۔ بدن میں کپکپی پڑگئی ۔ آنسوؤں سے آنکھیں بھر آئیں ۔ اس کے وزیر فضیل بن یحییٰ برمکی نے کہا ۔ اے ابن عیاض اب بات ختم فرما دیجئے ۔ آپ نے تو امیرالمومنین کو مار ڈالا ۔ فضیل نے فوراً جواب دیا میں نے نہیں بلکہ تم نے اور تم جیسے دنیا داروں نے ہارون کو

ہلاکت کے قریب پہونچا دیا ہے۔ خلیفہ نے کہا آپ پر قرض ہو تو فرمائیے ادا کردوں۔ فرمایا خدا کا قرض یعنی مجھ سے اس کی عبادت کا حق جس طرح چاہیے نہیں ادا ہوتا۔ اور اس کی صحیح بندگی نہیں کرتا ہوں خلیفہ نے کہا حضرت کسی بندے کا قرض پوچھتا ہوں جواب دیا الحمد اللہ اس بارے میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ خلیفہ نے کہا یہ تھیلی حاضر ہے جسمیں ایک لاکھ ہے۔ میری والدہ کے ترکے سے یہ رقم مجھے ملی ہے۔ پاک اور طیب ہے۔ حضرت فضیل کو غصہ آگیا بگڑ کر کہا، افسوس میری نصیحتوں کا تم نے کوئی اثر نہ کیا اس کا تمھیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور میرے ساتھ یہ ظلم روا رکھا۔ یہ رقم اسے دو جسے ضرورت ہے اور تم اسے دے رہے ہو جسے الحمد اللہ ضرورت نہیں ہے۔

بکار بن اسد البصری

(وفات ۲۷۰ھ)

بکار بن قتیب بن اسد البصری فقہا اسلام میں عظیم رتبے کے مالک ہیں۔ حق گوئی میں ممتاز تھے۔ امانت، دیانت، انصاف اور صاف گفتاری میں مشہور تھے۔ حاکم مصر احمد بن طولون کی حکومت میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ تنخواہ کے علاوہ ہزار اشرفی سالانہ حاکم کی طرف سے بطور ہدیہ آپ کو ملا کرتی تھی۔ تنخواہ تو اپنے خرچ میں لاتے اور ہدیہ سربمہر بحفاظت رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک بار حاکم مصر نے تمام قاضیوں اور اعیان سلطنت کو جمع کیا اور کہا الموفق نے امیر المومنین المعتمد علی اللہ ابن المتوکل کو قید کر رکھا ہے اس لئے موفق کے لئے ولی عہدی سے معزولی کا فتویٰ لکھ دیجیے۔ قاضی بکار کے علاوہ تمام موجود مفتیوں نے اتفاق کر لیا۔ قاضی بکار نے حاکم مصر سے کہا موفق کی ولی عہدی کا فرمان معتمد کا لکھا ہوا آپ نے دکھایا تھا۔ اب آپ اسکی معزولی کا فرمان لکھوانا چاہتے ہیں تو جب تک معتمد کی طرف سے معزولی کا فرمان نہ آجائے میں اس طرح کا فتویٰ تمہارے کہنے کی وجہ سے نہیں دے سکتا۔ ابن طولون نے جواب دیا معتمد اس وقت قید میں ہے اور فرمان لکھنے سے معذور ہے۔ قاضی نے جواب دیا جب اظہار حق کے معاملہ میں وہ اسقدر بے بس ہے تو مجھے بھی معذور سمجھیے۔ ابن طولون قاضی بکار کے جواب پر بہت برہم ہوا اور برا بھلا کہا۔ پھر جیل میں بھیجنے کا حکم دیا اور پر ہیبت لہجے میں کہا اگر تم ایسے ہی ایماندار اور با اصول قاضی ہو تو تنخواہ کے علاوہ جو روپیہ تمھیں پہونچتا تھا وہ کیوں رکھتے تھے۔ آخر وہ کس کام کا عوض ہے۔ قاضی بکار نے اپنے غلام کو بلایا اور کہا کہ تم تھیلیاں سربمہر فلاں جگہ محفوظ ہیں انھیں لاکر فوراً حاکم طولون کے حوالہ کردو۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی اور تھیلیاں پیش کردیں۔ حاکم حیرت میں رہ گیا مگر آپ کی سزا اور جیل کا فیصلہ واپس نہ لیا۔ آپ بھی حق گوئی، ایمانداری اور دیانتداری پر اٹل رہے۔ جیل ہی میں آپ کا ۲۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

ابو قلابہ :۔

یہ علم و فضل میں ممتاز تھے۔ علوم اسلامیہ اور مسائل فقہیہ کی جزئیات پر غیر معمولی عبور رکھتے تھے نڈر اور جری تھے۔ عبد الرحمٰن بن آذینہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا سپرد کرنے کے لئے ان کو طلب کیا گیا۔ یہ ٹال گئے پیشکش کا ان کے روزانہ کے معمولات پر زبردست اثر پڑا صحت بھی خراب ہونے لگی۔ اوپر سے دباؤ اور اصرار کہ عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انھوں نے مقدمات کرنا ہی پسند نہ کیا۔ جب کوئی عذر سنا نہ گیا تو گھر چھوڑ دیا اور اپنی آبادی سے دور شام کے قریب چلے گئے۔ ایک مدت تک گمنامی کی حالت میں رہے۔ جب قرائن سے یہ یقین ہو گیا کہ یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا تو گھر واپس آئے۔ لوگوں نے زبردست استقبال کیا۔ بعض لوگوں نے آپ سے کہا اگر آپ عہدہ قبول کر لیتے اور عدالت کے تخت پر بیٹھ کر انصاف کرتے تو

کا جب کوئی برا تو اب ملتا اس کا انھوں نے یہ جواب دیا :۔
"اذا وقع السابح فی البحر فکم عسی ان یسبح حتی یغرق"
جب کوئی تیراک سمندر میں گر پڑتا ہے تو چار و ناچار اسے ڈوبنا ہی ہے۔ آخر کب تک وہ سمندر کے اندر رہ کر بچے گا۔

شیخ شلبی سعدی :۔

شیخ شلبی سعدی شام کے ایک مشہور عالم تھے ۔ دمشق کی ایک مسجد میں بڑی سادہ زندگی گذار رہے تھے ۔ شام کے امیر ابراہیم پاشا نے ان کی بزرگی اور شہرت کی بابت سنا تو ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے وہ تنہا ہی ایک دن ملاقات کے لئے چل پڑا مسجد میں پہونچا دیکھا کہ شیخ ایک معمولی چٹائی پر پاؤں پھیلائے بیٹھے ہیں اور شاگرد حلقہ بنائے ان سے رشد و ہدایت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ شیخ نے امیر کو دیکھا لیکن وہ بدستور بیٹھے رہے ۔ اور شاگردوں کو پوری شان استغنا سے تعلیم دیتے رہے ۔ ابراہیم دیر تک کھڑا ان کی تقریر سنتا رہا ۔ اثر قبول کیا پھر واپس چلا گیا ۔ کچھ ہی دیر کے بعد امیر کا ایک غلام دیناروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی لایا اور شیخ کی خدمت میں پیش کرنے لگا ۔ شیخ اسے دیکھ کر مسکرائے تھیلی ملازم کو واپس کر دی اور فرمایا :۔
"امیر سے میرا سلام کہنا اور کہدینا کہ جو شخص پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا ۔"

اعمش کوفی

(وفات ۱۴۸ھ)

یہ مشہور عالم ہیں ۔ تبع تابعین میں ممتاز مقام رکھتے ہیں ۔ یا عمش ایسے کہ ستر برس تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہوئی ۔ حضرت انس بن مالک اور ابو بکر ثقفی کو بچشم خود دیکھا ۔ جائداد و زمین کچھ نہ تھی ۔ دو وقت کی روٹی بھی قاعدے سے میسر نہ ہوتی ۔ امیر و والی سلطان سے نفرت کرتے ۔ عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ امراء و سلاطین کو کسی کی نظر میں اتنا حقیر میں نے نہیں پایا جتنا حضرت اعمش کی نظر میں ۔ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے ایک بار اپنا ایک معتمد حضرت اعمش کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ ان سے حضرت عثمان کے محاسن اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی برائیاں لکھوالائے ۔ قاصد نے خط حوالے کیا ۔ ایک بکری سامنے موجود تھی ۔ خط بکری کے منہ میں ڈال دیا ۔ تھوڑی دیر میں بکری وہ خط چبا گئی ۔ پھر قاصد سے کہا جاؤ اور اپنے آقا کو خط کے جواب سے باخبر کر دو یہی اس کے خط کا جواب ہے ۔ قاصد نے بڑی منت و سماجت سے کہا کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں خط کا تحریری جواب لاؤں ۔ اس لئے آپ ایک تحریر اپنے جواب کی دیدیں ۔ اس پر انھوں نے یہ لکھ کر دیا ۔
"اے امیر المومنین اگر حضرت عثمان میں سارے جہاں کی خوبیاں تھیں تو تجھے کچھ نفع نہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں اگر دنیا بھر کی برائیاں تھیں تو تیرا کوئی نقصان نہیں ۔ تو اپنے نفس کی طرف توجہ دے اور اپنی خبر لے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر؟"

خدا کے پاس بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

روضہ پہ ترے اللہ و غنی
شیر آئے پئے جاروب کشی
مقرب کو مجال نیش نہیں
یا شاہ ولایت شرف الدین

حضرت شاہ ولایتؒ قصبہ امروہہ ضلع مُرادآباد

آپ کا اصلی نام سید حسین ہے اور اہلبیت رسالت کے دسویں امام جناب ہادی علی نقیؒ کی اولاد ہیں یعنی نقوی سید ہیں۔ اسی لئے آپ کی اولاد بھی نقوی سید کہلاتی ہے۔ آپ قصبہ واسط موصل عراق میں شروع ۶۰۰ ہجری یعنی بارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں پیدا ہوئے۔ جہاں چند پشتوں سے آپ کا خاندان آباد تھا۔ مگر عراق اور خاص کر بغداد پہ پے در پے تاتاری حملوں نے اس ملک کا امن و امان درہم برہم کر دیا تھا لہٰذا آپ کے مورث سید علی ولد سید ہارون ولد سید جعفر (تواب) ولد جناب ہادی علی نقیؒ معہ اپنے بیٹوں سید حسن و سید حسین شہر صیدا لملک۔ شام کو منتقل ہوگئے مگر وہاں بھی ترکمانی حملوں کی وجہ سے اس خاندان کو سکون نہ مل سکا۔ سید علی کے پوتے سید ابوالفضل عرف ابوالفرح شہر صیدا سے پھر واسط واپس آگئے۔

آمد ہندوستان

آپ کے خاندان کو تبلیغ و ہدایت و اصلاح معاشرہ میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ اور جہاں بھی یہ خاندان منتقل ہوا اس نے اپنے بلند کردار و مذہبی شغف سے لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کی۔ اس جذبہ تبلیغ و ہدایت سے سرشار ہوکر جناب سید ابوالفضل کے پوتے میران سید علی بزرگ چھوٹے سے قافلے کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ اور ملتان میں جو اس وقت اولیائے کرام کا مرکز تھا۔ شیخ بہاءالدین ذکریا سہروردی اپنے پیر بھائی سے آملے۔ وہاں ان کے لائق بیٹے سید حسین نے اپنی ریاضت اور اپنی روحانی بلندی کی وجہ سے شرف الدین کا لقب پایا۔ اور علاقہ کٹھیر کے جس کی مذہبی و اخلاقی گراوٹ حد کو پہونچ چکی تھی، راز گنگ تا سنگ جو علاقہ اب روہیلکھنڈ کہلاتا ہے شاہ ولایت برائے اسلام مقرر ہوئے۔ پیر مرشد کے حکم کے مطابق آپ مع اپنے والد و چند افراد خاندان مروہہ کے قریب تین ۳ جون ۱۲۷۲ء کو تشریف لاکر اس مقام پر جو میران سرائے کہلاتا ہے مقیم ہوئے۔ یہ زمانہ دہلی میں غیاث الدین بلبن کی حکومت کا تھا۔ اور میران سید علی بزرگ شاہ ولایت صاحب کے والد اسکے دربار میں قاضی ہند بنائے گئے۔

شادی اور اولاد

حضرت حسین شرف الدین شاہ ولایت کی شادی انکے ماموں جلال اعظم سید حسین جلال الدین میر سرخ بخاری نقوی سہروردی کی لڑکی فاطمہ الطاہرہ عرف کنیز فاطمہ سے

ہوئی جس سے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہوئیں۔

(۱) سید میر علی۔ فیروز شاہ محمد تغلق کی حکومت میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہوئے۔ ان کا مزار شاہ ولایت صاحب کی پائنتی کو ہے۔

(۲) سید محمد ابدال دودا دھاری۔ آپنے اپنی تمام زندگی دودھ پر ہی گذار دی۔ آپ کا مزار احاطہ درگاہ میں اتر پچھم میں واقع ہے۔ آپکی کرامت یہ ہے کہ مزار سے آٹا مس کر کے دودھ کی قلت والے جانور یا عورت کو کھلانے سے دودھ بڑھ جاتا ہے۔

(۳) سید عبدالعزیز۔ روایت ہے کہ آپ دہلی میں ایک شاہی مکتب میں تعلیم پاتے تھے وہاں اس وقت کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کو آپ پسند آگئے۔ اور اس نے اپنی بیٹی زبیدہ بیگم کی شادی آپ سے کر دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال وہیں ہو گیا چنانچہ قبر دہلی میں ہے۔ آپ کی بیوی زبیدہ بیگم اپنے خسر شاہ ولایت صاحب کے پاس امروہہ تشریف لے آئیں جہاں آپ کا حمل آٹھویں مہینہ ساقط ہو گیا۔ اس کو شاہ ولایتؒ نے ایک مٹی کی کوری ہانڈی میں رکھ کر لٹکا دیا قدرت خداوندی سے پورا عرصہ گزرنے کے بعد یہ بچہ مکمل نمودار ہوا۔ دادا نے پوتہ کا نام سید راجع رکھا۔ ان کی اولاد آج تک ہانڈی والی کہلاتی ہے اور سادات امروہہ میں اکثریت میں ہے۔ ان کا مزار شاہ ولایت کی قبر کے پچھم دکھن میں کھرڑے کی دیوار کے نیچے ہے۔ ان کی والدہ زبیدہ بیگم کا مزار بھی شاہ ولایت صاحب کی زوجہ کنیز فاطمہ کے مزار سے پورب کی طرف ہے۔

(۴) آپ کی اکلوتی بیٹی بی بی بختوئی (البقیۃ الطاہرہ) کنواری ہی انتقال کر گئیں۔ ان کے مزار سے ایک بیل دار درخت مثل عورت کی گندھی ہوئی چوٹی کے پیدا ہوا۔ جو گرمی کے زمانے میں چھوٹے چھوٹے الائچی دانے گراتا ہے۔ لوگ ان کو بطور تبرک کھاتے ہیں۔ عورتیں اولاد ہونے کے چالیس دن منتیں بڑھاتی ہیں۔

حالات اولاد

حضرت شاہ ولایت کی اولاد میں مختلف حکومتوں میں بلند مقامات حاصل کئے۔ ان میں بڑے بڑے اہل قلم بھی پیدا ہوئے اور اہل سیف بھی۔ آپ کے بیٹے جناب سید میر علی محمد تغلق کی حکومت میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدہ پر فائز رہے اور انھیں کی نسل میں جناب سید محمد اکبر بادشاہ کے زمانے میں میر عدل (چیف جسٹس) ہوئے۔ اور بعد میں صوبہ سندھ و بلوچستان کے گورنر مقرر ہوئے وہاں پہونچ کر انھوں نے قلعہ سیبی کو فتح کیا۔ آپ کی اولاد اور بہت سے افراد بادشاہ علاءالدین خلجی اور مغلیہ سلطنت کے دوران اعلیٰ فوجی عہدوں پر فائز رہے جس کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں معافی بطور پنشن وانعام اور پورے امروہہ کی زمینداری ملی۔ ان میں دیوان سید مبارک۔ سید عبدالہادی کالے پہاڑ۔ سید ابوالقاسم۔ سید ابوالمعالی۔ سید عبدالوارث و دیوان سید محمود صاحبان قابل ذکر ہیں۔ آپ کی اولاد میں جذبۂ حریت ہمیشہ موجزن رہا ہے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علم بغاوت انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے اولاد شاہ ولایت نے ہی بلند کیا تھا۔ اور اسی درگاہ میں سب سے پہلی مجلس مشاورت منعقد کی۔ جس میں انگریزی حکومت سے مکمل آزادی حاصل کرنا ہے طے کیا گیا۔ اس تحریک آزادی میں حصہ لینے اور اس کی قیادت کرنے کی سزا میں شاہ ولایت کی اولاد کو بڑی مالی اور جانی قربانیاں دینی پڑیں۔ سید گلزار علی صاحب محلہ منڈی چوب جو اس تحریک کے بانی تھے۔ ان کا حشر کیا ہوا یہ معلوم نہیں۔ لیکن ان کے دو بھتیجوں کو انگریزوں نے پھانسی پر لٹکایا۔ سید شبیر علی خانصاحب محلہ دربار کلاں کو کالے پانی کی سزا ملی اور وہیں انتقال ہوا۔ غرض امروہہ

کے سید جنگ آزادی میں برابر شریک تھے۔

مزار شریف

حضرت حسین شرف الدین شاہ ولایت نقوی الواسطی سہروردی کچھ عرصہ امروہہ میں قیام کے بعد برسوں تک کالا ڈونگی پہاڑ (گڑھوال) پر چلہ کشی اور عبادت الٰہی کرتے رہے۔ ایک طویل مدت کے بعد پھر امروہہ تشریف لائے۔ اور جس جگہ آپ کا مزار ہے وہیں قیام کیا۔ آپ پیر پہاڑی کے لقب سے بھی مشہور رہیں۔ ابن بطوطہ سیاح نے بھی اپنے سفر نامہ میں حضرت شاہ ولایت کے مزار اور آپ کی اولاد کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ کا مزار امروہہ سے پچھم کو مراد آباد بجنور روڈ پر واقع ہے۔ اور اب ایک خوشنما دروازہ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ آپ کا وصال ۲۰ رجب ۷۱۱ھ ثم ربیع میں بعمر ۱۰۷ سال ہوا۔ یہ درگاہ دفتر سنی وقف بورڈ میں نمبر 308 مراد آباد بہ حیثیت وقف علی الخیر درج ہے۔

کرامات

شاہ ولایت صاحب ایک مشہور صوفی فقیر تھے جن کے کرامات وتصرفات امروہہ اور اس کے مضافات میں ہمیشہ سے لوگوں کی زبان پر آ رہے ہیں اور مشاہدہ میں آتے ہیں۔ جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) آپ کے مزار کے احاطہ میں بچھو اور سانپ جیسے موذی جانور کوئی نقصان نہیں پہونچاتے۔ بچھو کہیں سے بھی لایا جائے مزار پر ہاتھ میں پکڑنے سے اپنا ڈنک سکیڑ لیتا ہے۔ یہ ہر وقت کا مشاہدہ ہے۔

(۲) جس کھیت میں چوہا نقصان کرنے لگتا ہے وہاں یہاں کی اینٹ لے جاکر رکھ دیئے چوہا نقصان نہیں کرتا۔

(۳) مزار کی جھاڑو کی سینک جسم پر مل لینے سے مسّے جیسی بیماری دور ہوجاتی ہے۔ صحت یاب ہونے پر کثرت سے لوگ جھاڑو میں چڑھاتے ہیں۔

(۴) آسیب زدہ بیمار شفا پاتے ہیں۔

چنانچہ آپ کے مزار پر روز ہی اور بالخصوص جمعرات کو کثیر تعداد میں زیارت کو لوگ بلا امتیاز مذہب وملت۔ مسلمان۔ ہندو۔ سکھ۔ عیسائی عقیدتمندی سے نذر ونیاز کرنے آتے ہیں، مرادیں پاتے ہیں اور چادریں چڑھاتے ہیں۔

عرس شریف

آپ کا عرس شریف ہر سال ۱۸ لغایتہ ۲۱ رجب۔ بڑی شان وشوکت سے ہوتا ہے جس میں قرآن خوانی کو خاص اہمیت ہے۔ معتقدین بلا امتیاز قومیت وملت دور دراز سے آکر شرکت کرتے ہیں۔ عرس کا ایک دن بڑھو تلے کے کالستھ صاحبان سے مخصوص ہے۔

تبرکات

آپ کے تبرکات میں پتھر کی ایک انگوٹھی۔ ہاتھ کا ایک کڑا۔ ایک عصا، محلہ دربار کلاں میں سید مبارک صاحب مرحوم کے مکان میں محفوظ ہیں اور عیدین کے موقع پر ان کی زیارت ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں

ثمرات القدس۔ اسراریہ۔ آئین اکبری۔ طبقات اکبری۔ تزک جہانگیری۔ مقاصد العارفین۔ رسالہ سراج الدین۔ تاریخ اصغری۔ تاریخ واسطیہ۔ تاریخ امروہہ۔ تاریخ سادات امروہہ۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر مراد آباد ۱۸۸۳ء۔ ۱۹۱۱ء۔ ۱۹۶۶ء۔

درگاہ شاہ ولایت کی موجودہ تعمیر وترقی

آخر اپریل ۱۹۷۵ء میں جناب زمیندر کمار سبروال صاحب I.A.S کلکٹر مراد آباد اپنی عقیدت پیش کرنے درگاہ شریف لائے۔ حاضرین بالخصوص جناب ستیش چندر گپتا تحصیلدار امروہہ کو درگاہ کی تعمیر وترقی کی طرف متوجہ کیا۔ تحصیلدار صاحب خود ہی نہایت خوش عقیدہ اور

پبلک کاموں میں دلچسپی رکھنے والے پُرجوش انسان ہیں۔
بالسندیو تالاب پر ایک خوبصورت تلسی اسمارک کی تعمیر کرانے کے بعد ان کا دل خود ہی درگاہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ کلکٹر صاحب کی ہمت افزائی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور وہ پورے جوش وخروش کے ساتھ انتھک کوشش میں لگ گئے۔ چنانچہ ۴ر مئی ۱۹۷۵ء کو اہل امروہہ کا ایک نمائندہ جلسہ ان کی صدارت میں طلب کیا گیا۔ جس میں تعمیر وترقی کمیٹی کی تشکیل ہوئی اور حسب ذیل قرار دادیں باتفاق آراء پاس ہوئیں۔

(۱) بجنور روڈ سے متصل ایک شایانِ شان دروازہ تعمیر کیا جائے۔ تاکہ درگاہ کا پتہ آسانی سے چل سکے۔ اسکے بعد درگاہ اور اسکے گرد ونواح کو اس طرح خوبصورت بنایا جائے جس سے آنے والوں کو سہولت ہو اور عرس کے زمانے میں انتظام میں آسانی پیدا ہو۔

(۲) جانوروں کی روک تھام کے لئے کوئی صورت احاطہ کو محصور کرنے کی کیجائے تاکہ چراگاہ کی طرح استعمال نہ ہو سکے۔

(۳) چبوتروں کی اونچی نیچی سطح کو مسطح کرنے کی کوشش کی جائے اور خوبصورت سایہ دار درخت نصب کئے جائیں۔

(۴) اس کے لئے ایک ماسٹر پلان کا خاکہ تیار کیا جائے اور پبلک سے چندہ کی اپیل کی جائے اور جیسے جیسے ملتا جائے کام آگے بڑھاتے رہا جائے۔ یہانتک کہ یہ مقام ایک خوبصورت ٹورسٹ سینٹر ہو جائے۔

پس ۲۰ر مئی ۱۹۷۵ء کو پبلک کی ایک کثیر تعداد کی موجودگی میں گیٹ کا سنگ بنیاد تحصیلدار صاحب موصوف نے رکھا اور کام شروع ہو گیا۔ ڈیزائن کرنا۔ کام کرانا اور حساب کتاب ڈاکٹر انعام حسین نقوی انجینیر محلہ کٹکوئی جو کمیٹی کے کنوینر ہیں، کے ذمہ ہوا۔ گیٹ کی تعمیر سے اگلا قدم سڑک کو جو بہت تنگ تھی چوڑا کرنے کا تھا۔ اس میں جناب محفوظ حسنین صاحب محلہ گذری متولی درگاہ جناب مسیب حسین صاحب محلہ کٹکوئی اور جناب ارمان مہدی صاحب محلہ حقانی نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

گیٹ سے ملحق ایک چھوٹا سا پارک اور سڑک کے دونوں طرف تقریباً سو بنچیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ گولڈ مہر، یوکلپٹس۔ مور پنکھی کے درخت نصب کئے گئے ہیں۔

گیٹ کا افتتاح ۱۱ر ستمبر ۱۹۷۵ء کو جناب نریندر کمار سبروال صاحب آئی اے ایس کلکٹر مرادآباد نے فرمایا جس میں اہل امروہہ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ فنکشن کا انتظام جناب سید زائر حسین صاحب مالک محبوب بیڑی کمپنی امروہہ نے بڑی فراخدلی اور خوبصورتی سے کیا۔ ہر مکتب خیال کے لوگوں کی تقریریں ہوئیں۔ بالخصوص جناب کلکٹر صاحب موصوف صدر جلسہ کی جسمیں اہل امروہہ کی مذہبی رواداری۔ یکجہتی اور بھائی چارہ کو سراہا گیا اور تحصیلدار صاحب کے کارہائے نمایاں کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ قومی یکجہتی (نیشنل اینٹی گریشن) کی یہ انوکھی اور قابل قدر مثال ہے۔

عوام الناس کے علاوہ ہندوستان کی مقتدر ہستیاں درگاہ عالیہ پر حاضر ہوتی رہتی ہیں۔ انیں سے چند کے ریمارکس کی نقلیں پیش کی جا رہی ہیں:۔

(۱) ریمارک عالیجناب مولنا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی۔

مورخہ ۱۹ر فروری ۱۹۳۴ء

"مجھے آج حضرت العلامہ مولنا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ حضرت سید شرف الدین حسن المعروف شاہ ولایت قدس سرہٗ کے مزار پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ مزار کے خدام ومجاورین نے ایک سیاہ بچھو جو نہایت زہریلا تھا ہم لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اس وقت بستی کے اور بھی

معتقد حضرات ہمارے ساتھ تھے۔ ہم نے اس سیاہ اور زہریلے بچھو کا ہر طریقے سے امتحان کیا اور اس امر کی کوشش کی کہ بچھو پریشان ہو کر ہم کو گزند پہونچائے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بچھو نے باوجود ستائے جانے اور پریشان ہونے کے ہم کو تکلیف نہیں پہونچائی اور اپنے ڈنک کو اس طرح موڑ کر سکیڑ لیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قصداً ہم کو اپنے ڈنک سے بچانا چاہتا ہے۔ میں نے خود بھی اس بچھو کو اپنے ہاتھ میں لیا اور میرے بعض ہمراہیوں نے اس کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود بند ہونے کے بھی کوئی گزند نہیں پہونچایا۔"

۲۔ ریمارک محترمہ محسنہ قدوائی صاحبہ وزیر یو۔پی گورنمنٹ۔ مورخہ ۲۳ رمئی ۱۹۷۵ء

"سید حسین شرف الدین شاہ ولایت صاحب کے مزار پر آتے اور فاتحہ پڑھنے کا موقع ملا۔ ایسے بزرگ ولی اللہ کے مزار پر آنا میری خوش قسمتی ہے۔ اس مزار شریف کے ذریعہ اللہ تعالےٰ لوگوں کی مرادیں پوری کرے سب سے بڑی کرامت اس درگاہ کی یہ ہے کہ بچھو مزار شریف کے حدود میں کاٹتا نہیں۔"

۳۔ ریمارک شری ویریندر ورما منسٹر آف اسٹیٹ یو۔پی۔ مورخہ ۱۱ رستمبر ۱۹۷۵ء

"میں آج اس درگاہ شاہ ولایت پر دوسری بار آیا ہوں۔ یہاں آ کر اتنا سکون ملتا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سب ہی مذہبوں کے لوگوں کا اس درگاہ پر عقیدہ ہے۔ سب ہی اسے مانتے ہیں۔ اس درگاہ کی طرف ادھک سندر بنانے کا ایک مبارک قدم یہاں اٹھایا گیا ہے۔ یہاں آگے چل کر بہت عمدہ جگہ ہو جائے گی۔ میں نے یہاں کے بچھو کو بھی ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ وہ بالکل نردوشی کی طرح برتاؤ کرتا ہے۔

۴۔ ترجمہ ریمارک ڈاکٹر جے، ڈی شکلا آئی سی ایس۔ ریٹائرڈ چیرمین بورڈ آف ریونیو مورخہ ۱۲ رنومبر ۱۹۷۵ء

"میں نے آج اس درگاہ کی زیارت کی اور یہاں کی روحانی فضا سے بہت مسرور ہوا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہاں کے ہندو اور مسلمانوں نے مل کر اس مشہور درگاہ پر ایک خوبصورت سنگ مرمر کا دروازہ نصب کیا خصوصیت سے سری ستیش چندر گپتا موجودہ تحصیلدار امروہہ اس کے لئے قابل مبارکباد ہیں۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ اس جگہ اور اس کے راستہ کو درختوں اور بیلوں سے مزین کرنے کے لئے کسی ماہر فن باغبانی سے مشورہ کیا جائے۔ میں قوالی سن کر بہت محظوظ ہوا اور زائرین کی عقیدتمندی سے متاثر ہوا۔ میں نے ایک بڑا بچھو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ مگر اس نے ڈنک نہیں مارا۔ میں درگاہ کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔"

۵۔ ترجمہ ریمارک مسٹر مالکم ہیلی گورنر یو۔پی مورخہ ۵ ردسمبر ۱۹۳۲ء

"میں آج مقبرہ پر گیا۔ اور خادمان درگاہ نے کچھ بچھو پیش کئے تاکہ ہم اس روایت کی صداقت کا امتحان کریں کہ وہ مقبرہ میں آنے کے بعد ڈنک نہیں مارتے۔ میں نے ان کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ انھوں نے ڈنک نہیں مارا"

۶۔ ترجمہ ریمارک سید محمود منسٹر امور خارجہ حکومت ہند۔ مورخہ ۲۹ رجنوری ۱۹۵۶ء

"میں درگاہ حضرت شاہ شرف الدین پر حاضر ہوا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۷ پر)

محمد سمیع صدیقی
ایم اے۔ انگلش۔ فارسی۔ اردو ریٹائرڈ پرنسپل

دینی تعلیم کی ضرورت؟

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

آج یہ مسئلہ کہ دین کی تعلیم ملتِ اسلامیہ کے کم عمر بچوں میں، نوخیز لڑکیوں میں اور نوجوانوں میں کس طرح قائم رہے بڑا سوالیہ نشان بن کر ہمارے سامنے ابھرتا ہے دشواریاں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے سامنے ہیں حکومت سیکولرزم پر عامل ہے۔ نظام تعلیم اسی کے ساتھ میں ہے۔ اسی کے نظریہ سے نصاب تعلیم رائج ہے۔ درسی کتابیں سراسر سیکولرازم کو پیش نظر رکھ کر تیار کی جاتی ہیں مقصد بھی جھلملاتا نظر آتا ہے اس کی تعبیریں مختلف کی جاتی ہیں۔ جو نوجوان تعلیمی گہوارہ سے نکلتے ہیں اخلاق سے عاری ہوتے ہیں، ایسا نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے [illegible] سے جھلک جاتا ہے۔ اقبالؒ کے لفظوں میں اس کا اظہار یوں کیا جاسکتا ہے ؎

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی یہ بیتابی
حیاتِ تازہ کی اب یہ لذتیں ہیں رقابت۔ خودفروشی
ناشکیبائی [illegible] ہوسناکی۔ [illegible] سلسلے ہے کہ [illegible]

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

لفظ سیاست وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے جسمیں نظام تعلیم بھی شامل ہے۔ سیاست۔ حکومت۔ معاشرت معیشت یعنی زندگی کے گوناگوں شعبے اگر خدا کے تصور سے اور روحانی اقدار سے خالی ہوں تو انسانیت شترِ بے مہار کی طرح بھٹکتی رہتی ہے۔ حوادثات زمانہ کی شکار رہتی ہے۔ اس مادی دنیا میں الجھ کر اشرف المخلوقات کے منصب اعلیٰ سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ کشتی رواں ہے مگر ساحل آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ بھی انھیں کیفیات سے دوچار ہے

اس دور میں جو تعلیمی نظریے چھائے ہوئے ہیں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ ہم اسلامی نظریہ کا موازنہ کر سکیں اور دین کی تعلیم کا احساس پیدا ہو۔ ایک نظریہ اشتراکی ہے اور دوسرا جمہوری۔ اول کا روس علمبردار ہے اور دوسرے کا امریکہ

ملتِ اسلامیہ ان دونوں کے درمیان ایک گومگو کے عالم میں ہے۔ حالانکہ ؎

نہ ابھرا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو

اس عزم سے بے بہرہ ہے صرف تاریخی شواہد ہمارے

آنکھوں کے سامنے منظر پیش کرتی ہے یعنی نیستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے۔ ماضی اور حال میں کوئی نسبت نہیں۔ ذرا طائرانہ نظر مختلف نظریۂ تعلیم پر ڈالی جائے۔

اشتراکی نظریہ

اشتراکی نظام صرف مادیت پر مبنی ہے خدا و مذہب سے بیگانہ ہے افراد کی انفرادیت کو کچل دیتا ہے۔ فطری رجحانات کو پس پشت ڈالدیا ہے۔ اسٹیٹ ہی مالک کل ہے۔ نظام تعلیم دیکھا جائے تو طلبہ کی فطری صلاحیتوں اور انفرادی خصوصیات کو اجتماعی مادی مفاد پر قربان کر دیا ہے یعنی طلبہ مادہ پرست۔ مذہب دشمن اور خدا کا باغی بنتا ہے۔ ضمیر کو مردہ بنا دیتا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ انسان کا مسئلہ حل ہو گیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی زندگی صرف کھانے پینے کی زندگی نہیں ہے۔ اس نظام کی خصوصیات یہ ہیں۔ تعلیم عام اور لازمی ہوتی ہے جو اشتراکیت کی تائید کرے۔ یہ سارا نظام اسٹیٹ کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔ کوئی پرائیوٹ ادارہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ مصارف اسٹیٹ خود برداشت کرتی ہے۔ یعنی کھانا۔ کپڑا۔ تعلیمی سامان مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ بچوں کے لئے اوائل عمری سے تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ مدارس وسیع پیمانہ پر چلائے جاتے ہیں۔ اور خاص انداز کی ٹرینینگ دی جاتی ہے۔ بلا لحاظ مذہب۔ ملت۔ رنگ۔ نسل۔ جنس و طبقہ ایک ہی تعلیم دی جاتی ہے۔ ذہنی جسمانی کام کرنے والوں میں بھی کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔ مذہب۔ اخلاق۔ روحانیت یا زندگی کے مستقل قدروں کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ مادہ پرستی اور دہریت کی بنیاد پر سماج کی تشکیل کی جاتی ہے۔ مدرسہ کے تمام مضامین میں مادی نقطہ نظر حاوی رہتا ہے جس سے ملک کی پیداوار اور قومی دولت میں اضافہ ہو۔ طلبہ صنعتی اداروں میں۔ فارموں میں، کارخانوں میں عملی تعلیم حاصل کرتے ہیں چونکہ سارے ادارے مملکت کے ہاتھوں میں ہیں اسلئے مدارس کو امداد فارموں، کارخانوں، وغیرہ سے بہم پہونچائی جاتی ہے۔ مملکت اپنے منصوبہ کے مطابق جسقدر ضرورت ہوتی ہے اسی صلاحیت اور لیاقت کے کارکن تیار کراتی ہے تاکہ مملکت کی ضرورت اور افراد کی صلاحیت میں توازن رہے نصاب تعلیم۔ درسی کتب، اور طریقہ تعلیم سب اسٹیٹ کے تجویز کردہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔ مضامین کے انتخاب میں اساتذہ کو طریقہ تعلیم میں، کوئی آزادی نہیں دی جاتی نتیجہ یہ ہے کہ پورا نظام جامد اور بے لچک ہوتا ہے۔ اسکی خوبیوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ افراد میں اجتماعی اسپرٹ پیدا کی جاتی ہے طلبہ جسمانی محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کو عار نہیں سمجھتے طلبہ نظری علم کو عمل میں تبدیل کرتے ہیں یعنی عملی انسان بنتے ہیں۔ معاشی اور معاشرتی مساوات کی وجہ سے اونچ نیچ۔ غریب اور امیر میں فرق نہیں رکھتے۔ مفت تعلیم کے سبب ہر فرد تعلیم یافتہ ہو جاتا ہے۔ افراد میں ایک قسم کے وحدت فکر کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ فکری انتشار کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اسٹیٹ کے کنٹرول کی وجہ سے گھر۔ مدرسہ۔ سماج میں تعاون اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ جس سے بچوں کی تعلیم میں سہولت ہو جاتی ہے۔ چونکہ اسٹیٹ ضرورت کے لحاظ سے تعلیم دلاتی ہے بیکاری کا مسئلہ نہیں اٹھتا۔ اگر خامیوں کو دیکھا جائے تو خامیاں خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔ یعنی خدا سے بغاوت۔ مذہب دشمنی۔ اخلاقی قدروں کی پامالی سے انسان نہیں بنتے صرف حیوانیت کی پرورش ہوتی ہے۔ انفرادیت ختم ہو جاتی ہے طلبہ کو اپنی خواہش اور ضمیر سے جنگ کرنی پڑتی ہے۔ ٹھوس سیرت اور کردار کے مالک نہیں ہوتے۔ مادہ پرستی

آتی ہے۔ افادی نقطۂ نظر غالب ہوتا ہے۔ خود غرضی عام ہوتی ہے۔ اساتذہ و طلبہ سب اسٹیٹ کی نظر سے چلتے ہیں طلبہ کی ناقص شخصیت چلتی ہے۔ دوسرے پہلو نظر انداز کردیے جاتے ہیں۔ مملکت کے چند افراد تمام افراد کو ذہنی جمود کا شکار بنا دیتے ہیں۔ افراد دنیا کے سکون اور آخرت کی فلاح سے محروم ہوجاتے ہیں۔

جمہوری نظریہ

آمریت اور ملوکیت کے برعکس جمہوریت میں باشندگان ملک اعلیٰ اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔ قوانین اور حکومت انھیں کی مرضی سے قائم ہوتی ہے۔ عوام کے منتخب نمایندے حکومت چلاتے ہیں۔ انتخابات ہوتے ہیں۔ بالغ رائے دہندگی ہوتی ہے اکثریت رائے سے لوگ منتخب ہوتے ہیں۔ سب کے اوٹ برابر ہوتے ہیں۔ کثرت رائے سے حکومت بدلی جا سکتی ہے۔

اگر اس نظریہ یا نظام پر نظر ڈالیں تو یہ خصوصیات ملتی ہیں۔ افراد کی آزادی پر یقین۔ تحریر و تقریر مسلک رائے و ضمیر کی آزادی۔ تعلیم و تبلیغ آزادانہ ہوسکتی ہے صرف خیال یہ رہے کہ ملک یا شہریوں کو نقصان نہ پہونچے دوسروں کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے۔ مساوات پر یقین ہو یعنی تمام شہری برابر ہیں۔ آگے بڑھنے کے مساوی مواقع حاصل ہوں صلاحیتوں کے لحاظ سے منصب پر قابض ہوں اجتماعیت اور باہمی وجود پر یقین ہو۔ سب مل کر کام کریں شخصیت اور انفرادیت کا لحاظ رکھا جائے۔ تبدیلی میں یقین ہو کیونکہ یہ فطری ہے اور ترقی کی علامت ہے۔ نئے حالات نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مملکت کی پالیسی میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ نظام میں تبدیلی آتی ہے۔ یہ عام مرضی سے ہو نہ کہ اوپر سے ٹھوسی جائے۔ جمہوری نظام میں کامیابی یا ناکامی شہریوں کے صلاحیت پر مبنی ہے۔ اسلئے جمہوریت کے علمبرداروں کے نزدیک تعلیم کا مقصد مملکت کا اچھا شہری بنانا ہوتا ہے۔ وطن پرستی۔ قومی عصبیت کا نشہ تیز کردیا جاتا ہے۔ اخلاقی اقدار کو مملکت کی بقا کے لئے قربان کردیا جاتا ہے۔

نظام تعلیم میں بھی خاص خصوصیتیں پائی جاتی ہیں ابتدائی تعلیم عمومی اور لازمی ہوتی ہے۔ کوشش ہوتی ہے کہ تمام شہری بنیادی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوں۔ مفت تعلیم دینے کی کوشش ہوتی ہے۔ بلا لحاظ مذہب۔ ملت۔ نسل۔ فرقہ ہر طبقہ کو تعلیم کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ طلبہ کی انفرادی صلاحیت پر نظر رکھی جاتی ہے تاکہ وہ آگے بڑھے۔ فرد اور سماج کو یکساں اہم سمجھا جاتا ہے۔ معلم اور متعلم دونوں کی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے معلم شفیق رہنما ہوتا ہے۔ معلم کو طریق تعلیم اور انتظام میں زیادہ آزادی دی جاتی ہے۔ مادی نقطۂ نظر زیادہ اہم نہیں ہوتا۔ مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ مملکت مذہبی۔ لسانی۔ تہذیبی یا طبقاتی گروہوں میں مشترک دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ ایک قوم اور ایک کلچر لانے کی فکر ہوتی ہے۔ تعلیم کے نظام میں مرکز کم سے کم مداخلت کرتا ہے۔ لوکل باڈیز صوبائی حکومتیں آزادانہ عمل کرتی ہیں۔ جمہوریت کی رنگارنگی برقرار رہتی ہے۔ وطنیت کے جذبہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جاتا ہے۔ اس نظام میں کثرت رائے سے حق و انصاف اور زندگی کے مستقل اصولوں کا خون ہوتا ہے۔

اسلامی نظریۂ تعلیم

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اس کی اساس توحید ہے یعنی خالق کائنات ہی عبادت کے لائق ہے جس کے سامنے سر جھکانا چاہیئے اس کے بعد رسالت پر ایمان ہونا چاہئے جس سے حضرت آدم سے لیکر پیغمبر آخر تک بنی نوع کی رہنمائی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اسلام کی تکمیل پایۂ ارتقا کو پہونچی انسان کی زندگی اس مادی دنیا تک محدود نہیں رہتی اسکے بعد آخرت کی زندگی شروع ہوتی ہے جہاں اچھے اور برے

اعمال کا بدلہ ملتا ہے۔ آج کی مادیت نے اس اعتقاد پر پانی پھیر دیا ہے اور عیش و بدنفسی کی زندگی تک محدود ہے اسلام نے اس فرش خاکی پر انسان کو اللہ نے نائب یا خلیفہ بنایا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایسا امتزاج ہے جو دونوں کی بھلائی کے لئے وسیع پیمانہ پر اصول پیش کرتا ہے۔ وحدت بنی آدم۔ مساوات اور اخوت کی تلقین کرتا ہے یعنی سب اللہ کے بندے ہیں اور آزاد ہیں۔ کسی کو حق نہیں کہ دوسروں کی آزادی سلب کرے یا غلام بنائے عقیدہ۔ مسلک۔ ضمیر اور رائے کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔

اسلام ان سب باتوں کا ضامن ہے۔ ساری مخلوق کی بنیادی ضرورتیں پوری ہونی چاہیئے۔ ہر انسان کی جان و مال۔ عزت و آبرو محترم ہے۔ کوئی زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ نیک کام میں تعاون کرنے کی ترغیب ہے اور بڑے کام سے بچنے کی ہدایت ہے۔ علم حاصل کرنے اور پھیلانے پر بڑا اجر ہے۔

ان بنیادی تصورات سے اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا مقصد اچھا نیک انسان بنانا ہے جسے "صالح بندہ" کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلم معاشرہ اور اسلامی نظام میں سب پاکیزہ بنتے ہیں اور کار خیر میں تعاون کرتے ہیں۔ "علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ" اس حدیث پر عمل ہو۔ عالم اور متعلم دونوں ایسے کام میں مشغول ہوتے ہیں جس کا بڑا اجر ہے۔ حصول علم کی راہ اختیار کرنے سے اللہ جنت کی راہ آسان کر دے گا جو علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے وہ اللہ کی راہ میں ہے یعنی جہاد میں۔

اقبال ایک مسلم سے یوں خطاب کرتا ہے ؎

حنا بندِ عروس لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تیری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے

اسلام میں دینی و اخلاقی قدروں کو مستقل حیثیت دی جاتی ہے پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے "مجھے اسلئے بھیجا گیا ہے کہ اخلاقی اچھائیوں کو تمام و کمال تک پہونچاؤں، طلبہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ہم آہنگ بنانے کی کوشش کیجاتی ہے بچوں کو خدا کی امانت خیال کیا جاتا ہے ان کی قوتوں، صلاحیتوں کو خدا کا عطیہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے کچلنا نہ چاہیئے بلکہ صحیح رخ پر ڈالنے کی کوشش ہونا چاہیئے۔ سادہ زندگی۔ محنت و مشقت کا عادی خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔

آج جن تعلیمی نظریات کا دنیا کے مختلف ممالک میں عام طور پر چلن ہے اور جو نظام ہائے تعلیم جاری ہیں اگرچہ مزید اصلاح کے قابل ہیں لیکن طویل تجربات و مشاہدات اور بچوں کی نفسیات کے مطالعہ کی روشنی میں ایسے رجحانات ابھر کر سامنے آئے ہیں جو مفید ہیں اور اسلامی تعلیمات سے نہیں ٹکراتے۔

تاریخی پس منظر

جب چمن ہند پر نظر ڈالتے تو ذیل کے اشعار احساس کی ترجمانی کرتے ہیں۔

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی
بتاتا باغباں رو رو کر یہاں غنچہ یہاں گل تھا

غالب کے اشعار بھی اسی کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر پر انگریزوں نے تسلط اور غلبہ حاصل کیا، نظام تعلیم کو یکسر بدل دیا۔ اس کا آغاز میکالے کی سرکردگی میں ۱۸۳۵ء میں ہوا۔ مشرقی علوم کی جگہ مغربی علوم نے لی۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا۔ ضلع ضلع

میں ہائی اسکول قائم ہوئے۔ مکتب، مدرسے، پاٹھ شالے۔ ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے۔ لوگ "علیٰ دینِ ملوکہم" کے قول پر چلنے لگے۔

انگریزوں کے استبداد کے خلاف ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی۔ اس جنگ کے نتیجہ میں سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا چراغ بھی گل ہوگیا۔ مجاہدینِ آزادی انگریزوں کے غیظ و غضب کے شکار ہوئے۔ تاریخ ہند میں یہ ایک خونی داستان ہے۔ مشرق کو شکست ہوئی۔ مغرب کے افکار۔ اور نظام تعلیم نے جگہ لی۔ مسلم معاشرہ میں پستی آنے لگی۔ انگریزوں کی یادگاریں ہندوستانیوں کو معزز بناتیں یا ذلیل کرتیں۔

اس مقام پر پہونچ کر ایک فکر دامنگیر ہوتی ہے اور اس انقلاب کے لئے کوئی توجیہہ چاہتی ہے۔ اقبال کے اس شعر سے کسی قدر تسکین ہوتی ہے ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل کٹھن یہی ہے قوموں کی زندگی میں

دہلی ہو یا کہ اودھ اسی منزل میں تھے۔ انگریزوں کی آمد۔ ان کی بصیرت اور سیاست اور فوجی نظم عسکریت کے اصول غالب رہے۔ یہی کیفیت اسوقت ہمارے عالم اسلامی کی تھی ہند سے لے کر مغرب اقصیٰ تک جمود ہی جمود تھا۔ مشرق میں یوروپی طاقتیں پھیل کر معیشت۔ اقتصاد اور سیاست پر اثر انداز تھیں۔ ملیشیا۔ انڈونیشیا۔ سب آزادی کھو بیٹھے تھے۔ ایک مکتب یا مدرسہ کے کھولنے کی اجازت نہ تھی۔

دینی مدرسے

ایسے آڑے وقت میں ہمارے چند دینی مدرسے قائم ہوئے جو روشنی کے منارہ بن کر اب بھی دینی تعلیم سے۔ علوم قرآنیہ سے فیض پہونچا رہے ہیں۔ لیکن مسلم اقلیت کروڑوں کی تعداد میں ہے۔ ان سے استفادہ محدود ہے۔ ان کی افادیت بہت ہی قلیل تعداد تک ہے چونکہ ان سے معاشی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ بچے اور نوجوان رائج الوقت مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

انگریزی دَور میں نظام تعلیم ایسا رائج ہوا جو نہ خدا پرستی سکھلاتا تھا نہ بلند اخلاقی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ حکومت چلانے میں آلہ کار بنیں۔ دفتروں کو سنبھالیں، مسلمانانِ ہند دو نفسیاتی کاوشوں میں مبتلا تھے۔ اول یہ کہ مسلم اقتدار کا حال ہی میں خاتمہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے پاس ایک نظام تعلیم تھا جو سیکڑوں برس سے طالبانِ علم و حکمت کو فیض یاب کرتا چلا آرہا تھا۔ ہندوستان میں مراکز علمیہ ایسی کشش رکھتے تھے کہ دور دراز سے نیز بیرون ہند سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے کہ تعلیم سے فائدہ اٹھائیں انفرادی حیثیت سے مایۂ ناز علماء کی شخصیتیں قصبات میں بھی قندیل روشن کئے ہوئے تھیں۔ جہاں علم کی روشنی ملتی تھی۔ اسطرح سے چراغ سے چراغ روشن ہوتا رہا۔

دینی تعلیم کا مسئلہ سخت نہ تھا۔ اگرچہ عوام کی رسائی نہ تھی لوگ صرف عقیدتمند نہ حاضری دیتے۔ مسلکوں کی بھرمار ہوگئی جو ملتِ اسلامیہ کے لئے باعثِ انتشار بنی۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ روشن چراغ بجھ گئے اور برطانیہ کے نظام تعلیم سے لگاوٹ پیدا ہوگئی۔ ملازمتوں کی ایسی پیش کش تھی کہ پڑھا لکھا طبقہ اسی طرف مائل ہوگیا یہ طبقہ دین کی باتوں سے بے بہرہ ہوگیا۔ دینی مدرسوں سے نکلے ہوئے نوجوان کو اقتصادی دائرہ کی تنگی سے مقابلہ کرنا پڑا۔ معاشرہ کئی حصوں میں تقسیم ہوگیا۔

دینی تعلیم کی اہمیت

مسلم معاشرہ کے تار و پود میں دینی تعلیم اور عقائد سرایت کئے ہوئے ہیں۔ زندگی کا سارا ڈھانچہ تعلیم نبوی کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم ہے۔ اس کا امتحان انیسویں صدی میں برابر ہوتا رہا۔ عیسائی مشنریاں تیزی سے کام کرنے لگیں اور عیسائیت کی پیش کش کی۔ مسلمان اس امتحان میں کامیاب رہے۔ جادہ استقامت سے ذرا بھی انحراف نہیں

گیا۔ کیونکہ ترک اسلام سے دنیا ضرور ملتی تھی مگر آخرت کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی۔ اسلام خدا پرستی، حق گوئی۔ خدمت خلق۔ انسانیت سے محبت اس کی فلاح و بہبود کے لئے فکریں کرنا سکھاتا ہے۔

انگریزی دور نے ایسی تعلیم رائج کی جس سے نوجوانانِ ہند مذہب سے بیگانہ ہو گئے۔ مذہبی اقدار کو پس پشت ڈال دیا۔ فرقہ واریت کی پرورش کی۔ تاریخ ہند اس طرح لکھی گئی کہ قومی یکجہتی کو ٹھیس لگی۔ مختلف مذاہب کے پیرو جو شیر و شکر بن کر رہتے تھے۔ ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے وہ نفرت و عداوت کی آگ میں سلگنے لگے۔ ہندو مسلم کی اتحاد میں بال پڑ گیا۔ اس کیفیت پر شبلی نے یوں آنسو گرایا ہے ؎

ہمیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا۔ ظالم تھا۔ ستمگر تھا

آج تاریخی شواہد ان سب کی تکذیب کرتے ہیں۔

آزادی ملی

تاریخ ہند میں ایک اور انقلاب آیا۔ انگریزی حکومت خود غرضی پر مبنی تھی اپنی افادیت کھو چکی تھی۔ غیر ملکی حکومت کا احساس بیدار ہو گیا تھا۔ آزادیِ ہند کے لئے تحریکیں رونما ہونے لگیں۔ ایک وقت ایسا آیا مسلم اور غیر مسلم ایک پلیٹ فارم پر متحد نظر آئے۔ آزادی کی مانگ بڑھ گئی سلطنت برطانیہ کی چول ہل گئی۔ مدبرین برطانیہ نے ہندوستان کو گول میز کانفرنس اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں الجھا دیا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے دوسری عالمگیر جنگ نے یورپ اور ایشیا کو جنگ کی دہکتی آگ میں ڈھکیل دیا۔ امریکہ بھی اسلحہ اور فوج لے کر کود پڑا۔ تحریکِ آزادی کے متوالوں نے (Quit India) یعنی ہندوستان چھوڑو کا نعرہ دیا۔ اور قید و بند سے دوچار ہوئے۔ آخر جنگ ختم ہو گئی برطانیہ کی ساکھ اور گر گئی۔ ہندوستان کا دل و دماغ جو قید تھا رہا ہوا۔ برٹش پارلیامنٹ نے آزادی دینے کا وعدہ کر لیا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کا وہ سنہرہ دن آیا کہ ہندوستان یعنے برصغیر آزاد ہوا۔ انگریز ہندوستان سے رخصت ہو گئے اور ہندوستان کے مایۂ ناز سپوتوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی۔

برطانیہ کی پالیسی

آہ آزادی سے کچھ پہلے اور بعد میں ایسے خونی مناظر پیش آئے جس پر بادرِ ہند کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔ ہزار سالہ یکجا رہائش ہندو مسلم اتحاد۔ میل جول سب خاک میں مل گئے۔ اس سے پہلے ایسی یگانگت تھی کہ غریب و امیر۔ شیخ و برہمن یکجا رہتے تھے۔ بھائی چارگی بے مثال تھی۔ مسلم دور کی یہی بہترین مثال تھی۔ مگر نفرت عداوت قتل۔ غارتگری نے جگہ لے لی۔

ایسا کیوں ہوا؟

انگریزوں کی پالیسی ایک عالمگیر پالیسی تھی۔ سلطنت عثمانیہ کے ساتھ ایسا ہی طرز عمل اختیار کیا اور حکمت عملی سے کام لیا۔ چھوٹے چھوٹے نیشنلزم کے نعرے دیکر سلطنت کے حصے بخرے کر دیے۔ ترک و عرب میں عداوت اور نفرت پیدا کر دی گئی "لارنس آف عربیہ" (Lawrenc of Arabia) کے کارنامے سامنے ہیں۔ آج بھی یہی پالیسی کوریا۔ وائٹ نام انڈو چین اور مغربی ایشیا میں آزمائی جا رہی ہے۔ اسرائیل کا وجود اس حکمت عملی کا نقطۂ عروج ہے۔ اسی پالیسی سے ہندوستان میں بھی کام لیا۔ آزادی سے پہلے پشاور سے نواکھالی تک بربریت کا دور دورہ تھا۔ کتنے لوگ بے گھر ہوئے۔ کتنے فسادات رونما ہوئے۔ کتنے معصوم و بے گناہ شہید ہوئے۔ انسانیت پاگل نظر آ رہی تھی۔ اسکے برعکس انگریزوں کے پانچ سالہ جنگ کے دوران ملک کے اندر سکون تھا۔ فرقہ واریت سر نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کیونکہ انگریز حالتِ جنگ میں تھا موت و ذلیت کا سامنا تھا۔

دستور ہند ہندوستان نے سنبھالا لیا۔ آزادی ملنے کے بعد ایک دستور (constitution) بنا۔ سیکولر روح اسمیں پیوست ہوئی۔ ایسا ایکٹ بنا جس سے مختلف عقائد اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ بلکہ آزاد زندگی بسر کرنے کی ضمانت دی گئی۔ اس دستور کی روسے نہ کسی مذہب میں مداخلت اور نہ کسی مذہب کی حمایت کی جاتی ہے۔ سیکولرزم کی تعریف جسٹس کھنانے سپریم کورٹ کے فیصلہ کے سلسلہ میں یوں کی ہے۔

"Secularism is neither anti-God nor Pro-God, it treats alike the agnostic and the atheist

(A.I.R, 1974, SC)

تعلیم کی اہمیت معاشرہ میں تعلیم کو اہمیت حاصل ہے سبھی کو اس کا اعتراف ہے۔ ماہرین تعلیم کے نزدیک اس کی ابتدا ماں کی گود سے ہوتی ہے بچہ کیا ہے اس کا رخ کس طرح بلندی کی طرف مائل ہو۔ علم کے زیورسے آراستہ ہوکر ملک و ملت کی خدمت کا صاف ستھرا جذبہ پیدا ہو۔ یہ سب نظام تعلیم پر موقوف ہے۔ بچہ پیدائش سے چار یا پانچ سال کی عمر تک گھر اور خاندان کے ماحول میں رہتا ہے جہاں کہ دینی تعلیم کا فقدان ہے۔ پھر چھ برس کی عمر سے سترہ اٹھارہ سال کی عمر تک وہ ایسی تعلیم سے وابستہ رہتا ہے۔ جو حکومت کے رائج کردہ نصاب کے تحت دیجاتی ہے۔ کبھی کبھی مذہبی یا اخلاقی تعلیم کے متعلق آواز بلند ہوتی ہے مگر دب کر رہ جاتی ہے۔

موجودہ نظام سے اچھے مفکر پیدا ہوسکتے ہیں۔ اچھے سائنٹسٹ بن سکتے ہیں۔ سرمایہ دار بن سکتے ہیں۔ صنعت وحرفت کو فروغ ہوسکتا ہے۔ فیکٹریاں قائم ہوسکتی ہیں۔ تحقیقات۔ اختراعات اور ایجادات ہوسکتی ہیں۔ قدرت کے رازوں کا انکشاف کیا جاسکتا ہے۔ بحر و بر پر تسلط اور فضا آسمانی کی تسخیر کی جاسکتی ہے۔ غرضکہ دنیاوی ترقیاں اعلیٰ سے اعلیٰ کیجا سکتی ہیں۔ مگر ایک سوال پھر بھی اٹھتا ہے۔ کیا اس تعلیم سے خالق و مخلوق کا رابطہ قائم رہتا ہے خدا پرستی آتی ہے۔ مذہبی اور روحانی بلندیاں حاصل ہوسکتی ہیں۔ کیا انسانیت کا سچا پیغام دلوں کو مسخر کرسکتا ہے؟ ان باتوں کا جواب موجودہ نظام دینے سے قاصر ہے۔

یونیورسٹیاں روحانی قدروں سے بے بہرہ ہیں۔ متعلم اور معلم کے درمیان روحانی رشتہ ختم ہوچکا ہے۔ جس کا مظاہرہ آئے دن ہوتا رہتا ہے۔

آج مغرب کی مذہبی بے مائگی واضح ہے۔ مادہ پرستی نے سارے عالم کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ ہندوستان اس سے مستثنیٰ نہیں رہا۔ ایسے سماج کی تشکیل ہورہی ہے جس نے صدہا برس کے آئیڈیل کو کھو دیا ہے۔ یونیورسٹیاں جو Temple of learning کہلاتی ہیں یعنی جو علم و دانائی۔ تہذیب و اخلاق کی گہوارہ ہیں اور ہونا بھی چاہیئے۔ اب جو نمونہ پیش کر رہی ہیں سب پر عیاں ہے نوجوان سماج کے لئے مسئلہ بن گئے ہیں۔

نظام تعلیم کی بنیادی کمزوری کیا ہے۔ اس کی بہت سی توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ اصل وجہ صرف یہ ہے کہ نظام تعلیم مذاہب کی اعلیٰ قدروں سے خالی ہے، بلکہ مذہب کو بنائے فساد تصور کیا جانے لگا ہے ؏

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

ہر عمل کے سزا و جزا سے نوجوان ناواقف ہیں بجا سے نفس کوئی چیز باقی نہ رہی۔ مذہب کو کوئی دخل نہیں۔ تہذیب واخلاق کی بلندیوں سے نا آشنا ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ استاد کے احترام اور عزت کو پامال کیا گیا۔ مادرِ علمی کی تباہی میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ ہوئی آخر یہ کس کا قصور ہے؟ یہ کہنا پڑے گا کہ نظام تعلیم کا مزید یہ

کہ سیاست کی گندگی بھی حاوی ہو جاتی ہے۔

ایک مسلم کی خواہش

ایک مسلم قلب کو ان حالات سے ٹھیس لگتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس مرض کا کیا علاج ہے۔ وہ اسلامی تعلیم کے آغوش میں رہنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کا بچہ نہ خود فراموشی سے کام لے اور نہ خدا فراموش بنے دین کی روح سے واقف ہو۔ اسلامی تعلیم اسے خود آگاہ اور خدا آگاہ بنائے۔ دین اور دنیا کے مقاصد کو اور زندگی کو دو علیحدہ علیحدہ معیار سے نہیں جاننا یعنی مادی زندگی اور ہے اور مذہبی زندگی اور بلکہ دونوں مل کر پوری زندگی بناتے ہیں۔ خاتم النبیین ؐ نے جن اصولوں کو اپنانے کو کہا ہے اس پر عمل پیرا ہو۔ اپنا حق جانے۔ پڑوسی کا حق پہچانے۔ وطن کے تقاضوں سے ہمکنار رہے۔ خود صحیح راستہ اختیار کرے۔ دوسروں کو انسانیت اور محبت کا پیغام دے۔ غرضکہ وہ ایک اچھا انسان بنے۔

دینی تعلیم کا مقصد

اس سلسلہ میں مکمل جائزہ لیا جائے۔ پرائمری مدرسے کھولے جائیں۔ مکاتیب سے کام لیا جائے۔ ملت کو اسطرف متوجہ کیا جائے۔ دینی تعلیم سے چشم پوشی کی گئی تو زمانہ معاف نہ کریگا۔ مستقبل تاریک ہوگا۔ اور رسول خدا کی تعلیم سے بے خبری۔ قرآن کے احکامات سے بے نیاز ہو کر دنیا اور آخرت کا خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ توحید اور رسالت سے بے خبری ناقابل معافی ہے۔

قرآن پاک کی اہمیت سورہ ابراہیم کی پہلی آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ نے پیغمبر ؐ کو خطاب کیا ہے۔ اور کتاب کے نازل فرمانے کا مقصد واضح طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔

كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۵

یعنی۔ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو جو ستودہ صفات ہے انکے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کیطرف یعنی خدائے غالب کی راہ پر لا دیں۔

اس سیکولرزم اور جمہوری سوشلزم کے دور میں ضروری ہے کہ چھ برس سے گیارہ برس تک کی عمر کے بچوں کو سمجھ اور عمر کے لحاظ سے قابل قبول اور قابل عمل تعلیم دیجائے۔ ساتھ ہی دورِ حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے۔ ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جو مسلم عوام اور خواص دونوں کو مطمئن بنائے دینی معلومات فراہم کرے۔ عقیدہ کی پختگی کے ساتھ کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ ان مراحل پر کوئی دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ والدین اعلیٰ تعلیم دلانے کی طرف مائل ہونگے۔ آج مقابلے کے امتحانات ہوتے ہیں وہ چاہیں گے کہ نوجوان ان میں شریک ہوں نیز مرکزی اور صوبائی امتحانات میں شریک ہوں۔ بڑے گھرانوں کے اور حکومت کے افسران میں یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ پرائمری اور جونیر ہائی اسکول تک تو برداشت کرینگے مگر اپنے نونہالوں کے روشن مستقبل کو قربان کرنے کے لئے راضی نہ ہونگے۔ مثلاً ڈاکٹری۔ انجینیری۔ اور سائنسی اداروں میں شمولیت کو ترجیح دیں گے۔ اس سلسلہ میں یو۔پی یا کل ہند وقف بورڈ بہت کچھ عامل ہو سکتا ہے۔ اور دینی تعلیم کے نصاب کو رائج کر سکتا ہے۔ ابتدائی تعلیم میں اسلامی روح پیدا کر کے اچھے مسلم اور اچھے شہری بنانے کی سعی کر سکتا ہے حکومت کی طرف سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ ایسا قدم اٹھائیں گی

دو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اُردو ذریعہ تعلیم

یو۔پی میں خصوصًا دینی تعلیم سے ملتا جلتا ایک اور مسئلہ سامنے آتا ہے یہ امر مسلم ہے کہ بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دیجائے وارد ھا اسکیم سے لیکر جدید ترین نظریے اس پر زور دے رہے ہیں کہ تعلیم مادری زبان میں دیجائے پس ان مکاتیب اور مدارس کا ذریعہ تعلیم اردو ہونا چاہیئے جو کہ عام طور پر مادری زبان ہے۔ دینی لٹریچر۔ دینی مسائل اور دینی علوم کا سرمایہ اُردو میں ہے۔

یو۔پی میں بولنے اور سمجھنے کی عام زبان ہے۔ سرزمین ہند کے اتحاد کا ثمرہ ہے۔ گویا ہے، شیریں ہے۔ تہذیب کی حامل ہے۔ محبت کا پیام ہے۔ بکھرے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملاتی ہے۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی۔ ترکی اور انگریزی سے خوشہ چینی کی ہے۔ پیکر حسن بنکر جاذب نظر ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مذہبی دائروں میں بھی اس نے خرام نازسے کام لیا ہے۔ مسلمانوں کی۔ سکھوں کی۔ آریہ سماج کی۔ عیسائیوں کی مذہبی محفل کو رونق دی ہے۔ غرض کہ گلشنِ ہند کی بہار ہے۔ پنجاب میں اخبارات اسی کے مرہونِ منت ہیں۔ عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے فلم کی دنیا آج اُردو اشعار اور مکالموں سے پرلطف بنی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سیاست نے جو نفرت پھیلائی تھی اس کے تاریک بادل چھینٹ رہے ہیں اور اُردو اکیڈمیاں قائم ہو رہی ہیں جن کی حکومت سرپرستی کر رہی ہے۔ پریسیڈنٹ وزیر اعظم۔ چیف منسٹر اور بڑے بڑے دانشور اس کی موافقت میں آواز بلند کر رہے ہیں۔ مگر اس زندہ زبان کو جو جگہ ملنی چاہیئے اس سے محروم ہے یعنی سہ لسانی فارمولا پر خلوص نیت سے عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اُردو کی جگہ سنسکرت نے لے لی ہے اتر پردیش میں اسے ثانوی زبان کی حیثیت بھی نہیں ملی ہے اس سلسلہ میں جو تاویلیں کی جاتی ہیں وہ حیرتناک اور عبرتناک دونوں ہیں

ضرورت اس بات کی پیدا ہوگئی ہے کہ پرائمری اور جونیر ہائی اسکول اُردو میڈیم اسکول ہوں۔ ہندی اور دیگر مضامین کو معیاری رکھا جائے۔ جو طلباء ان مدارس سے نکلیں اور آگے کی تعلیم کو اپنائیں تو ذرا بھی دقت محسوس نہ ہو۔ بلکہ مقابلے کے امتحانات میں بلا جھجک شریک ہوں۔ انگریزی اس وقت بین الاقوامی زبان ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علم کے لئے وسیع ذخیرہ رکھتی ہے۔ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پس بچوں کے لئے ایک ایسا مکمل تعلیمی نظام ہو جو انھیں ہر شعبہ زندگی کے لئے تیار کرے۔ مذہب۔ علم۔ سائنس۔ صنعت و حرفت۔ اور ملازمت کے میدان میں علم و عمل کے نمونے بنیں۔ ملک و ملت کے خدمت کے ساتھ انسانیت کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کریں اور اقبال کے اس شعر کی عملی تعبیر بنیں ؎

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری۔ محبت کی فراوانی

بہ سلسلہ مضمون صفحہ ۶۴

گی۔ نیز سودی رقم جو مل چکی ہو یا ملنے والی ہو، پرونوٹ گورنمنٹ سیکیورٹی کمپنی کے حصص اور اسی طرح اور املاک کا بھی اندراج کیا جائے گا۔ سروے کا آغاز فی الحال میرٹھ، سہارنپور، علیگڑھ۔ فیض آباد۔ بجنور۔ لکھنؤ۔ الہ آباد۔ جونپور۔ گورکھپور۔ جھانسی۔ مراد آباد اور مظفر نگر یعنی بارہ ضلعوں سے کیا جا رہا ہے۔

عوام سے بالعموم اور مسلمانوں سے بالخصوص اُمید کی جاتی ہے کہ وہ خلوص اور لگن کے ساتھ سروے کے کام میں ہر ممکن تعاون دیں گے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اوقاف کے صحیح نظم و نسق سے ملک اور اُس کی ایک بڑی اقلیت کے مستقبل کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ لکھنؤ یونیورسٹی :-

نذیر احمد بحیثیت نظم نگار

شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی اُردو ادب کے معمار اعظم تسلیم کئے گئے ہیں وہ بلند پایہ ادیب اور سحر طراز خطیب تھے ان کی تحریر و تقریر دونوں میں جادو تھا اور عربی و فارسی کے متبحر عالم تھے۔ زبان اُردو پر انھیں قدرت کاملہ حاصل تھی۔ غرض ان کے تبحر علمی کا جواب نہیں ملتا۔ اُردو نثر میں ان کی انفرادیت واہمیت مسلّم ہے ان کی نثر دلی کی ٹکسالی زبان کا حسین و دلکش مرقع ہے۔ روزمرّہ اور محاورے کے گوہر آبدار اس کے حسن میں چار چاند لگاتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی ان کی آب و تاب اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ نثر کا حسن ذاتی غائب ہوجاتا ہے اور روزمرہ اور محاورہ کی چاشنی کی زیادتی سے زبان بدمزہ ہوجاتی ہے۔ بہرحال نثر میں ڈاکٹر نذیر احمد کے کارنامے محتاج تعارف نہیں وہ سب سے پہلے ناول نگار تھے جنھوں نے تعلیم و اصلاحِ نسواں کے لئے ناول لکھے، بنات النعش، توبۃ النصوح اور مراۃ العروس کے نام سے کون ناواقف ہے؟ لیکن کم لوگ جانتے ہیں کہ ڈاکٹر نذیر احمد اچھے نظم نگار بھی تھے ان کی نظموں نے بھی اصلاح قوم اور اشاعت تعلیم کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔

قبل اس کے کہ ان کی نظم نگاری کا جائزہ لیا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حسب ذیل امور کا اختصار کے ساتھ ذکر کردیا جائے۔ اُردو شاعری کے متعلق ڈاکٹر نذیر احمد کا نظریہ کیا تھا؟ شاعری کے متعلق ان کی رائے کیا تھی۔ انکی شاعری یا نظم نگاری کے محرکات کیا تھے؟

ڈاکٹر نذیر احمد کا عہد ہر لحاظ سے انقلابی عہد تھا۔ مشرق و مغرب کی کش مکش شباب پر تھی۔ سیاست افرنگ کامیاب ہوچکی تھی۔ کمپنی کے تاجر تاج پہن چکے تھے مشرقی علوم و فنون کا جنازہ نکل رہا تھا۔ مغربی تعلیم کے اثرات سے نئے نئے رجحانات اور نظریات پیدا ہوتے جارہے تھے۔ مشرقی ادب عفونت میں سنڈاس سے بھی بدتر معلوم ہونے لگا تھا مولانا بھی علوم قدیمہ کو ترقی کا سدباب جانتے تھے فرماتے ہیں۔

" میں تو اس خیال کا آدمی ہوں کہ علوم قدیمہ کو مسلمانوں کی ترقی کا صدراہ جانتا ہوں اور علوم قدیمہ میں سے بھی خاص کر لٹریچر کا سخت مخالف ہوں . . . . . . بحیثیت قومی جتنی خرابیاں ہیں کل نہیں تو اکثر اسی لٹریچر نے پیدا کی ہیں۔ یہ لٹریچر جھوٹ اور خوشامد سکھاتا ہے یہ لٹریچر واقعات اور موجودات کی اصل خوبی کو دباتا اور مٹاتا ہے یہ لٹریچر توہمات اور مفروضات بے اصل کو فیکٹس (FACTS) و واقعات بتاتا ہے یہ لٹریچر نالائق ولولوں کو شورش دلاتا ہے اگر کسی نے اس زہر کو چکھا ہے تو میں نے پیا ہے مجھے انگریزی پڑھنے سے اتنا تو معلوم ہوا کہ مجھکو اپنے یہاں کے لٹریچر کے عیوب معلوم ہونے لگے۔ مگر میں وہی کا وہی رہا۔ اب بھی اگر کوئی برجستہ شعر سن پاتا ہوں چاہے اس میں کتنا ہی مبالغہ خلاف قیاس کیوں نہ ہو بے اختیار پھڑک اٹھتا ہوں . . . . خیالات

مضامین کے اعتبار سے تمام دنیا کے لٹریچروں میں اس
ن کے لٹریچر سے بدتر کوئی اور لٹریچر نہیں۔ اس نے قومی
ق کو ایسا بگاڑا اور اس قدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات
ا مزا نہیں ملتا۔

ایک اور لکچر میں فرماتے ہیں :۔
جہاں تک میں خیال کرتا ہوں لٹریچر کی خرابی کو ایشیائی
موں کے تنزل میں بڑا دخل ہے جھوٹ اور مبالغے اور
ِصل خیالی باتوں پر تو اس کی بنیاد ہے اور مضامین جن
، شعرا طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اکثر گندے تو ایسی شاعری
ی اخلاق کو بگاڑا ہی چاہے ...... حاصل کلام یہ کہ
اعری یعنی ایشیائی طور کی شاعری شرعاً مذموم ہے اس
ِ قوم کے اخلاق پر بہت ہی بڑا اثر کیا ہے، اور جب شاعری
یسی بدبلا ہے کہ مستمع کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے۔ تو خود شاعر
مبدا ان تمام خیالات فاسد کا ہے اس کے اثر بد سے کب
حفوظ رہ سکتا ہے ؟"

مولانا کے ان خیالات کی صداقت سے انکار نہیں
یا جا سکتا ہے۔ شاعری نے قومی مذاق بگاڑا تھا۔ جھوٹ
ور مبالغہ گھٹی میں پڑ چکا تھا۔ اسی وجہ سے شعرا کے لئے
ولانا حالی نے پیشین گوئی کی کہ ؎

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

یکن جیسا کہ خود مولانا نے اعتراف کیا ہے شعر و شاعری
ے بغیر کام بھی نہیں چل سکتا تھا۔ سماج پر اس کی حکمرانی تھی
دلوں پر اسی کا قبضہ تھا۔ محفلوں کی رونق اسی کے دم سے
تھی جلسوں کی کامیابی کا یہی ذریعہ تھی۔ اسی لئے علاج
بالمثل کے طور پر قوم کے اخلاق کو سدھارنے کے لئے شاعری
ہی سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا حالی، مولانا نذیر احمد،
مولانا شبلی وغیرہ تقریر سے پہلے جلسوں میں اپنی اپنی نظمیں
پڑھتے تھے۔ ڈاکٹر نذیر احمد کا معمول تھا کہ وہ اپنا لیکچر
شروع کرنے سے پہلے کوئی نظم ضرور پڑھتے اس کی وجہ انھیں
کی زبان سے سنئے :۔

میں لیکچر سے پہلے تبرکاً اپنی نظم پڑھ لیا کرتا ہوں۔
اگرچہ وہ نظم پوری پھسپھسی اور نامربوط ہوتی ہے اس واسطے
کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور
گویائی میں روانی آجاتی ہے۔

نظم پڑھنے کی خاص وجہ تو یہی تھی لیکن مولانا ایک
اور سبب بتاتے ہیں۔

جس طرح یحییٰ پیغمبر حضرت عیسیٰ کے لئے منادی کرتے
تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے۔ اسی
لئے میں نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد
مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے اور میں اپنے
پندار میں ان کی نظم کی رونق کا باعث ہوں۔

ایک اور نظم میں فرماتے ہیں ؎

تم اپنی نثر کو لو، نظم کو چھوڑو نذیر احمد
کہ اسکے واسطے موزوں ہیں حالی اور نعمانی

مقصدیت کی زیادتی :۔

غرض مولانا کی نظم نگاری تمام تر جلسوں کے لئے
وقف ہو چکی تھی اور نظموں سے اس کا مقصد صرف یہ تھا
کہ سامعین ان سے عبرت و نصیحت حاصل کریں جہاں تک
مولانا کی شاعری کا تعلق ہے خود مولانا نے اس کے متعلق
بے لاگ رائے دی ہے کہیں کہیں اس رائے میں عجز و انکسار
بھی شامل ہے۔ لیکن اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ
ان کی شاعری میں شعریت کی کمی کا سب سے بڑا سبب مقصدیت
کی زیادتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"میں نے جب جب نظم کہی ہے بادلِ ناخواستہ
فرمائشی شاعری کی ہے اور میں اتنے کو بھی پسند نہیں کرتا؟"
ایک اور جگہ اپنے شاعر نہ ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں
کیا ہے۔

میں شاعر نہیں ہوں یہاں تک کہ میں نے "الی مساعتنا ہذا" کوئی تخلص بھی اپنے لئے نامزد نہیں کیا۔ نہ مجھ کو شعر گوئی کا شوق ہے، اور نہ سلیقہ۔ اگرچہ دوستوں کے جبر سے میں نظم کہہ کر لاتا ہوں لیکن ؎

راستی گویم ویزداں نہ پسند و جزراست
حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

میری طبیعت نظم کی طرف سے ہرگز صاف نہیں۔ اور میں اس مشغلہ کو صحیح قلب سے ناپسند کرتا ہوں"۔

مولانا نے نظم نگاری سے جان بچانے کی ہرچند کوشش کی یہاں تک کہ اس سے دلی نفرت کا بھی اظہار کیا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ لوگوں کے اصرار اور اس سے زیادہ اپنی طبیعت کی موزونیت کی وجہ سے مجبور ہو جاتے تھے ایک نظم میں یہ اعتراف کرتے ہیں ؎

گرچہ ہے شعر وسخن سے مجھے کلی نفرت
اک مصیبت ہے مگر طبع کی موزونیت

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں :۔
نفس مطلب اور شاعری کے اعتبار سے میں اپنے حق میں کہہ سکتا ہوں ؎

شعری گویم بہ از آب حیات
من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

اس لئے مولانا کی نظم نگاری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں تھے خود ان کی موزونی طبع انھیں نظم نگاری کی طرف مائل کرتی اور وہ نظم لکھنے پر مجبور ہو جاتے۔ خارجی محرکات میں سب سے زبردست محرک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس تھے جو ہر سال کسی مرکزی مقام پر ہوتے تھے اور جس میں ملک و قوم کے مشاہیر شرکت فرماتے تھے مولانا کو اس موقع پر لیکچر دینا پڑتا تھا لیکچر دینے سے پہلے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی " کی خاطر کوئی نہ کوئی نظم حسب موقع ضرور پڑھتے تھے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے علاوہ انجمن حمایت اسلام لاہور، مدرسہ طبیہ دہلی وغیرہ کے اجلاس بھی مولانا کی شرکت کے بغیر نہیں ہوتے تھے۔ یہاں بھی مولانا کو تقریر سے پہلے نظم پڑھنا پڑتی تھی ان نظموں کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

حمد و نعت و مناجات ۲
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں کے سلسلے میں ۱
مدرسہ طبیہ دہلی کے جلسوں میں ۷
انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں ۵
پنجاب ڈیپوٹیشن ۱
متفرقات ۱۱

ان نظموں میں دس مثنویاں ۳۳ قطعات اور ۲ مسدس شامل ہیں۔ مولانا کی شاعری کو اسی کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے

مثنوی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اشعار میں تسلسل ہو۔ ایک بیان دوسرے بیان کے مطابق ہو۔ ہر واقعہ رمز و کنایہ میں بیان کیا جائے۔ واقعہ لفظاً و معناً نیچر اور عادت کے موافق ہو۔ مبالغہ اور لفظی صنعتیں زیادہ نہ ہوں، موزوں الفاظ، مناسب انداز بیان اور حسب موقع مصوری ہو۔ مولانا کی ان نظموں میں متذکرہ بالا اجملہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ انکے یہاں نہ مبالغہ ہے اور نہ جھوٹ جو کچھ وہ لکھتے ہیں ان کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ ان کی نظموں کے خاص موضوع تو مغربی علوم و فنون کو حاصل کرنے کی ترغیب ہے لیکن اس سلسلہ میں وہ قوم کی بدحالی کا ماتم کرتے ہیں۔ اس کے شاندار ماضی کو یاد دلاتے ہیں اور اپنے حال اور مستقبل کو روشن بنانے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اس لئے ان کی تمام نظموں میں حرکت و عمل کا پیغام ہے اور اگر ہم ان کو پیغام گو شاعر کہیں تو زیادہ مناسب ہے

اخوت اور باہمی میل محبت پر زور دیتے ہوئے ایک جگہ کس خوبی سے لکھتے ہیں ؎

ذرا دیکھئے کیا سے کیا ہو گئے ہم
سبب کیا؟ کہ باہم جدا ہو گئے ہم
سمجھتے بھی ہو کچھ کہ کیا ہے اخوت
یہی ہے یہی ہے یہی اصل قوت
یہ باہم ترقی پر اڑنے کا پر ہے
یہی فوج و لشکر یہی زور و زر ہے
یہی قوم کی جان و روح رواں ہے
یہی جسم قومی کی تاب و تواں ہے
الٰہی ہمیں بھی اخوت عطا کر
دکھا اپنی قدرت سے مُردے جلا کر

وہ قوم کی پستی کی اصل وجہ جہالت سمجھتے ہیں ؎

کھلی آخرش وجہ پستیٔ جہالت
جہالت، جہالت، جہالت، جہالت

ایک دوسری نظم میں علم کی ترغیب دیتے ہیں ؎

حکومت ہے سچی حکومت قلم کی
نہ بندوق و سیف و سنان و علم کی
خدائی خزانوں کی کنجی قلم ہے
کہ جو حرف لکھتا ہے وہ اک رقم ہے
گئی سلطنت اس کے جانے کا غم کیا
نہیں پاس کاغذ، دوات اور قلم کیا
مگر علم کی ہم نے طاقت نہ جانی
نہ جانی لیاقت، لیاقت نہ جانی
گو استاد و دستور و منظوم ہیں ہم
و لے علم نافع سے محروم ہیں ہم

فسانۂ مبتلا :-

مولانا نے ایک معرکہ آرا نظم مسدس کی شکل میں فسانۂ مبتلا کے سلسلے میں کہی جس میں کثرت ازدواج کے نتائج کو بڑے دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے کثرت ازدواج کے چکر میں مبتلا کی جو مٹی خراب ہوئی یہ نظم اس کا صحیح فوٹو ہے یہ مسدس علیحدہ کتابی شکل میں نا تمام حجت کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے اس مسدس میں روانی، جوش، تاثیر سب کچھ ہے اکثر بند تو ایسے ہیں کہ میر انیس کا شبہ ہوتا ہے۔ مسدس میں پہلے بے ثباتی دنیا کا بیان کیا ہے اس کو دار المکافات بتایا ہے اعمال حسنہ کی ترغیب دی ہے غفلت، جمود، پست ہمتی کی ملامت کی ہے دین و دنیا کو بنانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آخر میں مبتلا کا دردناک انجام دکھایا ہے۔ دعا ان الفاظ میں مانگتے ہیں ؎

توفیق کار نیک ہمیں لے کریم دے
دل میں صلاح دے ہمیں طبع سلیم دے
شوق سلوک جادۂ مستقیم دے
ایمان درمیانۂ امید و بیم دے
ہم کو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

قوم کی بدحالی و پستی غفلت اور کاہلی کی بدولت ہے مولانا نے غفلت ہی کو تمام برائیوں کی جڑ بتایا ہے ؎

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو درد دکھ نہ ہو
بھائی کے پیٹھ پیچھے کبھی ذکر بد نہ ہو
انسان مشارک صورت دام و دد نہ ہو
غفلت سے اس جہاں میں سارا فساد ہے
غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

غفلت مفلسی کا دوسرا نام ہے حرکت میں برکت اور غفلت میں نحوست ہوتی ہے حرکت زندگی کا دوسرا نام ہے اور جمود موت کا غافل انسان مصائب و آلام کا شکار رہتا ہے اسکی سب سے بڑی مصیبت مفلسی ہوتی ہے ؎

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس ہے مقدمۂ قہر ذوالجلال

اخلاص کو ہی دیتا ہے انساں کو پائمال
ڈرپوک پست ہمت دوئی خیالی
مفلس، کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اسکے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

قوم کو اس کی غفلت پر غیرت دلاتے ہیں۔ قوم کے اندر تعصب، نفاق، بغض حسد کی جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اور جن کی وجہ سے وہ پستی و بدحالی میں مبتلا ہو گئی ان کی طرف اشارہ کر کے اس میں بیداری پیدا کرنا چاہتے ہیں مولانا کی دلی تمنا ہے کہ ان کی قوم بھی ترقی کے میدان میں دوسری قوموں کے ساتھ شانہ بشانہ آگے بڑھے اسی لئے سب سے پہلے قوم کو اس کے عیوب ایک ایک کر کے گناتے ہیں اور ان کے نتائج بد سے آگاہ کرتے ہیں ۔

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس جائے شرم
تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

مولانا قوم کو تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں ہر ایک کے لئے ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں کسی کو روک ٹوک نہیں ہے۔ علم و ہنر کی علمداری ہے اور علم و ہنر کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ قدم اٹھانے کی دیر ہے کہ منزل مقصود حاصل ہو جاتی ہے ۔

دروازہ کون سا ہے جو ہم پر کھلا نہیں
ممکن احصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں
آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں
بے جوتے بوئے آپ اُگے کا اناج کیا؟
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا؟

مولانا کا زمانہ مغربی تعلیم کا زمانہ تھا جدید علوم و فنون نے ترقی کی نئی راہیں کھول دی تھیں۔ حکمت کی علمداری کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ مولانا اس حقیقت کو دیکھتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ جدید علوم حاصل کئے جائیں تاکہ قوم کا مستقبل روشن ہو ۔

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل میں ٹھان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو
اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو
رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے
تسویف تا کجا و پس و پیش تا بکے

اسی کے ساتھ مولانا نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ علم سے ان کی کیا مراد ہے؟ ۔

لیکن مراد علم سے علم جدید ہے
یورپ میں جس سے رونق کل من مزید ہے
ثروت کی سلطنت کی یہی ایک کلید ہے
یہ ہو تو پھر تمام زمیں زرخرید ہے
ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

علم جدید کی افادیت :-

علم جدید کی افادیت کے مولانا اتنے زیادہ قائل تھے کہ انھیں قدیم علم بالکل ہیچ نظر آنے لگا۔ اور کوئی شخص قدیم علم میں خواہ کتنا ہی زیادہ فاضل و کامل کیوں نہ ہو اگر علم جدید سے وہ بے بہرہ ہے تو جاہل میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ
منشی ادیب شاعر شیریں مقال ہیچ
آداب مناظرات و جواب و سوال ہیچ
تحقیق میر زاہد و مُلا جلال ہیچ

ہم نے تو قیل وقال میں کی عمر رائیگاں
یورپ نے ہائے لوٹ لیا گنج شائیگاں

کی ترغیب ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

ش کرو تو غیب سے ہوں حاجتیں روا
ہد کے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
و تو قعات نہ رکھنے کی وجہ کیا
پ نے کچھ بڑائی کا ٹھیکہ نہیں لیا

دو تین چار رہا تو کھسکنا ضرور ہے
مانا کہ ہم سے منزلِ مقصود دور ہے

یہ نظم مبتلا کے سلسلے میں مولانا نے لکھی تھی لیکن مبتلا
جو خرابیاں تھیں وہی ساری قوم میں تھیں۔ خصوصاً
ت ازدواج ریاست کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ مبتلا نے
ر نکاح کرکے اپنی مٹی پلید کی اس کا جو عبرتناک خاتمہ
مولانا کی زبانی سنیئے ؎

مبتلا پہ آ ہی گیا وقت احتضار
میں جوانے پانی لگی چشم اشکبار
ن پڑھ رہے تھے کھڑے پاس غمگسار
دونوں آنکھیں ضعف نے دیں ڈھانک ایکبار

یوں بے کسا دہائی جوانی میں جان دے
جنت میں اس کو بارالہٰا مکان دے

مولانا نذیر احمد نے سرسید کی وفات پر ایک غم انگیز
مسدس میں لکھا یہ مرثیہ مولانا نے دسمبر ۱۸۹۲ء میں محمڈن
کیشنل کانفرنس منعقدہ لاہور کے موقع پر پڑھا تھا
مرثیہ میں سرسید کی خدمات اور ان کے رجحانات کا
بڑی خوبی سے کیا ہے۔ ایک ایک لفظ غم و افسوس کا
ہے ؎

اپنے وقت کا اک فرد کامل بلکہ اکمل تھا
ہم میں کا ہر اک اعلیٰ سے اعلیٰ اس سے اسفل تھا
دمندوں کی صف میں سب سے آخر تھے وہ اول تھا

غرض اسلامیوں کی فوج کا لیڈر تھا جنرل تھا
اب اسکے پاس لشکر ہے مگر افسر نہیں کوئی
بھٹکتا پھر رہا ہے قافلہ رہبر نہیں کوئی

اس کے بعد سرسید کی تعلیمی خدمات ان کی ہمدردی
قوم و ملک کا ذکر کیا ہے اور اس کے صلہ میں قوم نے جو انعام
دیئے ان کو بیان کرکے سرسید کے صبر و تحمل ہمت و استقلال
کی تعریف کی ہے ؎

مگر وہ دردمندِ قوم اک کوہِ تحمل تھا
جو اسکے حق میں کانٹے تھے وہ انکے واسطے گل تھا
مخالف پارٹی کا گو بہت سا شور تھا غل تھا
وہ اسکے ارادے میں نہ کچھ مطلق تزلزل تھا

کسی مطلب پہ کوئی دل نہادہ ہو تو ایسا ہو
جو ہمت ہو تو ایسی ہو ارادہ ہو تو ایسا ہو

تعلق قوم سے اور قوم کے چھوٹے بڑے دشمن
اسے سمجھا کئے دین کا عدو اور ایمان کا رہزن
شبِ تاریک بتلائیں اگر وہ دن کہے روشن
انھیں خوٹا لنے کی اور وہ مستعجل کہ ہو فورن

کوئی اس کشمکش کے پھیر میں کچھ کرکے دکھلا دے
جیئے اس کی طرح اس کا سا مرنا مر کے دکھلا دے

مولانا کی متعدد نظمیں قطعہ کی صورت میں ہیں۔ قطعہ میں
کسی ایک موضوع پر مسلسل و مکمل خیال ادا کیا جاتا ہے اسکی
شکل قصیدے یا غزل کی طرح ہوتی ہے۔ اردو شاعری میں
قطعات کا رواج شعوری طور پر مولانا حالی کے وقت سے
ہوا۔ اس سے قبل غزل یا قصیدے میں قطعہ بند اشعار ہوتے
تھے۔ علیحدہ قطعات بہت کم لکھے جاتے تھے۔ مولانا حالی کی
طرح مولانا نذیر احمد نے بھی اپنے خیالات کو قطعات کی صورت
میں ادا کرنے کی طرف توجہ کی مولانا کے تمام قطعات پند و
نصائح ادب و اخلاق کا گنجینہ ہیں۔ اس کو پڑھنے کے بعد
انسان کے اندر نیک جذبات اور اعلیٰ خیالات پیدا ہوتے ہیں

فکر و نظر میں بلندی آتی ہے۔ ماضی و حال کے اس تقابل کے بعد کون ایسا دل ہے جو متاثر نہ ہوگا۔ اور اپنی حالت سدھارنے کی سعی نہ کرے گا ؎

ہمارا حال ہے ازبسکہ قابلِ عبرت
بیاں کیجئے تو بہہ جائے خون ہو کے جگر
وہی تو ہم ہیں کہ ہیں کوڑیوں کے اب محتاج
وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالک زر و گوہر
وہی تو ہم ہیں کہ باغِ جہاں کی رونق تھے
وہی ہیں ہم خس و خاشاک جس سے کہیں بہتر
وہی تو ہم ہیں کہ ہے جاہلوں میں اپنا شمار
وہی تو ہم ہیں کہ تھے سب علوم مستحضر
وہی تو ہم ہیں کہ اپنا بھی کچھ شعور نہیں
وہی تو ہم ہیں کہ رکھتے تھے غیب کی بھی خبر

ایک اور نظم میں اہل یورپ اور اہل ہند خصوصاً مسلمانوں کا تقابل کیا ہے اور دونوں قوموں کے خصوصیات و صفات بتائے ہیں ؎

واں ہمتیں کہ بامِ فلک پر کریں عروج
یاں بیٹھے پیچھے اٹھنے کا بھی حوصلہ نہیں
وہ معتقد کہ چل کے کریں سیر بحر و بر
ہم میں گھروں کی قید سے کوئی رہا نہیں
واں وقت کی یہ قدر کہ ضائع نہ ہو منٹ
یاں روز و ماہ و سال کی پروا ذرا نہیں
وہ محنتی کہ کام میں ہر وقت مستقل
ہم اینڈا اس لئے کہ کوئی مشغلہ نہیں
واں اتحاد و یک دلی و الفت و وفاق
یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں
یاں چھوٹی چھوٹی باتوں میں مذہب کی روک ٹوک
واں ایسے مہملات کا کچھ تذکرہ نہیں
مانو نہ مانو ہم کہے دیتے ہیں صاف صاف

جس رنگ میں ہو وقت کا یہ اقتضا ہے

مولانا کی نظموں میں سچائی اور سادگی کے ساتھ سا(تھ) حسن موجود ہے یہ حسن خواہ دلکش و دیدہ زیب نہ ہو لیکن د(ل) کو متاثر ضرور کرتا ہے مولانا کی بعض نظمیں کافی مقبول ہوئیں اور علیحدہ کتابی شکل میں شائع بھی کی گئیں۔ خود سرسید نے ایک نظم بے نظیر کے نام سے شائع کرائی تھی۔ لیکن مولا(نا) محمد حسین آزاد کی طرح مولانا نذیر احمد کی نظم نگاری ان کی نثر کے سامنے مشہور نہ ہو سکی۔ مولانا کی نظموں میں عر(بی) و فارسی کے نامانوس الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ جو محض شع(ر) کو موزوں کرنے کی غرض سے استعمال کئے گئے ہیں۔ روزمر(ہ) اور محاوروں کی عمومیت بھی نظم کی نفاست و پاکیزگی مجروح کرتی ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولا(نا) کو اپنے خیالات ادا کرنے پر قدرت کاملہ حاصل تھی اور ا(ن) کی نظموں میں افادیت کا پہلو زیادہ ہے انھوں نے جن مقاصد کے پیشِ نظر نظمیں لکھی ہیں ان میں وہ کامیاب ہوئے۔ مولانا کی تمام نظمیں مجموعہ نظم بے نظیر کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس مجموعہ میں اردو نظموں کے علاوہ عربی نظمیں بھی شامل ہیں۔

بسلسلۂ مضمون صفحہ ۴۵

کسی ایسے شخص کے لئے جس نے خود امتحان نہیں کیا ہے یہ یقی(ن) کرنا مشکل ہے کہ درگاہ کے احاطہ کے اندر بچھو ڈنک نہیں مارتا۔ میں نے خود ایک بچھو کو ہتھیلی پر رکھ کر دیکھا۔ اس نے ڈنک نہیں مارا۔ ڈپٹی مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے ہمراہ تھے۔ وہ اور سب حاضرین یہ عجیب و غریب کرامت دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ وہی بچھو جو درگاہ کے اند(ر) رہتا بے ضرر ہے اگر باہر لے جایا جائے تو ڈنک مار دے گا۔ ایک انگریز سابق سپرنٹنڈنٹ پولیس (مسٹر فلپ ہربرٹ جوسف میرس CBE) نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ وہ ایک غضبناک بچھو کو باہر سے درگاہ میں لایا لیکن جیسے

کوائف

۱۔ زیر دفعہ ۱۲ الف انکم ٹیکس ایکٹ یکم جولائی ۱۹۷۳ء سے قبل ہر وقف کو انکم ٹیکس کمشنر کے روبرو اندراج وقف کی درخواست پیش کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے اگر اس درخواست کے داخل کرنے میں تاخیر ہوگئی ہو تو تاریخ مقررہ کے بعد بھی درخواست مذکور کمشنر قبول کر سکتا ہے۔ (فارم نمبر ۱ A)

۲۔ دفعہ ۱۲۔ الف۔ انکم ٹیکس ایکٹ کی رو سے یہ بھی پابندی عائد کی گئی ہے کہ جن اوقاف کی سال گذشتہ میں ۔/۲۵۰۰۰ روپیہ سے زیادہ آمدنی ہو اس کے اندراج کی درخواست کے ساتھ ایک مقررہ فارم پر آڈٹ رپورٹ بھی پیش کرنا ہوگی۔

۳۔ انکم ٹیکس میں ایک ترمیم سے یہ اجازت دی گئی ہے کہ وقف کی آمدنی کا ۷۵ فی صدی حصہ اسی سال کے دوران میں صرف کرنا ہوگا اگر کچھ رقم صرف نہ ہو سکے تو اس کو آئندہ سال کے اندر فوراً صرف کرنا ہوگا اگر ۷۵ فیصدی آمدنی وقف دوران سال صرف نہ ہو سکی ہو تو ٹرسٹیوں کو انکم ٹیکس افسر سے اندر میعاد مقررہ ایک مقررہ فارم پر اس بچی ہوئی رقم کو صرف کرنے کی اجازت لینا ہوگی۔

۴۔ جو رقم صرف نہ ہو سکے اسے دفعہ ۱۱ (۲) (۷) میں مذکورہ ہدایات کے موجب جمع کیا جا سکے گا۔

فارم نمبر ۱۰ A

(قاعدہ ۱۷ A)

تحت دفعہ ۱۲ A (a) انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء مذہبی اور خیراتی اداروں کی محکمہ انکم ٹیکس میں رجسٹریشن کی نسبت درخواست بخدمت انکم ٹیکس کمشنر ....

جناب عالی!

میں .... منجانب .... زیر دفعہ ۱۲ A انکم ٹیکس ۱۹۶۱ء مذکورہ بالا ٹرسٹ/ادارہ کے لئے درخواست رجسٹری پیش خدمت ہے۔ مندرجہ ذیل تفصیلات درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ٹرسٹ یا ادارہ کا پورا نام ....

۲۔ پتہ ....

۳۔ بانی کا نام و پتہ ....

۴۔ ٹرسٹ یا ادارہ کے قیام کی تاریخ ....

۵۔ ٹرسٹیان و منتظمان کے نام اور پتے ....

مندرجہ ذیل دستاویزات بھی منسلک کی جاتی ہیں :۔

A (۱) ٹرسٹ یا ادارہ کے قیام سے متعلق اصل یا مصدقہ نقل دستاویزات معہ معمولی نقول دستاویزات مذکور

(۲) ادارہ یا ٹرسٹ سے متعلق اصل یا مصدقہ نقل دستاویزات برائے ثبوت قائمی معہ معمولی نقول۔

(اصل دستاویزات موصول واپس کر دی جائیں گی)

۲۔ ادارہ یا ٹرسٹ کے پچھلے تین سال کے حسابات کی دو نقلیں۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ ٹرسٹ کی شرائط میں یا قواعد
تعلق ادارہ میں اگر کوئی تبدیلی کی گئی تو فوراً مطلع کروں گا۔

دستخط ....
عہدہ ....
پتہ ....
تاریخ ....

...ترپردیش کے اوقاف کا سروے ۱۹۷۶ء

مسلمانوں کے اوقاف کا پہلا سروے ۳۷-۱۹۳۶ء
...یں تحت یو۔ پی مسلم وقف ایکٹ ۱۹۳۶ء ہوا تھا۔ اب
...یکٹ مذکور یو۔ پی مسلم وقف ایکٹ نمبر ۱۶ ۱۹۶۰ء کے نفاذ
...سے منسوخ ہوچکا ہے۔ گذشتہ سروے میں اوقاف کی مکمل و
...بسوط تفصیلات فراہم نہیں ہوسکی تھیں۔ قانوناً اور
...یگر وجوہ کی بنا پر از سر نو سروے کی سخت ضرورت محسوس
...ی گئی ہے گذشتہ سروے میں نیز زیر دفعہ ۲۹ مسلم وقف
...یکٹ ۱۹۶۰ء کے تحت رجسٹرڈ اوقاف کی مجموعی تعداد
...ر ۱۴۲۲۳ تک پہونچی ہے ان میں اوقاف علی الخیر، جزواً
...لی الخیر و علی الاولاد سب شامل ہیں۔ تجربہ سے یہ معلوم
...وا کہ گذشتہ سروے کسی نوع سے مکمل نہیں تھا۔ اسمیں بہت
...سے اوقاف پوشیدہ رہ گئے اور ان کا اندراج نہیں ہوا اور
...صحیح اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے وقف بورڈ میں جائداد
...موقوفہ کی پوری تفصیل بھی درج نہ ہوسکی۔ ایسی صورت میں
...محسوس کیا گیا کہ وقف بورڈ کے ذریعہ اوقاف کی موثر نگرانی
...اور مناسب انتظام کے لئے از سر نو اوقاف کا مکمل سروے
...نہایت ضروری ہے۔ اس سروے سے تمام پوشیدہ اوقاف
...اور غیر مندرج جائداد موقوفہ کا انکشاف ہوسکے گا اور
...ان کے وسائل آمدنی کو مقاصد وقف میں مناسب طور

سے استعمال کیا جاسکے گا۔ یہ سرمایہ مفید ملت مقاصد پر
بھی صرف کیا جاسکے گا۔ جس سے ریاست کی تعلیمی ثقافتی
اور معاشیاتی حالت میں ترقی اور سدھار ہوسکے گا۔
اس پس منظر میں ریاستی سرکار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اترپردیش
کے تمام مسلم اوقاف اور ان کی جائدادوں کا مکمل سروے
کیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ دوران سال ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء
اس ریاست کے بہت سے مسلمان باشندے اپنی جائدادوں
کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ جن میں اکثر موقوفہ جائدادیں بھی
ہوسکتا ہے کہ ان کی تفصیلات غائب ہوگئی ہوں اور ان کی
اب فراہمی میں دشواری ہو۔ کیونکہ اس قسم کی بہت سی
جائدادیں مرور زمانہ سے غیر مجاز لوگوں کے قبضہ میں چلی
گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان موقوفہ جائدادوں
پر ان کا دعویٰ یا قبضہ خلاف قانون ہے ایسی تمام جائدادوں
کی موجودہ صورت کیا ہے اس کی تلاش و تحقیقات
از بس ضروری ہے۔ اس کا خاص طور سے خیال کیا جائے
گا کہ گذشتہ بند و بست کے اندراجات کو پیش نظر رکھ کر
مکمل اور تفصیلی تحقیقات کی جائے اور ان کا ۱۹۴۷ء کے
بعد کاغذات سرکاری میں درج شدہ اندراجات سے مقابلہ
کیا جائے ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد بہت سے متولیوں نے
جائداد موقوفہ اپنے نام منتقل کرالی۔ یا ذاتی فائدے
کے لئے دوسروں کے نام منتقل کردی۔ اس سے صرف یہی
نہیں ہوا کہ پوشیدہ طور سے اوقاف کو نقصان پہونچایا
گیا بلکہ جائداد موقوفہ کے کھوٹ میں نجی جائداد میں
میں تبدیل ہوجانے سے جائداد کی نوعیت ہی بدل گئی۔
اور اس کی وجہ سے بیحد پیچیدگیاں رونما ہوئیں۔ اس
سروے میں ان کا انکشاف کرنا ہوگا اس کے علاوہ ریاست
میں بھر میں مسلمانوں کے قبرستان اور کربلائیں موجود ہیں۔ ان میں سے
کچھ کاغذات میں مختلف افراد کے نام درج ہوگئی ہیں۔

...واقعات بھی گورنمنٹ کے علم میں آئے ہیں جن میں ...ستان یا کربلا لوگوں کے ہاتھ فروخت کردی گئی ہیں یا ...ن پر ناجائز قبضہ کرلیا گیا ہے۔ گورنمنٹ ان حالات کو ...ویش کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ایک قبرستان یا کربلا کسی ...دواحد کی ملکیت نہیں ہوسکتی یہ عوام کے ایک فرقہ کے ...ترکہ مفاد کے لئے ہوتے ہیں اور ان کو اسی نظریہ سے دیکھنا ...ر اسی حیثیت سے کاغذات میں درج ہونا چاہیئے۔

مسلم اوقاف کے اس سروے میں مندرجہ بالا امور ...زیر نظر رکھنا ہوگا۔ اس کام کے لئے تعینات عملہ کو ہدایت ...جائے گی کہ وہ یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے گھر گھر ...ور کھیت کھیت سروے کریں۔ اس مقصد کے لئے طریقہ کار کا ...یک نمونہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی ہندی اور اردو نقول ...ضلع مجسٹریٹوں کو بھیجی جائیں گی۔ اس نمونہ میں ضلع کے ...ام اوقاف کی علیحدہ علیحدہ تفصیلات درج کی جائیںگی ...ر اس طرح ان کی تکمیل کرکے چھ مہینے کے اندر وقف کمشنر ...یو. پی لکھنؤ کے پاس بھیج دی جائیں گی۔

اس نمونہ میں تفصیلات کی خانہ پری کرنے میں ...غذات محکمہ مال۔ میونسپل بورڈ۔ دفتر رجسٹری۔ عوام ...ور مقامی تفتیش سے مدد لی جائے گی۔ جو اوقاف ...کاغذات وقف بورڈ میں درج ہوچکے ہیں۔ ان کے متعلق ...بھی نمونہ کے مطابق معلومات فراہم کی جائیں گی مقصد ...یہ ہے کہ اوقاف کی پوشیدہ جائیدادیں اور نامعلوم ...اوقاف کا انکشاف کیا جائے۔ اس نمونہ کی لیکھپال ...خانہ پری کرنے کے بعد قانونگو حلقہ اور تحصیلدار متعلقہ سے ...جانچ کرائے گا۔ تحصیلداران ان کی جانچ کرکے تصدیق کریں ...گے اور ان معلومات کا بھی اضافہ کردیں گے جو اُن کو دوسرے ...ذرائع سے حاصل ہوئی ہوں۔ اس کے بعد حاکم تحصیل بھی ...ایک مقررہ فی صد اندراجات کی جانچ اور تصدیق کریں ...گے۔ ڈسٹرکٹ افسر جو باعتبار منصب اسسٹنٹ کمشنر

وقف بھی مقرر کئے گئے ہیں کم از کم خود بھی ۵ فیصد اندراجات کی جانچ کریں گے تاکہ ان کی صحت مکمل طور سے مصدق ہوجائے۔ اس کے بعد جب لوکل باڈیز اور دفتر رجسٹری کے کاغذات سے اُن کی تصدیق ہوجائے گی تو یہ تکمیل شدہ نقشے وقف کمشنر یو. پی کو بھیج دیئے جائیں گے۔ سروے میں تیزی لانے اور مدد دینے کے لئے ضلع کے صدر مقام میں ڈسٹرکٹ افسر کے ماتحت ایک مرکزی عملہ مقرر کیا جائے گا۔

عوام سے بھی اوقاف اور اُن کی جائیدادوں کی معلومات بہم پہونچانے کے لئے کہا جائے گا۔ یہ کام شہروں میں محلہ وار اور دیہات میں گاؤں گاؤں پوری تصدیق کرکے انجام دیا جائے گا۔ پوشیدہ اوقاف اور اُن کی جائیدادوں کے متعلق صحیح اطلاع دینے والوں کو بعد منظوری وقف کمشنر ایک مقررہ شرح کے حساب سے انعام بھی دیا جاسکتا ہے۔ اس کی مشتہری کے لئے مقامی اخباروں اور عوام میں اشتہارات تقسیم کئے جائیں گے۔

ہر وقف سے متعلق عمارتوں کو اُن کے سالانہ کرایہ کی وضاحت کے ساتھ درج کیا جائے گا۔ عمارات موقوفہ کی موجودہ حالت اور پائداری کے متعلق بھی وضاحت کی جائے گی۔ مسجدوں۔ امام باڑوں۔ اسکولوں۔ مکتبوں درگاہوں اور دیگر مذہبی اداروں کی تفصیلات کے ساتھ یہ بھی ظاہر کیا جائے گا کہ ان عمارتوں کا استعمال کیا ہے۔

جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کی موجودہ بازاری قیمت بھی لگائی جائے گی۔ کسی وقف کی آمدنی کے اندراج کے سلسلہ میں تمام مدات مثل انوئٹی۔ اسٹاک سرٹیفکٹ نوادر۔ قدیم اشیا۔ فرمان۔ علم۔ زر مجتمع اور بینکوں اور ڈاکخانوں میں جمع شدہ رقوم بھی درج کی جائیں

وقف علی الخیر میرٹھ

نوٹ
یہ سند نہیں ہے

(گذشتہ سے پیوستہ)

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۳۲۶			
۳۲۷	وقف مسجد نصیر الدین	عمارت مسجد ہے جس کے اندر دو حجرے ہیں	
۳۲۸	وقف مسجد مردہگان	آراضی افتادہ شرقی ۳۵ فٹ غربی ۱۲ فٹ جنوبی ۲۵ فٹ شمالی ۶ فٹ واقع بازار بیہڑا مل - میرٹھ	حاجی عبدالحمید صاحب صدر و دیگر اممبراں انتظامیہ وقف مذکور ساکنان شہر میرٹھ
۳۲۹	وقف جامع مسجد محلہ چوک ۹ ۱۲/۱۴ ۶	حقیت آراضی کھیوٹ 193 تعدادی ۱ بیگھہ ۱۰ بسوہ پختہ میں ۸ بسوہ پختہ آراضی باغ انبہ و کھیوٹ 182 تعدادی ۲ بیگھہ ۳ بسوہ۔ پختہ آراضی واقع موضع اولان پرگنہ سراوہ میں حصہ رسدی تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	کلوشاہ ولد کرم شاہ۔ موضع اولا[ن] قصبہ ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ
۳۳۰	وقف مسجد موضع انچولی ۱ ۵/۱۴ ۶	ایک قطعہ حویلی شرقرویہ جسکے اندر مسجد واقع موضع انچولی پرگنہ تحصیل و ضلع میرٹھ میں واقع ہے۔ ایک قطعہ حویلی واقع موضع انچولی پرگنہ تحصیل و ضلع میرٹھ	
۳۳۱	وقف مسجد پٹھان والی	۲۳/۱۸۰ حصہ از کھاتہ کھیوٹ 254 تعدادی ۸ بیگھہ ۳ بسوہ واقع قصبہ برناوہ تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ	حیدر خاں ولد دلاور خاں۔ موضع [illegible] تحصیل سردھنہ ضلع میر[ٹھ]
۳۳۲	وقف مسجد قصابان ۳۱ ۷/۴۴ ۶	۲ منزل مکانات وایکمنزل واقع قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ	عبدالرزاق۔ محلہ قصابان۔ قصبہ [illegible] ضلع میر[ٹھ]
۳۳۳	وقف برائے یتامیٰ و محتاجان وغیرہ	دوکان 2/1 2A ، 4E ، 4/1 معہ بالاخانہ 3A و 12 تا 26 ، مکان 20 عقب دوکانات معہ بالاخانہ 20A ، 23A ، 23B واقع محلہ رنگسازاں صدر میرٹھ و دوکانات 406B ، 406 ، 406D و گودام	

نمبر شمار	نام وقف مع تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی مع پتہ
		456A 486A عقب دوکانات وبالاخانہ واقع کباڑی بازار صدر میرٹھ	
۳۳۲ ۳۳۰ ۳۳۰	وقف مسجد شیخ رجب علی والی ۲۰ 1/17 ء	قصبہ سردھنہ کھیوٹ 17/ حصہ قصبہ موقوفہ محال خوشحال ۱۸ بسوہ ۱۰ بسوانسی 17/ 17 بروئے تبادلہ بشرح صدر کھیوٹ 18/ 18 بسوہ ۱۵ بسوانسی برائے تبادلہ " کھیوٹ 94/ ۱ بیگھہ ۹ بسوہ "	حاجی مسیت اللہ صاحب قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ
۳۳۰	وقف مسجد مشائخان	۴ قطعہ دوکانات پختہ وایک قطعہ مکان پختہ واقع اندرکوٹ محلہ مشائخان میرٹھ	منظور علی صاحب 275/ محلہ مشائخان میرٹھ صدر، محمد حنیف صاحب کمپاؤنڈر 289/503 مشائخان میرٹھ۔ سکریٹری بشیر احمد 52/ مشائخان میرٹھ ممبر
۳۳	وقف عزاداری وتعزیہ داری سید الشہدا حضرت امام حسینؑ ۱۰ 1/22 ء	دو قطعہ دوکانات وایک منزلہ مکان واقع محلہ مشائخان میرٹھ	
۳۳۰	وقف مسجد نور بافان ۲۰ 5/32 ء	ایک قطعہ مکان محلہ کوٹلہ میرٹھ	چودھری عبدالرحیم صاحب صدر۔ پیرجی نظام الدین صاحب سکریٹری۔ حاجی غلام حسین ممبر ساکنان محلہ کوٹلہ میرٹھ
۳۴۰	وقف مسجد مقبرہ والی ہبہ نامہ ۱۵ 3/1877 ء	حقیت آراضی ۱۰ بیگھہ بسوہ پختہ مندرجہ کھیوٹ واقع کھاتہ 251/ خسرہ موضع دوتائی پرگنہ گڈھ مکتیشر ضلع میرٹھ	حافظ بشیر احمد صاحب۔ موضع دوتائی۔ گڈھ مکتیشر ضلع میرٹھ
۳۴	وقف مسجد مدرسہ سادات ۵ 11/31 ء	۱ قطعہ مکان ۳ قطعہ دوکانات ایک کوٹھری ایک قطعہ آراضی افتادہ واقع قصبہ ہاپوڑ محلہ قانونگویان ضلع میرٹھ	حاجی نذیر احمد صاحب محلہ قانونگویان نزد پتھروالا کنواں قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۴۲	وقف مسجد اول اہل حدیث ۵ 11/31 ء	ایک منزل دوکان خام معہ ایک درخت پیپل مع آراضی زیر دوکان واقع موضع سسولہ بزرگ تحصیل پرگنہ ضلع میرٹھ	بشیر احمد وغیرہ۔ موضع سسولہ بزرگ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۳۴۳	وقف مسجد اہل حدیث ۲۰/۷/۲۹ ء	ایک منزل دوکان نمبری 419، 420 دو منزلہ پختہ معہ نشستگاہ واقع بکری محلہ لال کرتی بازار کیمپ میرٹھ	محمد حسین صاحب 78 بینک روڈ م
۳۴۴			دیکھئے نمبر 279
۳۴۵	وقف مسجد تیلیان	۵ بیگھ ۱۰ بسوہ اراضی خام واقع قصبہ کیکرہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	کریم اللہ وکریم بخش ساکنان قصبہ کیکرہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ
۳۴۶	وقف مسجد تیلی والی ۵/۹/۲۵ ء	ایک منزل مکان خام معہ کوٹھہ صحن و دوکرایہ واقع قصبہ کیکرہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	" " " "
۳۴۷	وقف مسجد نور با خان	مکان نمبر 55 واقع محلہ کوٹلہ و دوکان نمبر 174/1 واقع مذکور شہر میرٹھ	عبدالرحیم صاحب صدر گلی نور با خان کوٹلہ میرٹھ۔ پیرجی نظام الدین سکریٹری۔ حاجی غلام حسین
۳۴۸	وقف مسجد ٹانڈہ اندر کوٹ میرٹھ دیوبند ضلع سہارنپور ۱۱/۴/۱۲ ء	نام حقیت — نمبر کھیوٹ — رقبہ — حصہ موقوفہ حقیت موضع ٹڑا فر پرگنہ — نمبر ۱۰ — ۱ بیگھ ۱۱ بسوہ — حصہ رسد حصہ مذکرہ مندرجہ کھیوٹ منضبط بمجاز محال امیر خاں بیٹی رحم الٰہی خاں ضلع مظفر نگر موضع ٹانڈہ پرگنہ چھپرولی — نمبر ۱ — ۵۳ بیگھ ۴ بسوہ ۱۳ بسوانسی — نصفی بیٹی دسوندھن معروف ناگر ضلع میرٹھ نمبر ۳ — ۲۲ بیگھ ۴ بسوہ ۱۳ بسوانسی — حسب رسد مندرجہ کھیوٹ نمبر ۲ — ۵ بیگھ ۸ بسوہ — " کھادر خال احمد علی خاں — نمبر ۲ — ۱۳ بسوہ — " نمبر ۳ — ۱۸ بیگھ ۸ بسوانسی — " نمبر ۲ — ۱۷ بیگھ — " نصفی از ایک کوٹھہ جنوب رویہ، نصفی از یک کوٹھہ شمال رویہ اندرون سہ دری شرق رویہ اندر حویلی احاطہ شمال رویہ پختہ وغیرہ سہ درو مبت یک منزل نشستگاہ مہندیہ غرب رویہ	مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
		نصفی از سہ ربع منجملہ ۴ ربع یک منزل مکان غیر بردیہ پختہ وخام وغیرہ نصفی از سہ ربع منجملہ چار ربع ایک منزل احاطہ فرقہ تعمیرہ بعمارت پختہ وخام مسکونہ رحیم اللہ وغیرہ نصفی از سہ ربع منجملہ چار ربع از یک منزل حویلی فرقہ تعمیرہ خام معہ چوب کڑی وغیرہ واقع موضع ٹانڈہ پرگنہ جہر ولی ضلع میرٹھ	
۳۴۹			
۳۵۰	وقف برائے امور خیر ۱۵ $\frac{12}{24}$ ء	حقیت باغ کھاتہ کھیوٹ ۶ تعدادی ۲ بیگھہ ۱۱ بسوہ پختہ واقع موضع چیری پرگنہ وتحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	
۳۵۱	وقف مسجد گڑھ دروازہ ۱۴ $\frac{8}{34}$ ء	ایک قطعہ مکان پختہ محلہ گڑھ دروازہ۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ	بندو تیلی پسر سیتا تیلی۔ گڑھ دروازہ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۵۲	وقف مسجد معروف بخشی والی	باغ اسنہ $\frac{1416}{19 \text{ بسوہ پختہ}}$ و $\frac{1417}{11 \text{ بسوہ پختہ}}$ کی متعلقہ آراضی کے ۵ بسوہ آراضی پختہ معہ درختان واقع موضع انچولی پرگنہ وتحصیل ضلع میرٹھ وقف ہے۔	
۳۵۳	وقف درگاہ حضرت مخدوم شاہ علاؤالدین چشتی صاحب	حقیت آراضی رقبئی ۹۴ بیگھہ ۷ بسوہ مشتملہ ۲۰ قطعہ نمبران خسرہ واقع موضع گھوڑی محال مدعا علیہم پرگنہ سردھنہ ضلع میرٹھ مندرجہ کھیوٹ 43	
۳۵۴	وقف مدرسہ اسلامیہ	حقیت آراضی تعدادی ۵ بسوہ پختہ واقع موضع سوندت پرگنہ کٹھور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ (برائے تعمیر مدرسہ اسلامیہ تعمیر تقریباً مکمل ہو چکی ہے)	مولوی غلام احمد صاحب۔ موضع ویٹ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۵۵	وقف قبرستان و مزار سید بنگا شاہ	879 منجملہ 627 ۳ بیگھہ ۱۶ بسوہ 880 منجملہ $\frac{631}{\text{۱ بیگھہ ۸ بسوہ}}$ ، $\frac{632}{\text{۱۰ بسوہ}}$ ، $\frac{633}{\text{۱۷ بسوہ}}$ $\frac{630}{\text{۱ بیگھہ ۱۴ بسوہ}}$ ، 881 منجملہ $\frac{672}{\text{۳ بیگھہ ۱۹ بسوہ}}$ ، $\frac{634}{\text{۱ بیگھہ ۱۳ بسوہ}}$ واقع موضع کیلر پرگنہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ نوٹ: جائیداد موقوفہ واسطے تعمیر مسجد چاہ و مدد معاش فقرا کے لئے ہے	نور محمد ولد کلن شاہ۔ محلہ قصابان۔ غازی آباد ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۳۵	وقف مسجد کلاں	ایک قطعہ دوکان متصل مسجد و بالاخانہ جو دوکان درمسجد دروازہ پر ہے۔ ایک چاہ پختہ وآراضی افتادہ ایک قطعہ دوکان واقع محلہ دائم باڑہ میرٹھ	حاجی عبدالحمید صاحب صدر و دیگر اممبران کمیٹی انتظامیہ۔ محلہ صابن گراں میرٹھ
۳۵۰	وقف مسجد حشمت والی	ایک قطعہ کوٹھری متعلقہ مسجد واقع محلہ کوٹلہ میرٹھ	چودھری شہزاد۔ محلہ کوٹلہ۔ میرٹھ
۳۵۱	وقف مسجد نجف خاں ۱۰/۳/۳۴ء	مکان نمبر ۹۵ و ۷۵/۸ واقع رجبن بازار جیلی گنج میرٹھ	بابو خاں رجبن بازار میرٹھ
۳۵۹	وقف مسجد محلہ چاہ معماران ۷/۲/۳۹ء	تین منزل مکانات سالم نمبری 81 تا 83 واقع محلہ چاہ معماران میرٹھ	فہیم الدین صاحب۔ محلہ صابن گراں میرٹھ
۳۶۰			
۳۶۱	وقف مسجد میواتیان ۱/۲/۳۹ء	ایک قطعہ مکان نمبر ۱۷۱ واقع رجبن بازار جیلی گنج میرٹھ	بابو خاں محلہ جیلی گنج کیمپ میرٹھ
۳۶۲	وقف برائے امور خیر	حقیت آراضی واقع مواضعات نان۔ اہیچپہ و قصبہ ہاپوڑ پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	مرغوب احمد صاحب۔ محلہ قانونگویان قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۶۳	وقف برائے امور خیر ۲۴/۳/۱۸۹۹ء	حقیت آراضی ۵ سہوانسی ۱۱ طنوانسی حقیت تعدادی ۷ بیگھہ ۸ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۲ و موازی ۵ سہوانسی ۱۱ طنوانسی حقیت تعدادی ۷ بیگھہ ۱۰ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۹ و موازی ۷ بیگھہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۳ حقیت واقعہ کھاتہ ۲۶ بیگھہ ۱۸ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۲۱ شاملات ہی ۵ بسوہ کھاتہ ۳۶ بیگھہ ۱۷ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۳۰ معہ باغات درختان واقعہ آراضی متعلقہ حقیت، واقع موضع گوندی پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ حقیت آراضی ۱۰۰ بیگھہ ۹ بسوہ پختہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۵ و منجملہ موازی ۲۰ بیگھہ ۸ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۲۳ واقع موضع اموڑی پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ حقیت آراضی ۲ بیگھہ ۸ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۳۳ و موازی ۱۵ بیگھہ ۱۷ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۲۶ و موازی ۱۵ بیگھہ ۳ بسوہ معافی دوام کھیوٹ نمبر ۲۹ واقع قصبہ ہاپوڑ	چودھری وحید اللہ خاں صاحب محلہ کھنڈہ پٹی۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
		ضلع میرٹھ و ۸ قطعہ مکانات واقع قصبہ ہاپوڑ و شہر میرٹھ	
۳۶۴	وقف مسجد گنگڑھی	حقیت آراضی ۳ بیگھہ ۱۷ بسوہ ۳ بسوانسی از کھاتہ کھیوٹ نمبر ۲۹ تعدادی ۱۵ بیگھہ ۲ بسوہ ۱۴ بسوانسی واقع موضع نوروزپور آئمہ پرگنہ و تحصیل باغپت ضلع میرٹھ	نورالدین احمد صاحب موضع رسول باغپت ضلع میرٹھ
۳۶۵	وقف مسجد چھیتہ والی	۳ قطعہ دوکانات پختہ واقع بازار مغلپورہ قصبہ باغپت ضلع میرٹھ	سید معشوق علی محلہ مغلپورہ قصبہ باغپت ضلع میرٹھ
۳۶۶	وقف مسجد چھپتہ والی	ایک منزل مکان خام واقع قصبہ باغپت ضلع میرٹھ	" " "
۳۶۷	وقف مسجد تار والی	ایک منزلہ دوکان واقع اسٹیشن غازی آباد " "	اکبر علی ساکن انچولی قصبہ غازی آباد ضلع میرٹھ
۳۶۸	وقف مسجد موضع حیدرنگر	حقیت آراضی تعدادی ۸۵ بیگھہ ۵ بسوہ مندرجہ کھیوٹ نمبر ۵ حصہ موقوفہ ۴۲ بیگھہ ۲ بسوہ واقع موضع امین پور نگور پرگنہ سراوا۔ تحصیل ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ	احمد حسین خاں صاحب موضع حیدرنگر۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۶۹	وقف مسجد گلی والی ۱۱/۱۲/۱۱ ء	۱۶ بیگھہ پختہ آراضی واقع موضع رضاپور پرگنہ ڈاسنہ کھیوٹ نمبر ۵ سابق کھیوٹ نمبر ۲ مال محال کلاں تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ	ارشاد علی صاحب قصبہ ڈاسنہ تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ
۳۷۰	وقف مسجد معروف بڑ والی ۱۹/۱۲/۲۰ ء	کھیوٹ نمبر تعدادی رقبہ حصہ موقوفہ 246 ۳ بیگھہ ۱۷ بسوہ ½ حصہ منجملہ کل کھاتہ بقدر ۱ بیگھہ ۱۸ بسوہ ۱۰ بسوانسی واقع موضع اولدھن پرگنہ سردھنہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	محمد حسین ولد ولایت علی ساکن اولدھن تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۷۱	وقف برائے حضرت امام حسینؑ و جملہ شہدائے کربلا ۲۶/۱۱/۱۱ ء	موازی ۱۷ بسوہ ۱۰ بسوانسی آراضی نمبری خسرہ 1042 واقعہ کھیوٹ نمبر 84 واقع موضع بیندے پرگنہ و تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	اقتراب علی خاں۔ قصبہ ڈاسنہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۷۲	وقف مسجد نور ا فغان ۲۱/۲۹ ء	نمبر کھیوٹ 16 رقبہ 5/26 حصہ منجملہ ۱ بیگھہ ۵ بسوہ از کھاتہ ۳۳ بیگھہ ۱۱ بسوہ ۳ بسوانسی پختہ آراضی محال مدعا علیہم قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔ آراضی مذکور	

شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
		میں نجاران کے قبرستان ہیں۔ ۲ اراضی قبرستان نورباخان قصبہ ہاپوڑ قبرستان ۲۳۹ خسرہ مال رقبہ ۱۶ بسوہ و ۴۶۵ رقبہ ۱۱ بسوہ خالی ۱۷ قطعہ مکانات ۲ قطعہ دوکانات نیز ایک مکان میں کارخانہ قائم ہے واقع محلہ گنج قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ ایک قطعہ باغ واقع موضع چپری مندرجہ کھیوٹ ۱۹۶	حاجی عبدالمجید صاحب صدر۔ عبدالرشید صاحب سکریٹری ودیگر ۷ ممبران کمیٹی انتظامیہ ساکنان محلہ نورباخان میرٹھ قصبہ ہاپوڑ
۳۷۲	وقف مدرسہ اسلامیہ ۱۰ ۶/۱۸۹۹ء	نام موضع — نمبر کھیوٹ — رقبہ کھیوٹ — رقبہ موقوفہ قصبہ ہاپوڑ — ۱۱۳ — ۱۸۰ بیگہ ۷ بسوہ — کل کھیوٹ باغ بیری موضع اسحاق نگر پرگنہ جلال آباد تحصیل غازی آباد — ۴ — ۳ بسوہ ۷ بسوانسی رقبہ ۱۶۵ بیگہ ۱۰ بسوہ — کل کھیوٹ موضع حیدر نگر مزرعہ امین پور تنگو پرگنہ سرادہ موضع مکھوڑہ — ۴۴ — ۵۸ بیگہ — ״ پرگنہ جلال آباد تحصیل غازی آباد — ۲ — ۳۹ بیگہ ۱۰ بسوہ ایک منزل مکان پختہ غربرویہ دو منزلہ۔ ایک مکان خام جنوب رویہ معروف طویلہ، ایک قطعہ آراضی افتادہ واقع محلہ قانونگویان قصبہ ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ نصفی حصہ بجانب پورب متصل احاطہ جنوب رویہ واقع محلہ نوآبادی معروف جنگلہ روشن پورہ قصبہ ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ	احمد حسین خانصاحب۔ موضع حیدر نگر قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ
۳۷	وقف چھوٹی مسجد ۸ ۱/۴۸ء	۱۶ بسوہ پختہ آراضی از کھاتہ کھیوٹ ۲۶ تعدادی ۱ بیگھ ۱۰ بسوہ پختہ واقع محال حاکم علی موضع سسولہ بزرگ ۱۶ بسوہ پختہ آراضی از کھاتہ کھیوٹ ۱۷ تعدادی ۳ بیگھ ۱۱ بسوہ پختہ واقع محال مدعا علیہم موضع سسولہ بزرگ پرگنہ و تحصیل و ضلع میرٹھ۔ ا بسوہ ۳ بسوانسی از کھاتہ کھیوٹ ۹۱ تعدادی ۱۰ بیگھ پختہ آراضی واقع محال مدعا علیہم موضع سسولہ بزرگ پرگنہ و تحصیل و ضلع میرٹھ	جہانگیر خاں موضع سسولہ بزرگ ڈاکخانہ جان ضلع میرٹھ

نمبر شمار	نام وقف معہ تاریخ وقف	تفصیل جائیداد موقوفہ	نام متولی معہ پتہ
۳۷۵ ۳۷۶	وقف برائے امور خیر وقف مسجد متصل گھنٹہ گھر ۱۹ ۸/۳ء	ایک قطعہ مکان تعمیر پختہ دایک کوٹھہ وسہ دری ۲ قطعہ دوکانات پختہ یک منزلہ یک کٹھی منبری 220 $\frac{220}{1}$ ، $\frac{220}{2}$ ، $\frac{220}{3}$ ، $\frac{220}{4}$ ، $\frac{206}{2}$ ، $\frac{206}{3}$ ملحقہ عبدعشاقہ واقعہ خیر نگر دروازہ متصل گھنٹہ گھر شہر میرٹھ	بندو ولد حافظ عبداللہ قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ حاجی محمد شفیع متصل گھنٹہ گھر خیر نگر گیٹ میرٹھ
۳۷۷	وقف مدرسہ اسلامیہ عربیہ ۲۷ ۴/۴۸ء	آراضی منبری موازی 5 بسوہ پختہ بجانب جنوب از 699 رقبی 15 بسوہ پختہ مندرجہ خسرہ صحرائی از کھاتہ 116 بیگھہ 12 بسوہ پختہ کھیوٹ 102 واقع موضع ستونڈرٹ پرگنہ کٹھور تحصیل موانہ ضلع میرٹھ	مولوی غلام احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ موضع ستونڈرت تحصیل موانہ ضلع میرٹھ
۳۷۸	وقف مسجد شیخ رجب علی والی ۱۸ ۱۱/۱۲ء	ایک منزل مکان پختہ دخام غربرویہ مشتمل بریک دہباری و دو کوٹھے واقع رقبہ آبادی قصبہ سردھنہ پٹی افغانان محلہ بیرون سرائے افغانان ضلع میرٹھ	
۳۷۹	وقف مسجد کاغذی بازار ۱۸ ۱۱/۲۰ء	ایک منزل مکان شرقرویہ 88 واقع محلہ کاغذی بازار شہر میرٹھ	محمد غفران خانصاحب محلہ کاغذی بازار میرٹھ
۳۸۰	وقف مسجد محلہ چھاؤنی ۱۱ ۱۱/۳۰ء	مکان 112 واقع محلہ توپچی واڑہ ومکان 554 واقع محلہ سرائے سلیم میرٹھ	مساۃ شریفاً زوجہ جہانگیر خاں محلہ توپچی دروازہ میرٹھ
۳۸۱	وقف چھوٹی مسجد وصیت نامہ ۲۲ ۱/۲۲ء	ایک منزل مکان پختہ دخام واقع منڈی باغپت محلہ گنج پرگنہ باغپت ضلع میرٹھ	امیر اللہ صاحب محلہ مغلپورہ قصبہ باغپت ضلع میرٹھ
۳۸۲	وقف درگاہ مخدوم بدرالدین صاحب ولایت ۱۶ ۵/۱۵ء	موازی ۶ بیگھہ 2 بسوہ 9 بسوانسی آراضی منجملہ کھاتہ تعدادی ۱۰۷ بیگھہ 18 بسوہ کھیوٹ 1 واقع موضع سرسل درکاوده پرگنہ برناوہ محال آفتاب علی تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ	سید وجیہ الحسن صاحب 162 کرم علی میرٹھ
۳۸۳	وقف جامع مسجد ۱۳ ۲/۴۳ء	ایک منزل گھر جس میں اب دو کوٹھے ہندرمہ دایک درباری ہے واقع آبادی موضع مرٹیڈہ پرگنہ برناوہ تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ۔	

(باقی دارد)